؏ شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن

۲۰ محرم ۱۴۰۵ھ ماہ شہادت بمطابق ۲۶ اکتوبر ۱۹۸۴ء یوم جمعۃ المبارک

شہادت شہداءِ ختم نبوت ساہیوال ہے

الحاج حافظ قاری بشیر احمد شہیدؒ استاذ جامعہ رشیدیہ، مرحوم اظہر رفیق متعلم کالج ساہیوال
کلمہ توحید کے تقدس، احترام ختم نبوت، مقام رسالت پر جانیں نثار کرتے ہوئے تحفظ ختم نبوت کا یوں حق ادا کر

؎ جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ان شہداء ختم نبوت کے مجرمین، مبینہ قاتلین، مرتدین کے مقدمہ کا فیصلہ دُنیاوی عدالتوں سے بھی ہو
لیکن مقدماتِ ختم نبوت کے اصل فیصلے دربارِ خدا و تاجدارِ المصطفیٰ ﷺ کے سامنے ہونگے!

انشاء اللہ

دنیا میں بھی مرزائی مرتدین کیفرِ کردار کو پہنچیں گے اور قیامت کے دن شہداءِ ختم نبوت
قاری بشیر احمد شہیدؒ و اظہر رفیقؒ خاتم النبیین ﷺ سے یوں گویا ہوں گے:

؎ بجرم عشق توام میکشند غوغائیست
تو نیز برسر بام آکہ خوش تماشائیست

۲۶ اکتوبر ۱۹۸۵ء کو شہداء ختم نبوت کانفرنس قصبہ برسرِ زمین کے انعقاد کیلئے
مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے پروگرام معلوم فرما کر انتظار فرمائیے!

عبد اللطیف خالد چیمہ بی۔ اے

مؤتمر ابنائے دار العلوم واخوان دیوبند پاکستان کا ترجمان

بیاد: تحریک ریشمی رومال کے گمنام فقیر حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ رحمہ اللہ رائپوری

ماہنامہ، جریدہ

اَلرَّشِید لاہور

عدد: ۱
محرم الحرام ۱۴۰۶ھ

جلد ۴
اکتوبر ۱۹۸۵ء

عملہ الرشید

عنوانات و معنون

خطاط
حزب اللہ خالد
ابن قاری لطف اللہ شہید سیالکوٹ

مقام اشاعت
○ ۲۲ سرائے شاہ عالم مارکیٹ لاہور
○ دفتر جامعہ رشیدیہ ساہیوال

اشتہار
منہاج الدین اسلامی
شرکت پرنٹنگ پریس لاہور

بدل اشتراک: فی شمارہ تین روپے
غیر ممالک سے یکصد روپے مع محصول ڈاک
الرشید تبلیغی مجلہ ہے تجارتی نہیں
سالانہ خریداری ۳۰/-

ڈیکلیئریشن نمبر ۲۳۵۶ • کرنٹ اکاؤنٹ نمبر ۲۹۴ حبیب بینک لمیٹڈ غلہ منڈی ساہیوال

ادارہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

وفاق المدارس العربیہ پاکستان جماعتی یونیورسٹی کی صورت تعلیمات میں مصروف و مشغول ہے۔ بحکومتِ پاکستان خصوصاً صدرِ محترم نے وفاقی اسناد کو ایم۔ اے کے مساوی تسلیم و منظور کرتے ہوئے علماء کو ملک بھر کے تعلیمی اداروں، کالجوں، اسکولوں میں خدمت کے مواقع فراہم کر کے مستحسن اقدام کیا ہے۔

مولانا مطیع اللہ رشیدی (خلفِ الرشید حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ) نے اپنے جملہ مکاتیبِ فکر کے دار العلوم، جامعات و مدارس وفاق کی تنظیم میں منسلک ہو کر تعلیمات کے مسائل کو حل کرنے کے لئے وحدۃ، تعلیم و تعلّم کی اپیل کی۔ اور وحدت امتحانات و نتائج' وفاقِ مدارس اور مسلکی ارتقا پر زور دیا۔ اور دار العلوم دیوبند کے طرز و طریق پر اعتدال کیساتھ جدوجہد کا سبق یاد دلایا جس سے ایسے نمونے کے اصحابِ علم و فضل پیدا ہوئے تھے جو اپنی ذات میں مستقل انجمن اور پورا ادارہ تھے۔

ہر فرد تعالمت کے مقدر کا ستارہ! وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون۔

"الرشید"

الرشید خالص تبلیغی و مذہبی رسالہ ہے، تجارتی قطعاً ندارد' نہ اشتہارات و اخبارات کا شعبہ ہے! جامعہ رشیدیہ کا تبلیغی شعبۂ نشر و اشاعت اس کے مصارف پورے کر رہا ہے اور تعلیمی و تبلیغی حلقوں میں اور اہلِ علم و فکر کے حلقوں اور لائبریریوں' دار المطالعات مدارس میں فی سبیل التبلیغ جاتا ہے۔ اہلِ علم و اہلِ قلم سے قلمی تعاون اور سرپرستی کی اپیل ہے ——— حساس اور تبلیغی حضرات سے سالانہ اعانت و نصرت کم از کم یکصد کی التماس ہے نیز معاونین ادارہ کی خدمت میں بطور مطالعہ بھیجا جا رہا ہے۔ کاغذ و طباعت کی گرانی کے پیش نظر سالانہ چندہ -/۳۰ روپے تجویز کیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ ناظرین کرام توجہ سامی فرمائیں گے اور سرپرستی جاری رکھیں گے!

سرپرستان و مربیان جامعہ رشیدیہ

اُستاذ نا الشیخ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ رائپوری و حضرت الشیخ الجامعہ مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ رائپوری کی وفات حسرت آیات کے بعد نظامت انتظامیہ ادارہ نے حضرات رائپوری کے معتمد خاص حضرت مولانا الحاج حکیم علی محمد صاحب تونسوی مقیم کمالیہ کو سرپرست اور حضرت مولانا الحاج علی محمد صاحب بہت پہلے فاضل دیوبند

ستیم ہر شہر کو مُربی و متولی ادارہ انتخاب تجویز کیا ہے۔ اللہ کریم و رحیم ان حضرات کا ظل ولایت قائم و دائم رکھے!

؎ شکر اللہ کہ ستیم میانِ دو ولی!

شہداءِ ختمِ نبوت (رشیدیہ) کا مقدمہ

جامعہ رشیدیہ نے ۱۹۵۲ء سے تحفظِ ختمِ نبوت کے لئے جو خدمات و قربانیاں دیں وہ مدارسِ عربیہ کی تحریک میں ایک بے مثال تاریخی کارنامہ ہے اور جامعہ رشیدیہ اس میں سرفہرست ہے۔ جامعہ نے اپنی عمارات ضبط کراتے ہوئے اسارتِ زنداں کو ترجیح دی!

حضرت قاری لطف اللہؒ کی شہادت سے قاری بشیر احمد حبیبؒ و اظہر رفیقؒ کی شہادات تک تاریخی مقدمات میں مبتلا ہیں۔ تاہم ہمارے شہداء کی شہادت کو سال بھر ہونے کو آیا۔ مقدمات ہارخل لاء میں زیر سماعت رہے۔ اور اب جناب وزیر اعظم پاکستان، ملٹری سیکرٹری، مرکزی ہوم ڈیپارٹمنٹ کی اطلاعات بنام مدیر الجامعہ کے مطابق اُمید ہے کہ بارہویں ماہِ شہادت میں فیصلے سنائے جائیں گے۔ خدا کرے کہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں۔ لیکن تاحال دو قاتلین مرتدین مبینہ طور پر ملک سے مفرور ہیں۔ انکی گرفتاری نہیں کی جا رہی اور نہ ان کے خلاف کوئی اقدام ہوا ہے۔ اس لئے تشویش ہے۔

جامعہ نے مقدماتِ شہداء کے سلسلہ میں جو شاندار مجاہدانہ کردار ادا کیا ہے وہ مدارسِ عربیہ کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ جامعہ نے ہر قسم کی تعمیراتی، مالیاتی اور جانی قربانیاں پیش کر کے "تحریکِ علومی دار العلوم" کا حق ادا کرنے کی مساعی جاری رکھی ہوئی ہیں۔ انشاء اللہ تن، من، دھن کی قربانیاں دی جاتی رہیں گی! تقبل اللہ منا جہاداً کبیراً و سعیاً صغیراً و جعلنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر، وفقنا اللہ لما یحب و یرضیٰ۔ اللّٰھم ارزقنا شہادۃ فی سبیل الجہاد (آمین)

ماہِ شہادت

یکم محرم الحرام شہادتِ فاروقیؓ — عاشورہ محرم، شہاداتِ شہدائے کربلا

(۲) اکتوبر ۱۹۸۴ء — شہادت شہید فی سبیل اللہ قاری لطف اللہ رحمہ اللہ

(۲۶) اکتوبر ۱۹۸۴ء — شہاداتِ شہداءِ ختمِ نبوۃ ساہیوال — قاری بشیر احمد حبیبؒ — و اظہر رفیقؒ — [illegible]

(۲۰) اکتوبر [illegible] وصال حضرت رائپوری رحمہ اللہ (۱۳) اکتوبر [illegible] وفات رشید احمد رشیدی

([illegible]) اکتوبر [illegible] وفات عم محترم فاضل رشیدی [illegible] اکتوبر [illegible] (ادارہ رشید)

مقدمۂ انقلاب

از : مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

حضرت مولانا منظور احمد صاحب نعمانی مدظلہ' مدیر الفرقان
رکن رکین دار العلوم دیوبند تبلیغی جماعت سے متعلق
اور جملہ طبقات میں معتمد علیہ' کہ آپ اعتدال پسندانہ
نظریات اور صحیح اسلامی خیالات کے حامل حامی'
آپ کی شہرۂ آفاق انقلاب ایران پر علامہ ندوی کا
مقالہ ملاحظہ فرمائیے!

الحمد للّٰہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

اسلام کا اولین اور مثالی عہد کیسا تھا! خدا کے سب سے بڑے اور آخری پیغمبر کی تعلیم و تربیت کے عملی نتائج کیا نکلے اور ان انسانوں کی سیرت و کردار کا کیا حال تھا جنہوں نے آغوشِ نبوت اور دامنِ رسالت میں تربیت پائی تھی؟ قومی نسلی اور خاندانی سلطنتوں کے بانیوں اور حصولِ اقتدار کے خواہشمندوں سے انکو کچھ امتیاز حاصل تھا یا نہیں؟ اس کا اپنے خاندان کے معاملہ میں طرزِ عمل اور خود اس خاندان کا اس کی مقدس اور عظیم شخصیت سے فائدہ اٹھانے کے بارے میں رویہ کیا تھا؟ دین کی دعوت' صداقت و حقیقت کے اعلان اور عزیمت پر عمل کرنے کے بارے میں اہلِ بیت کی سیرت و کردار میں کیا نظر آتا ہے؟ اور پھر ان اولین مسلمانوں اور نبی کے تربیت یافتہ گروہ کے (جن میں اس کے صحبت یافتہ لوگ بھی تھے جن کو "صحابہ" کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے اور اس کے گھر کے افراد بھی تھے جن کو "اہلِ بیت" کے لقب سے پکارا جاتا ہے) باہمی تعلقات کی نوعیت کیا تھی؟ اس مثالی عہد کی جن لوگوں کے ہاتھوں میں زمامِ کار و اقتدار آئی (جن کو خلفائے راشدین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) عیش و راحت اور مرفہ الحالی کے وسیع امکانات اور غیر محدود اختیارات کی موجودگی میں ان کا شخصی و خانگی زندگی میں طرزِ عمل اور اپنے وسیع حدود حکومت میں مخلوقِ خدا کے ساتھ معاملہ معتبر تاریخ کی روشنی میں کیا ثابت ہوتا ہے؟ جس آسمانی صحیفہ پر اس پورے دین کی اساس ہے اس کی صحت و حفاظت کی حقیقت کیا ہے؟

ان سوالات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ ان سے دو متقابل و متضاد تصویریں بنتی ہیں۔ ایک تصویر وہ ہے جو اہلِ سنت کے عقائد کی روشنی میں دنیا کے سامنے آتی ہے۔ دوسری وہ جو فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کے عقائد اور ان کی دین کی تشریح اور تاریخ اسلام کی تعبیر کے خاص تصور سے تیار ہوتی ہے۔ ان دونوں تصویروں میں کوئی مماثلت و اتفاق نہیں ہے۔

اب ہر وہ شخص جس کو اللہ نے عقلِ سلیم' انصاف کا مادہ اور انسانی تاریخ سے واقفیت کا موقع عطا کیا ہے

آسانی سے فیصلہ کرسکتا ہے کہ ان میں سے کونسی تصویر ایک ایسے دین کے لئے موزوں و قابلِ قبول ہوسکتی ہے جو ساری دنیا کے لئے رحمت و ہدایت بناکر بھیجا گیا ہے اور جو اس بات کا مدعی ہے کہ اس دین پر ہر زمانہ میں عمل ہوسکتا ہے اور اس سے بہتر نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔ اور جس کا عقیدہ و اعلان ہے کہ اس دین کے دنیا میں لانے والے پیغمبر کو اپنی کوششوں میں سب سے زیادہ کامیابی ہوئی اور اس کا عہد اس دین اور دعوت کی تاریخ میں ہر عہد سے زیادہ باسعادت و بابرکت تھا اور عقل و نقل کے لحاظ سے ایسا ہی ہونا چاہیئے)، اس سے بہتر اس انسانیت کے لئے کونسی تصویر قابلِ فخر و مفید ہوسکتی ہے جس کی تاریخ زیادہ تر نامے ورش" ہوس گوش" ذاتی اور قومی اغراض کے لئے جنگ و جدال حصول اقتدار کے لئے جد و جہد اور پھر اقتدار سے فائدہ اٹھانے اور اپنے وابستگان کو فائدہ پہنچانے کی تاریخ ہے۔ اسلام کے [illegible] دور اوّل میں افراد ہی نہیں ایک پورا انسانی معاشرہ تمدن، نظام حکومت اور طرز زندگی، اصلی اقتدار، بے لچک اصول، ہدایتِ عام اور فلاحِ انسانی کی بنیاد پر قائم ہوا اور وہ خلیفۂ راشد سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے اس قول کی تصدیق و تصویر تھی جو انہوں نے ایک موقعہ پر فرمایا تھا۔

ان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم انما بعث ھادیاً ولم یبعث جابیاً [1]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بناکر بھیجے گئے تھے، جابی (تحصیلدار اور محصل خراج) بناکر نہیں بھیجے گئے تھے۔"

اس کے برخلاف فرقۂ امامیہ کے عقائد اور بیانات کی روشنی میں مسلمانوں کی جو تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے اسکے پیش نظر ایک ذہین تعلیمیافتہ شخص یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہے کہ جب اسلامی دعوت اپنے سب سے بڑے داعی کے ہاتھوں اپنے دور عروج میں کوئی دیرپا اور گہرا نقش مرتب نہ کرسکی اور جب اس دعوت پر ایمان لانے والے اپنے نبی کی آنکھ بند ہوتے ہی اسلام کے وفادار اور امین نہ رہ سکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس صراط مستقیم پر اپنے متبعین کو چھوڑا تھا اس میں سے گنتی کے چار آدمی اس پر قائم رہے۔ تو ہم یہ کیسے تسلیم کرلیں کہ اس دعوت کے اندر نفوسِ انسانی کے تزکیہ اور تہذیب اخلاق کی صلاحیت ہے وہ انسان کو حیوانیت کی پستی سے اعلیٰ انسانیت کی بلند چوٹی تک پہنچا سکتی ہے۔

فرض کیجئے اسلام کا ایک نمائندہ مغربی ممالک کے کسی مرکزی مقام پر یا کسی غیرمسلم ملک میں اسلام کی صداقت پر پُرجوش تقریر کر رہا ہے ایک شخص جس نے مذہب اثنا عشری کی کتابیں پڑھی ہیں اس کو یہ کہہ کر ٹوک دیتا ہے کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لیجئے اور اپنی خبر لیجئے، آپ کے نبی کی ۲۳ سالہ محنت شاقہ کا نتیجہ صرف چار یا پانچ آدمی تھے جو آپ کی وفات کے بعد آپ کے راستہ پر گامزن رہے۔ آپ کس منہ سے غیرمسلموں کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔

[1] کتاب الخراج ابو یوسف [illegible]

اور ان کے ثبات و استقامت کی کیا ضمانت ہے؟ ——— کیا اس کا جواب ممکن ہے؟

پچھلے برسوں میں جب آیت اللہ روح اللہ خمینی صاحب نے اسلامی انقلاب کی دعوت دی اور "پہلوی" سلطنت کا تختہ الٹ کر بقول خود حکومت اسلامیہ[1] قائم کی اور ایک نئے دور کا آغاز کیا تو اس کی پوری توقع تھی کہ (اور اس کے پورے آثار و قرائن موجود تھے) اپنی دعوت کو عام کرنے اور اسکو مقبول بنانے کے لئے وہ شیعہ سُنی اختلاف کی قدیم و مسلسل تاریخ کا یہ نزاعی ورق نہ کھولیں گے اور اگر اسکو کتاب سے جُدا نہیں کر سکتے تو کم از کم اسکو الٹیں گے نہیں، اور اگر فرقہ امامیہ کے ان عقائد سے کسی سیاسی یا مقامی مصلحت سے برأت کا اعلان نہیں کر سکتے تو کم سے کم ان کا اظہار و اعلان نہ کریں گے بلکہ ان جیسے جری سربکف دینی پیشوا سے (جس نے اپنی بے خوفی، عواقب و نتائج سے بے پرواہی اور آتش بیانی سے اس سلطنتِ پہلوی کا تختہ الٹ دیا جس کی فوجی طاقت اور اپنی بقاء و استحکام کے لئے وسیع انتظامات دُنیا کو معلوم ہیں، اُمید تھی کہ وہ اخلاقی جرأت اور اتحاد مسلمین کی خاطر اور اپنے گہرے فکر و مطالعہ کی بنیاد پر یہ اعلان کر دے گا کہ یہ عقائد جو اسلام کی بنیاد پر تیشہ چلاتے ہیں اور اسکو دنیا میں بدنام اور بے اعتبار کرتے ہیں اور جو غیر مسلمین کو دعوت دینے کے راستہ میں سنگ گراں ہیں اور جو قرنِ اوّل اور صحابہ کے عہد کی ایک دشمنِ اسلام چالاک سازش کے نتیجہ میں اور صدیوں کی قائم شدہ ایرانی شہنشاہی کے زوال کے انتقام کے جذبہ سے بروئے کار آئے تھے۔ اب ان کی نہ ضرورت ہے نہ گنجائش، ہم کو اب اسلام کا اقتدار قائم کرنے ممالک اسلامیہ کی اصلاح و مسلم معاشرہ سے فساد دور کرنے کے لئے اب ماضی کو بھول جانا چاہئے اور ایک نئے سفر کا آغاز کرنا چاہیئے جس میں اسلام کی ماضی و حال کی تابناک تصویر دنیا کے سامنے آئے اور دنیا کی دوسری قومیں اسلام کی طرف مائل ہوں۔

لیکن توقعات اور آثار و قرائن کے بالکل برخلاف ان کے قلم کی خود وہ تحریریں، رسائل اور کتابیں سامنے آئیں جن میں انہوں نے پوری صفائی اور طاقت کے ساتھ انہیں شیعی عقائد کا اظہار کیا ہے۔ ان کی کتاب "الحکومۃ الاسلامیۃ" (ولایۃ الفقیہ) میں امامت اور ائمہ کے بارے میں وہی خیالات ظاہر کئے گئے ہیں جو ان کو مقام الوہیت تک پہنچاتے ہیں اور ان کو انبیاء و رسل اور ملائکہ سے افضل ثابت کرتے ہیں اور یہ کہ کائنات تکوینی طور پر ان کے

---

[1] اس لئے کہ ان کا اصل یہ ہے کہ صحابہ کی جماعت میں جس کی تعداد صرف حجۃ الوداع میں ایک لاکھ سے زائد بتائی جاتی ہے اپنے پیغمبر کی آنکھ بند ہونے کے بعد صرف چار آدمی اسلام پر قائم رہے باقی سب نے معاذ اللہ ارتداد کا راستہ اختیار کیا، قرآن مجید سرتاپا محرف و تبدیل شدہ ہے ائمہ اہلبیت (از روئے تقیہ جو دینی فریضہ اور عزیمت تھی) حق کے چھپانے والے اصل قرآن کو پوشیدہ رکھنے والے ہر خطرہ و اندیشہ سے دور رہنے والے اپنے متبعین کو اسی تلقین کرنے والے تھے (ملاحظہ ہو فرقہ اثناعشریہ کی کتابیں، اصول کافی، فصل الخطاب) اور خود علامہ خمینی کی تصنیفات "الحکومۃ الاسلامیۃ" و کشف الاسرار یا زیر نظر کتاب "ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت" از مولانا منظور صاحب نعمانی

تابع فرمان اور زیر اقتدار ہے[1] اسی طرح ان کی فارسی کتاب "کشف الاسرار" میں صحابہ رسولؐ بالخصوص خلفاء ثلاثہؓ کے متعلق جرح و تنقید ہی نہیں، سب و شتم کے وہ الفاظ آئے ہیں جو کسی بڑی سے بڑی ضال و مضل، فاسق و فاجر، زائغ و مزیغ انتہائی بدکردار و سازشی جماعت کے لئے آسکتے ہیں[2] یہ دونوں چیزیں ان کی دعوت کے ساتھ چل رہی ہیں اور یہ کوئی خفیہ دستاویز یا پرائیویٹ خطوط کی شکل میں نہیں ہیں، مطبوعہ اور شائع شدہ رسائل کی شکل میں ہیں۔

خمینی صاحب کی یہ دونوں چیزیں (امامت اور ائمہ کے بارے میں خیال، اور صحابہؓ پر طعن و الزام) کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں تھی۔ اور ان کی یہ کتابیں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں ایران اور ایران سے باہر پھیل چکی ہیں۔ اس بناء پر اس بات کی پوری توقع تھی کہ عقیدہ و بنیاد کے اس اختلاف، امت کے بنیادی عقیدۂ توحید میں رخنہ اندازی مشارکت فی النبوت (جو امامت کی تعریف اور امامت کے اوصاف کا منطقی نتیجہ ہے) اور صحابہ کرامؓ کی شخصیتوں پر جو مسلمانوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ قابلِ احترام اور قابلِ محبت شخصیتیں ہیں اور جن کا دور تاریخ اسلام ہی میں نہیں بلکہ تاریخ انسانی میں (مستند تاریخ کی روشنی میں اور مسلم و غیر مسلم مؤرخین کی متفقہ شہادت کے مطابق) دنیا کا معیاری و مثالی دور حکومت اور نمونۂ زندگی تھا، طعن و تشنیع کے بعد کم سے کم اس حلقہ میں جو سُنّی العقیدہ ہے (اور وہی مسلمانوں میں اکثریت کی حیثیت رکھتا ہے)، ان کی دعوت مقبول نہیں ہوگی۔ اور ان کو اسلامی انقلاب کا علمبردار حکومتِ اسلامی کا مؤسس و بانی اور مثالی رہنما و قائد نہیں سمجھا جائے گا۔ لیکن یہ دیکھ کر صدمہ بھی ہوا اور حیرت بھی کہ بعض ایسے حلقوں میں جو فکرِ اسلامی کے علمبردار اور اسلام کے عروج و غلبہ کے داعی و متمنی ہیں ان کو ایک امام منتظر کی حیثیت دی گئی اور ان سے ایسی عقیدت و محبت کا اظہار کیا گیا جو اس عصبیت کی حد تک پہنچ گئی ہے جو تنقید کا ایک لفظ سُننے کی روادار نہیں[3]

اس تجربہ اور مشاہدہ سے دو باتوں کا اندازہ ہوا:

(۱) بہت سے حلقوں میں مدح و ذم اور تعریف و تنقید کا معیار کتاب و سُنّت، اسوۂ سلف اور عقائد اور مسلک کی صحت نہیں رہا بلکہ اسلام کے نام پر مطلق حکومت کا قیام، طاقت کا حصول کسی مغربی طاقت کو للکار دینا اس کے لئے مشکلات پیدا کر دینا اس کو محبوب و مثالی قائد بنا دینے کے لئے کافی ہے۔

(۲) عقیدہ کی اہمیت، ہماری نئی تعلیمیافتہ نسل میں خطرناک حد تک کم ہوتی جا رہی ہے اور یہ بڑی تشویش انگیز اور قابلِ فکر بات ہے، انبیاء اور غیر انبیاء کی دعوتوں میں اور ان کی جدوجہد کے مقاصد اور محرکات میں سب سے بڑی حدِ فاصل یہی عقیدہ ہے جس پر وہ کسی سمجھوتہ اور ادنے سے ادنے سودا کر لینے کے لئے تیار نہیں ہوتے بلکہ ان کے یہاں

---

[1] "الحکومۃ الاسلامیۃ" ص ۵۲   [2] "کشف الاسرار (فارسی) ص ۱۱۳، ۱۱۴

[3] اس کے دلائل اور مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو راقم سطور کی کتاب "مستدعیات" بعنوان "دنیائے اسلام کا موجودہ اور اس کی بنیادی [illegible]

ردّ و قبول پسندیدگی و ناپسندیدگی کا معیار اور وصل و فصل کی شرط یہی عقیدہ ہوتا ہے۔ یہ دین (جو مسلمانوں کی ساری کمزوریوں کے باوجود) اپنی اصلی شکل میں اسوقت تک موجود ہے اسی "عقیدہ کے معاملہ میں صلابت و استقامت اور حمیت و غیرت کا رہین منت ہے۔ دین کی شارحین و محافظین نے اس سلسلہ میں کسی باجبروت طاقت اور کسی وسیع سے وسیع تر بادشاہی کے سامنے سپر نہیں ڈالی اور اس کے کسی غلط عقیدہ اور دعوے پر سکوت جائز نہیں سمجھا چہ جائیکہ مسلمانوں کے دنیاوی منافع اور اختلاف و تفریق سے بچنے کی لالچ میں قبول کر لیتے یا ہمنوائی کرتے۔

امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) کا خلق قرآن کے عقیدہ میں نہ صرف مسلمانوں کے دو سب سے بڑے حکمرانوں بلکہ اس دور کے سب سے بڑے فرمانروا خلیفہ ماموں الرشید (فرزند خلیفہ ہارون الرشید) اور معتصم بن ہارون الرشید کے مقابلہ میں صف آرا ہوجانا اور تازیانوں اور زنداں کی تکلیف برداشت کرنا۔ حضرت مجدد الف ثانی رح کا شہنشاہ اکبر کے عقیدہ ہزارہ دوم دعوئ امامت و اجتہاد اور وحدت ادیان کی مخالفت کرنا پھر جہانگیر کے عہد تک اسکو اسوقت تک جاری رکھنا جب تک مغلیہ حکومت کا رخ بدل نہیں گیا[1] اس کی دو مثالیں ہیں ورنہ تاریخ اسلام اپنے اندر "کلمۃ حق عند سلطان جائر" اور "لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق"، کی بیسیوں تابناک مثالیں رکھتی ہے یہ سلطان جائر کبھی شخصی بادشاہ ہوتا ہے کبھی رائے عامہ کبھی شہرت عام، کبھی دلفریب کامیابیاں اور بلند بانگ دعاوی اور تاریخ و تجربہ شاہد ہے کہ آخر الذکر صورتیں زیادہ آزمائش کی چیزیں ہیں!

حقیقت میں اسلام کی حقیقی تعلیم اور صحیح عقیدہ وہ دریا ہے جو کبھی اپنا رُخ نہیں بدلتا اور کبھی پایاب نہیں ہو سکتا۔ سیاسی طاقتیں وقتی انقلاب، حکومتوں کا قیام و زوال اور دعوتیں اور تحریکیں موجیں ہیں جو آتی ہیں اور گذر جاتی ہیں دریا اگر صحیح رُخ پر بہہ رہا ہے اور آب جاری ہے تو کوئی خطرہ نہیں لیکن اگر عقیدہ میں فساد آگیا تو گویا دریا نے اپنا رخ بدل دیا اور اس میں آب صافی کے بجائے گدلا اور ناصاف پانی بہنے لگا۔ اس لئے فساد عقیدہ اور زیغ و ضلال کے ساتھ کوئی دعوت و تحریک کسی ملک کا عروج و اقبال کسی معاشرہ کی جزئی اصلاح یا کسی فساد و خرابی کو دور کرنے کا دعویٰ یا وعدہ قبول نہیں کیا جا سکتا۔ یہ وہ حقیقت ہے جس میں اس ملت کی بقا اور دین کی حفاظت کا راز مضمر ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جو اپنے اپنے دور کے علماء، خادمین دین اور محافظین شریعت و سُنّت کو اس دشوار اور بعض اوقات ناخوشگوار فرض کو ادا کرنے پر مجبور کرتی رہی ہے۔

اس سلسلہ کی ایک کڑی رفیق محترم مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کی یہ فاضلانہ اور محققانہ کتاب "ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت" ہے۔ مولانا کسی زمانہ میں بڑے مناظر اور اسلام و مسلک اہل سنّت کے وکیل رہ چکے ہیں اور اس زمانہ

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ چہارم

کی ان کی متعدد تصنیفات ہیں لیکن عرصہ سے انہوں نے تنقید کا یہ موضوع چھوڑ دیا تھا اور مثبت دعوتی موضوعات پر اپنی توجہ مرکوز کر دی تھی جس کا نمونہ خود رسالہ "الفرقان" ——— اس کا مجدد الف ثانیؒ نمبر، شاہ ولی اللہ نمبر اور ان کی کتابیں "اسلام کیا ہے؟" ——"دین و شریعت"—— "قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟"—اور—"معارف الحدیث" کا عالمانہ اور مقبول سلسلہ ہے جن سے اس برصغیر میں اور ان کے انگریزی تراجم کے ذریعے پوری دنیا میں خاص کر امریکہ، یورپ، اور افریقہ میں لاکھوں بندگانِ خدا کو اسلام سمجھنے اور دین کے تقاضوں پر عمل کرنے کی توفیق ہوئی۔ باوجودیکہ امام اہلسنت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی سے ان کا خصوصی قرب و تعلق رہا۔ انہوں نے مستقل طور پر شیعیت پر کچھ نہیں لکھا تھا لیکن اسوقت جبکہ وہ عمر و صحت کی اس منزل میں پہنچ گئے ہیں جس میں ان کو زیادہ سے زیادہ آرام کرنے کی ضرورت تھی اور اس تربیت و ذوق نے جو انکو رائپور کی خانقاہ سے ملا تھا ان کو یادِ خدا، ذکر و تلاوت اور فکرِ آخرت میں مشغول کر دیا تھا اچانک ان کے سامنے یہ بات آئی کہ آیت اللہ خمینی صاحب کی اس کامیابی سے جو ان کو رضا شاہ پہلوی کی حکومت کے مقابلہ میں حاصل ہوئی اور اس انقلاب سے جو ایک مخصوص شکل میں ایران کے معاشرہ میں رونما ہوا، نیز بعض مرحلوں پر دنیا کی عظیم ترین طاقت امریکہ کی ناکامی، ایرانی نوجوانوں کے جذبۂ قربانی اور اسی کے ساتھ متعدد عرب مسلم ممالک کی دینی اخلاقی کمزوریوں اور خامیوں اور وہاں کی ناپسندیدہ صورتحال نے برصغیر کے مسلمان نوجوانوں کے ایک بڑے حلقہ میں جو موجودہ حالات سے بیزار تھا اور جو ہر اس حوصلہ مندی اور مہم جوئی سے مسحور ہوتا ہے جس میں اسلام کا نام شامل ہو جائے خمینی صاحب کو مقبول بنا دیا ہے!

——— اور یہ بات اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اگر کوئی عقیدہ کا سوال اٹھائے اور کتاب و سنت اور اجماعِ امت کے زاویہ نگاہ سے بحث کرے اور اس معیار سے اسکو جانچنے کی کوشش کرے تو ان حضرات کے لئے اسکا سننا بھی دشوار ہے اور کبھی کبھی یہ ناپسندیدگی و برہمی اشتعال و ابتذال کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ وہ صورتحال ہے جو اس دین کے مستقبل اور روحِ اسلام کے نقطۂ نظر سے سخت تشویشناک ہے اور حضرت علیؓ کے اس بلیغ فقرہ کی تشریح و تصدیق "اتباع کل ناعق" (ہر زور سے بولنے والے کے پیچھے لگ جانے والے)

اس مطالعہ نے ان کے ضعیف اور بیماریوں سے زار زار جسم میں ایک نئی حرکت و قوت اور فکر و مطالعہ کی ایک نئی صلاحیت پیدا کر دی۔ انہوں نے اس محنت و انہماک کے ساتھ کام شروع کیا کہ بارہا ان کی صحت خطرہ میں پڑ گئی اور اہلِ تعلق کو اس بارے میں فکر و تشویش لاحق ہوئی۔ لیکن مولانا اپنی افتادِ طبع اور زندگی بھر کے معمول کے مطابق اپنے کو اس سے باز نہیں رکھ سکے۔ انہوں نے شروع سے شیعیت کی تاریخ کا مطالعہ کیا جس کے اکثر مستند مآخذ (جو تقیہ و اخفاء کی

دین کو سیکھ کے دنیا کے کرشمے دیکھو　　مذہبی درس "الف" با ہو اور علیگڑھ "تا" ہو!

کی وجہ سے بہت سے اکابر اہل سنت کی نظر سے مخفی رہے اور بعد کے زمانہ میں ان کی اشاعت ہوئی، ان کے سامنے تھے۔
ادھر تائید الٰہی سے ان کو کچھ جدید ماخذ مل گئے جن میں علامہ نوری طبرسی کی "فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب" اور علامہ خمینی کی "کشف الاسرار" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

انہوں نے بڑے صبر و تحمل کیساتھ ان کتابوں کا مطالعہ کیا، ان سے مواد جمع کیا، پھر شیعیت کا معروضی طریقہ پر مؤرخانہ و متکلمانہ جائزہ لیا اور یہ کتاب تصنیف کی جس میں مذہب شیعہ کی ایک مستند تاریخ، اس کے عقائد و مسلمات کا آئینہ، ان عقائد کا علمی و تحلیلی تجزیہ، ان کے نتائج کا استخراج، کتاب و سنت اور مستند تاریخ سے انکا موازنہ، عقائد اسلامی پر ان کے اثرات کی بحث آگئی۔ خاص طور پر مسئلہ امامت اور تحریف کے بارے میں کتب شیعہ کی روشنی میں ان کے حوالوں سے اتنا مواد جمع ہوگیا جو کتنی کتابوں میں ہوگا۔ اسی کے ساتھ حضرات اثنا عشریہ کے اور بھی قابل مطالعہ خیالات پر بحث آگئی جو عقیدۂ امامت اور تحریف کے لازمی نتائج ہیں!

اسطرح یہ کتاب اس موضوع پر ایک جامع پُر از معلومات اور فکر انگیز کتاب بن گئی جس کے مطالعہ سے ہر صاحب انصاف شیعیت کی حقیقت، امامت و عقیدۂ تحریف کے خطرناک نتائج تک اور اسلام اور مسلمین ا[illegible] کے بارے میں اس خطرناک بے اعتنادی کی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے جو یہ عقائد ان مسلمانوں میں جن کا مطالعہ عمیق اور وسیع نہیں ہے اور غیر مسلموں میں پیدا کر سکتے ہیں۔

◎ انشاء اللہ آئندہ اشاعتوں میں مولانا النعمانی کی اس کتاب سے چیدہ چیدہ اہم اقتباسات پیش کئے جائیں گے۔ ناظرین کرام مولانا کی اصل کتاب کا تفصیل سے مطالعہ فرمائیں جو نہایت نافع بلکہ انفع و اھدیٰ ہوگی!

واللہ الموفق (مدیر الرشید)

بقیہ: سازشیں ہی سازشیں!

تھے اور کچھ اپنے دل میں یہ لئے ہوئے تھے کہ سیالکوٹ محاذ سے جب آگے پیش قدمی ہوئی تو میرا ہدف قادیان ہوگا کر اس سے میرے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں گے۔ اور ہمیں دونوں جہان حاصل ہوجائیں گے!

راقم اس پہلو کو ذاتی طور پر جانتا ہے اور اگر کسی زمانے میں بھی سیالکوٹ سے بھارت کی طرف پیش قدمی ہوتی تو نہ صرف کشمیر پاکستان کا حصہ بن جاتا بلکہ قادیان کی بھی اینٹ سے اینٹ بج گئی ہوتی۔

لطف کی بات یہ ہے کہ فوجی حکمت عملی اور تدبیرات کے تحت ستمبر ۶۵ء اور دسمبر ۷۱ء میں بھی اسپرٹل ہوا اور اوپر وال سطح پر پاکستان کو بے دین رکھنے کی سازش اب بھی جاری ہے۔ ان سب باتوں سے پردے اگلی قسط میں اٹھائے جائیں گے! ——— جاری ہے۔ (بشکریہ "الحق" جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک)

مولانا عبدالمجید صاحب عارف
کوٹ غلام علی ساہیوال

تاثرات بر وفات

حضرت مولانا محمد عبداللہ شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال

سونا پڑا ہے میکدہ خم و ساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

حضرت شیخ الحدیثؒ کی دوامی مفارقت میں یہ چند سطور قلمبند کرتے ہوئے درحقیقت اس مرد قلندر کو خراج عقیدت پیش کر رہا ہوں جس کا دل ذکر الٰہی کی دولت سے مالا مال اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار تھا۔ جس کا عمل فلسفۂ ولی اللہیؒ کی تفسیر جو کہ شاہ اسماعیل شہیدؒ کی غیرت کا مجسمہ شیخ الہندؒ اور حضرت مدنیؒ کی دعوت ارشاد کا صحیح داعی، درس حدیث میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ و حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کاشمیریؒ کا ترجمان!

آج وہ اپنے ہزاروں روحانی فرزندوں کو یتیم کر کے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! دنیا میں ایسے بہت کم لوگ پیدا ہوا کرتے ہیں جو ایسی جامع صفات شخصیت کے مالک ہوں یہ اللہ کی دین ہے جس کو عطا فرمائیں۔ حضرت شیخ الحدیثؒ ان گنے چنے اکابرین میں سے ایک تھے جو کہ کفر و الحاد لادینیت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں روشنی کا مینارہ تھے۔

قبل از قیام پاکستان جب حضرتؒ جالندھر خیر المدارس میں دینی علوم کے ایک مسلمہ استاذ کی حیثیت سے تدریسی فرائض سرانجام دے رہے تھے تو مجھے بھی درس نظامی کی تکمیل تک آپ کے حلقۂ تلامذہ میں شامل رہنے کا فخر حاصل رہا ہے قریب ترین رہ کر یہی سمجھا گیا کہ آپ جب تک جئے ایک کرب مسلسل، ایک التجائے بے نیاز اور ایک درد پنہاں بن کر جئے۔ نحیف و کمزور ہونے کے باوجود شرک و بدعت ضلالت و گمراہی کے خلاف سینہ سپر رہے۔ تاج ختم نبوۃ پر دست درازی کرنیوالوں کو للکارتے رہے۔ فقر و خودی کے لبادہ میں شہنشاہوں کے کر و فر کو کبھی خاطر میں نہ لائے آپ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت سید حسین احمد مدنیؒ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی تعلیمات اور تقویٰ و پرہیزگاری اور حق گوئی کے حقیقی مظہر تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ زندگی میں قوم کے بعض افراد نے اکابرین دیوبند کی آواز پر لبیک کہنے سے اجتناب کیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اکابرین دیوبند نے ملت اسلامیہ کو ہر خطرناک موڑ پر خبردار کیا۔ حضرات دیوبند نے اپنے سامنے پھولوں کے پیراہن چاک ہوتے دیکھ کر گریۂ شبنم میں اپنے آنسو شامل کئے مگر قوم کے بعض افراد نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ سامراج ایجنٹوں کی ریشہ دوانیوں اور جبر و تشدد کے باوجود غیر ملکی سامراج کو باہر نکال کر دم لیا۔ تحریک پاکستان میں بھی

اکابرین دارالعلوم دیوبند نے بھرپور حصہ لیا تاکہ ایک خداگانہ مملکت کا قیام عمل میں لا کر قرآن وسنت کی بالادستی کو بروئے کار لایا جاسکے۔ بالخصوص حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مولانا ظفر احمد تھانویؒ کی تحریک پاکستان میں شمولیت پاکستان کے معرض وجود میں آنے کا یقینی موجب بنی۔ بلکہ حضرات دیوبند کی شرکت تکمیل پاکستان کی علامت تھی۔ حضرات دیوبند نے سلہٹ اور صوبہ سرحد کو پاکستان میں شامل کرنے کے لئے جو اہم کردار ادا کر چکے ہیں اسلامیان پاکستان اگرچہ فراموش کر دیں لیکن تاریخ اس سنہری کارنامہ کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی ــــــ بہر حال مُدعا و مقصد یہ تھا کہ حضرت شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ اکابرین دیوبند کی صحیح معنوں میں جانشینی کا حق ادا کر رہے تھے۔ آج علم وعمل کا یہ جھلملاتا ستارہ بھی ڈوب گیا جس کی رگ حیات کے قریب آتے ہوئے موت بھی رو پڑی۔

ہزاروں عقیدت مند اپنے روحانی مسیحا کی جُدائی میں دلبرداشتہ ہیں لیکن آپ پلک جھپکتے ہی منزل حیات سے کوسوں دُور جا بسے۔ ساہیوال سوگوار ہے۔ جامعہ رشیدیہ، روح قرآن کی مزین تفاسیر، علوم حدیث کی مقدس کتابیں کسی حقیقت شناس کے لمس کی راہ تک رہی ہیں۔ ارباب جامعہ رشیدیہ ہی نہیں بلکہ جملہ دینی حلقے ایک عجیب خلا محسوس کر رہے ہیں۔ اب وہ حدیث مقدسہ کے زرّیں موتی وادئ قلوب میں بکھیرنے والے کبھی واپس نہ آئیں گے دیکھتے ہی دیکھتے تنہائیوں کے سمندر میں اُتر گئے۔ جانکنی کے دوران جبکہ آنکھوں میں ابھی ٹمٹماتا ہوا نُور باقی تھا۔ گویا آنکھیں پتھرائی نہ تھیں ایک نظر سے تمام ماحول اور جامعہ رشیدیہ کی در و دیوار کو دیکھا۔ گویا کہہ رہے تھے:

ــــ ہزاروں منزلیں ہوں گی ہزاروں کارواں ہوں گے
نگاہیں ہم کو ڈھونڈیں گی نہ جانے ہم کہاں ہوں گے

اور ــــ ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں بڑے چراغ جلاؤ گے روشنی کے لئے

دفعتاً موت کا فرشتہ آیا۔ مسکراتے ہوئے خوش آمدید کہہ کر اللہ کا ذکر کرنے لگے بس ایک ہی ہچکی آئی، زندگی سے ہمیشہ کے لئے رشتہ توڑ کر خالق حقیقی سے جا ملے۔

جالندھر سے ساہیوال آکر آپ کے دل میں ایک یہ حسرت تھی کہ ایک مرکزی دینی درسگاہ کا قیام عمل میں لا کر قرآن وسنت کی تبلیغ واشاعت کے لئے ایک جماعت تیار کی جاسکے جو دلوں میں نور ایمان کو زندہ رکھتے۔ چنانچہ آپ کی قلبی خواہش کی تکمیل کے سلسلہ میں مجاہد ملت حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی نے بحیثیت ناظم اعلیٰ اپنے شب و روز کی محنت شاقہ سے بحمداللہ بہت حد تک آپ کے مدعا و مقصد پورا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ یہ مولانا حبیب اللہ صاحب کی محنت کا نتیجہ ہے۔ آج ملک بھر میں جامعہ رشیدیہ کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہو چکی ہے حالانکہ جامعہ رشیدیہ پر کئی ایک مدوجزر بھی آئے مگر ارباب جامعہ رشیدیہ کے استقلال

دلچسپی یہ ہے [illegible] نے ہم اسی جامعہ رشیدیہ کو بارہا حق گوئی کی پاداش میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں ارباب جامعہ رشیدیہ کو پابند سلاسل بھی کیا گیا جن میں حضرت شیخ الحدیثؒ بھی مقید تھے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ جامعہ رشیدیہ کا اکثر حصہ مع عمارات اس جرم میں حکومتِ پاکستان نے ہتھیا لیا کہ تحفظ ختم نبوت کی تحریک میں اربابِ جامعہ رشیدیہ نے عملی حصہ لیا تھا ....!

کسی جزوی اختلاف کے باوجود فاضل حبیب اللہ صاحب رشیدیؔ کی دینی و ملی خدمات اور ایثار و قربانی کو نظر انداز کرنا انتہائی تنگ ظرفی نا انصافی اور حسد نمائی کے مترادف ہے۔ ہماری دُعا ہے کہ اللہ ربُّ العزّۃ حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ صاحب کو مزید دینی خدمات سر انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ نے دینی درسگاہ کے قیام کے سلسلہ میں اپنی حسرت اور قلبی خواہش کو پورا ہوتے دیکھ کر دار فانی کو الوداع کہا ہے۔ خدا کرے کہ حضرتؒ کی غلبۂ اسلام کی دوسری حسرت کا خواب بھی شرمندۂ تعبیر ہو تاکہ آپ کو اس سلسلہ میں بھی روحانی تسکین حاصل ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ پاکستان میں اربابِ حکومت کو اسلامی بالادستی بروئے کار لانے کی جلد از جلد توفیق عطا فرما دیں۔

مجھے تو آج بھی یوں محسوس ہوتا ہے کہ حضرتؒ زبانِ حال سے پکار رہے ہیں، خاتم الانبیاءؐ کے جانثار و شاہ ولی اللہؒ کے رضاکار و دُنیا کو کبھی دین پر غالب نہ ہونے دینا۔ بھوکے اور پیاسے رہ کر بھی دینی خدمات سر انجام دیتے [illegible] شاہ ولی اللہؒ کی خوابوں کی تعبیر کو پورا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا۔ دیکھنا تمہاری غفلت میرے لئے روحانی اذیت کا باعث نہ ہو۔ زندگی بھر میرے سینے میں تمناؤں کے پھول ہی تو کھلے ہیں میرے ہمعصر و عزیزو میں بہاروں ہی کی تلاش میں چل بسا ہوں!

؎ وہ پھول ہوں جو کھلا ہو خزاں کے موسم میں
تمام عمر مجھے حسرتِ بہار رہی

بہرحال قلبی تاثرات کو روکتے ہوئے احساسات کو حسبِ ذیل اشعار پر ختم کرتا ہوں؛

؎ نظمِ وجود کائنات سلسلۂ تغیرات
کون و مکاں میں دیکھئے اب تک ثبات ہے کہاں

عارفؔ ہے نکتہ لطیف اہلِ شعور کے لئے
کوئی کسی مقام پر رہتا نہیں ہے جاوداں

بقلم عارفؔ

مرثیہ بروفات حسرت آیات

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد عبد اللہ رائپوریؒ

از قلم سید سلمان احمد امروہوی خطیب ٹوبہ ٹیک سنگھ

آہ شیخ الحدیث عبد اللہ — وارثِ مفتی فقیہ اللہؒ

جا بسا ہے جوارِ رحمت میں — دارِ فانی سے ہو کے بے پرواہ

عمر بھر دے کے درس علم و حکم — واصلِ حق ہوا وہ حق آگاہ

آخرت پر نظر رکھی مرکوز — دی نہ دُنیا کو وقعتِ پرکاہ

تیری یہ موت موتِ عالم ہے — تیری رحلت ہے صدمۂ جانکاہ

معرفت کی دُکان کر کے بند — قصدِ فردوس جب کیا ناگاہ

چودہ سو پانچ کا تھا وہ رمضان — شب وہ "خیر من الف شہر" تھی واہ

ہیں دعا گو حضورِ حق میں یوں — بھائی کی موت پر حبیب اللہ

مغفرت ہر قدم پہ ہو تیری — اور شفاعت کریں رسول اللہ

اُٹھ گیا جامع شریعت و عشق — محرمِ راز اہلِ دل اوّاہ

مسند رائے پور خالی ہے

دل سے سلمان کیوں نہ نکلے آہ

○

مرثیہ و تاریخ وصال

حضرت مولانا عبد العزیز صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ

از قلم سید سلمان احمد صاحب امرتسری خطیب ڈوبہ ٹیک سنگھ

پیرو مصطفےٰ، آہ عبد العزیز　　وارثِ انبیاءؑ، آہ عبد العزیز
مرجع صوفیہ، مرکزِ اصفیا　　اشرف الاتقیاء، آہ عبد العزیز
آہ شیخِ طریقت جُدا ہوگیا　　سالک و ہادیٔ راہ عبد العزیز
زیب و زینت وہ مسندِ رائپور　　مے فروشِ ھُدیٰ آہ عبد العزیز
بند کرکے دُکانِ مئے معرفت　　لو وہ ساقی چلا آہ عبد العزیز
حیف، سُونی ہوئی محفلِ سوز و عشق　　آج رخصت ہوا آہ عبد العزیز
شرک و بدعت کی ظلمت میں تیرا وجود　　نیّرِ کوکب و ماہ عبد العزیز
تو سدا "فقرو فخری" پہ تھا گامزن　　تو فقیری میں تھا شاہ عبد العزیز
راحت و عشرت و عزّت و مال و زر　　تُو نے سمجھا پرِ کاہ عبد العزیز
قبر میں تیری مدفون صدق و صفا　　اور حلم و حیا، آہ عبد العزیز
مدفنِ علم و حکمت ہے تُربت تری　　منبعِ حشمت و جاہ عبد العزیز
پوچھی سلمان ہاتف سے تاریخِ وصل　　جب بصد التجا آہ عبد العزیز
وسطِ فردوس سے دل میں آئی صدا　　"عِیْشَۃٌ رَّاضِیَۃٌ" واہ عبد العزیز

۱۴۰۱
۵
۱۴۰۶ھ

د ۵

سنتے ہیں شیخ نظروں سے مستور ہے　　شکر ہے جامِ وحدت کے مخمور ہے
چلدیا صاحبِ صدق و اخلاص و علم　　جس کا دل نورِ ایماں سے معمور ہے
واصلِ حق ہوا آج عبد العزیز　　شکر ہے، صاحبِ سعیِ مشکور ہے
مسندِ رائےپور آج خالی ہوئی　　کیا کریں یوں مشیت کو منظور ہے
راہیِ جنت سے وارد ہوا ناگہاں　　قلبِ سلمان پر "عبدِ مغفور" ہے

۱۴۰۲
۴
۱۴۰۶ھ

ج ۴

امیر شریعت کی قرآن فہمی

تحریر: سید محمد ذوالکفل بخاری

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا مختلف طریقوں سے مختلف ادوار میں اظہار فرمایا ہے۔ کبھی کسی خطہ میں، کبھی کسی قسم میں اور کبھی کسی فرد یا شخصیت کے روپ میں ——— !

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت عظمیٰ اور اس کی قدرت کاملہ کے مظہر تھے۔ شاہ جیؒ جامع صفات، ایک عظیم ترین خطیب، بے باک سیاستدان اور بے مثل مدبر تھے لیکن وہ سب سے بڑھ کر انتھک مبلغ اسلام تھے۔ شاہ جیؒ کی شخصیت کا سب سے تابناک پہلو ان کی قرآن کریم سے بے پناہ محبت اور والہانہ عشق تھا۔ قرآن پاک میں غور و فکر، خوبصورت طرز تلاوت اور زندگی کے تمام گوشوں پر قرآنی دلائل کی روشنی میں گفتگو ہی بلاشبہ ان کی خطابت کا طرۂ امتیاز تھا۔ یہ سب کچھ ان کے قرآن سے عشق کی حد تک لگاؤ کا نتیجہ تھا۔

حضرت امیر شریعت ترجمۂ قرآن کے معاملہ میں بہت ہی حساس تھے اور معنیٰ کی ہمہ گیری اور وسعت کے آئینہ دار الفاظ انہیں بہت بھاتے تھے۔ وہ واقعتہً قرآن فہمی کے وصف میں بھی برصغیر میں نابغۂ روزگار ہستیوں میں سے ایک تھے۔

بہت سی آیات ایسی ہیں کہ ان کا مفہوم سلف کی کتابوں میں خال خال ہی نظر آتا ہے۔ حضرت امیر شریعت کی ایک امتیازی شان یہ تھی کہ ہمیشہ قرآنی مضامین کی تہہ تک پہنچنے کی سعی فرماتے اور تمام مفسرین کے طرز سے ہٹ کر سوچتے اور پھر اسے اکابرین و احباب کی محفلوں اور تقاریر میں بیان فرماتے اور دادِ تحسین وصول کرتے۔ خصوصاً حضرۃ علامہ انور شاہ کاشمیریؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے داد و تحسین اور خراج عقیدت کا یہ سلسلہ خوب چلتا تھا۔ شاہ جیؒ کے قرآن فہمی کے اس ذوقِ سلیم کو دورانِ تعلیم مولانا نور احمد امرتسریؒ نے نکھارا۔ جب کہ بعد میں انہیں حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ کا ترجمہ اور حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ کا "بھاشا" میں لکھا ہوا ترجمہ تا زیست محبوب رہا۔

شاہ جیؒ نے ایک مرتبہ خود بیان فرمایا کہ "اللہ الصمد کے معنیٰ میں مجھے ہمیشہ تردد رہا کہ "اللہ بے نیاز ہے"! بس یونہی دل کو تسکین نہ ہوتی۔ جیل ہی کا واقعہ ہے کہ شاہ عبدالقادر دہلویؒ کا ترجمہ دیکھ رہا تھا کہ اس کا خیال آیا کہ دیکھیں شاہ صاحب کیا لکھتے ہیں۔ جب وہ جگہ نکالی تو حضرت دہلوی نے ترجمہ فرمایا تھا کہ "اللہ نرادھار ہے"۔ میں کبھی اسے نرادھار

پڑھوں کبھی کچھ اور ! بالآخر اپنے جیل ہی کے ایک پنڈت ساتھی نیکی رام شرما کے پاس گیا جو بہت فاضل آدمی تھا اس سے پوچھا کہ یہ لفظ کیا ہے ؟ وہ دیکھتے ہی جھومنے لگا اور واہ واہ کے نعرے بلند کرنے شروع کر دیئے ہیں نے چند لمحے انتظار کے بعد کہا آپ عجیب آدمی ہیں۔ میں انتظار میں ہوں اور آپ اپنے آپ ہی لطف لے رہے ہیں؟ مجھے بھی تو علم ہو کہ کیا معنیٰ ہیں ؟ اس کے بعد اس نے بتایا کہ یہ سنسکرت کا لفظ ہے " نرادھار " اور یہ اس ذات پر بولا جاتا ہے جس کا کام کسی بن نہ اٹکے اور جس بن کسی کا کام نہ بنے ۔ تب مجھے تسکین ہوئی اور یوں محسوس ہوا کہ جیسے گم شدہ متاع مل گئی ہو۔ پھر میں نے اس پر کئی کئی گھنٹے بیان کیا۔

اسی طرح حضرت امیر شریعتؒ فرماتے تھے ؛

"اھدنا الصراط المستقیم تا ولا الضالین" کے معنیٰ میں بھی مجھے تسکین نہ ملتی ۔ کیونکہ عام معنیٰ ہیں ؛

" دکھا ہمکو سیدھی راہ ، ان لوگوں کی جن پر تو نے انعام کیا ، نہ ان کی جن پر تیرا غضب ہوا اور وہ گمراہ ہوئے "

لیکن حضرت شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ پڑھا تو بالکل وضاحت ہوگئی اور وہی عین مطابق معنیٰ ہیں۔

حضرت فرماتے ہیں ؛

" چلا ہم کو راہ سیدھی ، راہ ان کی جن پر تیرا انعام ہوا اور نہ انپر تیرا غضب ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے "

ظاہر ہے جو بات اس ترجمہ میں ہے وہ عام ترجمہ میں نہیں ۔ یہ دونوں تراجم ایک دوسرے کا عکس ہیں۔ اسمیں ایک تو " اھدنا " کے معنیٰ دکھائے ہیں ۔ یہ اس ذات " وحدہٗ لاشریک " کی شان کے منافی ہے کہ جہاں کانٹے ہی کانٹے ہوں وہاں اکیلا چھوڑ دینا ؟ جبکہ ساتھ چلانا ایسا ہے جیسے باپ بچے کو انگلی پکڑ کر ساتھ چلاتا ہے اور راستہ کی دشواریاں سہل کر دیتا ہے اپنی توفیق و حفاظت میں چلانا یہ اس بارگاہ کی عین شان ہے۔

ایک دفعہ حضرت شاہ جیؒ کے ہاں بہت سے علماء جمع تھے۔ آپ کے بے تکلف دوست مولانا خیر محمدؒ جالندھری بھی تشریف فرما تھے۔ حضرت امیر شریعتؒ نے حسب عادت اکابرین کا ذکر چھیڑ دیا جو بہت دیر تک جاری رہا ۔ شاہ جیؒ نے فرمایا کہ سبحان اللہ کیسا اچھا وقت گزرا ، کیسے اچھے تذکرے تھے کہ مصیبت کا خیال تک نہیں ۔ اور جن کا تذکرہ ہو رہا اللہ تعالیٰ انہی کے ساتھ محشر میں اٹھائے اور پھر یہ آیت پڑھی ؛

" وتوفنا مع الابرار " ! اور تمام علماء سے اس کا معنیٰ پوچھا

سب نے یہی معنیٰ کئے کہ " موت دے ہمیں نیکوں کیساتھ "

شاہ جیؒ نے فرمایا کچھ اور ؟ سب نے سکوت اختیار کیا۔ آپ نے فرمایا (پنجابی میں)

" تے پوری پا ساڈی نال نیکاں دے "

ہر طرف سے سبحان اللہ سبحان اللہ کے آوازے آنے لگے اور حضرت مولانا خیر محمدؒ صاحب نے فرمایا ماشاءاللہ!

شاہ جی یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ آپ نے بالکل لفظی، لغوی اور مطابق معنی بیان فرمائے ہیں" تمام حضرات دیر تک محظوظ ہوتے رہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر قرآن شریف کے سولہویں پارے میں تفصیل کیساتھ آیا ہے۔ وہاں آپ کی مہد ی دور کی معجزانہ زندگی کا ذکر ہے۔ اس گفتگو میں حضرت عیسیٰؑ کا ارشاد ہے کہ

وجعلنی نبیاً وجعلنی مبٰرکاً این ماکنت و اوصٰی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ مادمت حیاً

شاہ جیؒ نے اپنے ایک متوسل مولانا غلام یٰسین صاحب سے پوچھا کہ جانتے ہو کہ" این ماکنت" کیوں فرمایا؟ انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ پھر آپ نے فرمایا کیا یہ بھی جانتے ہو کہ سارے قرآن میں کسی اور نبی کے ذکر میں بھی یہ ہے؟ اس پر بھی انہوں نے نفی کا اظہار کیا! پھر انہوں نے کہا کہ یہ صرف حضرت عیسیٰ کے ذکر میں ہے اور علت اس تخصیص کی یہ ہے کہ ایک ہی نبی جو زمین پر بھی تھا اور آسمان پر بھی ہے وہ پھر زمین پر نازل ہوگا۔ اس لئے اگر عیسیٰؑ کو مُردہ تسلیم کر لیا جائے جیسا کہ نصرانی وغیرہم کہتے ہیں تو اس کے خلاف دلیل اس آیت کے آخر سے ملی کہ: "مادمت حیاً" یعنی "جب تک میں زندہ رہوں" لہٰذا اس سے "این ماکنت" کا معنوی مقصد فوت ہو جاتا ہے اور یہ حیات مسیحؑ کی قوی دلیل ہے۔

شاہ صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی مقبولیت عامہ عطا فرمائی تھی کہ پچھلی چند صدیوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ آپ کے ملنے والوں میں ہر قسم لوگ تھے۔ ہر مکتب فکر کے لوگ شاہ جی سے عقیدت رکھتے تھے اور شاہ جی بھی ان سے مل کر خوشی کا اظہار فرماتے۔ وہ لوگ شاہ جی کی سادگی خلوص اور عظمت کے معترف تھے۔ لوگ حاضر خدمت ہوتے اور خلوص و محبت کے جوہر رولتے اور جھولیاں بھر بھر لیجاتے۔ شاہ جی کے شیعہ حضرات کی ایک مستقل کھیپ سے جماعتی و دینی مراسم رہے۔ ملتان میں آپ کے ہاں ایک معتدل شیعہ دوست کی آمد و رفت کثرت سے ہونے لگی۔ دن بدن راہ و رسم بڑھتی چلی گئی۔ وہ صاحب آتے اور بہانے سے اہل بیت اور ائمہ کا ذکر چھیڑ دیتے اور شاہ جی کو کریدنے کی کوشش کرتے لیکن شاہ صاحب ہمیشہ طرح دے جاتے اور موضوع گفتگو ہی بدل دیتے۔

ایک روز وہ محترم حاضر ہوئے اور حسب عادت وہی تذکرہ شروع کر دیا۔ اس روز انہوں نے کچھ تیکھے انداز سے "آیت تطہیر" کا سوال کر کے بحث شروع کر دی اور کہا کہ یہ آیت نزولاً اور حکماً اہل بیت کے بارہ میں ہے اور وہ اسی کے حکم سے معصوم اور منزہ ہیں۔ حضرت شاہ صاحب مرحوم نے اس گتھی کو ضروری خیال کرتے ہوئے یوں حل فرمایا کہ یہ آیت کریمہ ہر نوعیت سے ازواج مطہرات کے حق میں ہے اور سبب نزول بھی انہی کی ذات ہے اس کا سیاق و سباق اس کی بڑی اہم دلیل ہے کہ یہ آیات صرف امہات المؤمنین کے بارے میں نازل ہوئیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر اہل بیت مُراد لئے جائیں تو آپ حضرات کے متعلق معصومیت کا دعویٰ باطل ہو کے رہ جاتا ہے اس لئے کہ آیت کے الفاظ ناطق ہیں کہ پہلے ان میں رجس تھا بعد میں تطہیر! رجس کا پایا جانا پھر طہارت کا ہونا تو شانِ معصومیت کے منافی نہیں اور بچہ کو معصوم کہنے کی علت بھی اتنی ہے کہ وہ ایک حد تک گناہ کے تصور سے طاہر و منزہ ہوتا ہے ۔ لہٰذا انبیاءؑ کو جو معصوم کہا جاتا ہے تو وہاں بھی یہ حکمت ہے کہ ان کی ذات گرامی پیدائشی طور پر ہی اس استعداد سے پاک ہوتی ہے اور اگر یہ بات نہ مانی جائے بلکہ رجس کا وجود تسلیم کرنے کے بعد تطہیر کا ڈھنڈورا پیٹا جائے تو یہ میرے نزدیک کفر ہے کیونکہ انبیاءؑ کے بارے میں تو تصورِ معصیت ہی باعث دخول نار ہے جبکہ آپ میں سے بھی بعض عنادی لوگ اس بات کے خود معترف ہیں ! اور یہ اعتراض کہ انبیاءؑ میں استعداد ہوتی ہے اور دلیل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے سینہ چاک کئے جانے کے واقعہ کو پیش کرنا ! یہ تو انبیاءؑ کی عصمت کی تضحیک ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی سینہ چاکی تو نورِ معرفت کا سبب بنی جو ایام طفولیت میں ہی ظہور پذیر ہو گیا تھا۔“

اسپران صاحب نے اعتراض کیا کہ اگر یہ آیت ازواج مطہرات کے حق میں ہے تو اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں رجس تھا ۔ شاہ جیؒ نے فرمایا کہ بالکل واضح ہے وہ صاحب اور چونکے اور حیران ہوئے کہ نبی کی اہلیہ اور رجس ؟
شاہ جی نے پھر تفصیلاً فرمایا کہ ازواجِ مطہرات اکثر امراءِ عرب کی لڑکیاں تھیں جو ناز و نعم کی پروردہ تھیں ۔ ان کے دلوں میں مال کی محبت تھی اور مال کی محبت ہی سب سے بڑا رجس ہے مگر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ نبی کی بیوی میں رجس باقی رہنے دیا جائے ۔ نبی کا تو مشن ہی مال کی محبت دلوں سے نکالنا اور خدا کی محبت سے دلوں کو روشن و معمور کرنا ہے اور پھر ! اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کے دلوں سے یہ رجس ایسا خارج کیا کہ آٹھ آٹھ روز چولہوں میں روشنی نہ ہوتی، اور پھر شاہ صاحب نے مال کی محبت کو دلوں سے نکالنے کا نام ہی تطہیر ثابت کرنے کے لئے سنداً یہ دوسری آیت تلاوت فرمائی

”خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم“ یعنی ”لیجئے ان کے مالوں سے صدقہ تطہیر کیجئے ان کی اور تزکیہ کیجئے ان کا اس (دئیے ہوئے مال) کے ساتھ“ لہٰذا معلوم ہوا کہ جب مال کا لینا تزکیہ و تطہیر کا باعث ہو سکتا ہے تو جہاں (مال کیساتھ) سرے سے محبت ہی ختم کر دی جائے ؟

اور لفظ اہل بیت کی مراد کو واضح کرنے کی غرض سے شاہ صاحبؒ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ سے مخاطبت کے قرآنی الفاظ سنداً پیش فرمائے قالوا أتعجبين من امر الله رحمت الله وبركاته عليكم اهل البيت
ترجمہ: کہا انہوں نے (فرشتوں نے) تعجب کرتی ہیں آپ اللہ کے کام پر ! اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہیں آپ پر (اے) گھر والی !
لہٰذا واضح ہے کہ اہل بیت سے مُراد زوجۂ ابراہیمؑ ہیں نہ کہ سارا خاندانِ ابراہیمؑ ! شاہ جیؒ کی اس گفتگو سے وہ شیعہ دوست جھوم جھوم گیا اور انتہائی متاثرانہ لہجہ میں کہا، شاہ جی میں قیامت کے روز اللہ کے سامنے آپ کا دامن پکڑ کر کہوں گا کہ اے اللہ انھوں نے ہماری برادری کو سیدھی راہ نہ دکھائی ورنہ یہ سب کچھ کر سکتے تھے“ اور حقیقت یہ ہے کہ ہدایت و ضلالت کس کے بس کا روگ نہیں جبکہ باری تعالیٰ نے خود حضور علیہ السلام کی ذات گرامی کو ارشاد فرمایا : انک لاتھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء ۔

اسلام میں ــــ عدل و انصاف

از: کبیرالدین فاران مظاہری (دہاچل پردیش، انڈیا)

خدا کی زمین رنگارنگ اشیاء سے مزین اور مہکتے دمکتے پھولوں پھلوں سے سجی ہوئی ہے جو اپنی رعنائیوں لعد تابانیوں اور اپنے لالہ زاروں سے انسان کے دل کو لبھاتی ہے۔ بست و مدہوش کر دینے والی خوشبو، حسین مناظرِ فطرت، پہاڑ، وادی اور دریا، آبشار و کوہسار ہمیں صانعِ قدرت پر غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ انسان اپنی زندگی کو اپنے مالکِ حقیقی کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا اور مزید پُرکشش و پُرسکون بناتا مگر معاملہ اس کے برعکس ہے!

آج ہر طرف نظامِ قدرت سے بغاوت، فطرت سے بے گانگی، یکسر نافرمانی اور ظلم و فساد کا دور دورہ ہے چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کا احترام، پڑوسی کی رعایت ایک شئے عجیب بن کر رہ گئی ہے جس کی بدولت آج ہر چہار جانب فساد کے شعلے اور ناانصافی کا بازار گرم ہے۔

جب سے انسانوں نے حق و باطل کی تمیز چھوڑ دی عدل و انصاف کو خیرباد کہا، اپنے ضمیر کی آواز پس پشت ڈالدی ظلم و ناانصافی پر کمربستہ ہوئے، عہدوں پر فخر اور غلط وضعداری کے چکر میں عدل و انصاف کو بھول گئے۔ تو لازمی نتیجہ کے طور پر دنیا شر و فساد کی آماجگاہ بن گئی اور صفحۂ ہستی پر بدامنی و انارکی نے راج کرنا شروع کر دیا۔

دونوں جہانوں کے لئے رحمت کا پیغام مذہبِ اسلام نے ہر حال میں عدل و انصاف پر قائم رہنے کا حکم دیا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے: "بلاشبہ اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے"۔

معاملہ انصاف اپنے کیساتھ ہو یا پرائے کیساتھ، باہم مسلک کے ساتھ ہو یا بیگانہ مسلک والوں کیساتھ، بڑوں کے ساتھ ہو یا چھوٹوں کے ساتھ، حاکم کیساتھ ہو یا محکوم کیساتھ .... خدا ہر حال میں انصاف کا پلڑا مساوی رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ انصاف قائم کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔

تاریخ شاہد عدل ہے کہ مسلمانوں نے اس پر عمل پیرا اور قاضیوں نے اسلامی آئین و اصول پر فیصلے کر کے احکامِ خداوندی کی اطاعت کی اور اس کی برکات سے مالامال ہوئے۔

مشرقی بنگال (بنگلہ دیش) مسلم دورِ حکومت میں راجدھانی دہلی کے ماتحت تھا کئی بار ایسا ہوا کہ وہاں کے گورنر مرکز سے باغی ہو کر خودمختار ہو گئے۔ انہیں میں سے ایک سلطان غیاث الدین بھی ہیں۔ سلطان کو تیر اندازی کا

بے حد شوق تھا۔ ایک دن تیر اندازی کے دوران سوء اتفاق آپ کے تیر سے ایک بیوہ عورت کا اکلوتا بیٹا زخمی ہو گیا بیوہ کو معلوم نہ ہو سکا کہ تیر بادشاہ نے چلایا ہے۔ وہ فریاد لیکر قاضی کی عدالت میں گئی۔ قاضی صاحب نے فراست سے اندازہ لگایا کہ ہو نہ ہو یہ تیر بادشاہ کا ہی چلایا ہوا ہے۔

قاضی صاحب دیر تک تذبذب کا شکار رہے کہ خوفِ خدا اور سلطان میں کس کو ترجیح دے؟ بنصرتِ ایزدی خدا کا خوف غالب آیا۔ قاضی صاحب نے سلطان کے نام سمن جاری کر دیا اور معاملہ کی تحقیق کے لئے عدالت میں طلب کر لیا۔ جونہی بادشاہ کی خدمت میں نوٹس پہنچا بلا کسی تامل کے قاضی صاحب کی عدالت کی طرف روانہ ہو گئے اور چلتے وقت ایک چھوٹی تلوار بھی آستین میں چھپا لی۔

قاضی صاحب نے عدالت میں بادشاہ کا کسی قسم کا احترام نہیں کیا۔ ثبوتِ واقعہ کے بعد حکم دیا کہ بادشاہ بیوہ کو معقول مالی معاوضہ دے اور اس سے معافی طلب کرے۔ بادشاہ نے بلا چوں چرا اس حکم کی تعمیل کی اور بیوہ سے اپنا قصور معاف کرایا۔ مقدمہ خارج ہونے کے بعد قاضی عدالت کی کرسی سے اٹھ کر بادشاہ کے قدموں پر گرا بادشاہ نے انہیں فوراً اٹھایا اور آستین میں چھپی تلوار دکھائی اور کہا یہ تلوار اس لئے ساتھ لایا تھا کہ اگر مقدمہ کا فیصلہ ذرا بھی خلاف شرع ہوتا تو اس سے تمہارا سر قلم کر دیتا۔ فیصلہ حق و انصاف کے دائرہ میں ہوا۔ لہٰذا آپ قابلِ اعزاز و اکرام ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے ہولناک میدان میں جن خوش نصیبوں کو عرشِ الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا ان میں سلطان عادل بھی ہوگا۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عداوت و دشمنی انصاف کرنے والے کے قدم میں جنبش ڈال دیتی ہے۔ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں وقتی مفاد اور جاہ و منصب کی وجہ سے مجبور ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر خدا تعالیٰ نے رہبری فرمائی کہ:

"کسی قوم کی دشمنی کی وجہ سے دامنِ انصاف ہاتھوں سے نہ چھوڑنا کیونکہ خدا تمہارے ہر کام کو دیکھنے والا ہے"

مردانِ حق نے حق کی خاطر کبھی دامنِ انصاف کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ فیصلۂ حق سے رُخ نہیں پھیرا۔ حکامِ وقت ملک کی پرواہ نہیں کی اور اپنے اور غیر میں تمیز نہ کی۔

چوتھی صدی ہجری میں سلطان عبدالناصر کی اُندلس میں حکومت تھی جس کا دارالخلافہ قرطبہ میں تھا۔ قاضی منذر بن سعید اسوقت قرطبہ کے قاضی القضاۃ وہاں کی جامع مسجد کے خطیب اور جید عالم تھے۔ سلطان کو عمارتوں کا بہت شوق تھا۔ الزھرا نامی ایک بستی بسائی اور اس میں ایک عالیشان شاہی محل تعمیر کرایا۔ تعمیر کی تکمیل کے آخری مراحل میں سلطان اسقدر مشغول ہوئے کہ مسلسل تین جمعہ وہ مسجد میں نہ پہنچ سکے۔ چوتھے جمعہ کو جب وہ مسجد میں حاضر ہوئے تو قاضی صاحب نے جو خطبہ دیا اس میں ایسی آیتیں اور احادیث پیش کیں جس میں دنیا میں عمارتیں کھڑی کرنے اور آخرت سے

غافل ہو جانے پر وعیدیں تھیں۔ مسجد کا ہر نمازی سمجھ رہا تھا کہ اس سخت تنقید کا نشانہ کون ہے۔ یہ تنقید تھی محکوم کی زبان سے حاکم کے اوپر۔

جب کوئی افسر اپنے غلام اور ماتحت کو تنقید کرتے سنتا ہے تو اُس پر کبر و نخوت کا سخت دورہ پڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ جذبات سے مغلوب ہو کر وہ آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ بڑے شریف اور دین دار لوگ بھی حق و باطل کی تمیز کھو بیٹھتے ہیں۔

سلطان پر اس کا اگرچہ بہت اثر تھا مگر انہوں نے انتہائی ضبط سے کام لیا مسجد میں کچھ نہ بولے بعد نماز کے خاموشی سے اٹھ کر باہر چلے گئے اور گھر پہنچ کر اپنے لڑکے الحکم سے واقعہ بیان کیا اور کہا آج قاضی منذر نے بہت تکلیف دی اسلئے میں نے طے کر لیا ہے کہ ان کے پیچھے نماز کبھی ادا نہ کروں گا۔ بیٹے نے باپ سے کہا۔ قاضی منذر کا عہدۂ امامت پر ہونا آپ کے رحم و کرم کا مرہون ہے انکو معزول کر کے کوئی دوسرا امام مقرر کر دیجئے!

یہ مشورہ سُن کر بادشاہ ناراض ہو گئے۔ بیٹے سے کہا تمہارا بُرا ہو۔ ایک شخص جو ھدایت سے دُور اور راہِ راست سے بھٹکا ہوا ہے اس کی دلجوئی کے لئے قاضی منذر جیسے خوبیوں والی شخصیت کو معزول کر دیا جائے ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں نے اگرچہ ان کے پیچھے نماز جمعہ نہ پڑھنے کی قسم کھائی ہے لیکن اب خواہش ہے کہ کفارہ کی صورت نکل آئے!

چنانچہ سلطان کی وفات کے بعد اس کے لڑکے نے بھی ان کے مقام کو بلند رکھا۔

دم تعزیر تھی مسلم کی صداقت بے باک
عدل اس کا تھا قوی لوث مراعات سے پاک

تختِ انصاف پر بیٹھنے کے بعد بسا اوقات کسی بڑے دشوار گذار مرحلہ سے گذرنا پڑتا ہے۔ کبھی کسی کی عزت و جاہ کا مسئلہ، کبھی رشتہ داری کی شفقت راہِ انصاف میں آڑے آجاتی ہے اور انصاف کے قلم میں لچکی پیدا ہو جاتی ہے۔ نصرتِ باری تعالیٰ ہمیشہ نیک بندوں کی یاوری کرتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

"اے ایمان والو! انصاف کرنیوالے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو۔ گو اپنے یا اپنے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار کے خلاف ہی کیوں نہ ہو خدا تعالیٰ منصف کو بہت پسند کرتا ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بنی مخذوم نامی ایک قبیلہ کی فاطمہ مخزومیہ نامی ایک عورت سے چوری سرزد ہو گئی۔ گواہی کی بنیاد پر جب یہ چوری ثابت ہو گئی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔ بنی مخزوم کے ذمہ داروں نے یہ احساس کیا کہ یہ ہمارے خاندان کے لئے بڑی شرم و ندامت کی بات ہے۔ ہم تو قبائل میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے اس کی جگہ جو جرمانہ عائد ہو اس کا بھگتنا آسان ہے میٹنگ میں یہ طے ہوا کہ سرکار کائنات کی خدمت میں یہ درخواست حضرتِ اسامہؓ جو رسالت کے چہیتے ہیں کے

ذریعے پیش کی جائے چنانچہ قبیلہ کے معزز لوگوں نے عاجزانہ درخواست کی تو اسامہ سفارش پر آمادہ کر لیا۔

حضرت اسامہؓ حاضر خدمت ہو کر عرض کیا حضور! قبیلہ بنی مخزوم بہت بے قرار و اشکبار ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ فاطمہ مخزومیہ کا ہاتھ نہ کٹنے پائے۔ اس کے عوض کوئی اور سزا طے فرما دیں!

یہ سن کر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور سرخ ہو گیا اور فرمایا:

"اے اسامہ! تیری یہ جرأت! تجھے میں پیار اور شفقت کا برتاؤ اور رعایت کا معاملہ کرتا ہوں اسکا مطلب یہ تو نہیں کہ تو اسقدر جری ہو جائے کہ حدود اللہ میں سے کسی حد کے نفاذ میں رکاوٹ بنے۔

اگر میری بیٹی فاطمہ چوری کرتی تو اس کا ہاتھ کاٹنے سے بھی گریز نہ کرتا اور دنیا کی کوئی طاقت ہاتھ کٹنے سے نہ بچا سکتی۔"

حضرت اسامہؓ لرزہ براندام ہو گئے۔ عرض کیا "پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں ویسا ہی بہتر ہے جو اللہ کے قانون کا تقاضا ہے۔"

حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں عمرو بن العاصؓ مصر کے گورنر تھے۔ ایک قبطی عیسائی نے گورنر مصر کے بیٹے کے خلاف مدینہ طیبہ میں امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظمؓ کی عدالت میں شکایت درج کرائی جس میں ذکر تھا کہ گورنر کے بیٹے نے چابک سے میری پٹائی کی جس سے میری چمڑی ادھڑ گئی ہے۔ میں انصاف کی امید لے کر آیا ہوں۔

فاروق اعظمؓ نے معاملہ کی وضاحت چاہی تو اس نے بتایا کہ مصر سے باہر گھوڑ دوڑ ہوئی۔ میرا گھوڑا ریس میں سب گھوڑوں سے آگے نکل گیا حتیٰ کہ گورنر کے بیٹے سے بھی آگے۔ صاحبزادہ کی غیرت نے گوارا نہ کیا اور اس نے مجھے چابک سے مارا۔ کرتا اٹھا کر نشان زخم دکھایا۔ فاروق اعظمؓ نے فرمایا دوسرا کام اسوقت تک نہ کروں گا جب تک کہ تجھے انصاف نہ مل جائے!

حضرت فاروق اعظمؓ نے محمد بن مسلمہؓ کو بلایا اور فرمایا کہ میرا خط گورنر مصر کے پاس لیجاؤ اور جس حال میں ہو ان کو میرے پاس لے آؤ۔ تحریر یہ تھی:

"گورنر صاحب! آپ جلد تشریف لا دیں اور اپنے ہمراہ اپنے بیٹے کو بھی لا دیں جس کے آزاد چابک نے ایک غریب کی پشت کو زخمی کر دیا ہے۔"

گورنر مصر حضرت عمرو بن العاصؓ خط پڑھتے ہی اپنے بیٹے کو ہمراہ لیکر مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے اور امیر المؤمنین فاروق اعظمؓ کی خدمت میں حاضری دی۔ عمر فاروقؓ نے قبطی کو بلایا اور تینوں کو عدالت کے کٹہرے پر کھڑا ہونے کا حکم دیا۔ عیسائی سے کہا کہ اپنی شکایت اور استغاثہ بیان کرو۔ اس نے گھوڑ دوڑ اور

ظلم کی داستان سُنائی۔ عمرو بن العاصؓ نے بیٹے نے سر جُھکا دیا۔ اور کہا ہاں مجھ سے یہ غلطی سرزد ہوئی ہے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے اپنا درّہ فاروقِ اعظمؓ کو پیش کرتے ہوئے کہا اے امیرالمومنین میرے چابک سے میرے بیٹے کو سزا دیں تاکہ انصاف کے تقاضے پورے ہوں۔

فاروقِ اعظمؓ نے فرمایا اگر آپ کے چابک سے سزا دینا ہوتی تو مصر میں دیتا۔ اب نہ آپ کا چابک ہوگا اور نہ میرے ہاتھ۔ چابک میرا اور قبطی کا ہاتھ ہوگا۔ اور پشت آپ کے لال کی ہوگی۔

اپنا چابک امیرالمومنین نے قبطی کو دے کر فرمایا "مارو جس طرح اس نے تمہیں مارا تھا، ذلیل کرو جس طرح اس نے تجھے ذلیل کیا تھا" قبطی اس کے لئے تیار ہوگیا۔ اور گورنر کے سامنے چابک لیکر کہا۔

امیرالمومنین جب اس نے مجھے چابک مارا تھا تو میری پشت ننگی تھی، چنانچہ گورنر مصر نے خود اپنے ہاتھ سے بیٹے کی پشت کو ننگا کر دیا اور قبطی نے اپنا بدلہ چکانا شروع کر دیا۔

اور فراغت کے بعد چیختے ہوئے فاروقِ اعظمؓ سے کہا:

"سچ کہا تھا کہنے والے نے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے غلام انصاف پرور ہوتے ہیں، امیرالمومنین اب مجھے بھی اسی کی غلامی میں داخل فرمائیے جس کی غلامی نے آپ کو عدل و انصاف کے یہ اصول سبق سکھائے ہیں۔"

اور اگلے ہی لمحے وہ غلامانِ محمدؐ کی صف میں آ کھڑا ہوا۔

یہ تھی وہ عظمت جس نے اسلام کو عرب سے عجم تک پہنچایا:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

انگریزوں کے فیصلے

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ فرماتے ہیں:

سیاسی مقدمات میں انگریز پہلے ہی سے یہ فیصلہ کر لیتا تھا کہ اس مقدمہ کے ملزم کو یہ سزا دینی ہے اسکے بعد مقدمہ چلتا تاکہ ملزم کی تسلی ہو جائے کہ میرا فیصلہ عدالت نے انصاف پر مبنی ہوگا، اُدھر مجسٹریٹ کو ہدایت ہوتی کہ مقدمہ چلاؤ مگر فیصلہ وہ کرنا جو حکومت کہتی ہے مثلاً تحریکِ کشمیر میں میرے خلاف سرکاری گواہ بیان دیتا ہے کہ تقریباً دو مہینے پہلے

میں نے چوک وزیر خان میں احمد علی کو حکومت برطانیہ کے خلاف تقریر کرتے سُنا ہے۔ یہ مقدمہ بورسٹل جیل کے اندر چل رہا تھا میں نے کہا یہ گواہ دو غلط بیانیاں کر رہا ہے! پہلی یہ کہ چوک وزیر خاں میں میں نے عمر بھر تقریر نہیں کی دوسرے یہ کہ دو ماہ پہلے۔ حالانکہ مجھے بورسٹل جیل میں آئے ہوئے تین ماہ کا عرصہ ہو چکا ہے! باوجود اس غلط بیانی کے مجھے سزا دیگئی اور اولڈ جیل ملتان بھیج دیا گیا۔"

ماہِ محرم الحرام کی مناسبت سے

حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ کی تحقیق و پس منظر!

سوال: مَن کُنتُ مَولاہُ فَعَلِیٌّ مَولاہُ یہ حدیث کس مقام پر کہی گئی ہے؟ اس کا راویوں کے اعتبار سے کیا درجہ ہے اور حضرت علی المرتضیٰ کو مولیٰ کہنے کا کیا مطلب ہے؟

★ ——— محمد حیات ملک الجوف بمقام المجاورہ ابھا (سعودی عرب)

الجواب

حدیث کے الفاظ مع سند یوں ہیں:

حدثنا محمد بن بشار حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة عن سلمه بن كهيل قال سمعت ابا الطفيل يحدث عن ابی سريحة او زيد بن ارقم شك شعبة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال من كنت مولاه فعلی مولاه هذا حديث حسن غريب (ترمذی ص۲۱۳ جلد۲)

اس روایت کی سند میں دو راوی سلمہ بن کہیل اور ابوالطفیل کے بارے میں فنِ اسماء الرجال کے ماہرین نے لکھا ہے کہ ان میں تشیعیت کی بُو آتی ہے۔ چنانچہ سلمہ بن کہیل کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

وقال العجلی کوفی تابعی ثقة ثبت فی الحديث وكان فيه تشيع۔ الخ

وقال يعقوب بن شيبة ثقة ثبت علی تشيعه۔ (تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانی ص۱۵۶ جلد۴)

اور ابوالطفیل کے بارے میں ابن سعد کہتے ہیں:

كان ... فی الحديث وكان متشيعاً۔ (تہذیب التہذیب ص۸۳ جلد۵)

چنانچہ ایک شیعہ ہزار ثقہ و صدوق ہو حضرت علی المرتضیٰؓ کے مناقب کے بارے میں اسکا قول لائق التفات نہیں ہو سکتا۔
ہاں پھر اگر مذکورہ روایت کے مضمون پر غور کیا جائے تو یہی مطلب واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس کا
میں دوست ہوں اس کا علیؓ بھی دوست ہے۔

قیل معناہ من کنت اتولاہ فعلی یتولاہ من الولی ضد العداوی من کنت احبہ فعلی یحبہ وقیل معناہ من یتولانی فعلی یتولاہ (تحفۃ الاحوذی ص ۳۲۲ ج ۴)

اس ارشاد کا پس منظر یہ ہے کہ جب ملک یمن میں اسلام کی اشاعت ہوئی تو یمنی لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عالم و قاری، مفتی و قاضی اور جرنیل طلب کئے۔ جو یمنی لوگوں کی ہر طرح سے تربیت کریں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو قرآن مجید پڑھانے کے لئے، حضرت خالد بن ولیدؓ کو جنگی طریقے سکھانے کے لئے اور حضرت علی المرتضیٰؓ کو مقدمات کے فیصلے کرنے کے لئے بطور مفتی و قاضی بنا کر بھیجا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت علیؓ یمن سے ہی تشریف لائے تھے۔ قیام یمن اور یمن سے مکہ معظمہ تک پہنچنے کے زمانے میں بعض واقعات کی بنا پر کچھ لوگ حضرت علیؓ سے ناراض ہو گئے۔ کیونکہ دستور ہے کہ جب دو آدمی کوئی جھگڑا یا مقدمہ لیکر کسی عدالت میں جاتے ہیں تو فیصلہ ایک کے حق میں اور دوسرے کے خلاف ہوتا ہے۔ تو جن لوگوں کے خلاف حضرت علیؓ کی زبان و قلم سے فیصلے ہو چکے تھے وہ لوگ حضرت علیؓ کا شکوہ کرنے لگے۔ یہ بات پہنچتے پہنچاتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی پہنچ گئی۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کا بازو پکڑ کر فرمایا لوگو!

"من کنت مولاہ فعلی مولاہ"

یعنی "جس کا میں دوست ہوں اسکو علیؓ کے ساتھ بھی محبت و دوستی رکھنا ہوگی!"

(روح المعانی السید محمود آلوسی بغدادی ص ۱۹۴ جلد ۶)

واقعہ فدک کی تحقیق

سوال: باغ فدک کا واقعہ کیا ہے اور یہ کہاں واقع ہے؟

محمد حیات ملک ——— سعودیہ عربیہ

الجواب

فدک ایک شہر کا نام تھا جو مدینہ منورہ سے شمال جانب تقریباً تین منزل کی مسافت پر واقع تھا۔
حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "فتح الباری" میں تحریر فرماتے ہیں:

"واما فدک وھی بفتح الفاء المھملۃ بعدھا کاف بلدۃ بینھا وبین المدینۃ ثلاث مراحل" (ص ۱۵ جلد ۱)

۷ھ میں جب خیبر فتح ہوا تو یہود فدک نے مرعوب ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کر لی اور پیداوار

سے اہل خیبر کی طرح حصہ دینا منظور کر لیا۔ اراضی فدک کی آمدنی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اور حضرت علیؓ کے گھر کے اخراجات الگ کر لیتے تھے باقی ماندہ کو مدینہ کے غرباء پر خرچ کر دیتے تھے نیز اسی فدک کی آمدنی میں سے دیگر مصارف مثلاً جہاد فی سبیل اللہ اور مسافروں پر بھی خرچ فرماتے۔ الغرض فدک کا علاقہ خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تصرف تھا۔ اور آپ اس میں مالکانہ تصرف فرماتے تھے۔ جب آپ اس دنیا سے رخصت ہونے لگے تو اس کو خدا کی راہ میں وقف کر گئے۔ فرمایا:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انا لا نورث ما ترکنا صدقۃ۔ (بخاری شریف ص ۹۹۴ ج ۲)

حضرت صدیق اکبرؓ جب خلیفہ بنے تو حضرت فاطمۃ الزہرہؓ نے بذریعہ قاصد یہ مطالبہ کیا کہ فدک نامی شہر جس کی آمدنی ہم استعمال کرتے ہیں براہ راست میری تحویل میں دیدیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ یہ وراثت کی شکل ہو جائے گی جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان میں نے خود سنا ہے کہ پیغمبروں کا ترکہ عام صدقہ ہوتا ہے اس میں وراثت نہیں ہوتی۔ البتہ آپ کو اخراجات کے لئے وہ تمام آمدنی ملتی رہے گی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ملا کرتی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری مجھے سب دنیا سے بڑھ کر عزیز ہے لیکن میں بطور وراثت و تملیک وہ جائیداد آپ کے حوالے نہیں کر سکتا۔ حضرت فاطمہؓ یہ معقول جواب سن کر خاموش ہو گئیں اور بات ختم ہو گئی۔

مشاجرات صحابہؓ میں خاموشی لازم ہے

سوال: زید کہتا ہے کہ جمہور متقدمین کا نقطۂ نظر درست ہے کہ مشاجرات صحابہؓ میں توقف کرنا چاہیئے کہ دونوں برحق ہیں ——— بکر کہتا ہے کہ نہیں، جمہور متاخرین کا نقطۂ نظر درست ہے کہ حضرت علیؓ برحق تھے اور حضرت معاویہؓ سے اجتہادی خطا ہوئی۔ عمرو کا کہنا ہے کہ نہ صرف جمہور متاخرین کا نقطۂ نظر یہ درست ہے بلکہ جو اس نظریہ کو نہ مانے اور حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقاء کو مجتہد مخطی (غلطی کرنیوالا) تسلیم نہ کرے وہ دائرہ اہلسنت سے خارج ہے۔ اسپر زید کا کہنا ہے کہ عمرو کا یہ کہنا زیادتی ہے۔ کیونکہ جو شخص جمہور متقدمین کا مؤید ہو وہ دائرۂ اہلسنت سے کیسے خارج قرار دیا جا سکتا ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ عمرو کا نقطۂ نظر کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقاء کو مخطی تسلیم نہ کرنیوالا دائرہ اہل سنت سے خارج ہے۔ مسلک اہل سنت والجماعۃ کے مطابق ہے یا نہیں؟

——— وقار احمد صدیقی، فیڈرل بی ایریا کراچی

الجواب

عمرو کا نقطۂ نظر کہ "حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کو مجتہد مخطی تسلیم نہ کرنیوالا اہل سنت والجماعۃ سے خارج ہے"

درست نہیں۔ اس لئے کہ یہی اہل سنت والجماعت کے بعض علماء کا موقف ہے۔ احتیاط یہی ہے کہ صحابہؓ کے مشاجرات کے بارے میں توقف اختیار کیا جائے۔ علامہ ابن خلدون "مقدمہ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کے محتاط علماء کا مسلک یہ ہے کہ صحابہؓ کے منازعات میں فیصلہ دینے سے زبان بند رکھنا واجب ہے اور کسی کو ترجیح نہیں دینی چاہیئے۔ دونوں کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ ہمیں دونوں کو حق پر سمجھ کر حسن ظن رکھنا چاہیئے۔

(مقدمہ ابن خلدون طبع مصر ص۱۸۵)

وایضاً ——— وذهب سعد بن ابی وقاص و عبد الله بن عمر وجمهور الصحابة الی الوقوف فی علی و اهل الجمل و اهل الصفین و به یقول اهل السنة۔

(الملل والنحل لابن حزم ص۱۵۳ جلد۴)

وایضاً ——— هو والله الورع والاحتیاط والسکوت عما جری فی الصحابة وشجر بینهم اولی ——— وبعد اسطر ——— فان کان له رجاء امن الصحابة۔ الذین تقاتلوا فیما بینهم الی الله وتوقف عن تصویب احدی الطائفتین فهو من اهل السنة ومن حزب الورعین حقا ———

(مقدمہ اعلاء السنن لشیخ ظفر احمد تھانوی ص۱۴۲)

دسویں محرم کو شادی کرنے کا حکم

سوال: دسویں محرم کو نکاح کرنا، بچوں کا ختنہ کرانا اور دعوت ولیمہ وغیرہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ——— موسیٰ رضا نقوی

الجواب

محرم کی دس تاریخ کو نکاح کرنا، بچوں کا ختنہ کرنا اور دعوت ولیمہ کرنا شرعاً جائز ہے۔ شریعت میں اس دن میں ان امور کے ممانعت کی کوئی دلیل نہیں۔ واقعۂ شہادت کا غم ایسی چیز نہیں کہ صرف اسی دن ہوا کرے جس کو اس کا غم ہے وہ ہمیشہ غم رکھتا ہے اور شریعت میں سوائے خاوند کے کسی کے لئے تین دن سے زائد سوگ منانا جائز نہیں۔ لہٰذا نکاح شادی، ولیمہ وغیرہ اس دن میں اور تمام عشرۂ محرم میں بلاشبہ جائز ہے۔

(امداد المفتین ص۳۴۳ ج ۸۰)

کلمۃ الحق

از: ریٹائرڈ میجر امیر افضل خان
برائے الحق

قادیانؑ سے اسرائیل تک

سازشیں ہی سازشیں

میں تحریک پاکستان کا آدمی ہوں اور میں نے مسلم لیگ میں نہ صرف کھل کر حصہ لیا بلکہ اپنی فوجی زندگی میں برٹش انڈین آرمی کے مسلمان فوجیوں تک پاکستان کا پیغام پہنچایا، اور اس کے ثبوت موجود ہیں بلکہ اپنے علاقہ میں خضر حیات ٹوانہ اور اس کے ساتھیوں سے ٹکر لی۔ اسلئے مجھ پر یہ الزام نہیں لگ سکتا کہ میں مسلم لیگی حضرات میں سے ہو کر برا بھلا کیوں کہہ رہا ہوں۔ لیکن سوالات اور الجھنیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱: مسلم لیگ میں کافی زیادہ قادیانی۔ بے دین لوگ۔ ٹوڈی۔ ابن الوقت یا بے اصول لوگ تھے۔ گو اس وقت ہم خیالی کی وجہ سے ان لوگوں کو "اپنا" سمجھتے تھے۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد ان لوگوں نے پاکستان میں اسلام کو نہ نافذ ہونے دیا۔ اور پاکستان میں قیادت ہمیشہ سے بے دین لوگوں کے ہاتھ رہی۔ اب پہلی دفعہ سربراہ مملکت دینِ اسلام کا نام لے رہا ہے۔

۲: تحریک پاکستان کے وقت کافی سے زیادہ مذہبی لوگ اور مذہبی جماعتیں مثلاً احرار اسلام۔ خاکسار جماعتِ اسلامی اور جمعیۃ علماءِ ہند وغیرہ مسلم لیگ سے الگ رہیں۔ کیا یہ سب غدار تھے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ معلوم ہوتا ہے انگریز کی کسی سازش کے تحت ان لوگوں کو مسلم لیگ سے دُور رکھا گیا۔ یا ان لوگوں کو امید نہ تھی کہ لیاقت علی خان اور دولتانہ قسم کے لوگ کوئی اسلامی ملک بنالیں گے یا چلا سکیں گے۔ اور یہ بات پوری بھی ہوئی۔

۳: قادیانیوں کو کیوں نہ پاکستان میں شامل کیا گیا۔ لیکن قادیانیوں کو پاکستان میں مراعات دی گئیں۔ اور وہ پاکستان پر آکر چھا گئے۔

۴: جس دن ۱۹۴۷ء میں سرحد کے مجاہدین نے مظفر آباد والے راستے سری نگر وغیرہ کی طرف حملہ کیا اسی دن پنجاب کے مجاہدین نے سیالکوٹ کے محاذ سے جموں وغیرہ کی طرف حملہ کرنا تھا۔ اس حملہ کو کیوں روک دیا گیا اور سیالکوٹ کے قادیانی ڈپٹی کمشنر ایم ایم احمد (غلام احمد کذاب کا پوتا) نے اس سلسلہ میں کیا رکاوٹیں پیدا کیں۔

۵: انگریز کمانڈر انچیف نے قائد اعظم کا وہ حکم کیوں نہ مانا کہ جموں کٹھوعہ سڑک کاٹ دی جائے اور بھارتی فوج کو کشمیر جانے دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو قادیان کا علاقہ میدان جنگ بن جاتا۔ اور سازش یہ بھی کہ قادیان کو تب پاکستان میں شامل کیا جائے جب چھوٹا سا "قادیانی پاکستان" باقی رہ جائے۔

۱۶: کیا اسی سازش کے تحت پاکستان بننے کے بعد سیالکوٹ میں ایسے انگریز پرست افسر تعینات کئے گئے جنہوں نے سیالکوٹ سے مجاہدین کو جموں کٹھوعہ سڑک کی طرف نہ جانے دیا کہ قادیان کو کوئی خطرہ نہ بنے!

۱۷: کیا ستمبر ۱۹۶۵ء یا دسمبر ۱۹۷۱ء میں بھی کسی سازش کے تحت سیالکوٹ سے کوئی جارحانہ کاروائی کی گئی قادیان میدان جنگ نہ بن جائے اور دونوں جنگوں میں اپنے بڑے علاقہ بھارت کے حوالے کر دیئے گئے اور اپنے لوگ بے گھر ہو گئے۔

۱۸: یہ سازش جاری ہے اور گو آپ نے اپنی کتاب "قادیان سے اسرائیل تک" میں مسیدے طور پر اس کا ذکر نہیں کیا لیکن اپریل کے ماہنامہ الحق میں "زخمی سانپ" کا ذکر کر کے قوم کو تنبیہ کی ہے اور اصلی سازش بھی یہی ہے کہ اب قادیانی چھپ گئے ہیں۔ یعنی ان میں سے اکثر تو پچھلے پچاس سالوں سے مسلمانوں کا روپ دھارے ہوئے ہیں اور ربوہ میں ایک الگ رجسٹر میں ان کے نام ہوتے ہیں بلکہ ایسے بے دین لوگوں کے نام بھی ہوتے ہیں جو قادیانیوں کی مدد کرتے رہتے ہیں۔ خاص کر وہ لوگ جو اپنی بہن یا بیٹی کا رشتہ کسی پکے قادیانی یا چھپے ہوئے قادیانی کو دیتے ہیں۔ اور کوشش یہ ہو رہی ہے کہ ایسے چھپے ہوئے قادیانی حکومت کے شجرۂ نسب میں اوپر آ جائیں اور ایک دن حکومتِ پاکستان پر ان کا قبضہ ہو جائے۔

۱۹: یہ پاکستان خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو اور صرف پنجاب تک ہی محدود کیوں نہ ہو یا سندھ کا کچھ علاقہ اس میں شامل ہو بہرحال اسی سازش کے تحت مشرقی پاکستان کو الگ کیا گیا کہ ڈھاکہ کی آخری کانفرنس میں جنرل یحییٰ کا مشیر خاص ایم ایم احمد تھا۔ اسی سازش کے تحت پختونستان۔ سندھو دیش۔ اور بلوچ قومیت کے نعرے لگتے تھے اور ایسی ہی سازشوں کے تحت ہم فرقہ وارانہ جھگڑوں میں پڑ جاتے ہیں۔ کہ آج جب ہم ختم نبوت کے سلسلہ میں متحد ہوئے ہیں تو بریلوی دیوبندی گروہ بندی کے تحت قوم کو بانٹا جا رہا ہے۔

۱۰: لطف کی بات یہ ہے کہ بعض دفعہ اَن جانے ہم ان سازشوں کے ہاتھوں میں کھیلتے رہتے ہیں اور کسی حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے۔ اب بات سیدھی ہے کہ انگریز یعنی برٹش خفیہ سروس، قادیانی اور پاکستان کے بے دین یا بے اُصول آدمی ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں اور ان میں کچھ اقدار مشترک ہیں۔ راقم اس سلسلہ میں ۱۹۷۹ء میں نوائے وقت میں مضمونوں کا ایک سلسلہ شائع کروا چکا ہے کہ لیاقت علی۔ ظفر اللہ۔ سکندر مرزا اور انگریز جنرل کا تعاون پاکستان بننے کے بعد کسی طرح پاکستان کے کرتا دھرتا بن کر انگریزوں کے ہاتھوں میں کھیلتے رہے اور پاکستان کو مضبوط نہ ہونے دیا یعنی پاکستان کو لنگڑا ہی رکھا۔ ہاں البتہ برٹش خفیہ سروس کی جگہ ۱۹۵۶ء سے سی۔آئی۔اے نے لی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہی انگریز میجر جنرل کا تعاون جو بعد میں آسٹریلیا کا ہائی کمشنر بن کر پاکستان آیا اور زیادہ وقت سکندر مرزا اور امریکی سفارت کے ساتھ گذارتا تھا۔ سکندر مرزا کو پاکستان چھوڑنے سے پہلے جس واحد آدمی کیساتھ ملنے کی اجازت

دی گئی وہ جنرل کا تھوران تھا۔

اب بجائے اس کے کریں اپنے سوالات یا الجھنیں جو لکھی ہیں ان کا تفصیلاً جواب دوں اور واقعاتی جائزے پیش کروں تو یہ بہتر ہوگا کہ پہلے یہ گُتھی حل کر لیا جائے کہ اگر پاکستان بننے کے بعد انگریز یا دوسرے اس کے واقعات میں اتنی دلچسپی لے رہے ہیں تو کیا تحریک پاکستان میں انہوں نے اپنا "حصّہ" پوری طرح نہ لیا ہوگا۔ میں تو یہاں تک جاؤں گا کہ انگریز نے ہر سیاسی جماعت میں اپنے تنخواہ دار چھوڑے ہوئے تھے جنہوں نے مسلمانوں کو متحد نہ ہونے دیا اور ہمیں لنگڑا پاکستان ملا۔ اور یہی انگریز کی خواہش تھی کہ لنگڑا اور کمزور پاکستان اپنے معاملات میں الجھا رہے گا اور آہستہ آہستہ قادیانی اوپر آجائیں گے!

لطف کی بات یہ ہے کہ ایسے انگریز پرست۔ ٹوڈی۔ ابن الوقت اور بے دین لوگ باقی سیاسی پارٹیوں کی نسبت مسلم لیگ میں زیادہ تھے اور میرے ایک بزرگ میاں رکن الدین مرحوم جو انگریزوں کے دشمن تھے اور تحریک خلافت میں قید بھی ہوئے لیکن وہ مسلم لیگ میں شامل نہ ہوتے تھے اور ان کے بیٹے میاں نذیر عالم مرحوم میری کوششوں سے بڑی مشکل سے ۱۹۴۴ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور خضر حیات ٹوانہ کو مسلم لیگ سے نکال دیا گیا۔ تو انہوں نے کہا کہ "اب مسلم لیگ کچھ پاک ہوئی ہے ورنہ یہ ٹوڈی لوگوں کی جماعت ہے اور اس سے کوئی امید وابستہ رکھنا صحیح نہ ہوگا"۔

انگریز از خود یہ نہ چاہتا تھا کہ مذہبی لوگ مسلم لیگ میں آئیں اور ہمارے مذہبی لوگ یا مذہبی جماعتیں جو مسلم لیگ سے دور رہیں تو اس میں کچھ انگریز کا بھی ہاتھ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ پاکستان کی باگ ڈور بے دین لوگوں کے ہاتھ میں رہے کہ وہ اس کی مرضی کے مطابق کام کریں گے۔ انگریز کی یہ سازش اتنی گہری تھی کہ قائداعظم اور مسلم لیگ والے باؤنڈری کمیشن کے سامنے ظفر اللہ کو اپنا وکیل بنانے پر مجبور ہو گئے بلکہ بعد میں کسی سازش یا مجبوری سے یہی ظفر اللہ ہمارا وزیر خارجہ بن گیا اور کشمیر کے مسئلہ کو خراب کیا۔ اگر کشمیر پاکستان کو مل گیا ہوتا تو کسی حق جلنے قادیان کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہوتی اور ربوہ بنانے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

یہی ظفر اللہ قادیانیوں کا وکیل بھی تھا اور وہاں قادیانیوں نے اپنے آپ کو باقی مسلمانوں سے الگ تھلگ ظاہر کیا اور یہ چیز ریکارڈ میں ہے۔ جسٹس منیر خود قادیانیوں کا ہمدرد تھا یا قادیانی تھا، بہرحال بے دین ضرور تھا کہ اس کی کتاب سے ظاہر ہے۔ تو اسطرح قادیانیوں کے مسلمانوں سے الگ ہوجانے کے بعد گورداسپور کی باقی تین تحصیلوں میں مسلمانوں کی تعداد کم ہوگئی اور قادیان بھارت کا حصہ بنا۔

قادیانیوں کا بال بھی بیکا نہ ہوا اور قادیانی بریگیڈیر بعد میں جنرل نذیر کے تحت ان لوگوں کو بحفاظت پاکستان پہنچا دیا گیا۔ اور وہ لوگ پاکستان میں "مظلوم" بن کر داخل ہوئے۔ اس لئے جو تحریک ۱۹۵۳ء میں ان کے خلاف شروع

ہوئی وہ ۱۹۴۷ء میں شروع ہو جاتی۔ تب تک قادیانی مضبوط ہو چکے تھے۔ اور نقصان مسلمانوں کا ہوا۔
اگر مذہبی لوگ مسلم لیگ میں ہوتے اور ویسے بھی قادیان پاکستان کا حصہ بن جاتا تو پہلے ہی دن یہ تحریک ہو جاتی۔ قادیان کی اینٹ سے اینٹ بجا دو۔ غلام کذاب کے پیروؤں کو ختم کرو۔ اللہ اور رسولؐ کے نام پر بنائے گئے پاکستان میں جھوٹے نبی کے پیروکاروں کا مرکز نہیں رہ سکتا اور اس تحریک کے تحت مذہبی لوگ اوپر آجاتے اور پاکستان کی باگ ڈور ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں چلی جاتی جو اسی وقت اسلام نافذ کر دیتے۔
لیکن سازش بہت گہری تھی پاکستان بننے کے بعد سیالکوٹ کا پہلا ڈپٹی کمشنر غلام کذاب کا پوتا ایم ایم احمد تھا وہ طریقے سے گورداسپور اور امرتسر سے قادیانیوں کو نکال رہا تھا۔
ڈسکہ میں ظفراللہ کا خاندان ایک مرکز بنائے تھا اور بھارت سے آنے والے "مظلوم" قادیانیوں کو ملک کے چپہ چپہ پر خاص کر پنجاب میں ایک تجویز کے تحت پھیلایا جا رہا تھا کہ ہر جگہ ان کے منتظم اور اعلیٰ افسر مقرر تھے اور قادیانی ایک ٹریڈ یونین کے تحت پاکستان کے معاملات پر چھائے ہوئے تھے۔
راقم کے سامنے لوگوں نے ممتاز دولتانہ سے یہ شکایت کی ایم ایم احمد کو سیالکوٹ سے تبدیل کیا جائے ممتاز دولتانہ نے ایک ہفتہ کا وعدہ کیا لیکن اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا کہ لیاقت علی۔ ظفراللہ۔ سکندر۔ کا تھوڑا گروہ مرکز پر چھا چکا ہے اور قائد اعظم کو بھی اندھیرے میں رکھا جا رہا تھا۔
خان قیوم کھلی مجلسوں میں سینکڑوں دفعہ کہہ چکے تھے کہ جب سرحد کے مجاہدین وادی کشمیر میں داخل ہوئے تو پنجاب کے مجاہدین کو حکومت نے روک لیا اور نواب ممدوٹ نے ۱۹۵۲ء میں ریل کے ایک سفر کے دوران راقم کے سامنے یہ تسلیم کیا کہ ایسا لیاقت علی خاں کے حکم پر کیا گیا تھا بلکہ اس کے دو وزیر دولتانہ اور شوکت حیات بھی لیاقت علی کے ہم خیال تھے۔
یہ کچھ تو بڑی سطح پر تھا بلکہ اس زمانہ میں سیالکوٹ سے فرنٹیئر فورس رجمنٹ کو نکال کر ایبٹ آباد لایا گیا اور اسکی جگہ انبالہ سے پندرہ پنجاب کو لانے میں دیر کر دی گئی کہ سیالکوٹ چھاؤنی میں مسلمان فوجی صرف سولہ پنجاب کے تھے اور اس رجمنٹ کے ہندو سکھوں کو جان بوجھ کر سیالکوٹ رکھا گیا۔ اور اکتوبر نومبر ۱۹۴۷ء میں بھارت بھیجا گیا۔ یہ لوگ اپنی رائفلیں اور بارود گوردوارہ میں اپنے ماتحت رکھے ہوئے تھے۔
ادھر ایم۔ ایم احمد اور سولہ پنجاب کا کرنل ہوبرٹ کے ساتھ مل کر سرحد کی سخت دیکھ بھال کر رہے تھے کہ یہاں سے کشمیر جموں کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہو۔ آخر اس میں کیا راز تھا؟
تو راز یہ تھا کہ ہماری فوج کے کئی افسر عشق رسولؐ میں ڈوبے ہوئے ہیں اور اس چیز کو امریکن اور یہودی اخبارات بھی تسلیم کر چکے ہیں کہ پاکستانی فوج میں اکثر لوگ عشق رسولؐ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگ اکثر کہتے

قادیانیت کے کینسر کا خاتمہ کر دیا جائیگا! صدر ضیاء الحق

قادیانیوں کو اسلامی شعائر کے استعمال سے روک دیا گیا۔

جنگ رپورٹ ۱۱ ستمبر

لاہور۔ ملک میں سے انشاء اللہ بہت جلد قادیانیت کے کینسر کا خاتمہ کر دیا جائیگا۔ یہ بات صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے گذشتہ ماہ لندن میں ہونیوالی بین الاقوامی ختم نبوت کے اجلاس میں ایک پیغام کے ذریعے کہی۔ صدر مملکت نے کہا کہ حکومت نے گذشتہ چند برسوں میں قادیانیوں کو شعائر اسلام کے استعمال سے روک دیا ہے۔ کیونکہ ہر مسلمان کا یہ عقیدہ اور ایمان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کوئی نبی آیا ہے اور نہ آئے گا، نہ پیدا ہوگا!

صدر نے کہا کہ بہت خوشی کی بات ہے کہ جنوب مشرقی ایشیا کے مسلمانوں نے قادیانیوں کے عزائم اور ان کی جانب سے تاریخ اسلام کو مسخ کرنے کی ناپاک جسارت کو بے نقاب کر دیا تھا۔ اور حکومت نے اقدامات کے ذریعے ان کو حقیقی مقام تک پہنچا دیا ہے۔

اس کانفرنس میں پاکستانی مندوب کی حیثیت سے شریک ہونے والے مولانا عبدالستار آزاد نے جنگ کو ایک خصوصی انٹرویو کے دوران بتایا کہ کانفرنس میں یہ بات طے کی گئی ہے کہ دُنیا بھر میں قادیانیت کا بھرم اور ان کو شعائر اسلام کے ساتھ مذاق کرنے سے روکنے کے لئے ختم نبوت کانفرنسوں کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ قادیانیوں نے دنیا کے بعض ممالک میں اسلام کو نہ صرف بریلویت، دیوبندیت اور اہل حدیث مکتبۂ فکر کے باہمی اختلافات بیان کر کے اسے پرانا اور فرسودہ بتانا شروع کر دیا ہے اور وہ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ اس فرسودہ اسلام کی بجائے قادیانیت ہی صحیح اسلام ہے اور پاکستان میں مذہبی بنیادوں پر اختلافات بہت زیادہ ہیں اور یہ تصادم کی صورت اختیار کر رہے ہیں۔

مولانا آزاد نے کہا کہ لندن میں ختم نبوت کانفرنس کے انعقاد نے پورے یورپ کی آنکھیں کھول دی ہیں کہ واقعی قادیانی کافر و مرتد ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسلامی ریاست میں قادیانی واجب القتل ہیں کیونکہ ان میں سے پیدائشی قادیانی کافر ہیں۔ انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ قادیانیوں پر "جزیہ" فی الفور عائد کیا جائے۔ انہوں نے جھوٹی نبوۃ کے دعویدار مرزا کی قلعی کھولنے کے لئے لندن میں ایک بڑا اسلامی ادارہ قائم کرکے اور بیرون ملک مقیم مسلمان بچوں اور بچیوں کو مغربی تہذیب کے اثرات سے محفوظ رکھنے اور مخلوط تعلیم کے نقصانات سے بچانے کے لئے ملک میں اوپن یونیورسٹی کی طرز پر ایک تعلیمی ادارہ قائم کر کے بیرون ملک مقیم بچوں اور بچیوں کو تعلیم کی سہولتیں فراہم کرے۔ انہوں نے ملک میں

خواتین یونیورسٹی کے قیام پر بھی زور دیا جبکہ انہوں نے بتایا کہ اس کانفرنس میں تقریر کے دوران انہوں نے ایران عراق جنگ کے فوری خاتمہ اور قادیانیوں کے بارے میں صدارتی آرڈیننس اور نام نہاد حج و حجاز کانفرنسوں کے بارے میں بھی اظہارِ خیال کیا۔ کانفرنس میں متعدد قراردادیں منظور کی گئیں!

تحفظ ختم نبوت کی کامیابی کا سہرا درج ذیل مشن علماء کے سر ہے

- حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب مدینہ منورہ
- حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب دیوبند
- حضرت علامہ مولانا خالد محمود صاحب پی ایچ ڈی لندن
- حضرت مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی ایم۔پی۔اے
- حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی مجلس تحفظ ختم نبوت
- حضرت مولانا محمد مکی صاحب مکہ مکرمہ
- حضرت مولانا خان محمد صاحب امیر مجلس ختم نبوت
- حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب پاکستان
- حضرت مولانا زاھد الراشدی جمعیۃ علماء اسلام
- حضرت مولانا پیر سید غلام حبیب شاہ صاحب

- ادارہ جملہ مندوبین کو مبارکباد کے بعد کامیابی کی دُعا کرتا ہے اور ادارہ ھذا ان شاء اللہ اس مشن سے ہر قسم کا تعاون کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ کہ یہ مشن جامعہ رشیدیہ کا اپنا مسلک ہے! (ادارہ)

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ـــ لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب رضؓ

- جملہ اقسام کی نبوت و رسالت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم و بند۔ــــــــــ آپ کے بعد کوئی نیا نبی پیدا نہ ہوگا ــــــ قدیمی مسیحؑ امتی بن کر نازل ہوں گے ــــــ
- مقامِ صدق و خلافت اولیٰ، خصوصیاتِ صدیقی رضؓ نبوت کا جوہرِ فاروقی۔ لیکن کمالاتِ نبوت ختم۔ البتہ جہاد ہر نوع جاری و ساری!

انشاء اللہ ۱۴۰۶ھ قادیانیت کے لئے تباہی کا سال ہوگا!

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر

”فاسق و فاجر کی تعریف سے عرشِ الٰہی کانپ اُٹھتا ہے“ الحدیث

★ جب فاسق و فاجر کی خوبیاں اور حسنات بیان کرنے سے عرشِ الٰہی حرکت میں آجاتا ہے تو قیاس فرمائیے کہ کافر، مرتد، منافق کی عیادت و تعزیت اور دُعا سے حاملینِ عرش ملائکہ کا کیا حال ہوگا ؟ اور مسلمانوں کے جذبات مجروح ہو کر پوری قوم پر کپکپی کیوں نہ طاری ہوگی ؟ یہ دین کے مسئلہ کی بات ہے! غور و فکر سے پڑھو، عقل و تدبّر سے سمجھو!

★ جن سیاسی نادانوں یا مقتدر شخصیتوں نے کسی کافرِ اکبر، مُرتدِ اعظم، منافق، منکرینِ حدیث پرویزی، آغاخانی کی عیادت، ذاتی یا سیاسی تعریف یا دُعا وغیرہ کی ہو، یا جنازہ میں شرکت کی غلطی کی ہو ان کو توبہ استغفار کرنی چاہیئے اور تجدیدِ ایمان کریں، ورنہ انجام کا خطرہ ہوگا! اور قوم ان کو کبھی معاف نہ کریگی۔ ایسے لوگوں پر آئندہ ملکی قیادت و سیادت میں کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ اس حرکت سے سیاسی طالع آزماؤں کی مرزائیت نوازی واضح ہو کر بلّی تھیلے سے باہر آگئی!

★ خصوصاً ایسے سیاستدانوں پر تحیّر و تعجب ہے جنہوں نے جنگِ آزادی میں حصہ لیتے ہوئے انگریز کی مخالفت میں حصہ لیا اور اب انگریز کے خود کاشتہ پودے کی حمایت میں بیانات دیتے نہیں شرماتے!

ع۔ ترا اے کاشکے مادر نزادے

ع۔ تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو! ع۔ والئے کہ در پس امروز بود فردائے

وذروا ظاہر الاثم و باطنہ

۔۔۔ از دارالافتاء رشیدیہ

تعزیت نامے ۵

① محمد الطاف الرحمٰن
وزارت الدفاع شعبۃ الہندسہ ________ سلطنتِ عمان

لائقِ صد احترام حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ الرشید موصول ہوا۔ خلافِ معمول سیاہ سرورق دیکھ کر دل دھک رہ گیا۔ خدا خیر کرے۔ کھولا ــــ اور پڑھا۔ ہاں اس سرورق کو کالا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ اُجالا جو اٹھ گیا

انا للہ وانا الیہ راجعون!

محترم ــــ ہم سب مجبور ہیں۔ شاکر برضائے ایزدی ہیں۔ کیونکہ یہ تو مرتب کرنیوالے کی ترتیب ہے مگر بہر حال یہ نقصانِ عظیم ہے۔ دین کا ماہتاب تھا جو ہم سے چھن گیا۔

سوگوارانہ جذبات واحساسات کے ساتھ آپ سب کے شریکِ غم ہوں اور دُعاگو ہوں کہ خدا تقویٰ کے اس پیکر کو غریقِ رحمت کرے۔ آمین اور جنت الفردوس کے اعلیٰ ترین مقامات پر انہیں فائز کرے۔

آپ دیارِ غیر میں باقاعدگی سے "الرشید" ہم پہنچاتے ہیں۔ بہت بہت شکریہ۔ میں تو دنیا کے لہو لعب میں الجھا ہوا انسان ہوں، گنہگار ہوں۔ "الرشید" احساس دلاتا ہے کہ مسلمان بھی ہوں، کسی قدر اصلاح بھی ہو جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ آمین!

شوال المکرم کا شمارہ ملا تو پورا ایک ہی نشست میں پڑھا۔ میں دنیادار انسان تو آج تک حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحبؒ کی شکل نا آشنا ہی رہا۔ پہلی دفعہ ان کا ذکر اتنی تفصیل سے پڑھا۔ اور جب احساس ہوا تو گویا ہی نہ رہا۔ شاید یہی وہ لوگ ہیں جن کے دم سے دنیا قائم ہے۔ خدا تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اس چشمۂ فیض کو سدا رواں دواں رکھے جس کو خود حضرت مولانا مرحوم جاری رکھنے کے لئے کوشاں رہے۔ خدا کرے پیاسے ویسے ہی سیراب ہوتے رہیں۔ خدا ہمیں انہیؒ جیسا ساقی دے جو پیاس بجھاتا ہے اور جامعہ رشیدیہ کو آباد رکھے آمین"

② انجمن اصلاح البیان دار العلوم دیوبند ________ ضلع سہارنپور

محترم مدیر اعلیٰ فاضل حبیب اللہ رشیدی!

سلام مسنون! کافی عرصے سے آپ کا مبارک اور پُروقار ماہنامہ "الرشید" زیرِ مطالعہ رہا۔ حق و باطل کی

جنگ، فتنۂ قادیانیت پر ضرب کاری اور اس جماعتِ ملعونہ کا قلع قمع کرنے میں سر دھڑ کی بازی اور پھر اہلِ باطل کا تشدد اور اہلِ حق کا احقاقِ حق ایک ایسا جہاد اور پرسعید اقدام ہے جو ہر ایک کے نصیب میں نہیں۔

یوں تو حق کی باطل کے ساتھ ہمیشہ جنگ رہی اور باطل نے ہمہ دم پنجہ آزمائی کی کوشش کی ہے لیکن حق و باطل کی جو جنگ آپ کے یہاں چھڑی ہے بہت ہی انوکھی اور انتہائی عبرتناک ہے۔

شہدائے ختم نبوت (ان پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں) کا کیا قصور تھا؟ یہی ناکہ وہ حق کی حقانیت کے سامنے باطل کے بطلان اور اس کی ظلمتوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان کا صرف یہی قصور تھا کہ ان جانباز نفوس کی کوششوں سے باطل کی تاریکیاں چھٹنے لگی تھیں۔ لیکن آہ کہ اس کا بدلہ اور صلہ یہ دیا گیا کہ باطل و تاریکیاں ان کے جان کے لالے پڑ گئیں اور ان حضرات کی بھی ثبات قدمی کہ راہِ حق میں جان بحق ہونا گوارہ کر لیا۔ یقیناً اسوقت اگر کوئی سننے والا ہوتا تو ان کی شیریں اور راہِ حق میں تڑپتی ہوئی زبان سے " فزت ورب الکعبۃ " کی صدا ضرور سنتا۔

لیکن باطل کے پجاریوں کو کان کھول کر سن لینا چاہیئے کہ اگر باطل کی ظلمت و تاریکی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے کا یہی بدلہ ہے تو ایسی لاکھوں جانیں قربان ہو جائیں پھر بھی اہلِ حق کی زبانیں دل سے گویا ہوں گی کہ :

" حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا! "

مسئلہ ختم نبوت پر علماء کرام کے بیش بہا مقالات اور فیصلہ کن مضامین پہلے بھی لکھے گئے تھے اور مطالعہ میں بھی آئے۔ لیکن اس موضوع پر "الرشید" کے مسلسل مضامین شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خدا کرے زورِ قلم اور تیز ہو۔ اور ماہنامہ "الرشید" کی عمر دراز ہو کہ باطل کو لوہے کا چنا چباتے رہنا پڑے،

ہم اہلِ انجمن "الرشید" کے جملہ عملہ کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں اور فتنۂ قادیانیت اور اس کی ناشائستہ حرکتوں کی پُرزور مذمت کرتے ہیں ——————— والسلام

(۳) جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی (انڈیا)
از ڈاکٹر رشید الوحیدی صاحب

حضرت محترم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! الرشید بہت پابندی سے مل رہا ہے۔ اللہ پاک آپ کو تادیر صحت مند اور سلامت رکھے۔ جامعہ اور الرشید کو لمحہ لمحہ ترقیوں سے نوازے۔ فرقہ ضالہ "قادیانیت" کے مقابلہ میں آپ، آپ کا رسالہ، آپ کا مدرسہ اور مدرسہ کے اراکین جس طرح سینہ سپر ہیں، وقت، قلم زبان، حتیٰ کہ جان تک کی قربانی دے رہے ہیں، ناموسِ رسالت کی اس حفاظت کے صلے میں انشاء اللہ آپ سبکو اللہ پاک کا سب سے بڑا انعام اور اس کے لاڈلے شہنشاہِ دوجہاں کی پناہ و شفقت حاصل رہے گی۔ انشاء اللہ!

(۴) از مولانا عبدالحق صاحب حقانی ایم اے ---------- دارالعلوم دیوبند

محترم مدیر الرشید!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ الرشید کے کئی شمارے پڑھنے کو ملے۔ اس کے شگفتہ اور دلنشین مضامین کو پڑھ کر "ھل من مزید" کا تقاضا ہو رہا تھا۔ مولانا حبیب اللہ صاحب کے قلم کی گلکاریاں جب فردوس نظر ہوتی ہیں تو فرحت دلکشاں جھلملا اٹھتی ہے۔ میں مولانا کے مضامین اور اس کے حسنِ اسلوب کا بہت مداح ہوں۔ قادیانیت کی تحریک کی پُرزور مخالفت کرنے میں فاضل حبیب اللہ اور ارباب جامعہ کا جو کردار رہا ہے اسے تاریخ اپنے دامن میں لائے بغیر نہیں رہ سکتی۔ تاریخ ایسے فرزندوں کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی ہے۔ آپ کی تحریر میں مادہ اشتعال ہے جو لوگوں کے دلوں میں ولولہ اور جوش پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ آپ کا اندازِ صحافت اک شعلۂ جوالہ ہے جو اربابِ باطل کو خاکستر کر کے رہے گا۔ اگر اسی طرح جامعہ نے ہر طوفان اور فتنہ کا دل کھول کر مقابلہ کیا تو ان شاء اللہ وہ دن دور نہیں کہ جامعہ کی خدمات پر ارباب مدارس اسلامیہ اور بزرگان دین رشک کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔

والسلام

مجاہدین حُرّیت کا صبر و استقلال

اور سوائے بیڑی، ہتھکڑی اور ڈنڈے کے جو پہلے سے زیبِ تن تھے یہاں ایک بیڑی موٹی آہنی زنجیر بھی ہماری بیڑیوں کے بیچ میں پھنسائی گئی کہ جس سے اپنی اپنی جگہ سے کوئی ہل نہیں سکتا تھا — جب تک ہم جہاز پر رہے (جزائر انڈیمان جاتے ہوئے) اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے پاخانہ پیشاب کرتے رہے۔ اسوقت قریب قریب آدھا آدھا من لوہا ہمارے جسم پر تھا۔ باوجود پانی کی اس کثرت کے (کہ) دریائے سندھ ہمارے زیرِ پا تھا ہم پڑے پڑے تیمم سے نماز پڑھتے تھے۔

تواریخ عجیب ص ۴۳

بحوالہ علماءِ ہند کا شاندار ماضی ص ۔۔۔

ع سَر داد نہ داد دست دَر دستِ یہود

بر فلکِ عدل — چو مہر و ماہ ست — غنی رضؓ
شاہ است — غنیؓ — و شہنشاہ ست — غنی رضؓ
چوں جامع — مصحف — الہ ست — غنی رضؓ
دین — ست — غنی — و — دین پناہ ست — غنی رضؓ
ہم زلفِ — علیؓ — و — خالوئے — حسنینؓ
فردوسِ — دل و — جنتِ نگاہ ست — غنی رضؓ
صدیقؓ — و — عمرؓ — بہرِ دین — سقف و عماد
چوں — "باب" — علیؓ ست شہر پناہ ست غنی رضؓ
سرداد! نہ داد — دست — در دستِ یہود
حقا! کہ نشانِ — لا الٰہ — ست غنی رضؓ

اثرِ خامہ
سید ابو معاویہ ابوذر بخاری

جامعہ رشیدیہ کا تبلیغی اجتماع

جامعہ کے مقاصدِ حسنہ والے جہاد میں تعلیم و تبلیغ کو اولین اہمیت حاصل ہے
جامعہ کے بنیادی اغراض و سیاسی مقاصد میں تعلیمات اسلامی و تبلیغِ دین بڑے
اہم ستون ہیں۔ تعلیمات کے لئے جامعہ کے مدارس باضابطہ معیار و روایات کے
ساتھ شب و روز تعلیم و تعلّم میں مصروف علم و عمل رہتے ہیں۔ اور طلباء کی تربیّت کی جاتی ہے۔
تبلیغ کی نشر و اشاعت کے لئے اوّلاً جامعہ کا ترجمان ماہنامہ الرشید قلمی جہاد
کے محاذ پر جملہ باطل قوتوں کو للکارتا رہتا ہے اور البر شکن ہے!

ثانیاً

جامعہ کے تبلیغی اجتماعات نہایت اعتدال کے ساتھ حضرات اکابر علماءِ دیوبند
کے مسلک و طریق پر منعقد ہوتے رہتے ہیں جو اتحاد بین المسلمین و اصلاحِ ذات البین کے داعی ہوتے ہیں۔
امر بالمعروف نہی عن المنکر کا فریضہ اساتذہ، طلباء، عملہ رشیدیہ ادا کرتے رہتے ہیں!

اس سلسلہ میں

اوائل ربیع الاوّل تبلیغ سیرت، رشیدیہ کانفرنس کے نظام کا انتظام فرمائیے!

عبدالعلیم رائپوری

12.1.28
27.10.86

Phone
2356

REGD. L
NO. 8054

MONTHLY • AL RASHID • LAHORE PAKISTAN

جامعہ رشیدیہ ساہیوال

تحدیث نعمت ہے و لا فخر۔ بحمد اللہ جامعہ رشیدیہ رائے پور جالندھر سے
منٹگمری، ساہیوال تک اپنی بساط سے بڑھ کر اسلامی تعلیمات اور دینی خدمات
سرانجام دے رہا ہے ——— جامعہ کا نظام ہر طرح سے تسلی بخش ہے عملہ
اساتذہ و اجتماع طلباء اور جامعہ کے آمدن و مصارف کے کوائف اطمینان کن ہیں۔
جامعہ مسلسل تعلیمی محاذ پر، علمی و عملی جہاد میں شریک ہے ———
جامعہ رشیدیہ نے صرف تحفظ ختم نبوت کے لئے جو مجاہدات و روایات قائم
کئے اس کے لئے ١٩٥٢ء/١٩٥٣ء سے لیکر ساہیوال کے معبد مرزائیت و مقتل شہداء
سے پوچھئے یا منیر انکواری رپورٹ کا مطالعہ کیجئے یا مرزا طاہر سربراہ مرزائیت
کی کیسٹ تقریر سنیئے! والفضل ما شھدت بہ الاعداء

ع ہو ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے

مطیع اللہ رشیدی

فاضل حبیب اللہ رشیدی

جامعہ رشیدیہ ساہیوال
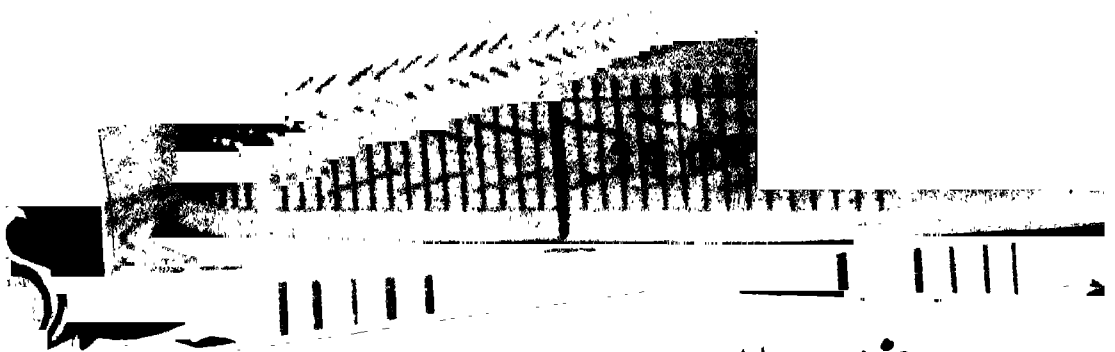
بادارت
فاضل حبیب اللہ رشیدی فاضل دیوبند
مدیر الرشید و ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ، ساہیوال پاکستان

ماہنامہ

○ علمی مجلہ۔ تحقیقی جریدہ۔ ملی رسالہ۔ نیز ترجمان جامعہ دار العلوم دیوبند کا خادم ہے

اشتہارات نہ اخبارات۔ خصوصاً خبر نامہ ندارد۔ (اخبار ناموں کی معذرۃ)

○ الرشید کا ایک خصوصی معیار ہے۔ جو اپنے ذوق و نقطۂ نظر سے ترتیب دیا جاتا ہے۔

الرشید میں خبروں کی اشاعت کی بجائے معیاری مضامین شائع ہوتے ہیں جو اتحاد المسلمین پر منتج ہوں!

○ اہل قلم و صاحب علم حضرات الرشید کی قلمی علمی صحافی سرپرستی فرماویں۔

○ مضامین صاف و خوشخط ایک طرف تحریر کردہ قابل اشاعت ہوں گے!

○ الرشید پوری ذمہ داری سے' دفتر ادارہ سے اندرون ملک اور باہر باضابطہ

بھجوایا جاتا ہے۔ عدم وصولی کی شکایت سے پہلے اپنے ڈاک خانہ سے رجوع فرما کر تحقیقات

ضرور فرما لیجئے۔ اس کے بعد دفتر الرشید لکھیئے۔

○ اگر رسالہ موجود ہوا تو روانہ خدمت ہوگا کہ ہم بقایا پرچے کو تبلیغی کتاب کی صورت

تعلیمیافتہ اصحاب میں بلامعاوضہ مطالعے کے لئے تقسیم کر دیتے ہیں!

مؤتمر ابنائے دار العلوم و اخوان دیوبند پاکستان کا ترجمان

بیاد: تحریک ریشمی رومال کے گمنام فقیر' حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ رحمہ اللہ رائپوری

ماہنامہ ۔ جدید

الرشید لاہور

عدد: ۲ — صفر ۱۴۰۶ھ

جلد ۱۴ — نومبر ۱۹۸۵ء

عملہ الرشید

مدیر اعلیٰ
فاضل حبیب اللہ رشیدی

مدیر مسئول و ناشر
حافظ عبد الرشید ارشد

ناظر اعلیٰ
(پیرجی) عبد العلیم رائپوری

ناظر
قاری مطیع اللہ رشیدی

رفیق الترتیب
خالد لطیف چیمہ

عنوانات و معنون

خطاط
حزب اللہ خالد
ابن قاری لطف اللہ شہید فی سبیل اللہ

مقام اشاعت
○ ۳۲ اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور
○ دفتر جامعہ رشیدیہ ساہیوال

المشیع
منہاج الدین اصلاحی
شرکت پرنٹنگ پریس لاہور

زر اعانت
محسنین الرشید سے تبلیغی فنڈ سو روپے سالانہ

غیر ممالک سے یکصد روپے سالانہ
مع محصول ڈاک

الرشید تبلیغی مجلہ ہے
تجارتی نذارد

عام خریداری
سالانہ — ۳۰/ روپے

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر ۲۹۴ چالو کھاتہ جامعہ رشیدیہ، حبیب بنک غلہ منڈی ساہیوال

۲۳۵۶
کوڈ ۰۴۴۱

راشدات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میری انتہائے نگارش یہی ہے
تیرے نام سے ابتداء کر رہا ہوں

انٹرنیشنل تحفظ ختم نبوت کے سیکرٹری جنرل
مولانا محمد ضیاء القاسمی سے
خصوصی انٹرویو

رپورٹ : محمد ارشد فیصل آبادی

انٹرنیشنل ختم نبوت کانفرنس گذشتہ ماہ لندن میں منعقد ہوئی۔ کانفرنس نے دُنیا بھر کے مسلمانوں کو اس اہم مسئلہ پر کام کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ کانفرنس کی کامیابی انٹرنیشنل تحفظ ختم نبوت مشن کے سیکرٹری جنرل مولانا محمد ضیاء القاسمی کی شبانہ روز اور انتھک محنت کا نتیجہ ہے۔

مولانا محمد ضیاء القاسمی کی شخصیت پاکستان اور بیرون پاکستان محتاج تعارف نہیں۔ خطابت کے میدان میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد انہیں سب سے زیادہ پذیرائی ملی ہے۔ وہ اپنے دور کے خطابت میں امام ہیں۔ ہر دینی تحریک میں آپ کا جرأتمندانہ کردار علماء اور عوام کے لئے ہمیشہ ایک روشن چراغ رہا ہے!

خدائے بزرگ و برتر کی توحید کا مسئلہ ہو یا سنت کے ڈاکوؤں کی بیخ کُنی کی ضرورت۔ مسئلہ ختم نبوت ہو یا خلفائے راشدین کی سیرت و کردار کا تحفظ۔ صحابہ کرامؓ کی صداقت کی بات ہو یا اہل بیت و امہات المومنین کے تقدس کا مسئلہ۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کی اشاعت ہو یا علماءِ اہل سُنت کے مشن کی تکمیل کی جدوجہد ہو۔ سبھی تحریکوں میں آپ بہت بڑا زندہ کردار ہے۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء تحریک نظام مصطفےٰ ۱۹۷۷ء اور تحریک ختم نبوت ۱۹۸۴ء کی کامیابی میں آپ سب سے نمایاں کر رہے!

۱۹۸۴ء کی تحریک ختم نبوت کی کامیابی کے بعد پاکستان سے مرزائیت کا سربراہ مرزا طاہر احمد بھاگ کر لندن چلا گیا اور اس نے برطانیہ میں بیٹھ کر دُنیا بھر کے مسلمانوں کے خلاف ہرزہ سرائی شروع کر دی۔ اس کی تمام تر کوشش یہ رہی کہ پاکستان اور اس کے عوام کو عالمی برادری میں بدنام کیا جائے۔ اس نے اپنی دولت کے بل بوتے پر ذرائع ابلاغ کے ذریعے مسلسل جھوٹ کا سہارا لیکر اہل اسلام کے خلاف اپنے پروگرام تشکیل دیئے۔

ان حالات میں ضروری تھا کہ کوئی رجل رشید مرزا طاہر کی جنم دھرتی میں بھی اسکو للکارے اور عالمی برادری

عالمی پریس اور دُنیا بھر کی اسلامی حکومتوں کو مرزا طاہر اور اس کی جماعت کی جارحانہ سرگرمیوں سے آگاہ کرے۔ یہ سعادت اللہ تعالیٰ نے پاکستان کے ممتاز خطیب مولانا محمد ضیاء القاسمی کو عطا فرمائی۔ مولانا ضیاء القاسمی نے لندن میں ختم نبوت کانفرنس کر کے عالمی دنیا کو مرزائیوں کے مکروہ اور جارحانہ عزائم سے آگاہ کیا۔

لندن ختم نبوّت کانفرنس اور حج بیت اللہ کی سعادت سے واپسی پر مولانا سے بین الاقوامی ختم نبوت کانفرنس اور جماعت انٹرنیشنل ختم نبوّت مشن کے بارے میں تفصیلی گفتگو ہوئی جو نذرِ قارئین ہے:

سوال: وہ کیا وجوہات تھیں جن کی بناء پر سرزمینِ برطانیہ میں ختم نبوت کانفرنس کی ضرورت محسوس کی گئی؟

جواب: تقریباً نوّے برس سے قادیانی اپنے نظریات و افکار کو فروغ دینے کے لئے ایک سالانہ جلسہ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ پاکستان بننے سے قبل وہ جلسہ قادیان میں ہوا کرتا تھا اور پاکستان بننے کے بعد اسی جلسہ کو ربوہ میں بہت وسیع پیمانے پر کیا جانے لگا۔ یہ جلسہ تقریباً قادیانیوں کی نبوت کے ہم عمر ہے۔ پاکستان میں علماء کرام کی مسلسل جدوجہد اور قربانیوں سے حکومت نے ربوہ کے سالانہ جلسے پر پابندی عائد کر دی۔ اور مرزا طاہر اپنی مجرمانہ سرگرمیوں کی وجہ سے ملک سے فرار ہو کر لندن پہنچ گیا۔ اس نے لندن پہنچ کر قادیانی نبوّت کے پرچار کے لئے زرِ کثیر خرچ کر کے ارتداد پھیلانے کا ایک سینٹر قائم کر لیا اور وہی سالانہ جلسہ جو پاکستان کی سرزمین پر اپنی موت مر چکا تھا اسے وہاں زندہ کیا۔ اور اپنی جنم بھومی میں پھر سے وسیع پیمانے پر سالانہ جلسے کا اعلان کر دیا۔ یعنی کہ سسکتی ہوئی قادیانیت میں جان ڈالنے کے لئے لندن میں سالانہ جلسے کا آغاز کر کے اس میں رُوح پھونکنے کی ناپاک کوشش کی۔

ان حالات میں علماءِ کرام پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ قادیانیت کا تعاقب اور محاسبہ سرزمینِ برطانیہ میں بھی کیا جائے تاکہ اس گروہ کے مذموم عزائم سے مسلمانوں کو محفوظ کیا جا سکے۔ حُسنِ اتفاق سے اللہ تعالیٰ نے مجھے عمرہ کی سعادت سے اسی سال رمضان میں بہرہ ور فرمایا۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر میں نے اپنے قابلِ احترام دوست شیخ الحدیث مولانا عبدالحفیظ مکی خلیفہ مجاز ابدالِ زمانہ مولانا محمد زکریا سہارنپوریؒ سے اس بات کا ذکر کیا کہ قادیانیوں کا سربراہ مرزا طاہر پاکستان سے فرار ہو کر لندن میں فتنۂ ارتداد کو فروغ دینے کے لئے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کر چکا ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ لندن میں باقاعدہ اس کے جلسے کے جواب میں بین الاقوامی ختم نبوّت کانفرنس منعقد کی جائے۔

مولانا عبدالحفیظ نے میری اس رائے کو بے حد سراہا اور اسکو عملی شکل دینے کے لئے فوری طور پر ختم نبوت کانفرنس کا منصوبہ بنایا گیا۔ انہی دنوں بھارت کے ممتاز سیاسی و مذہبی راہنما مولانا اسعد مدنی اور پاکستان سے مولانا منظور احمد چنیوٹی بھی مکہ مکرمہ میں ہی قیام پذیر تھے۔ انہوں نے بھی اس رائے کو پسند کیا اور بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ ہم نے باہمی مشاورت سے یہ طے کیا کہ ۴ راگست کو لندن میں ختم نبوّت کانفرنس کا اعلان کر دیا جائے اور اس کے ابتدائی

انتظامات کرنے کے لئے مولانا عبد الحفیظ مکی فوراً برطانیہ چلے جائیں! اور برطانیہ میں علمائے کرام اور مختلف تنظیموں سے رابطہ قائم کرکے ختم نبوت کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لئے تعاون حاصل کریں۔ چنانچہ مولانا عبد الحفیظ مکی نے اسی غرض سے برطانیہ کا سفر کیا اور کانفرنس کے لئے وہاں سے مختلف علماء کرام اور مختلف جماعتوں کو اس کانفرنس کے لئے کام کرنے پر آمادہ کیا۔ چونکہ ہم ہی اس کانفرنس کے مجوز تھے اس لئے عارضی طور پر "انٹرنیشنل ختم نبوت مشن" کے نام سے ایک تنظیم قائم کی گئی جس کے صدر مولانا عبد الحفیظ نائب صدر مولانا منظور احمد چنیوٹی اور جنرل سیکرٹری کا منصب میرے سپرد کیا گیا۔ اس نام سے یہ عالمی ختم نبوت کانفرنس پوری دنیا کے مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن بن گئی!

ان حالات کی روشنی میں یوں کہا جائے گا کہ ختم نبوت کانفرنس لندن کی ضرورت مرزا طاہر اور قادیانی جماعت کے لندن میں سالانہ جلسے کے انعقاد میں خود بخود پیدا کر دی۔ الحمد للہ اس بات کا فخر ہے اس کانفرنس کو اللہ تعالیٰ نے یورپ میں مسئلہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے مشعل راہ بنا دیا۔

سوال: کیا کانفرنس کے سلسلہ میں برطانیہ کے مسلمانوں نے کانفرنس کے انعقاد میں تعاون کیا ہے؟ کیونکہ برطانیہ جہاں یہ تصور بھی نہیں کہ اتنی تیز رفتار زندگی میں لوگ وقت دے کر علماء کرام کے پروگراموں میں شرکت کرکے ان کے خیالات سنیں!

جواب: کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لئے پوری دنیا سے ایسی شخصیات اور جید علماء کو دعوت دی گئی جو برطانیہ کے مسلمانوں کے دلوں میں بھی احترام و محبت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ان شخصیات نے اپنا قیمتی وقت نکال کر کانفرنس سے دو تین ہفتے قبل مسلسل پورے انگلینڈ کا دورہ کیا اور مختلف جلسوں، تقاریر، مجالس اور نجی محفلوں میں برطانیہ کے مسلمانوں کو کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی جس کی وجہ سے کانفرنس میں اتنی عظیم اکثریت سے مسلمان شریک ہوئے کہ خود برطانیہ سے شائع ہونے والے اخبارات نے اس بات کو تسلیم کیا کہ ختم نبوت کانفرنس کا اجتماع لندن میں ہونیوالی آج تک کی تمام کانفرنسوں سے بڑا تھا اور لوگ جوق در جوق بسوں، کاروں کوچوں اور مختلف ذرائع سے کانفرنس میں شریک ہوئے اور اس بات کا زندہ ثبوت فراہم کر دیا کہ برطانیہ کے مسلمان عشق رسالت اور مسئلہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے وہی جذبات رکھتے ہیں جو کسی بھی مسلمان کے ہو سکتے ہیں!

سوال: گورنمنٹ برطانیہ یا وہاں کے کسی خاص گروہ نے کانفرنس کے انعقاد میں کوئی رکاوٹ تو نہیں ڈالی؟

جواب: آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ برطانیہ میں تحریر و تقاریر اور جلسے جلوس کی مکمل آزادی ہے وہاں کسی جلسے جلوس کے لئے حکومت سے پیشگی اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جو طبقہ جو گروہ اپنے خیالات و افکار کا اظہار کرنا چاہے اسکو مکمل آزادی ہے اور حکومت اس میں قطعاً مداخلت نہیں کرتی۔ کانفرنسوں کے انعقاد کے لئے برطانیہ میں تمام جماعتیں خواہ وہ مذہبی ہوں یا سیاسی بڑے بڑے ہال بک کرواتی ہیں اور ان ہالوں میں اجتماعات

کرسکتی ہیں۔ ایسے ہال وہاں کی مختلف تجارتی فرموں نے تجارتی نقطۂ نظر سے بنائے ہوئے ہیں جن میں نشستیں لاؤڈ سپیکر سٹیج اور اجلاس کے تمام لوازمات موجود ہوتے ہیں۔ حاضرین کے اندازے کے مطابق منتظمین ان فرموں سے رجوع کرکے ہال بک کرالیتے ہیں۔

برطانیہ میں اس کانفرنس کی سب سے زیادہ مخالفت مرزائیوں نے کی اور انہوں نے اخبارات کے ذریعے علماء پر کیچڑ اچھالا۔ کانفرنس کو سبوتاژ کرنے کے لئے ہر غیر اخلاقی حربہ استعمال کیا۔ یہاں تک کہ جس دن کانفرنس جاری تھی اس دن بھی ٹیلیفون پر پولیس کو اطلاع دی گئی کہ کانفرنس ہال میں بم رکھ دیا گیا ہے جو کسی وقت بھی سامعین کے لئے ہجان لیوا ثابت ہوسکتا ہے۔ ان جھوٹے ٹیلیفونز سے قادیانیوں کا مقصد اس کانفرنس کو ناکام بنانا تھا کیونکہ پولیس ایسے ٹیلیفونز پر انسانی جانوں کے تحفظ کے لئے نوٹس لیتی ہے اور کانفرنس ہال خالی کرالیتی ہے۔ ظاہر بات ہے جب ہزاروں کا اجتماع کانفرنس ہال میں ہوگا تو اسے خالی کراتے وقت پولیس کے اطمینان کر لینے تک گھنٹہ دو گھنٹہ وقت لگ سکتا تھا جو کسی بھی کانفرنس کو ناکام کرنے کا ایک مکروہ حربہ ہوتا ہے۔ جسے قادیانیوں نے بھی استعمال کیا اس لئے قادیانیوں نے کانفرنس کو ناکام بنانے کے لئے بھرپور کوشش کی۔ ساتھ ہی قادیانی لٹریچر تقسیم کرکے مختلف لوگوں کو ویسلے سینٹر ہال بھیجا گیا جس کا مقصد بھی مسلمانوں میں ہیجان پیدا کرنا تھا۔

لیکن ختم نبوت کے شیدائیوں نے قادیانیوں کے اس دجل و تلبیس کے منصوبے کو بھی ناکام بنادیا۔ باقی تمام برطانیہ کی مسلمان تنظیموں نے کانفرنس کی تائید میں اخبارات میں بیانات جاری کئے۔ حتیٰ کہ شاہ احمد نورانی صاحب کی ورلڈ مشن یو۔کے نے بھی ختم نبوت کانفرنس کی تائید میں ایک بھرپور اشتہار اخبارات کو دیا۔

مسئلہ ختم نبوت کا یہ اعجاز تھا کہ برطانیہ کے تمام کلمہ گو مسلمانوں نے اس مقصدِ اولیٰ کو کامیاب بنانے کے لئے بھرپور کردار ادا کیا جس کے لئے میں ان کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ جمعیۃ علماء برطانیہ خاص طور پر ختم نبوۃ کانفرنس کے لئے سرگرم عمل رہی اور اس کا کردار اس سلسلہ میں نمایاں رہا۔

سوال: ۴ راگست ۱۹۸۵ء کو ہونیوالی کانفرنس کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیں؟

جواب: کانفرنس کے بارے میں تقریباً سبھی باتیں اخبارات و رسائل اور جرائد میں شائع ہوچکی ہیں۔ مگر ایک اہم بات جس سے مجھ سمیت تمام علماءِ کرام کے آنسو نکل آئے وہ یہ ہے کہ:

"کانفرنس جاری تھی کہ ایک نوجوان نے کانفرنس ہال میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا نعرہ بلند کردیا۔ پورا ہال امیر شریعت زندہ باد کے نعروں سے گونج اُٹھا اور اس نعرے سے سب علماء کے آنسو نکل آئے کہ یا اللہ تو بڑا قادر مطلق ہے۔ جس انگریز نے اپنے دورِ حکومت میں سید عطاء اللہ بخاریؒ کو ہمیشہ پابندِ سلاسل رکھا اور اپنے خود کاشتہ پودے مرزائیت کو ہر قسم کی مراعات سے نوازے رکھا اب وہی

مراعات یافتہ مرزائیت اپنی جنم بھومی میں بھی اپنی موت آپ مر رہی ہے۔ جو انگریز عطاء اللہ شاہ بخاری زندہ باد کے نعرے تو درکنار، نام تک سے نالاں تھے۔ آج اسی کی حکومت میں اسی کے علاقے میں عطاء اللہ شاہ بخاری زندہ باد کے نعرے بلند ہو رہے ہیں!

بخاریؒ کو ختم نبوت میں عظیم خدمات کا یہ صلہ ہے کہ بخاری کو پابند سلاسل کرنے والے مٹ گئے مگر بخاریؒ کا نام برطانیہ میں بھی گونج رہا ہے!

سوال: کانفرنس میں شرکت کرنیوالی اہم شخصیات کے اسماءِ گرامی؟

جواب: کانفرنس میں دنیا بھر کے مسلمان راہنماؤں نے شرکت کی۔ جو خود تشریف نہ لاسکے ان کے پیغامات وصول ہوئے۔ جن میں پاکستان کے صدر جناب جنرل محمد ضیاء الحق کا پیغام خاص اہمیت کا حامل رہا۔

جنابِ صدر ضیاء الحق نے کانفرنس کے مندوبین کے نام اپنے پیغام میں کہا کہ:

"قادیانیت کے کینسر کو ختم کرنے کے لئے پوری دنیا کے مسلمانوں کو متحد ہو کر جدوجہد کرنی چاہئیے جبکہ پاکستان میں قادیانیت کے خاتمہ کی کوششوں کو یقینی بنایا جائے گا۔"

جن اہم شخصیات نے شرکت کی ان میں مولانا اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماءِ ہند (بھارت) مولانا حافظ جی حضور خلیفہ مجاز حکیم الامت مولانا تھانویؒ (بنگلہ دیش) مولانا مظہر عالم (کینیڈا) مولانا اشتیاق حسین (ابوظہبی) مولانا خلیل احمد ہزاروی (دوبئی) مولانا نور محمد (برما سری لنکا) شیخ الحدیث مولانا عبدالحفیظ (مکہ مکرمہ) الشیخ محمد یوسف بٹ (مکہ مکرمہ) مولانا ڈاکٹر محمد اسماعیل (مدینہ منورہ) مصر کے کونسلر۔ ڈائریکٹر اسلامک مشن لندن۔ شیخ زہران۔ ڈائریکٹر اسلامک کلچر یورپ علی ارشد سفیر پاکستان مقیم برطانیہ۔ سفیر سعودی عرب۔ مولانا محمد موسیٰ قاسمی، مولانا یوسف متالا۔ مولانا عبدالرشید۔ قاری تصور الحق مولانا قاری محمد طیب۔ مولانا امداد الحسن۔ (لندن و برطانیہ)

جبکہ پاکستان سے علامہ خالد محمود۔ مولانا عبدالقادر آزاد۔ مولانا خان محمد مدظلہ۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدیر بینات مولانا محمد زکریا ممبر سندھ اسمبلی۔ مولانا منظور احمد چنیوٹی ممبر پنجاب اسمبلی۔ مفتی احمد الرحمٰن۔ مولانا امجد تھانوی۔ مولانا مفتی محی الدین، میاں اجمل قادری۔ مولانا حسین علی۔ مولانا زاھد الراشدی۔ قاری عبدالحئی عابد۔ مولانا محمد یوسف رحمانی۔ مولانا محمد حنیف جالندھری۔ پیر غلام حبیب نقشبندی۔ مولانا اللہ وسایا۔ مولانا عبدالرحمٰن یعقوب باوا مولانا منظور الحسینی اور مولانا عبدالرحمٰن قاسمی کے علاوہ دنیا بھر کے مسلمانوں نے کانفرنس میں شرکت کر کے عشق رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی عملی وابستگی کا مظاہرہ کیا۔

سوال: ختم نبوت کانفرنس لندن کے فوری اثرات کیا مرتب ہوئے؟

جواب: کانفرنس کے فوری طور پر جو اثرات مرتب ہوئے ان میں سے مسلمانانِ برطانیہ کا یہ شدید اصرار اور تقاضا تھا

کہ ۱ : انٹرنیشنل ختمِ نبوت مشن کا مرکزی دفتر لندن میں قائم کیا جائے چنانچہ ساؤتھ آل لندن میں مشن کا دفتر قائم کیا گیا۔
۲ : لندن میں مستقل ایک عالمی مُبَلِّغ ختمِ نبوت کا قیام طے پاگیا۔
۳ : "الہلال ماہنامہ" انٹرنیشنل ختمِ نبوّت مشن کے پروگرام کی ترجمانی کرے گا جسے مستقل مشن کے ترجمان کی حیثیت حاصل ہوگی۔ انشاءاللہ یہ رسالہ عالمی سطح پر تحفظ ختمِ نبوت اور فتنۂ قادیانیت کے استحصال کا رول ادا کرے گا۔
۴ : ختمِ نبوّت کانفرنس ہرسال لندن میں ہوا کرے گی۔
۵ : ایک ختمِ نبوت کانفرنس تین ماہ کے بعد امریکہ میں بھی ہوگی!
۶ : پورے یورپ میں انٹرنیشنل ختمِ نبوّت کے سنٹر قائم کئے جائیں گے اور اس کام کو پورے یورپ میں پھیلایا جائے گا۔
۷ : اس کانفرنس کے اثرات میں یہ بات بھی سرفہرست لکھی جائے گی کہ کانفرنس کے فوراً بعد مسلمانوں کی غیرت کا جائزہ لینے کے لئے برطانیہ کے دو شہروں "بریڈ فورڈ" اور "باٹلی" میں قادیانیوں نے اپنی کانفرنسوں کا اعلان کر دیا۔ لیکن مسلمانوں نے ختمِ نبوّت کے باغیوں کو وہ شرمناک شکست دی کہ اپنی جنم دھرتی میں بھی اپنی کانفرنس کر سکے اور دُم دبا کر بھاگ گئے!
۸ : جھوٹی نبوّت کے سربراہ مرزا طاہر کے کانفرنس کے بعد کے اخباری بیان سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ختمِ نبوّت کانفرنس نے اس کی دیواروں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے۔

سوال : کچھ لوگوں نے یہ پراپیگنڈہ بھی کیا کہ پاکستان سے جانے والے علماءِ کرام ہزاروں پونڈ کما کر پاکستان آئے ہیں؟

جواب : یہ پراپیگنڈہ مرزائیوں نے انگلینڈ میں بھی کیا تھا کہ یہ کاروانِ ختمِ نبوّت میں شامل علماء یہاں سے پونڈز کمانے کے لئے آئے ہیں۔ غالباً انہوں نے یہ سوال اس لئے اٹھایا کہ برطانیہ میں کچھ نام نہاد عالم اور پیر اسی دھندے کے لئے سال بھر سفر کرتے رہتے ہیں اور وہ وعظ اور تعویز فروشی کا کاروبار کرتے ہیں اور فرقہ وارانہ فضا پیدا کرنے کے معاوضے میں اپنے اندھے معتقدین سے بہت کچھ کماتے ہیں۔ ایسے طبقے کسی وقت بھی کسی دینی تحریک اور دینی انقلاب سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے اور نہ ہی ان کا تاریخ کے صفحات میں کوئی روشن کردار دیکھا گیا۔ ان نام نہاد علماء کہلوانے والوں نے اہلِ حق علماء کو بھی رسوا کر رکھا ہے حالانکہ علماءِ حق اور علماءِ سوء کی ایک تاریخ ہے۔ علماءِ سوء کا کردار ہر دور میں بے ضمیری ہی رہا ہے۔

وہ تمام علماء جنہوں نے اس کانفرنس میں شرکت کی ان کی اکثریت نے اپنے اخراجات اپنی پوکٹ سے خود برداشت کئے۔ ہمیشہ سے اسطرح کے دینی کام مخیر دوستوں کے تعاون سے سرانجام پاتے ہیں۔ چنانچہ اس کانفرنس

کے فنڈز کے لئے بھی ایک فنانس کمیٹی بنائی گئی جس کے سربراہ الشیخ عبدالحفیظ مکی تھے۔ انہوں نے کانفرنس سے قبل اپنے دوستوں سے قرض لے کر کانفرنس کے تمام اخراجات کو پورا کیا اور بعد میں خود مولانا حفیظ مکی ہی کی کوششوں سے برطانیہ کے شیدائیانِ ختمِ نبوت نے کانفرنس کے اخراجات ادا کر دیئے۔

علماءِ کرام خراجِ تحسین کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنے خرچ سے سفر کر کے ختمِ نبوت کانفرنس کو جس کامیابی سے ہمکنار کیا اس کا صلہ قیامت کے روز انشاءاللہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی شکل میں ملے گا۔ لیکن میں یہاں پر دنیا بھر کے تاجروں اور دولت مند حضرات سے یہ گزارش کروں گا کہ علماء نے جہاں جان کی بازی لگا کر اس مشن کو آگے بڑھایا ہے آپ بھی ختمِ نبوت کے مشن کے ساتھ مالی تعاون کر کے زیادہ سے زیادہ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کو حاصل کریں۔ یہ آپ کی اہم ذمہ داری ہے۔ قادیانی مسئلہ ختمِ نبوت کے مقابلہ میں اربوں روپیہ اپنی جھوٹی نبوت کے پرچار کے لئے خرچ کر سکتے ہیں تو آپ بھی مسئلہ ختمِ نبوت کے تحفظ کے لئے اپنی دولت کا زیادہ سے زیادہ حصہ اس راستے میں استعمال کریں۔

سوال: سنا گیا ہے کہ انٹرنیشنل ختمِ نبوت مشن مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت پاکستان کے مقابلے میں ایک متوازی تنظیم ہے اس کے بارے میں آپ کیا فرمائیں گے؟

جواب: یہ سوال اُن خناس لوگوں کی پیداوار ہے جن کا کام صرف اور صرف دینی تحریکوں میں رخنہ ڈالنا ہے اور مختلف دینی راہنماؤں میں اختلافات پیدا کر کے اپنی دکانداریاں چمکانا ہے۔ اس قسم کی فصل پاکستان میں بھی بڑی مقدار میں موجود ہے جن کا کردار حسد اور بغض کے بیج بو کر دینی راہنماؤں میں اختلاف و انتشار پیدا کرنا ہے چنانچہ اسی قسم کے لوگوں نے مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کے راہنماؤں کو یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی کہ انٹرنیشنل ختمِ نبوت مشن آپ کی جماعت کے مقابلے میں بنائی گئی ہے لیکن خوش قسمتی سے مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کے موجودہ امیر سجادہ نشین کندیاں شریف مولانا خان محمد ایک ایسی باوقار اور متدین شخصیت ہیں جو تحقیق کئے بغیر کسی بات کو قابلِ اعتناء نہیں سمجھتے۔ مولانا خان محمد سے میری ملاقات سکھر ختمِ نبوت کانفرنس کے موقع پر ہوئی تو میں نے انہیں اسی سوال کے جواب میں جو بعض طبقوں نے ان تک پہنچایا تھا واشگاف لفظوں میں عرض کر دیا کہ انٹرنیشنل ختمِ نبوت آپ ہی کے کام کا ایک حصہ ہے اور وہ آپ ہی کی رائے کے مطابق کام کرے گا۔ اور مولانا خان محمد کو کانفرنس میں شرکت کی دعوت بھی دی جسے انہوں نے بصد مسرت قبول فرمایا۔ اور اپنی جماعت کے مبلغین سمیت کانفرنس میں شریک ہوئے اور اس تاریخ ساز کانفرنس کے پہلے اجلاس کی صدارت بھی فرمائی۔

کانفرنس کے اختتام پر مختلف ممالک سے آئے ہوئے علماء کی ایک میٹنگ دارالعلوم بری برطانیہ میں مولانا خان محمد کی صدارت میں ہوئی جس میں طے پایا کہ مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کو عالمی جماعت قرار دے دیا جائے اور

اس کے صدر مولانا خان محمد اور جنرل سیکرٹری مولانا عزیز الرحمٰن ہوں گے۔

اس عالمی ختمِ نبوت مشن کی ایک ذیلی شاخ پورے یورپ میں کام کرے گی جس کے صدر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی اور جنرل سیکرٹری مجھے (یعنی مولانا ضیاء القاسمی) بنایا گیا۔ اس طرح حاسدین اور معاندین کا وہ پروپیگنڈہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔ جس سے انہوں نے دینی شخصیات میں اختلافات پیدا کرنے کی مذموم کوشش کی۔ اب انشاء اللہ مولانا خان محمد صاحب کی قیادت میں عالمی سطح پر انٹرنیشنل ختمِ نبوت مشن اور جماعت کے راہنما بھرپور قوت سے قادیانیت کا احتساب کریں گے۔

میں پوری دنیا کے مسلمانوں بالخصوص علماء سے گذارش کروں گا کہ مسئلہ ختمِ نبوت کے نام پر ایک ہو جائیں اور پوری دنیا کو ختمِ رسالت کے پرچم ختمِ نبوت تلے جمع کریں۔ آخر میں میں جمعیۃ علماءِ برطانیہ، روزنامہ جنگ لندن روزنامہ وطن لندن اور وہاں کی تمام مسلم تنظیموں اور دوستوں کا بھرپور شکر گذار ہوں جنہوں نے بھرپور تعاون کیا ساتھ ہی میں اشرف خاں اور ساؤتھ ہال لندن کے مسلمانوں کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں کہ انہوں نے کانفرنس میں شرکت کرنیوالے علماء کی میزبانی کا حق ادا کر دیا۔

معائنہ
مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب مدظلہ
جامعہ علوم الاسلامیہ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب دامت برکاتہم کی ملاقات و زیارت کے لئے ساہیوال حاضر ہوا۔
جامعہ رشیدیہ نمبر ۱، ۲ دیکھے۔ جامعہ رشیدیہ نے مسلک دیوبند کی بڑی خدمت کی ہے اس لحاظ سے یہ جامعہ ممتاز ہے۔ حضراتِ رائپوری سے جامعہ کا تعلق قدیم سے ہے۔ دونو مدرسوں کو نظامت اور حسنِ انتظام میں بے مثال پایا۔ اللہ تعالیٰ جامعہ رشیدیہ کو دائم و قائم، روز دوال رکھے اور اسکو دین کی خدمت اور مسلک دارالعلوم دیوبند کے اظہار کا ذریعہ بنائے آمین ؛

ولی حسن
دارالافتاء جامعہ علوم الاسلامیہ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

۲۵ محرم ۱۴۰۶ھ

سازشیں ہی سازشیں
قسط ثانی

قادیان سے اسرائیل تک

از : ریٹائرڈ میجر امیر افضل خان

افواجِ پاکستان میں قادیانی افسروں کے کردار سے ایک ریٹائرڈ فوجی افسر پردہ اٹھاتے ہیں۔ مدیر الحق کے نام ان کے مکتوب کی دوسری قسط ملاحظہ فرمائیے

قادیانیوں کی سازش اتنی گہری ہے اور اتنے پھیلاؤ میں ہے کہ ملک کا گوشہ گوشہ اور زندگی کے ہر پہلو میں ایسی رچی بسی ہوئی ہے کہ ہم از خود بعض دفعہ دانستہ اور بعض دفعہ نادانستہ طور پر ان سازشوں کے ہاتھوں میں کھیلتے رہتے ہیں سازش کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو نہ رہنے دو۔ اور بقول علامہ اقبال مرحوم کہ جو شیطان اپنے چیلوں کو ہدایت کرتا ہے کہ ان مسلمانوں کے قلب سے روحِ محمدی نکال دو۔ اسی اصول کو مدنظر رکھا جاتا ہے کہ رسولِ عربی کے اسلام پر پردے ڈال دو۔ ماڈرن اسلام، سرسید کا اسلام اور پرویزی اسلام وغیرہ۔ سب کی یہ لوگ ہی پرورش کر رہے ہیں۔ غیروں کے فلسفوں پر اسلام کے لیبل چسپاں کرنا غیروں کی باطل اصطلاحوں اور نظریات کو اسلامی اصول کے طور پر پیش کرنا۔ جہاد کو "کوشش" کے معنی پہنانا اور فلسفۂ جہاد کو بے جان کرنا۔ اسلامی غیرت کو آئی WRAT SWRON WILL کے تحت ختم کرنا۔ اور ایسی حرکات کرنا جو مسلمان کا شیوہ نہیں۔ ایک ایک میدان کا اگر مطالعہ پیش کیا جائے تو کئی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔

بہر حال فی الحال چند فوجی پہلوؤں سے پردہ اٹھائیں گے!

سیالکوٹ محاذ سے جموں پر حملہ روک دینے کے بعد لیاقت علی نے کرنل ہوبرٹ کی دعوت پر پاکستان آرمی کی جس رجمنٹ کا سب سے پہلے معائنہ کیا وہ کرنل ہوبرٹ کی سولہ پنجاب تھی۔ اسوقت تو ہم بات کی تہہ تک نہ پہنچ سکے۔ لیکن یہ ایک چال تھی۔ لوگوں اور فوجیوں کی توجہ کشمیر کے محاذ سے ہٹانے کا ایک بہانہ تھا۔ کرنل ہوبرٹ نے فوجیوں کو لیاقت کے معائنے کے لئے پریڈ کی تیاری پر لگا دیا اور محاذ پر جانے کی بجائے فوجی امن کے زمانے کی صفائی اور چست وردیوں کے چکر میں پڑ گئے۔

سیالکوٹ کا ڈپٹی کمشنر ایم ایم احمد (غلام کذاب کا پوتا) یہی کام سول کے لئے کر رہا تھا اور آخر اکتوبر ۱۹۴۷ء میں لیاقت علی سیالکوٹ پہنچا۔ اس نے کرنل ہوبرٹ اور ایم ایم احمد کیساتھ خفیہ کانفرنس کی جس میں کرنل ہوبرٹ نے استعفیٰ دے دیا کہ یہ کام اس کے بس کا نہ تھا۔

ادھر قائد اعظم محمد علی جناح حکم پر حکم دے رہے تھے کہ پکی اور لڑاکا فوج کو سرحد سے ہٹا کر سیالکوٹ بھیجا جائے تاکہ بھارت حیدر آباد میں کوئی کارروائی کرے یا جیسے موقع ملے جموں کٹھوعہ روڈ پر حملہ کیا جائے۔ تو تقریباً بریگیڈ فوج نومبر تک سیالکوٹ میں اکٹھا ہو جاتا تھا لیکن ساتھ ہی لیاقت علی یہ نہیں چاہتا تھا کہ ادھر سے حملہ ہو۔ اس لئے جنرل گریسی کے ساتھ مل کر اس نے سیالکوٹ محاذ کے لئے بریگیڈیئر افتخار خاں کو چنا جو انہی دنوں تازہ تازہ ولایت سے کورس کر کے آیا تھا اور چند ماہ کرنل کے عہدہ پر رہ کر بریگیڈیر بنا تھا۔

اس کے ساتھ ایک انگریز "بریگیڈ میجر" کو "نتھی" کر دیا گیا۔

سیالکوٹ پہنچ کر ان بریگیڈیئر صاحب نے جنگ کی تربیت دینے کی طرف توجہ دینے کی بجائے اینٹوں کو چونہ اور باغات میں چھاؤنی لگانے پر زیادہ توجہ دی۔ دراصل جب لیاقت علی سیالکوٹ آئے تو کچھ فوجیوں اور سویلین نے ان کو کھلی اور کھری کھری باتیں سنائیں کہ سیالکوٹ سے حملہ کیوں نہ کیا گیا۔ فوجی سویلین کپڑے پہن کر مجاہدوں کے ساتھ جاتے اور جموں کٹھوعہ روڈ کو کاٹ دیتے۔ لیاقت علی، اس بریگیڈیئر افتخار کی مدد سے ایسے فوجیوں کے منہ بند کرنا چاہتا تھا بریگیڈیئر افتخار نے لوگوں کو اتنا ڈرایا دھمکایا اور اینٹوں پر چونا اور صفائی کی غلطیاں نکالتے وقت وہ افسروں پر برس پڑتا تھا اور لوگ ڈر گئے۔ چنانچہ دسمبر ۴۷ء میں بریگیڈیئر افتخار نے چھاؤنی کے تمام افسروں اور سرداروں کو اکٹھا کیا اور وہاں ایک لمبی چوڑی تقریر کر ڈالی جس کا اصل مقصد یہ تھا کہ ان کے منہ کو بند کیا جائے جو کشمیر کے سلسلہ میں کچھ کارروائی کرنے کے حق میں تھے۔ اور اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ:

"کچھ سرپھرے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ بھارت کے ساتھ جنگ میں کوئی حرج نہیں۔ ان کو معلوم نہیں کہ بھارتی فوج ہم سے تین گنا زیادہ ہے ہم ان کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتے"۔

افسروں اور سرداروں پر سکوت چھا گیا لیکن اس گناہگار سے نہ رہا گیا۔ عرض کی کہ:

"فوج کو توڑ دیں اور ہمیں گھر جانے دیں"۔

بریگیڈیئر صاحب بولے "یہ کیا بکواس ہے"؟ عرض کی "جناب! ایسی باتیں کہنا تو نہ چاہئیں اور اس طرح اپنے آپکو بے جان تو کہنا چاہئے"!

بہرحال یہاں بھی مرزا دجال والی چال تھی کہ جہاد کو بے جان کیا جا رہا تھا۔ راقم کو وہاں سے تبدیل کر کے "راہوالی" گوجرانوالہ بھجوا دیا گیا۔ اور بریگیڈیئر افتخار صاحب نے سیالکوٹ کے علاقہ میں فوج کو کنٹرول کر لیا اور سیالکوٹ کے اردگرد مرالہ تک مجاہدین کا ایسا صفایا کرایا گیا کہ اکھنور کے محاذ سے بھی مجاہدین کو پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ اور جنوری ۴۸ء تک افتخار صاحب کو میجر جنرل بنا کر لاہور تعینات کر دیا گیا کہ پورا پنجاب ان کے ماتحت تھا اور ان کا انگریز مشیر اور بریگیڈ میجر ان ہی کے ساتھ لاہور چلا گیا جہاں اسکو کرنل او۔جی۔ون بنا دیا گیا۔

سیالکوٹ بریگیڈیئر محمد موسیٰ صاحب کر دیا گیا جنہوں نے ستمبر ۶۵ء میں رہی سہی کسر بھی نکال دی اور اس زمانے میں بھی افتخار۔ یا انگریزوں یا قادیانیوں کی سب باتیں جانتے رہے۔ دراصل موسیٰ صاحب کو کمانڈ کا کوئی تجربہ نہ تھا اور آگے بھی زیادہ عرصہ بریگیڈ کی کمانڈ نہ کی۔ اور ڈویژن کی کمانڈ بھی ایسی جگہ کی جہاں پر کوئی خاص فوجی کام نہ تھا کہ اسکو لنگڑا ڈویژن کہتے تھے کہ اس میں دو بریگیڈ تھے اور لوگ چھاؤنیوں میں پڑے رہتے تھے۔

ہماری بدقسمتی کہ یہی موسیٰ صاحب ہمارے کمانڈر بنے اور اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ انہوں نے زیادہ نوکری انگریزوں کی خفیہ سروس میں کی تھی اور یہی بات ان کو پاکستان میں اتنا اونچا لے گئی۔ ان جنرل افتخار صاحب کے بارے میں بھی مشہور تھا کہ انہوں نے پاکستان میں پہلا کمانڈر انچیف بننا تھا لیکن وہ جہاز کے حادثہ میں ہلاک ہو گئے اور ایوب خان کمانڈر انچیف بن گیا اور اس نے جو چاند چڑھائے اُن سے پھر کسی دوسری فرصت میں پردہ اٹھایا جائے گا۔ اور اگر افتخار صاحب کمانڈر انچیف بن جاتے تو وہ بھی انگریزوں کے آدمی تھے تو انہوں نے بھی وہی کچھ کرنا تھا جو بعد میں ایوب خان نے کیا۔

لطف کی بات یہ ہے کہ جس دن سیالکوٹ میں ہمیں ڈانٹ ڈپٹ دے رہا تھا اسی دن راولپنڈی میں انگریز کمانڈر انچیف جی۔ ایچ کیو کے افسروں کو یہی کچھ کہہ رہا تھا اور میجر جنرل اکبر خاں جو پنڈی سازش والے مقدمہ میں بعد میں ملوث ہوئے اور اس زمانہ میں کرنل تھے۔ انہوں نے لکھا کہ انگریز کمانڈر انچیف کو وہی کچھ دیا جو راقم نے اسے سیالکوٹ میں کہا تھا اور یہ بات راقم کو ۶۸ء میں پتہ چلی جب اکبر خاں کی کشمیر کی سازش، کے سلسلہ میں کتاب پڑھی!

ظاہر ہے کہ دنیا کی کسی پیشہ ور فوج کے افسر ایسی تقریر نہیں کرتے جو ہم نے پنڈی اور سیالکوٹ میں سُنی تھی۔ تو ہم دونوں پیشہ ور سپاہیوں کے ردعمل ایک جیسے تھے۔ ادھر سازش کا یہ زور لیکن قائداعظم کو اندھیرے میں رکھا جاتا تھا۔ جب قائداعظم نے حکم دیا کہ مجاہدین کی مدد کے لئے کچھ نہ کچھ فوج کشمیر میں بھیجی جائے تو اس فوج کے ساتھ ایک قادیانی بریگیڈیئر ضیاء الدین کو پونچھ کے علاقہ میں بھیجا گیا۔ پونچھ پر مجاہدین قبضہ کرنے والے تھے لیکن ظفر اللہ خاں اور ضیاء الدین نے تجرباتی "فائر بندی" کرا کے بھارت کو الٹا موقع دیا کہ وہ اپنی پونچھ میں گھری ہوئی افواج کو اور کمک بھیج سکے!

اور آخر ۴۸ء مئی میں جو افواج کشمیر میں داخل ہوئیں وہ سب چھمب جوڑیاں سے شمال یا شمال مغرب میں تھیں لیکن نوشہرہ۔ راجوری یا اکھنور کے علاقوں میں کوئی فوج نہ بھیجی گئی اور جموں کٹھوعہ روڈ تو خیر بالکل محفوظ رہی۔ ادھر تو مجاہدین کو جانے ہی نہیں دیا جاتا تھا اور اسطرح بھارت والے کشمیر میں اپنی افواج کو کمک بھیجتے رہے۔

قائداعظم کو یہ بتایا گیا کہ اگر بھارت نے حیدر آباد پر حملہ کیا تو پھر ہم لوگ جموں کٹھوعہ روڈ کو کاٹ دیں گے اور سیالکوٹ کا دفاع ۱۰۴ بریگیڈ کرے گا اور جہلم کے نزدیک سے قاضی باقر کے نمبر ۱۰۰ بریگیڈ تیار بیٹھا رہے گا اور ضرورت

پڑنے پر جموں کٹھوعہ روڈ کو کاٹ دے گا۔ لاہور کا دفاع ۱۱۴ بریگیڈ کرے گا۔ اور ۱۴ نمبر پر بریگیڈ ریزرو کا کام کریگا وغیرہ۔
یہ تجویز بڑی عمدہ نظر آتی تھی۔ راقم ان دنوں یونٹ کے انٹلیجنس افسر کے طور پر کام کر رہا تھا اور سلیمانکی قصور اور واہگہ تینوں جگہوں سے وابستہ رہ چکا تھا۔ ستمبر اکتوبر ۱۹۴۸ء میں مشرقی پنجاب میں بھارتی افواج بریگیڈ ٹیریٹوریل کے ماتحت اگلے محاذ پر تھیں اور بڑی کمزور قسم کی بٹالین تھیں جن میں غیر لڑاکا لوگ تھے سارا دفاع بکتر بند ڈویژن کی مدد سے کرنا تھا کہ اچھی بٹالین کشمیر یا حیدر آباد کے علاقوں میں تھیں۔ اور ہمارا بکتر بند بریگیڈ بھی گجرات پہنچ چکا تھا۔ اس لئے جس دن بھارت نے حیدر آباد پر حملہ کیا اس دن تجویز کے مطابق اگر ہم جموں کٹھوعہ روڈ کاٹ دیتے تو کشمیر میں بھارتی افواج میں بھگدڑ مچ جاتی اور ساتویں اور نویں ڈویژن کی یونٹیں آگے بڑھ کر کشمیر پر قبضہ کر لیتیں مشرقی پنجاب یا راجپوتانہ کے علاقہ میں خاطر خواہ قسم کی اتنی افواج موجود نہ تھیں جو مغربی پاکستان پر حملہ کر سکتیں۔
لیکن جو کچھ ہوا اس سے قوم آگاہ ہے۔ بھارتی افواج حیدر آباد کے چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں اور قائد اعظم کی وفات کی منتظر تھیں کہ حیدر آباد پر دھاوا بولا جائے یعنی سازش اتنی گہری تھی کہ بھارت والوں کو یہ بھی پتہ تھا کہ قائد اعظم کا وقت نزدیک آپہنچا ہے۔ اس چیز سے لیاقت علی خاں کو الگ نہیں کیا جا سکتا اور راقم نے ۶۹ء میں اخبار روزنامہ نوائے وقت میں متعدد مضامین لکھے جن کی مدد سے بعد میں ہمارے موجودہ وزیر قانون مسٹر شریف الدین پیرزادہ نے کچھ مضامین لکھے اور لیاقت علی خاں کے اس بھیانک کردار سے پردے اُتارے گئے!
حیدر آباد پر قبضہ کرنے کے بعد بھارتی افواج کو کشمیر لایا گیا اور اکتوبر ۴۸ء میں انہوں نے آگے بڑھ کر راجوری اور مینڈھر کے متعدد علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اور پاکستانی افواج تماشائی بن کر کشمیر کے چند علاقوں میں بیٹھی رہیں اور جب بھارت کے عزائم مکمل ہو گئے تو نومبر اور دسمبر ۴۸ء میں ہماری افواج گجرات سے شمال میں بھمبر اور کبوتر گلہ میں اجتماع کیا گیا کیونکہ فائر بندی کا ڈرامہ کرنا تھا۔ اب حیرانگی کی بات یہ ہے کہ ایسا ڈرامہ بھی سیالکوٹ کے علاقے سے بہت دور کیا گیا کہ اپنا ایسا اجتماع دیکھ کر کوئی منچلا واقعی جموں کٹھوعہ روڈ پر قبضہ نہ کرلے یا قادیان میدان جنگ نہ بن جائے!
تو اس ڈرامہ میں راقم خود شامل تھا تو اسے ذرا تفصیل سے سنیئے:
راقم ۱۴ بریگیڈ کی ایک بٹالین کا انٹیلیجنس افسر تھا اور اس بریگیڈ کو کبوتر گلہ بھمبر کے علاقے میں لایا گیا کہ یہ بریگیڈ بیڑی پتن پر حملہ کرے گا۔ پاکستانی فوج کے سارے توپ خانہ اور متعدد پلٹنوں کو مثلاً ۲ پنجاب فرسٹ ایف۔ ایف اور ۱۰۔ ایف۔ ایف کو بھی ادھر لایا گیا۔ بڑی تجویز بنائی گئی کہ بیڑی پتن پر قبضہ کر کے دریائے چناب تک کے علاقوں پر قبضہ ہو جائے گا۔ وغیرہ
دراصل یہ سب کچھ مجھ جیسے سرپھرے لوگوں کی زبان بند کرنے کے لئے کیا جا رہا تھا کہ ہم کہتے تھے کہ بھارتی فوج دندناتی پھرتی ہے اور ہم بے غیرت ہیں کہ کچھ نہیں کرتے ورنہ حملہ کرنے کا وقت تو ستمبر تھا جب بھارتی افواج

حیدرآباد پر حملہ کر رہی تھی۔ اب تو بھارتی افواج مشرقی پنجاب اور کشمیر کے علاقوں میں آ چکی تھیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ پڑی پتن پر حملہ کیسے ریچھ اور ہاتھی جیسے پہاڑوں کے ساتھ سر پھوڑنے کی بجائے یہ حملہ جموں کٹھوعہ روڈ پر کیوں نہیں کیا جاتا؟

تو ہمیں کہا جاتا کہ تم لوگ فوجی حکمت عملی کی باتوں کو نہیں سمجھتے!

بہرحال دسمبر ۴۸ء کے آخری ہفتوں میں ایک دن توپوں کے دن کھول دیئے گئے لیکن حملہ نہ کیا گیا۔ کسی عسکری تاریخ میں ایسے فضول قسم کے فائر کی ساری دنیا میں کوئی مثال نہیں ملتی کہ اتنا فائر کیا جائے اور فوجیں آگے بڑھ کر حملہ نہ کریں! دراصل یہ فائر ان لوگوں کا منہ بند کرنے کے لئے کیا گیا جو میری طرح یہ کہتے تھے کہ ہم کچھ نہیں کرتے اور اس فائر کے بعد یہ مشہور کر دیا گیا کہ بھارت کا شدید نقصان ہوا ہے اور بھارت والے فائر بندی پر تیار ہو گئے ہیں۔ اب کشمیر میں رائے شماری ہوگی۔ یہ سارا کام اور سارا ڈرامہ قادیان سے بہت دور چلایا جس کو پاکستانی فوج کا ایک انگریز میجر جنرل لافٹس ٹاٹیہم کنٹرول کر رہا تھا جس کو ایک طرف ہمارا انگریز کمانڈر انچیف گریسی ہدایات دیتا تھا تو دوسری طرف جنرل کا تصور جو لیاقت علی، ظفر اللہ اور سکندر مرزا کے ساتھ مل کر پاکستان کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے تھے اور اس کا ذکر گذشتہ قسط میں ہو چکا ہے۔ اسکو بھی انگریزوں کی خفیہ سروس کا ماہر مانا جاتا تھا اور راقم اسکو ذاتی طور پر جانتا تھا کہ وہ میری پرانی رجمنٹ کا تھا۔

فائر بندی کرانے کے بعد انگریز کمانڈر انچیف نے ہماری فوج کو نہ صرف چھاؤنیوں میں محدود کر دیا بلکہ اینٹوں پر چونا لگانا چھاؤنیوں میں پھول اور باغ لگانا اور یونٹوں کے سو سالہ جشن منانے کے کاموں پر لگا دیا۔ بڑے بڑے اجتماع ہوتے تھے جہاں ہمارے یونٹوں کے ان کارناموں پر فخر کرنا سکھایا جاتا تھا جو انہوں نے انگریزوں کے زمانے میں کئے اور یہ چیز ہمارے فوجیوں کے دماغوں میں اتنی پکی ہو چکی ہے کہ آج بھی ہماری افواج وہ جھنڈے اٹھائے پھرتی ہیں جو انہوں نے سرنگا پٹم میں سلطان ٹیپو کے خلاف کیا یا ۱۸۵۷ء میں دہلی کیا یا افغانستان کی تین جنگوں یا پہلی اور دوسری عظیم جنگوں میں کیا۔ ساتھ ہی حکم ملا کہ فوجی تربیت انگریزوں کے پرانے طریقہ پر ہوگی۔ اور کشمیر کی جنگ میں افواج نے جو کوئی کام کیا ہے وہ اچھے اسباق نہیں کہ یہ معمولی اور پہاڑی لڑائی تھی۔

انگریزوں کی ان سازش کی باتوں سے تنگ آ کر میجر جنرل اکبر خاں نے حکومت پر قبضہ کرنے کی کوشش کی جسے ہم راولپنڈی سازش کا مقدمہ کہتے ہیں۔ مجھے اکبر خاں کے ساتھ اور اس کے ساتھیوں سے کئی اختلاف ہیں کہ وہ لوگ بھی اسلام سے کافی دور تھے اور بیچ میں فیض احمد فیض جیسے سرخے بھی تھے لیکن کچھ اچھے لوگ بھی تھے کہ وہ انگریزوں کی سازشوں سے تنگ تھے اور بیشک اکبر خاں فوجی معاملات کا ماہر تھا۔ ہمارے ایوب خان یا موسیٰ خان اکبر کے مقابلہ میں بونے تھے!

لیکن کمال ہے قادیانیوں کا کہ وہ لوگ اس سازش میں بھی شریک تھے کہ اکبر خان کامیاب ہو جائے تو وہاں بھی

ان کی نمائندگی ہونی چاہئے۔ وہاں ظفر اللہ کا ہم زلف میجر جنرل نذیر احمد تھا جسے اس مقدمہ میں صرف ایک دن کی سزا ملی اور سولین نوکری دے دی گئی باقی سازش والے کئی سال جیلوں میں پڑے رہے!

۵۱ء میں جب ایوب خان کمانڈر انچیف بن گیا تو فوج میں آواز اٹھی کہ ہماری فوج کو اسلامی فوج بنایا جائے تو ایوب خان نے بات مان لی۔ اور جنرل ہیڈ کوارٹر میں ایک ادارہ کھولا گیا کہ اس سلسلہ میں لوگ یا فوجی ماہرین تجاویز بھیجیں اور ان کا مطالعہ کیا جائے۔ اب لطف کی بات یہ ہے کہ اس ادارہ کا سربراہ بھی کرنل صفدر بیگ کو بنایا گیا جو نہ صرف قادیانی تھا بلکہ مرزا غلام کذاب کی کسی بیوی کا رشتہ دار بھی تھا اور صفدر بیگ کی اپنی بیوی عیسائی تھی۔ اس کرنل صفدر نے فوج میں رہتے ہوئے یا بعد میں فوجی فاؤنڈیشن میں رہ کر قادیانی ازم کی بڑی خدمت کی اور اس کا اصول یہ ہے کہ ہر مسلمان کو ماڈرن یا بے دین کر دیا جائے۔ دراصل صفدر کی قسم کے کئی لوگ فوج کے کئی حصوں میں چھا گئے تھے کہ انگریز کمانڈر انچیف جاتے جاتے ایک قادیانی بریگیڈیئر وحید حیدر کو ملٹری سیکرٹری بنا گیا۔ اور چونکہ افسروں کی ترقی یا تعیناتی ملٹری سیکرٹری کرتا ہے تو اس وحید حیدر نے جگہ بجگہ قادیانی افسر بھر دیئے۔ ساتھ ہی یہ طریقہ اختیار کیا کہ قادیانی عورتیں ان لوگوں کے ساتھ شادیاں کریں جنہوں نے فوج میں ترقی کرنا ہو۔ چنانچہ آدم خان، شیر بہادر، حمید بھوپال وغیرہ جو قادیانی نہ تھے اور بعد میں ہماری فوج میں جنرل بن گئے۔ ان سب کی بیویاں قادیانی تھیں۔ اس سلسلہ میں افسروں کیلئے کشش پیدا کرنے کے طریقے از خود ایک کہانی ہے اور یہ سب لوگ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام کے نفاذ میں رکاوٹ تھے۔

بہرحال ۵۲ء میں بریگیڈیئر وحید حیدر کے خلاف شور مچ گیا تو ایوب خان نے اسے تبدیل کر دیا لیکن اس کی جگہ ایک بے دین آدمی بریگیڈیئر عبدالحمید آیا۔ جس نے بعد میں جنرل یحیٰی کے حواری کے طور پر پاکستان کو دولخت کر دیا۔ تو قارئین یاد رکھیں کہ انگریز قادیانی اور بے دین لوگوں میں قدرِ مشترک ہے اور ابن الوقت یا بے غیرت لوگوں کو یہ لوگ ساتھ ملا کر سازشوں کو پروان چڑھاتے ہیں اور دراصل اصلی "تاشقند" کے راز یہ ہیں۔

اب سیالکوٹ اتنی اہم چھاؤنی تھی لیکن جب امریکنوں کی امداد کے تحت فوج میں بڑھوتری بھی ہوئی تو سیالکوٹ میں ایک ہی بریگیڈ فوج رکھی گئی۔ جس کے شروع کے کمانڈر تو غیر قادیانی تھے لیکن جلدی سے وہاں پر ایک قادیانی میاں غلام جیلانی کو ڈویژن کمانڈر بنا دیا گیا کہ اس علاقے سے کوئی ایسی تجویز نہ بنائی جائے جس کے ذریعے سے قادیان میدانِ جنگ بن جائے۔ لیکن ساتھ ہی قادیانی اب مرکز پر قبضہ کرنے یا اس پر کنٹرول کرنے کی سوچ رہے تھے اور اس کام کے لئے جنرل اختر ملک اور اس کے بھائی عبدالعلی ملک کو تیار کیا جا رہا تھا۔ راقم ان دنوں اور ان کے باپ غلام نبی کو بھی جانتا تھا۔ کہ یہ لوگ بھی میری رجمنٹ کے تھے۔ یہ لوگ پہلے تو تسلیم ہی نہ کرتے تھے کہ وہ قادیانی ہیں۔ انہوں نے اپنی شخصیتوں میں کمال درجہ کی کشش پیدا کی تھی اور افسروں کا بڑا گروہ ان کا مداح تھا چنانچہ

ایوب خاں کے آجانے کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے بھی اختر ملک کے ساتھ یارانہ گانٹھا۔ اور ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں جنرل موسیٰ کی نالائقی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سب کچھ بھٹو اور اختر ملک نے کیا۔ راقم ستمبر ۶۵ء کی جنگ سے پہلے تین سال اس پلٹن کے ساتھ وابستہ رہا تھا جو صدر ہاؤس پر متعین تھا اور اس زمانہ میں ان عجیب و غریب ملاپ یا ملاقاتوں کو خود دیکھتا رہا۔ لیکن بعد میں حالات نے ظاہر کیا کہ یہ ایک سازش تھی۔ اختر ملک اور بھٹو اور ایم ایم احمد بڑی باقاعدگی سے ایک مسٹر سبحان کے گھر میں ملاقاتیں کرتے تھے اور آخر کار انہوں نے کشمیر میں گوریلا کاروائی شروع کی جس میں لینے کے دینے پڑ گئے اور جنرل موسیٰ آجکل کوشش کر رہا ہے کہ وہ بے قصور تھا۔ ایوب خان کو ان لوگوں نے پھانس لیا۔

پوری سازش سے پردہ اٹھانے کے لئے تو ایک کتاب کی ضرورت ہے لیکن قارئین حیران ہوں گے کہ قادیان کی حفاظت کا اتنا خیال تھا کہ یکم ستمبر ۶۵ء کو بھارت کے خلاف اختر ملک نے جو جارحانہ کاروائی کی وہ چھب جوڑیاں سے کی نہ کہ سیالکوٹ سے۔ کہ قادیان میدان جنگ نہ بن جائے۔ سیالکوٹ کی حفاظت کے لئے جو بکتر بند دستے گوجرانوالے میں متعین تھے ان کو بھی چھب جوڑیاں کی طرف جھونک دیا اور سیالکوٹ کے لنگڑے ڈویژن میں ایک آدھ پلٹن کا اضافہ کر کے اسکو مرالہ۔ سچیت گڑھ۔ شکر گڑھ۔ ظفروال۔ چونڈہ۔ پسرور اور ڈیرہ بابا نانک تک کے علاقوں کی ذمہ داری سونپی گئی اور جب بھارت کے بکتر بند دستوں نے اسطرف سے حملہ کیا تو اللہ نے لاج رکھ لی اور کچھ جیالے اپنی جانوں پر کھیل گئے ورنہ بھارتی ۹ ستمبر کو وزیر آباد پہنچ گئے تھے۔

اب ہمارے لوگ جاگے اور کھیم کرن سے بھی بکتر بند دستے ادھر بھیجے اور جنرل ابرار نے پہلے بھی سیالکوٹ کے محاذ پر اپنی جان پر کھیلنے کا حکم دے دیا تھا تو کچھ علاقہ بچ گیا۔ پھر بھی بھارتی فوج سیالکوٹ کے کافی علاقے پر قابض ہو گئی۔ بہر حال جنگ کے آخری دنوں سیالکوٹ کے محاذ پر ہمیں پھر برتری حاصل ہو گئی۔ اور ہم جموں۔ کٹھوعہ روڈ پر قبضہ کر سکتے تھے لیکن جنرل صاحبزادہ یعقوب خاں نے کہا کہ اب فائر بندی ہونیوالی ہے اور خامخواہ جانوں کا ضیاع ہو گا (کچھ لوگ کہتے ہیں کہ صاحبزادہ یعقوب نے ایسا اختر ملک کے بھائی عبد العلی قادیانی کے مشورہ سے کیا تھا واللہ اعلم)

لیکن حیرانی کی بات یہ ہے کہ اختر ملک اور عبد العلی ملک آج بھی ہماری فوج کے بڑے ہیرو مانے جاتے ہیں۔
لیکن افسوس ہم نے کوئی سبق نہ سیکھا۔ دسمبر ۱۹۷۱ء میں تجویز یہ تھی کہ بھارت جب مشرقی پاکستان پر حملہ کرے گا تو مغربی پاکستان سے بھی حملہ ہو گا۔ اس کے لئے کچھ محدود جارحانہ کارروائی کی تجویز بنی اور ایک بھرپور جارحانہ کاروائی کی تجویز تھی۔ خیر بھرپور جارحانہ کاروائی کا وقت نہ آیا یا وہ سازش کا شکار ہو گئی۔ لیکن مغربی پاکستان سے جو محدود کاروائیاں کی گئیں وہ ایک غلط جگہ سے پونچھ کے ساتھ سر پھوڑا۔ ایک قصور کے نزدیک قیصر ہند پر حملہ کیا گیا اور ایک جسمیر کی طرف دھاوا کیا۔ لیکن جو محدود یا حملہ کرنے کی جگہ تھی یعنی جموں کٹھوعہ روڈ وہاں پر محدود کاروائی کو تو چھوڑا جائے۔ الٹا پسپائی اختیار کی گئی کہ ہم دشمن کو شہ دے رہے ہیں کہ وہ ہمارے علاقے میں اندر گھس آئے اور پھر اسکو ختم کریں گے!

اب ہم دشمن کو تو ملیا میٹ نہ کر سکے الٹے وسیع علاقوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اور اس علاقہ میں کرنل اکرم شہید اور قیصر ہند میں کرنل غلام حسین شہید نے اپنی جانوں کی قربانی دے کر ہماری عزت رکھ لی ورنہ سیالکوٹ محاذ پر بُری شکست کھائی اور آگے نہ بڑھے کہ قادیان میدانِ جنگ نہ بن جائے اور قادیانی جنرل عبدالعلی ملک اس علاقے میں موجود تھا کہ قادیان کی طرف کوئی کارروائی نہ ہو۔ پاکستان اور پاکستان کی عزت کا کس کو خیال تھا!

قارئین! یہ تو مختصر طور پر قادیانیوں کی ان سازشوں کا ذکر کیا گیا ہے جو بالکل ظاہر ہیں لیکن انگریز قادیانی اور بے دین لوگ اسلام کے نفاذ میں جو روڑے اٹکا رہے ہیں اور وہ جو گہری سازش ہے اس پر پردے کس اگلی قسط میں اٹھائے جائیں گے لیکن راقم ان سب لوگوں سے اسطرح واقف نہیں جس قدر فوج سے واقف ہے۔ صرف علمی طور پر ان غیر اسلامی باتوں سے پردہ اٹھائے گا اور یہ تجربہ واتفاقی ہوگا زبانی کلامی جمع تفریق نہ ہوگی اور مہروں کا زیادہ ذکر نہ ہوگا لیکن قارئین اندازہ تو لگائیں کہ ان دو قسطوں میں راقم نے کتنے مہروں کا ذکر کر دیا ہے لیکن قوم آج بھی ان باتوں سے بے خبر ہے اور راقم پر بھی ان میں سے اکثر چیزیں اب وارد ہوئیں! (جاری ہے)

وفیات

فی ذمۃ اللہ

☆ فاضل رشیدی

ابھی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ صاحب رحمہ اللہ علیہ رائپوری کے تعزیت نامے آرہے تھے اور حضرت حافظ الحدیث مولانا عبداللہ درخواستی مدظلہٗ اور ان کے ابناء نیز رئیس الموحدین حضرت مولانا حسین علی مرحوم کے تلامذہ و خلفاء اظہارِ افسوس کر رہے تھے کہ ـــــ صوفی باصفا، اسم بامسمّٰی حضرۃ مولانا الحاج غلام محمد صاحب قدس اللہ اسرارہم مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ اشرف المدارس فیصل آباد ۱۵ محرم ۱۴۰۶ھ کو طویل علالت کے بعد اللہ کو پیارے ہو گئے۔ فرحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

صوفی صاحب مرحوم اوّلاً جامعہ رشیدیہ میں ہمارے اُستاذ تھے اور تعلیم کے شوق کے ساتھ ساتھ تبلیغ کے ذوق و جذبہ سے سرشار تھے۔ حضرت صوفی صاحب مرحوم اور مندرجہ ذیل مرحومین کے لئے جامعہ میں حسب روایات متعدد قرآنِ حکیم ختم کر کے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی گئی اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرما کر ان کی قبروں کو منوّر فرمائیں۔ حضرت علامہ انور صابریؒ فاضل دیوبند۔ ہندوستان کے قومی شاعر۔

بیگم صاحبہ مرحومہ چوہدری نیاز محمد صاحب فرید ٹاؤن ساہیوال

والدہ ماجدہ مرحومہ بھائی محمد اسحاق صاحب

ملک نصراللہ مرحوم غلہ منڈی ساہیوال (جو سانحہ جھنگ میں مظلومانہ شہید کر دیا گیا)

حاجی ولی محمد مرحوم　　عبدالرشید ارشد

آہ! تو ولی تھا!

بعض لوگ اسلامی ملکوں میں رہتے ہوئے بھی مغرب کی تہذیب، تمدن اور معاشرت میں ڈوب کر رہتے ہیں لیکن اللہ کے ہزارہا بندے ایسے بھی ہیں جو مغرب میں رہ کر بھی اسلامی اخلاق و کردار اور دینی اقدار کو حرز جان بنا کر جیتے اور اسی پر جان جان آفرین کے سپرد کر دیتے ہیں۔ انہی مردان درویش میں سے ایک مرد نیک نام یعنی حاجی ولی محمد جالندھری گلاسگو (انگلینڈ) میں رہتے تھے جن کا ۵ ستمبر کو وہیں انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

بہت سے لوگ پاکستان میں رہ کر ترستے ہیں کہ ہماری اولاد کسی نہ کسی طرح برطانیہ میں تعلیم حاصل کر لے لیکن حاجی صاحب مرحوم برطانیہ میں رہ کر اپنی اولاد کو دین پڑھا رہے تھے۔ ایک لڑکے نے گلاسگو میں قرآن مجید حفظ کیا اور دوسرا ڈیوزبری تبلیغی جماعت کے مرکز میں تعلیم و تربیت حاصل کر رہا تھا۔

حاجی صاحب نکودر ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ نکودر میں مدرسہ خلیلیہ کے ساتھ "صوفی پنڈ" تھا آپ کی وہاں زمین وغیرہ تھی۔ پاکستان میں آنے کے بعد گلاسگو جا کر تجارت کر رہے تھے۔ مولانا ہدایت اللہ مرحوم میانچنوں والوں کے فرزند ارجمند رانا کفایت اللہ صاحب کے ساتھ پارٹنر شپ تھی اور کئی برسوں سے اکٹھے کام کر رہے تھے۔ میں جنوری ۸۵ء میں آیا تو دونوں حصہ دار بیمار تھے اور بھائی فضل اکبر محمود ان کی دکان پر کام کرتے تھے۔

حاجی صاحب پر دو تین مرتبہ دل کا دورہ پڑا اور موت کے دروازے پر دستک دے کر واپس آجاتے۔ لیکن اس دفعہ بالآخر جان ہار گئے۔ شنید کے مطابق حاجی محمد صادق کے ہاں دعوت پر گئے تھے کہ دل کا دورہ پڑا۔ اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔

دینی و دنیاوی تعلیم واجبی تھی لیکن تبلیغی جماعت کے ساتھ ملکر اور علماء حق کیساتھ میل جول اور ربط و ضبط سے اچھی خاصی دینی معلومات بہم پہنچائی تھی اور پوری پابندی سے نماز روزہ ادا کرتے اور متشرع تھے۔ ہمیشہ قراقلی ٹوپی، کرتہ شلوار، کوٹ یا شیروانی میں ملبوس رہتے۔ دنیاوی معاملات میں بڑے صاحب الرائے تھے۔ اکثر لوگ اپنی تجارات وغیرہ میں ان سے مشورہ لیتے اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھاتے تھے۔

گلاسگو کی دینی مجالس اور تبلیغی جماعت کے مشوروں میں ان کی شرکت لابدی تھی نشست و برخاست اور گفتار و رفتار میں باوقار تھے۔ حضرت مولانا عتیق الرحمٰن سابق استاذ الحدیث خیر المدارس ملتان کی دامادی کا انہیں شرف حاصل تھا۔ حضرت مولانا کو اس بڑھاپے میں اپنے داماد کی فوتیدگی کا صدمہ برداشت کرنا پڑا جو کہ بہت بڑا صدمہ ہے۔

لیکن امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تعمیل میں صبر و شکر کیساتھ اس کو برداشت کیا ہوگا۔

مجھے گلاسگو کی وہ مجالس رہ رہ کر یاد آتی ہیں اور آتی رہیں گی جس میں حاجی محمد صادق۔ شیخ حاجی ولی محمد۔ صوفی محمد حنیظ اسمٰعیل اور دوسرے ساتھی اکٹھے ہوتے اور گھنٹوں کوئی ایک مسئلہ زیرِ بحث رہتا اور یہ حضرات بال کی کھال اُتارتے رہتے۔ یہ سلسلہ کئی سالوں سے جاری تھا۔ افسوس حاجی صاحب اپنے رفقاء کو چھوڑ کر وہاں چلے گئے کہ جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔ لیکن ان کی یاد ان کے احباب سے کبھی محو نہ ہوگی۔ اور وہ ہمیشہ اپنی مجالس میں ان کی کمی محسوس کریں گے۔ دینی معاملات میں ان کی حمیت و غیرت بلا کی تھی۔ میں یہ سطور لکھ رہا ہوں اور دل غم کے آنسو رو رہا ہے۔ میرا ان کا تعلق دینی تھا اور حقیقت یہ ہے کہ ان کی ذات گلاسگو میں غنیمت تھی۔ حافظ شفیق احمد سے ان کو جو تعلق خاطر تھا اس کی بناء پر منجملہ خاندان کے دوسرے افراد کے وہ بھی تعزیت کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے لڑکوں کو ان کی خواہش کے مطابق دین کا خادم بنائے۔ مجھے ان کا چھوٹا بچہ بڑا یاد آ رہا ہے جسے یہ تو معلوم ہوگا کہ میرا باپ اب مجھے دکھائی نہیں دیتا لیکن اسکو علم نہ ہوگا کہ وہ اب کبھی بھی دکھائی نہ دے گا۔ بہت چھوٹا سا بچہ، معصوم، بھولا بھالا۔ اکثر ان کی گاڑی میں مسجد آیا کرتا تھا اور اپنی معصوم زبان میں نماز اور چھوٹی سورتیں سنایا کرتا تھا۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت حاجی صاحب کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کی لغزشوں سے درگذر فرمائے۔ ان کی اہلیہ محترمہ دیارِ غیر میں اس صدمے سے دوچار ہوئی ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ اپنے والد ماجد کی تعلیم و تربیت کے ثمرات کی بنیاد پر صبر و استقامت کی توفیق فرمائیں اور اپنے بچوں کی وصیح تربیت کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر بہت بڑی ذمہ داری ڈال دی ہے۔ اسکو خدا کی مرضی سمجھ کر ہمت سے برداشت کریں اور اپنی ساری توجہ بچوں کی صحیح دینی تربیت کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ عبد الرؤف عبد الوحید اور دوسرے بچوں کا اور ہم سب کا حامی و ناصر ہو!

اسلام کی تعلیم کا نچوڑ اور خلاصہ رضا بالقضا ہے۔ بلکہ اسلام کا معنیٰ ہی اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار اور مطیع ہونا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لختِ جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو جب ذبح کرنے کے لئے لٹایا تو اللہ رب العزت نے اسکو اَسْلَمَا کے لفظ سے یاد فرمایا ہے کہ جب وہ دونوں مسلمان ہو گئے۔ اگرچہ یہاں لغوی معنیٰ مُراد ہے کہ وہ مسلمان تو اول روز سے ہی تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں اسلما کا لفظ استعمال فرما کر دنیا پر حقیقت واضح فرمائی کہ یہ اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ سے مکرر دُعا ہے کہ وہ ہماری بہن کو ایسے صبر اور بچوں کی ایسی تربیت کی توفیق دے کہ جو دوسروں کے لئے مثال بن جائے!

اسلام میں رفض کا آغاز

از: مولانا منظور احمد صاحب نعمانی
مدیر "الفرقان" لکھنؤ

شیعیت کیا ہے اور اثنا عشریہ

جیسا کہ ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے، اس تحریری کاوش کا مقصد ایرانی انقلاب کی اصل نوعیت و حقیقت اور اس کے قائد روح اللہ خمینی صاحب کی حقیقی شخصیت اور واقعی مذہبی حیثیت سے ان حضرات کو واقف کرانا ہے جو واقف نہیں ہیں اور اس ناواقفیت کی وجہ سے وہ اس پروپیگنڈے سے متاثر ہو رہے ہیں جو اربوں ڈالر صرف کر کے ایرانی حکومت کی طرف سے اس انقلاب کی اسلامیت اور خالص اسلامیت کے بارے میں کیا اور کرایا جا رہا ہے ——— اور جیسا کہ گذشتہ صفحات میں خود خمینی صاحب کی تحریروں کی روشنی میں تفصیل سے بتلایا جا چکا ہے۔ ان کے برپا کئے ہوئے اس انقلاب کی بنیاد شیعہ مذہب اور خاص کر اس کی اصل و اساس "مسئلہ امامت" پر ہے۔ لہٰذا اس کی نوعیت کو صحیح طور پر سمجھنے اور خمینی صاحب کی شخصیت کو جاننے پہچاننے کے لئے بھی مذہب شیعہ سے واقفیت ضروری ہے۔ اسی لئے آئندہ صفحات میں بس اس کے تعارف کی کوشش کی جائے گی ——— جو کچھ اس سلسلہ میں عرض کیا جائے گا وہ شیعہ مذہب کی مسلّم و مستند کتابوں ہی سے نقل کیا جائے گا۔ اور وہ ان کے "ائمہ معصومین" کے ارشادات ہی ہوں گے ——— شروع میں تمہید کے طور پر شیعیت کے آغاز کی تاریخ بھی ذکر کی جائیگی! کیونکہ اس کے بغیر اس کو صحیح معنوں میں سمجھا نہیں جا سکتا ——— اور چونکہ شیعہ مذہب اور اسکے آغاز کو سمجھنا ان لوگوں کے لئے بہت آسان ہوتا ہے جو موجودہ مسیحیت اور اس کی تاریخ سے واقف ہوں۔ اس لئے اختصار کے ساتھ ابتداء میں اس کا بھی ذکر کیا جائے گا اور سلسلۂ کلام حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک اہم اور غیر معمولی پیشین گوئی اور اسی کے بارے میں خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ایک بیان سے شروع کیا جائے گا ——— یہ پیشین گوئی اسلام میں شیعیت اور اسکی مد مقابل دوسری گمراہی خارجیت کے ظہور کی بھی پیشین گوئی ہے اور اس سے شیعیت اور موجودہ مسیحیت کا وہ قرب و تعلق بھی ناظرین کے سامنے آجائیگا جس کی وجہ سے مسیحیت کی تاریخ جاننے والوں کے لئے شیعیت کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے!

——— واللہ الموفق.

شیعیت اور مسیحیت

مسند احمد، مستدرک حاکم، کامل ابن عدی وغیرہ حدیث کی متعدد کتابوں میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود انہی سے فرمایا:

فیک مثل من عیسیٰ ابغضته الیھود حتی بھتوا امه و احبته النصاریٰ حتی انزلوه بالمنزلة التی لیست له ثم قال یھلک فیّ رجلان محب مفرط یقرظنی بما لیس فیّ و مبغض یحمله شنآنی علی ان یبھتنی۔ (رواہ احمد مشکوٰۃ المصابیح ص۵۶۵ وکنز العمال ص۲۲۳ ج۱۱)

"اے علی تم کو عیسیٰ ابن مریم سے خاص مشابہت ہے۔ یہودیوں نے ان کے ساتھ بغض و عداوت کا رویہ اختیار کیا، یہاں تک کہ ان کی ماں مریم پر (بدکاری کا) بہتان لگایا اور نصاریٰ نے ان کے ساتھ ایسی محبت کی کہ انکو اس مرتبہ پر پہنچایا جو مرتبہ انکا نہیں تھا۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرنے کے بعد حضرت علیؓ نے فرمایا کہ (بیشک ایسا ہی ہوگا) دو طرح کے آدمی میرے بارے میں ہلاک ہوں گے۔ ایک محبت میں غلو کرنیوالے، جو میری وہ بڑائیاں بیان کریں گے جو مجھ میں نہیں ہیں۔ دوسرے بغض و عداوت میں حد سے بڑھنے والے جن کی عداوت انکو اس پر آمادہ کرے گی کہ وہ مجھ پر بہتان لگائیں گے۔[1]

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا تھا اور اسی کی بنیاد پر حضرت علی المرتضیٰؓ نے جو کچھ فرمایا اس کا ظہور ان کے دور خلافت ہی میں ہوگیا ——— خوارج کا فرقہ آپ کی مخالفت و عداوت میں اس حد تک چلا گیا کہ آپ کو مخرب دینؓ کافر اور واجب القتل قرار دیا اور انہی میں سے ایک شقی عبدالرحمٰن بن ملجم نے آپکو شہید کیا اور اپنے اس بدبختانہ عمل کو اس نے اعلیٰ درجہ کا جہاد فی سبیل اللہ اور دخلہ جنت کا وسیلہ سمجھا ——— اور آپ کی محبت میں ایسے غلو کرنیوالے بھی پیدا ہوگئے جنہوں نے آپ کو مقام الوہیت تک پہنچایا اور ایسے بھی جنہوں نے کہا کہ نبوت و رسالت کے لائق دراصل آپ ہی تھے اور اللہ تعالیٰ کا مقصد آپ ہی کو نبی و رسول بنانا تھا اور جبرئیل امین کو وحی دے کر آپ ہی کے پاس بھیجا تھا، لیکن ان کو اشتباہ ہوگیا اور وحی لیکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے ——— اور ان کے علاوہ ایسے بھی جنہوں نے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرح معصوم اور

---

[1] شیعوں کی مشہور مستند کتاب "نہج البلاغہ" میں بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد قریب قریب انہی الفاظ میں روایت کیا گیا ہے! (نہج البلاغہ طبع مصر ص۲۶۱ ج۱)

مفترض الطاعۃ تھے اور مقام و مرتبہ میں دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل اور بالاتر تھے اور کائنات میں تصرف اور علم غیب جیسی خداوندی صفات کے بھی آپ حامل تھے ـــــ (حضرت علیؓ کے بارے میں غلو کرنیوالے ان شیعہ فرقوں کی کچھ تاریخ و تفصیل ناظرین کرام کو انشاء اللہ آئندہ صفحات سے بھی معلوم ہو جائے گی ۔)

اسوقت تو مندرجہ بالا حدیث نبوی کی روشنی میں یہ عرض کرنا ہے کہ شیعیت کی حقیقت کو سمجھنا ان لوگوں کیلئے بہت آسان ہوتا ہے جو مسیحیت اور اس کی تاریخ سے کچھ واقفیت رکھتے ہوں اور یقیناً ہمارے ناظرین میں ایسے بہت کم ہی ہوں گے اس لئے پہلے اختصار کے ساتھ اس کا ذکر مناسب سمجھا گیا ہے ۔

حضرت مسیح علیہ السلام اور موجودہ مسیحیت

کسی مسلمان کو اس میں شک و شبہ نہ ہوگا کہ اللہ کے نبی اور رسول سیدنا مسیح ابن مریم علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید خالص اور اللہ تعالیٰ کے اسی قانون نجات و عذاب اور جنت و دوزخ پر ایمان لانے کی دعوت دی تھی ۔ جس کی دعوت ان سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کو دیتے آئے تھے اور انہوں نے اپنے کو اللہ کا بندہ اور اسکا نبی و رسول ہی بتلایا تھا ۔ اس بارے میں سب سے زیادہ مستند اور ہر قسم کے شک و شبہ سے محفوظ بیان بالخصوص ہم مسلمانوں کے نزدیک ، اور حقیقت ، اور واقعہ کے لحاظ سے بھی قرآن مجید کا ہے ۔ سورہ مائدہ میں حضرت مسیحؑ کی دعوت و تعلیم کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے :

وقال المسیح یٰبنی اسرائیل اعبدوا اللہ ربی و ربکم انہ من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ و ماوٰہ النار ، و ما للظٰلمین من انصار ۔ (المائدہ آیت ۷۲)

" اور (ہمارے پیغمبر) مسیح نے کہا کہ اے بنی اسرائیل بس اللہ ہی کی عبادت اور بندگی کرو جو میرا اور تمہارا مالک و پروردگار ہے یقیناً جو کوئی کسی مخلوق کو اللہ کے ساتھ شریک کرے گا تو اللہ نے جنت اس کے لئے حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہی ہوگا ۔ اور ایسے مجرموں کا کوئی حامی اور مددگار نہ ہوگا ۔"

اور سورۂ آل عمران میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو جو روشن معجزات عطا فرمائے تھے اپنی قوم کے سامنے ان کو پیش کرنے کے بعد آپ نے قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :

وجئتکم بآیۃ من ربکم فاتقوا اللہ واطیعون ۔ ان اللہ ربی و ربکم فاعبدوہ ھٰذا صراط مستقیم ۔ (سورۃ آل عمران آیت ۵۱)

"میں تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نشانی (یعنی معجزات) لے کر آیا ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، بلاشبہ اللہ ہی میرا اور تمہارا رب (مالک و پروردگار) ہے لہٰذا اسی کی عبادت اور بندگی کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے۔"

اور سورۃ مریم میں بیان فرمایا گیا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنی قوم کو اپنے بارے میں بتلایا:

انی عبد اللہ اٰتٰنی الکتٰب وجعلنی نبیاً ۝ (مریم آیت ۳۰)

"میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔"

پھر اس سلسلہ کلام کو حضرت مسیح علیہ السلام کے اس بیان پر ختم فرمایا گیا ہے:

و ان اللہ ربی و ربکم فاعبدوہ ھٰذا صراط مستقیم ۝ (مریم آیت ۳۹)

"اور بلاشبہ اللہ ہی میرا اور تمہارا رب (مالک و پروردگار) ہے لہٰذا صرف اسی کی عبادت و بندگی کرو یہی سیدھی راہ ہے۔"

اور سورۂ مائدہ کے آخر میں بیان فرمایا گیا ہے کہ قیامت میں گمراہ عیسائیوں پر حجت قائم کرنے اور حضرت مسیح علیہ السلام کی برأت ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے برسر عام عیسٰی علیہ السلام سے پوچھا جائیگا کہ کیا تم نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو بھی خدا کے سوا معبود بنائیو!

ءانت قلت للناس اتخذونی و امی الٰھین من دون اللہ

وہ عرض کریں گے میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا تھا۔

ما قلت لھم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللہ ربی و ربکم۔ (مائدہ آیت نمبر ۱۱۸)

"میں نے ان سے صرف وہی کہا تھا جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ بس اللہ ہی کی عبادت اور بندگی کرو جو میرا اور تمہارا مالک و پروردگار ہے۔"

الغرض قرآن مجید کے ان بیانات کی روشنی میں اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید خالص ہی کی دعوت دی تھی اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ ان کے حواریین جنہوں نے براہ راست انہی سے ھدایت و تعلیم حاصل کی تھی وہ بھی اسی توحید کے حامل تھے اور اسی کی منادی کرتے تھے لیکن کچھ ہی مدت کے بعد حال یہ ہو گیا کہ مسیحی اُمت نے توحید کی بجائے تثلیث کو اور حضرت مسیح علیہ السلام اور تمام انبیاء علیہم السلام کے بتلائے ہوئے قانونِ نجات و عذاب کے بجائے کفارہ کو بنیادی عقیدہ کے طور پر اپنا لیا اور اس کے بعد سے انہی دو عقیدوں پر عیسائیت کی پوری عمارت قائم ہے۔ اب جو شخص تثلیث اور کفارہ پر عقیدہ نہ رکھتا ہو بلکہ اس توحید خالص پر اور قانونِ مجازۃ پر ایمان رکھتا ہو جس کی دعوت و تعلیم حضرت

عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی وہ آج کسی بھی کلیسا کے قانون کے مطابق مسیحی اور عیسائی نہیں مانا جاسکتا۔

یہ ایک اہم تاریخی سوال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت و تعلیم میں اتنی بڑی تحریف کیسے راہ پاگئی اور کس طرح ان کی امت میں اسکو ایسا قبول عام حاصل ہوگیا کہ اب پوری مسیحی دنیا (مذہب اور عقیدہ کے چھوٹے بڑے بہت سے باہمی اختلافات کے باوجود) تثلیث اور کفارہ کو بنیادی عقیدہ ماننے کے بارے میں گویا بالکل متفق اور یک زبان ہے؟

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ حق کے متلاشیوں کی رہنمائی اور ہماری عبرت آموزی کے لئے اس تحریف اور تبدیلی کی تاریخ بھی محفوظ ہے ـــــــ علماءِ اسلام میں سے جن حضرات نے تحقیق و تدقیق کیساتھ مسیحیت اور اس کی تاریخ کا مطالعہ اور اسپر کام کیا ہے۔ انہوں نے اس موضوع پر ایسا مبسوط اور مدلل لکھا ہے کہ اس تحریف اور تبدیلی کی تاریخ آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے لیکن یہاں ہم کو اجمال و اختصار ہی کے ساتھ اس کا ذکر کرنا ہے [1]

اس بارے میں جو کچھ عیسائیت کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کے منصب سے سرفراز فرمایا اور آپ نے اپنے کو اسی حیثیت سے اپنی قوم بنی اسرائیل (یہود) کے سامنے پیش کیا اور اللہ کا پیغام ہدایت ان کو پہنچایا اور باذن اللہ وہ روشن معجزات بھی آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے جن کا ذکر قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے۔ تو سب سے پہلے ان کے عالموں اور مذہبی پیشواؤں نے اور ان کے ساتھ پوری قوم نے آپ کو جھوٹا مدعی نبوت اور جادوگر اور شعبدہ باز کہا اور یہودی شریعت کے قانون کے مطابق لعنتی اور واجب القتل قرار دیا' ہر طرح سے ستایا اور انتہائی توہین و تذلیل کی

---

[1] جو حضرات اس تاریخی واقعہ کی پوری تفصیلات معلوم کرنا چاہیں وہ ان کتابوں کا مطالعہ فرمائیں جن میں اس موضوع پر مستقل اور مفصل کلام کیا گیا ہے۔ خاص کر حضرت رحمت اللہ ہندی کیرانوی مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بینظیر تصنیف "اظہار الحق" جو اب سے تقریباً سوا سو سال پہلے عربی میں لکھی گئی تھی۔ اور دنیا کی متعدد زبانوں میں اس کے ترجمے بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ اردو میں اس کا بہترین ترجمہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی ثم کراچوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرشید ہمارے فاضل دوست مولانا محمد تقی عثمانی (ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی) نے کیا ہے جو ان کے قریباً سوا دو سو صفحے کے مقدمہ کے ساتھ اب سے چند سال پہلے تین جلدوں میں کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔ ان کا یہ مقدمہ بجائے خود ایک مستقل قابلِ قدر تصنیف ہے۔ جزاهم الله تعالیٰ عن الاسلام والمسلمین کما یلیق بشانه۔

پھر اپنی مذہبی عدالت میں ان پر مقدمہ چلایا اور صلیب کے ذریعے سزائے موت دیئے جانے کا فیصلہ کیا گیا۔
پھر اسوقت کی برسر اقتدار رومی حکومت کے قانون کے مطابق اس سزائے موت کے فیصلے کے نفاذ کے لئے رومی حاکم (گورنر) کی منظوری بھی حاصل کر لی۔ اور اپنے نزدیک حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھوا کر سزائے موت دلوا بھی دی اور قاعدہ اور رواج کے مطابق لاش دفن بھی کر دی گئی۔ اور یہ لوگ مطمئن ہو گئے کہ ہم نے اس مدعی نبوت کو ختم کر دیا۔[۱] اور اس کی دینی دعوت کی جڑ کاٹ دی۔ لیکن حضرت مسیحؑ کے مخلص اور صادق العہد حواریوں نے ان انتہائی ناسازگار حالات میں ان کی لائی ہوئی ھدایت کی دعوت و تبلیغ اور دور دراز علاقوں میں جا کر اس کی منادی کا سلسلہ جاری رکھا اور ان کی مخلصانہ و درویشانہ جدوجہد اور قربانی کو مقبولیت اور کامیابی حاصل ہوتی رہی اور اس کے امکانات ظاہر ہو گئے کہ یہ دینی دعوت کسی وقت قبولِ عام حاصل کرے گی۔
اسی زمانے میں یہ غیر معمولی واقعہ رونما ہوا کہ ایک مشہور و معروف یہودی عالم جس کا نام ساول تھا جو دین عیسوی کا انتہائی درجہ کا دشمن تھا اور اس کے قبول کرنیوالوں کو ہر ممکن طریقے سے پریشان کرتا، ان پر خود شدید مظالم کرتا اور دوسروں سے کراتا تھا۔ یہی اس کا محبوب و مرغوب مشغلہ تھا ——— اُس نے ہمارے نزدیک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ——— اچانک اور کہا جا سکتا ہے کہ ڈرامائی انداز میں دعویٰ کیا کہ میں عیسائیت اور عیسائیوں کے خلاف جدوجہد کے سلسلہ میں دمشق جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک منزل پر آسمان سے زمین تک ایک نور ظاہر ہوا اور آسمان ہی سے یسوع مسیح کی آواز مجھے سنائی دی۔ انہوں نے مجھے مخاطب کر کے عبرانی زبان میں فرمایا کہ "اے ساول تو مجھے کیوں ستاتا ہے" ——— اور انہوں نے مجھے ایمان لانے اور ان کے دین کی خدمت اور منادی کرنے کی دعوت دی اور وصیت فرمائی۔ میں یہ معجزہ دیکھ کر ان پر ایمان لے آیا۔ اور اب میں نے اپنے کو اس دین کی خدمت اور منادی کے لئے وقف کر دیا ہے۔ اس نے

---

[۱] معلوم ہے کہ عیسائی دنیا نے بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے دشمن یہود کی یہ بات مان لی ہے کہ حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھا کر سزائے موت دی گئی اور اسی پر ان کے کفارہ کے عقیدے کی بنیاد ہے اور موجودہ انجیلوں میں بھی (جن کا محرف ہونا قطعی دلیلوں سے ثابت ہے) یہی بیان کیا گیا ہے۔ لیکن قرآن مجید کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح کو صلیب کے ذریعے سزائے موت دیئے جانے کی یہودیوں کی اسکیم ناکام کر دی اور اپنی قدرت کاملہ سے ان کو آسمان پر اٹھا لیا اور ایک اور شخص کو جسے صورۃً اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے مشابہ بنا دیا تھا سولی پر چڑھا دیا گیا (بعض روایات کے بموجب یہ شخص وہی غدار منافق تھا جس نے جاسوسی کی تھی) حضرت مسیح علیہ السلام کے ایک جلیل القدر حواری برناباس کی جو ان کی مرتب کی ہوئی انجیل کا بیان قرآن مجید کے اس بیان کے بالکل مطابق ہے۔ لیکن جب عیسائی دنیا نے پولوس کی شیطانی کوششوں سے متاثر ہو کر تثلیث اور کفارہ کا عقیدہ اختیار کر لیا (جس کا بیان ابھی آئیگا) تو عیسائیوں نے برناباس کی اس انجیل کو نامعتبر قرار دیدیا۔

اپنا نام بھی بدل ڈالا اور ساؤل کی بجائے پولوس نام رکھ لیا۔

اس کے بعد اُس نے حضرت مسیحؑ کے حواریوں کے پاس جا کر اپنے اس مکاشفہ یا مشاہدے اور انقلابِ حال کا ذکر کیا تو اکثر حواری اس کی اب تک کی زندگی اور ظالمانہ رویّہ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس پر اعتماد کرنے اور اس کے اس اظہار و بیان کو واقعہ اور حقیقت ماننے کے لئے تیار نہیں تھے انہیں اس کے بارے میں شک و شبہ تھا لیکن ایک جلیل القدر حواری برنباس نے اس کی بات کو قبول کر لیا اور دوسرے حواریوں کو بھی آمادہ کر لیا کہ وہ بھی قبول کر لیں۔ اس کے بعد یہ ساؤل حواریوں کے ساتھ شامل ہو گیا اور پھر اس نے ایسا رویّہ اختیار کیا کہ عام عیسائی اسکو مسیحی مذہب کا شوائے اعظم سمجھنے لگے۔ اسطرح عوام میں اسکو غیر معمولی مقبولیت اور مقتدائیت کا مقام حاصل ہو گیا۔

اس کے بعد اس نے دینِ عیسوی کی اندر سے تخریب و تحریف کا کام شروع کیا جو فی الحقیقت اسکا اصل مقصد و منصوبہ تھا، اس نے اپنی غیر معمولی ذہانت و فراست سے سمجھ لیا کہ عیسائیوں کو حضرت مسیحؑ کے لائے ہوئے اصل دین سے دُور اور گمراہ کرنے کا اصل راستہ یہ ہے کہ ان کے سامنے حضرت مسیحؑ کی شان کو حد سے زیادہ بڑھایا جائے ان کو ابن اللہ یا خدائی کا شریک یا خود خدا کہا جائے اور صلیب کے واقعہ کی حقیقت یہ بتائی جائے کہ انہوں نے اپنے پر ایمان لانے والے سارے انسانوں کے گناہوں کی سزا اور عذاب کے عوض خود یہ تکلیف اُٹھائی۔ اسطرح ان کا صلیب پر چڑھایا جانا ان پر ایمان لانے والوں کے گناہوں کا کفارہ اور نجات کا وسیلہ بن گیا۔

اس کے بعد اُس نے اسی راستہ سے کام شروع کیا، اس کا تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا اور عام عیسائیوں میں بھی الوہیتِ مسیح اور ابنیت اور تثلیث و کفارہ کے عقائد تیزی سے مقبول ہوئے —— قیاس یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کے ان حواریوں نے جو اس زمانے میں موجود تھے اور ان کے صحیح العقیدہ شاگردوں نے عیسائی اُمت کو اصل دینِ عیسوی پر قائم رہنے اور ان کو مشرکانہ اور گمراہانہ عقیدوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش ضرور کی ہو گی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان کی یہ مصلحانہ کوششیں زیادہ کامیاب نہ ہو سکیں اور حضرت مسیحؑ کے اس دُنیا سے اُٹھائے جانے پر پوری ایک صدی بھی نہیں گذری تھی کہ عام عیسائیوں میں حضرت مسیحؑ کے لائے ہوئے دینِ عیسوی کی بجائے پولوس کا بنایا ہوا یہ نیا مشرکانہ دین ہی عیسائیت کے عنوان سے مقبول ہو گیا۔ اور پھر ایسا ہوا کہ دنیا کے قریب قریب تمام ہی عیسائیوں نے اسی دین کو اپنا لیا۔ اور تثلیث اور کفارہ عیسائیت کے بنیادی عقیدے تسلیم کر لئے گئے۔

یہ جو کچھ عرض کیا گیا دینِ عیسوی میں پولوس کے ذریعے ہونیوالی تحریف کی تاریخ کا بہت مختصر بیان ہے تفصیل ان کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے جو مستقل اس موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ خاص کر حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی علیہ الرحمۃ کی "اظہار الحق" کا ترجمہ "بائبل سے قرآن تک" اور اس کا مقدمہ از مولانا محمد تقی عثمانی (کراچی)

اسلام میں شیعیت کا آغاز

اسلام میں شیعیت کے آغاز کی تاریخ بعینہٖ وہی ہے جو سطورِ بالا میں موجودہ محرّف عیسائیت کی بیان کی گئی ہے اور اس کو اصل اسلام سے وہی نسبت ہے جو پولوس کی ایجاد کی ہوئی عیسائیت کو حضرت مسیحؑ کے لائے ہوئے اصل دین عیسوی سے ہے جو بلاشبہ دین حق تھا۔

چونکہ راقم سطور نے اسوقت شیعیت اور اس کی تاریخ پر مستقل کتاب لکھنے کا ارادہ نہیں کیا ہے بلکہ اس وقتی تقاضے کے تحت جس کا ذکر اوپر کیا گیا صرف ایک مقالہ ہی لکھنا پیش نظر ہے اور اس میں بھی اصل مطمحِ نظر شیعہ مذہب کی بنیادی اور مسلّم و مستند کتابوں کی روشنی میں اس کا بقدر ضرورت تعارف کرانا اور اس کی اصل حقیقت سے ان حضرات کو واقف کرانا ہے جو ناواقفی کی وجہ سے اس کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور اس کے داعیوں اور علمبرداروں کے آلۂ کار بن کر شیعیت کے فروغ اور مسلمانوں میں اس کی مقبولیت کی راہ ہموار کر رہے ہیں ——— اس لئے صرف تمہید کے طور پر اس کے آغاز کا مختصر تذکرہ کرنا ہے۔

ابن جریر طبری کی تاریخ الامم والملوک، ابن کثیر دمشقی کی البدایہ والنہایہ، ابن حزم اندلسی کی الفصل فی الملل والنحل، شہرستانی کی الملل والنحل اور اس کے علاوہ بھی بعض تاریخی مآخذ کے مطالعہ سے شیعیت کے آغاز کے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا ہے راقم سطور یہاں اس کا صرف حاصل ہی اپنے الفاظ میں نذر ناظرین کر رہا ہے (جو کچھ عرض کیا جا رہا ہے وہ مندرجہ بالا مآخذ میں دیکھا جا سکتا ہے۔)

جیسا کہ معلوم ہے قریب قریب پورا جزیرۃ العرب عہد نبوی ہی میں اسلام کے زیر اقتدار آگیا تھا اور اسلام اور مسلمانوں کی کوئی دشمن طاقت، نہ مشرکین کی نہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی ایسی کوئی باقی تھی جو دعوتِ اسلام کا راستہ روک سکے۔ پھر عہد صدیقی میں (جس کی مدت بہت ہی مختصر سوا دو سال کے قریب ہے) یہ صورتحال مزید مستحکم ہوئی اور جزیرہ کے حدود سے باہر پیش قدمی کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا ——— اس کے بعد خلافت فاروقی کے تقریباً دس سال میں اسلامی دعوت اور عسکری فتوحات کا سلسلہ اتنی تیزی سے بڑھا کہ اسوقت کی دنیا کی دو بڑی شہنشاہیوں (روم و فارس) کے بیشتر مقبوضہ علاقے اسلام کے زیر اقتدار آگئے ——— پھر فاروق اعظمؓ کی شہادت کے بعد حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں بھی اسلامی دعوت اور فتوحات کا یہ سلسلہ قریب قریب اسی رفتار سے جاری رہا ——— اس مدت میں مختلف ملکوں، علاقوں اور قوموں اور طبقوں کے بے شمار لوگ اپنے قدیم مذاہب و ادیان کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ عام طور سے وہی تھے جنہوں نے اسلام کو دین حق

ور وسیلۂ نجات سمجھ کر دل سے قبول کیا تھا ــــــ لیکن ان میں بہت سے ایسے بھی تھے جنہوں نے منافقانہ طور پر اسلام قبول کر کے اپنے کو مسلمانوں میں شامل کیا تھا اور وہ اپنے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف شدید بغض و عداوت رکھتے تھے۔ وہ اسی ارادے اور منصوبے کے ساتھ مسلمانوں میں شامل ہوئے تھے کہ ان کو جب بھی موقع ملے وہ کوئی فتنہ برپا کر کے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں گے۔

اسی طبقہ میں علاقۂ یمن کا ایک یہودی عبداللہ بن سبا تھا۔ اس نے حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں اپنے قبولِ اسلام کا اعلان کیا۔ بعض روایات میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ وہ مدینہ منورہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ہی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ــــــ غالباً اس کو امید رہی ہوگی کہ اسطرح اسکو ایک امتیاز اور حضرت عثمانؓ کا خصوصی درجہ کا حسنِ ظن اور اعتماد حاصل ہو جائے گا ــــــ لیکن حضرت عثمانؓ کی طرف سے اس کے ساتھ کوئی امتیازی برتاؤ نہیں کیا گیا ــــــ بعد میں اس کا جو کردار سامنے آیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اسی ارادے اور منصوبے کے تحت یہودیت چھوڑ کے اسلام قبول کیا تھا جس کے تحت ساؤل (پولوس) نے یہودیت چھوڑ کے عیسائیت کو قبول کیا تھا۔ اس کا اصل مقصد مسلمانوں میں شامل ہو کر اپنے خاص کرتبوں سے ان میں مقبولیت حاصل کر کے اندر سے اسلام کی تخریب، تحریف اور ان کے درمیان اختلاف و انشقاق پیدا کر کے فتنہ و فساد برپا کرنا تھا ــــــ مدینہ منورہ کے مختصر قیام میں غالباً اس نے اپنی ذہانت سے اندازہ کر لیا کہ یہاں اور پورے علاقۂ حجاز میں ضروری درجہ کا دینی شعور عام ہے اور دین کے ایسے پاسبان موجود ہیں جن کے ہوتے ہوئے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد وہ بصرہ اور پھر شام گیا۔ یہاں بھی اسکو اپنے منصوبے کے مطابق کام کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اس کے بعد وہ مصر پہنچا یہاں اس نے ایسے لوگوں کو پالیا جن کو وہ اپنا آلۂ کار اور اپنی مفسدانہ مہم میں مددگار بنا سکے۔ اس نے غالباً عیسائیت کی تحریف و تخریب میں پولوس کی کامیابی سے یہ سبق سیکھا تھا کہ کسی امت اور مذہبی گروہ کو گمراہ کرنے کا آسان راستہ یہ ہے کہ اس کی نظر میں مقدس اور محبوب ترین شخصیت کے بارے میں غلو اور افراط کا رویہ اختیار کیا جائے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ اس نے سب سے پہلے ان لوگوں میں یہ شوشہ چھوڑا کہ مجھے ان مسلمانوں پر تعجب ہے جو حضرت عیسیٰؑ کی اس دنیا میں دوبارہ آمد کا تو عقیدہ رکھتے ہیں اور سیدالانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اسطرح آمد کے قائل نہیں حالانکہ آپ حضرت عیسیٰ اور تمام ہی انبیاءؑ سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ آپ یقیناً دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے ــــــ اس نے یہ بات ایسے ہی جاہل اور ناتربیت یافتہ لوگوں کے سامنے رکھی جن میں اس طرح کی خرافات کے قبول کر لینے کی صلاحیت دیکھی۔ پھر جب اس نے دیکھا کہ اس کی یہ بات مان لی گئی ــــــ (جو اسلامی اور قرآنی تعلیم کے یکسر خلاف تھی) تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خصوصی قرابت کی بنیاد پر آپ کیساتھ

غیر معمولی عقیدت ومحبت کا اظہار کرتے ہوئے ان کی شان میں طرح طرح کے غلو کی باتیں کرنا شروع کیں۔ ان کی طرف عجیب و غریب "معجزے" منسوب کر کے ان کو ایک مافوق البشر ہستی باور کرانے کی کوشش کی۔ اور جاہلوں سادہ لوحوں کا جو طبقہ اس کے فریب کا شکار ہو گیا تھا وہ ان ساری خرافات کو بھی قبول کرتا رہا۔ اس طرح اس نے اپنی سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق تدریجی طور پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسے خیالات رکھنے والے اپنے معتقدین کا ایک گروہ پیدا کر لیا۔ اور پھر ایک مرحلہ پر ان کا یہ ذہن بنایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت وامامت اور حکومت کی سربراہی در اصل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا۔ ہر نبی کا ایک وصی ہوا ہے اور وصی ہی نبی کے بعد اس کی جگہ امت کا سربراہ ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے وصی حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ اس نے بتلایا کہ تورات میں بھی آپ ہی کو وصی رسول بتایا گیا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لوگوں نے سازش کر کے آپ کا حق غصب کر لیا اور بجائے آپ کے ابوبکر کو خلیفہ بنا دیا گیا۔ اور انہوں نے اپنے بعد کے لئے عمر کو نامزد کر دیا پھر ان کے بعد بھی آپ کے خلاف سازش ہوئی اور عثمان کو خلیفہ بنا دیا گیا جو اس کے بالکل اہل نہ تھے اور اب وہ اور ان کے عمال ایسے ایسے غلط کام کر رہے ہیں۔

ملحوظ رہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب مصر اور بعض دوسرے شہروں میں بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعض عمال کے خلاف شکایات اور الزامات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا ——— اس صورتِ حال اور اس فضا سے عبد اللہ بن سبا نے پورا پورا فائدہ اٹھایا ——— اس نے کہنا شروع کیا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور امت میں پیدا ہونیوالے بگاڑ کی اصلاح کی فکر کرو۔ کوشش ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اس لئے ہم کو اس بگاڑ کی اصلاح کے لئے جو عثمان اور ان کے عمال کی وجہ سے امت میں پیدا ہو گیا ہے کھڑا ہو جانا چاہئیے اور اسکو ختم کرنے کے لئے وہ سب کچھ کرنا چاہئیے جو ہمارے امکان میں ہو۔

یہ سب کچھ عبد اللہ بن سبا نے انتہائی ہوشیاری و رازداری اور یہودی فطرت کے مکر و فریب سے اس طرح کیا جس طرح زمین دوز خفیہ تحریکیں چلائی جاتی ہیں۔ اور مصر کے علاوہ دوسرے بعض شہروں اور علاقوں میں بھی اپنے کچھ ہم خیال بنا لیئے ———

پھر ایک وقت آیا جب اس نے اپنے دام افتادہ معتقدین اور ان کے ذریعہ دوسرے بہت سے جاہلوں اور سادہ لوحوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جدّوجہد کرنے پر آمادہ کر لیا۔ اس کے بعد ایک مرحلہ پر خفیہ طور پر پروگرام بنا لیا کہ فلاں دن ہم سب اجتماعی طور پر ایک لشکر کی شکل میں مدینہ منورہ پہنچیں گے ——— پھر ایسا ہی ہوا۔ عبد اللہ بن سبا اور اس کے چیلوں کے گمراہ کئے ہوئے باغی اوباشوں کا ایک پورا لشکر مدینہ پہنچ گیا۔

آگے جو کچھ ہوا اس کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں (ان سطور کے سب ہی پڑھنے والے واقف ہوں گے) حضرت

عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس وقت کی دنیا کی سب سے بڑی حکومت کے فرمانروا تھے اگر ان باغیوں کے خلاف طاقت استعمال کرنے کی صرف اجازت دیدیتے تو ہرگز وہ نہ ہوسکتا جو ہوا لیکن آپ نے نہیں چاہا کہ آپ کی جان کی حفاظت کے لئے کسی کلمہ گو کے خون کا قطرہ زمین پر گرے اس کی بجائے خود مظلومانہ شہید ہوکر اللہ کے حضور پہنچ جانا پسند فرمایا اور دنیا میں مظلومانہ شہادت اور قربانی کی ایک لاثانی مثال قائم کردی[1] رضی اللہ عنہ وارضاہ

اس خونی فضا میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفہ منتخب ہوئے۔ آپ بلاشبہ خلیفہ برحق تھے امت مسلمہ میں اسوقت کوئی دوسری شخصیت نہیں تھی جو اس عظیم منصب کے لئے قابل ترجیح ہوتی۔ لیکن حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے نتیجہ میں (یا یوں کہا جائے کہ اس کی خداوندی پاداش میں) امت مسلمہ دو گروہوں میں تقسیم ہوگئی اور نوبت باہم جنگ و قتال کی بھی آئی۔ جمل اور صفین کی دو جنگیں ہوئیں۔ عبداللہ ابن سبا کا پورا گروہ جس کی اچھی خاصی تعداد ہوگئی تھی حضرت علیؓ کے ساتھ تھا۔ اس زمانہ اور اس فضا میں اسکو پورا موقع ملا کہ لشکر کے بے علم اور کم فہم عوام کو حضرت علیؓ کی محبت اور عقیدت کے عنوان سے غلو کی گمراہی میں مبتلا کرے۔ یہاں تک کہ اس نے کچھ سادہ لوحوں کو وہی سبق پڑھایا جو پولس نے عیسائیوں کو پڑھایا تھا اور ان کا یہ عقیدہ ہوگیا کہ حضرت علیؓ اس دنیا میں خدا کا روپ ہیں اور ان کے قلب میں خداوندی روح ہے اور گویا وہی خدا ہیں۔ کچھ احمقوں کے کان میں یہ پھونکا کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کے لئے دراصل حضرت علیؓ بن ابی طالب کو منتخب کیا تھا وہی اس کے مستحق و اہل تھے اور حامل وحی فرشتے جبریل امینؑ کو ان ہی کے پاس بھیجا تھا لیکن انکو اشتباہ ہوگیا اور وہ غلطی سے وحی لیکر حضرت محمد بن عبداللہ کے پاس پہنچ گئے!

استغفراللہ و لاحول و لا قوۃ الا باللہ۔

---

[1] یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ عبداللہ بن سبا اور اس کا گروہ جو اس فتنہ کا اصل ذمہ دار تھا جس کے نتیجہ میں حضرت عثمانؓ شہید ہوئے ان کا منصوبہ تو جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے اسلام کی تخریب اور مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرکے خود اسلام کو نقصان پہنچانا اور اس کی طاقت کو توڑنا تھا۔ انہوں نے جو کچھ کیا اسی مقصد کے لئے کیا تھا۔ ایسے مفسدوں فتنہ پردازوں کا قلع قمع کرنا اور ان کے خلاف طاقت استعمال کرنا تو اسلامی حکومت یعنی حضرت عثمانؓ کا فرض تھا۔ یہ ان کا ذاتی مسئلہ نہیں تھا پھر انہوں نے ان کے خلاف طاقت استعمال کیوں نہیں کی؟

لیکن واقعہ یہ ہے کہ چونکہ ان لوگوں کی یہ تحریک اور تمام کارروائی خفیہ تھی اسلئے اسوقت یہ حقائق سامنے نہیں آئے تھے بلکہ یہ سب کچھ تو بعد کے واقعات اور تاریخ کی چھان بین سے معلوم ہوا ہے۔ اس وقت تو بس یہی بات سامنے تھی کہ یہ لوگ حضرت عثمانؓ کے برسر حکومت رہنے کے خلاف ہیں اس لئے حضرت عثمان نے وہ رویہ اختیار فرمایا اور اپنی جان اور اقتدار کے تحفظ کیلئے خونریزی کی بجائے اپنی جان دینا اپنے حق میں بہتر سمجھا۔ وکان امر اللہ قدراً مقدوراً۔

مؤرخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم میں کسی طرح یہ بات آئی کہ ان کے لشکر کے کچھ لوگ ان کے بارے میں اسطرح کی باتیں چلا رہے ہیں تو آپ نے ان شیاطین کو قتل کرا دینے اور عام لوگوں کی عبرت کے لئے آگ میں ڈلوا دینے کا ارادہ فرمایا لیکن اپنے چچا زاد بھائی اور رفیق خاص و مشیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور کچھ انہی جیسے اور لوگوں کے مشورہ پر اسوقت کے خاص حالات میں اس کارروائی کو دوسرے مناسب وقت کے لئے ملتوی کر دیا ۔[1]

بہر حال جمل اور صفین کی جنگوں میں عبداللہ بن سبا اور اس کے چیلوں کو اسوقت کی خاص فضا سے فائدہ اٹھا کر حضرت علی المرتضیٰؓ کے لشکر میں ان کے بارے میں غلو اور گمراہی پھیلانے کا پورا پورا موقع ملا ۔ اور اس کے بعد جب آپ نے عراق کے علاقہ میں کوفہ کو اپنا دارالحکومت بنا لیا تو یہ علاقہ اس گروہ کی سرگرمیوں کا خاص مرکز بن گیا ۔ اور چونکہ مختلف اسباب و وجوہ کی بنیاد پر (جن کو مؤرخین نے بیان کیا ہے) اس علاقہ کے لوگوں میں ایسے غالیانہ اور گمراہانہ افکار و نظریات کے ۔ نے کی زیادہ صلاحیت تھی اس لئے یہاں اس گروہ کو اپنے مشن میں زیادہ کامیابی حاصل ہوئی ۔

شیعوں میں مختلف فرقے

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا یہ شیعیت کے آغاز کا مختصر تذکرہ تھا ۔ چونکہ یہ دعوت و تحریک خفیہ طور پر اور سرگوشیوں کے ذریعے چلائی جا رہی تھی ۔ اس لئے اس سے متاثر ہونے والے سب ایک ہی خیال اور عقیدے کے نہیں تھے اس کے داعی جس سے جو بات اور جتنی بات کہنا مناسب سمجھتے وہی کہتے اور اگر وہ قبول کر لیتا تو بس وہی اس کا عقیدہ بن جاتا ۔

اس وجہ سے ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو حضرت علیؓ کو الوہیت یا ان کے اندر خداوندی روح کے حلول کے قائل تھے اور ایسے بھی تھے جو ان کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل و اعلیٰ اور نبوت و رسالت کا اصل مستحق سمجھتے تھے اور جبریل امین کی غلطی کے قائل تھے اور ایسے بھی تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد امام و امیر اور وصی رسول مانتے تھے اور اس بناء پر خلفاءِ ثلاثہ (حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم) اور ان

---

[1] بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کی الوہیت کا عقیدہ رکھنے والے اور اسکی دعوت دینے والے یہ شیاطین ان ہی کے حکم سے قتل کئے گئے اور آگ میں ڈالے گئے ۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے " منہاج السنۃ " میں اس کا ذکر فرمایا ہے ۔ (ص ۷ ج ۱)

اور شیعوں کے اسماء الرجال کی مستند ترین کتاب " رجال کشی " میں بھی امام جعفر صادق سے متعدد روایتیں نقل کی گئی ہیں جن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن سبا حضرت علی المرتضیٰ کی الوہیت کا عقیدہ رکھتا اور اس کی دعوت دیتا تھا اور بالآخر حضرت علی المرتضیٰ نے اسکو آگ میں ڈلوا کر ختم کرا دیا ۔ ("رجال کشی" طبع بمبئی ۱۳۱۷ھ ص ۷۰)

تمام صحابہ کرام کو جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان حضرات کو خلیفہ مانا اور دل سے ان کا ساتھ دیا۔ (معاذ اللہ) کافر و منافق یا کم از کم غاصب و ظالم اور غدار کہتے تھے۔ ان کے علاوہ بھی اسی طرح کے مختلف عقائد و نظریات رکھنے والے گروہ تھے۔ ان سب میں نقطۂ اشتراک حضرت علی المرتضیٰؓ کے بارے میں غلو تھا اور جیسا کہ معلوم ہو چکا اس غلو کے درجات مختلف تھے۔ ابتدائی دور میں یہ ایک دوسرے سے ممتاز الگ الگ فرقے نہیں بنے تھے۔ بعد میں مختلف اسباب سے جن کا مؤرخین نے ذکر کیا ہے ان کے مختلف فرقے بنتے چلے گئے یہاں تک کہ ان کی تعداد ستّر سے بھی اوپر ہو گئی۔ ان کی کسی قدر تفصیل "ملل ونحل" کے مطالعہ سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ "تحفۂ اثنا عشریہ" میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے بھی ان فرقوں اور ان کے عقائد و نظریات اور باہمی اختلافات کا ذکر فرمایا ہے۔ حضرت علیؓ کے بعد اماموں کی تعیین کے بارے میں بھی ان میں اتنے اختلاف ہیں کہ ان کو شمار کرنا مشکل ہے ــــــ ان میں بہت سے تو وہ ہیں جن کا غالباً اب دنیا میں کہیں نشان نہیں، تاریخ کی کتابوں کے اوراق ہی میں ان کا نام و نشان باقی رہ گیا ہے۔ لیکن چند فرقے مختلف ممالک میں ہمارے اس دور میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ان میں تعداد کے لحاظ سے اور بعض دوسری حیثیتوں سے بھی "اثنا عشریہ" کو امتیاز اور اہمیت حاصل ہے اور ہم کو ان صفحات میں اسی فرقہ کے بارے میں عرض کرنا ہے۔ کیونکہ رُوح اللہ خمینی صاحب اثنا عشری ہیں۔ اُن کا تصورِ اسلام، ان کا مذہب اور ان کے عقائد و نظریات وہی ہیں جو اثنا عشریہ کی مسلّم بنیادی کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں اور جن کو وہ اپنے "ائمہ معصومین" کی طرف منسوب کرتے اور ان کی تعلیم و تلقین کرتے ہیں لہ

لہ اسلام میں شیعیت کے آغاز اور پھر شیعوں کے مختلف فرقوں کے بارے میں یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا اس سے ناظرین کرام نے سمجھ لیا ہو گا کہ عبداللہ بن سبا نے شیعیت کی صرف بنیاد ڈالی اور تخم ریزی کی تھی۔ اس کے بعد شیعوں کے جو مختلف فرقے اور ان کے مذاہب وجود میں آئے وہ عبداللہ بن سبا کے بلاواسطہ یا بالواسطہ فیض یافتہ لوگوں کی تصنیف ہیں۔ اثنا عشری مذہب بھی ایسے ہی کچھ لوگوں کی تصنیف ہے۔

راقم سطور کے علم میں ہے کہ شیعہ علماء و مصنفین عبداللہ بن سبا سے برأت ظاہر کرتے ہیں بلکہ قریبی زمانہ کے بعض شیعہ مصنفین نے تو اسکو ایک فرضی ہستی قرار دیا ہے اور اس کے وجود ہی سے انکار کیا ہے لیکن یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کہ کوئی دعویٰ کرنے لگے کہ کربلا میں حضرت حسینؓ کی شہادت کا جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے وہ صرف افسانہ ہے جسکی کوئی حقیقت نہیں۔ شیعوں کے اسماء الرجال کی مستند کتاب "رجال کشی" میں عبداللہ بن سبا کا ذکر کیا گیا ہے اور متعدد سندوں سے امام جعفر صادق سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ حضرت علیؓ کی الوہیت کا قائل تھا اور بالآخر حضرت علیؓ نے اسکو آگ میں ڈلوا کر ختم کرا دیا۔ ص ۷ اور اسی رجال کشی میں آخری بات عبداللہ بن سبا کے بارے میں یہ لکھی گئی ہے:

ذکر بعض اھل العلم ان عبداللہ بن سبا کان یھودیا فاسلم والی علیاً علیہ السلام وکان یقول ھو علی یھودیتہ فی یوشع بن نون وصی موسیٰ بالغلو فقال فی اسلامہ بعد وفات رسول اللہ

باقی اگلے صفحہ پر

اس مذہب کی تفصیلی واقفیت تو اس کی مستند کتابوں کے مطالعہ ہی سے ہو سکتی ہے۔ یہاں ہم اس کے صرف چند اُن بنیادی عقائد کا ذکر کریں گے جن پر اثنا عشری مذہب کی بنیادیں قائم ہیں۔ ان کے مطالعے سے ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کا تصورِ اسلام اور بنیادی عقائد کتاب و سُنت اور جمہور اُمت سے کس قدر مختلف ہیں اور اس اختلاف کی نوعیت کیا ہے اور اسکو حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور اہلحدیث وغیرہ مسلمانوں کے مختلف مکاتبِ فکر کا سا اختلاف کہنے والے اور عوام کو یہ تاثر دینے والے حقیقت سے کتنے ناواقف ہیں اور دینی نقطۂ نظر سے وہ کتنی بڑی غلطی کر رہے ہیں اور دین کے معاملہ میں اپنے پر اعتماد کرنیوالے مسلمانوں کی گمراہی کی کتنی عظیم ذمہ داری اپنے اوپر لے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے کہ وہ حقیقتِ حال کو سمجھیں اور جو غلطی ہو چکی اس کی تلافی و تدارک کی فکر کریں۔

حاشیہ صفحہ گذشتہ: صلی اللہ علیہ وسلم فی علی علیہ السلام مثل ذالک وکان اول من اشتہر بالقول بفرض امامة علی و اظہر البراءة من اعدائه وکاشف مخالفیه و اکفرھم۔

(صفحہ ۱، "رجال کشی" طبع بمبئی ۱۳۰۷ھ)

ترجمہ: "بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا پہلے یہودی تھا، پھر اسلام قبول کیا اور حضرت علی سے خاص تعلق کا اظہار کیا اور اپنی یہودیت کے زمانہ میں وہ حضرت موسیٰ کے وصی یوشع بن نون کے بارے میں غلو کرتا تھا۔ پھر اسلام میں آنے کے بعد وہ اسی طرح کا غلو حضرت علی کے بارے میں کرنے لگا اور وہ پہلا آدمی ہے جس نے حضرت علی کی امامت کے عقیدہ کی فرضیت کا اعلان کیا اور ان کے دشمنوں سے براءۃ ظاہر کی اور کھلم کھلا ان کی مخالفت کی اور انکو کافر قرار دیا۔

نہایت ضروری تصریح و تصحیح

○ محرم ۱۴۰۶ھ سے الرشید کا تیرھواں نہیں بلکہ چودھواں سال طلوع ہوا ہے گذشتہ پرچہ میں ۱۳ کی بجائے جلد نمبر ۱۴ کی تصریح نوٹ فرمالیجئے ——— بحمد اللہ و بفضلہ الرشید چودھویں سال میں قدم رکھتے ہوئے اللہ رحیم و کریم کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

○ راشدات محرم میں آیتہ خاتم النبیین کی تصحیح بھی ضروری ہے!

الذین یبلغون رسالات اللہ ویخشونہ ولا یخشون احداً الا اللہ الخ

قارئین و ناظرین دونوں کی تکمیل فرمالیں۔

——— معذرۃ خواہ: (ادارہ)

سے زوال قادیانی آخر انجام کو پہنچا — جو فتنہ صبح اٹھا تھا وہ قرب شام کو پہنچا

انٹرنیشنل ختم نبوّت کانفرنس لندن کی مفصل رپورٹ

رپورٹ: مولٰینا منظور احمد الحسینی

جمعیۃ علماء برطانیہ کے تعاون سے ۴ راگست ۱۹۸۵ء کو ویمبلے کانفرنس سینٹر لندن میں یک روزہ انٹرنیشنل ختم نبوت کانفرنس انتہائی تزک و احتشام کے ساتھ منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں شرکت کے لئے برطانیہ کے تمام چھوٹے بڑے شہروں سے ہزاروں شمع ختم نبوت کے پروانے کوچوں، کاروں اور بسوں کے ذریعے ویمبلے کانفرنس ہال پہنچے برطانیہ کے سینکڑوں علماء کرام کے علاوہ سعودیہ عربیہ، پاکستان، بنگلہ دیش، مصر، افریقہ، کینیڈا، متحدہ عرب امارات اور دیگر ممالک سے ممتاز علماء کرام اور رہنماؤں نے بھی شرکت کی۔

لندن میں شائع ہونے والے اردو روزنامے جنگ اور وطن کی رپورٹ کے مطابق اب تک ویمبلے کانفرنس سینٹر میں ہونیوالی تمام مسلم کانفرنسوں کے مقابلے میں اس کی حاضری سب سے زیادہ رہی۔ کانفرنس کے ہال میں تین ہزار افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ سارا دن بارش ہونے کے باوجود نہ صرف ہال سامعین سے کھچا کھچ بھر گیا۔ جب کہ بیشمار لوگ سیڑھیوں پر بیٹھے اور کھڑے رہے۔ اس کے باوجود بہت سے افراد کو کانفرنس ہال میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے واپس جانا پڑا۔

اس کانفرنس کی دو نشستیں ہوئیں پہلی نشست صبح دس بجے سے دو بجے تک اور دوسری تین بجے سے شام سات بجے تک ہوئی۔ مجموعی طور پر یہ کانفرنس آٹھ گھنٹے جاری رہی۔ پہلی نشست کی صدارت مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے امیر اور مجلس ختم نبوّت کے سربراہ حضرت شیخ المشائخ مولانا خان محمد صاحب مدظلہٗ نے فرمائی۔ جبکہ دوسری نشست کی صدارت جمعیۃ علماء ہند کے سربراہ حضرت مولانا اسعد مدنی مدظلہٗ نے کی۔ اس کانفرنس کی کامیابی کا سہرا جمعیۃ علماء برطانیہ، برطانیہ کے مسلمان، مجلس تحفظ ختم نبوّت سعودی عرب اور پاکستان کے مشہور حضرات مولانا عبدالحفیظ مکی مولانا محمد ضیاء القاسمی، حضرت علامہ خالد محمود، مولانا زاھد الراشدی، مولانا محمد حنیف ملتان، مولانا محمد زکریا کراچی اور دیگر

● فرنگی نبوت کا فرنگی سرزمین پر تعاقب ● قادیانیت کا دوسرا نام دجل و فریب ہے

علماءِ کرام کے سر ہے جنہوں نے رات دن ایک کر کے برطانیہ کے تمام شہروں کا دورہ کیا اور مسلمانوں کو اس بین الاقوامی عظیم ختم نبوت کانفرنس میں شرکت کے لئے دعوت دی۔

مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان نے اس سلسلہ میں اپنے تین وفد بھیجے۔ پہلا ۱۳ رجولائی کو پہنچا جو جناب عبدالرحمن یعقوب باوا اور منظور احمد الحسینی پر مشتمل تھا۔ دوسرا وفد ۲۰ رجولائی کو پہنچا جو مولانا محمد یوسف لدھیانوی ناظم نشریات مجلس اور حضرت مولانا اللہ وسایا پر مشتمل تھا۔ جبکہ تیسرا وفد ۲ راگست کو پہنچا جو مجلس کے مرکزی امیر حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہٗ اور مولانا مفتی احمدالرحمن پر مشتمل تھا۔ مجلس کے وفود کے علاوہ دیگر علماءِ کرام کے وفود بھی اس کانفرنس کے سلسلے میں پہنچتے رہے۔ کانفرنس کے آغاز میں تلاوت اور نظم کے بعد سب سے پہلے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کا پیغام کانفرنس کے نام پڑھ کر سنایا گیا جو لندن میں پاکستانی سفارتخانہ کے افسر مسٹر مراد علی نظامانی نے پڑھ کر سنایا:

صدر نے اپنے پیغام میں کہا:

"گذشتہ چند برس کے دوران پاکستان کی حکومت نے بعض سخت قانونی اور انتظامی اقدامات کئے ہیں تاکہ قادیانی خود کو مسلمان کے بھیس میں پیش نہ کر سکیں۔ قادیانیوں کو شعائر اسلامی پر عملدرآمد سے روکنے کے انتظامات کئے ہیں پاکستان کی حکومت اس بات کو یقینی بنانے کی کوشش کر رہی ہے کہ قادیانیت کے کینسر کا قلع قمع کیا جا سکے۔ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے لئے یہ امر باعث افتخار ہے کہ انہوں نے قادیانی تحریک کے بانی کے گمراہ کن عقائد کو بے نقاب کیا ہے اور اس کی طرف سے خود کو "ظلی یا بروزی" نبی اور "مسیح موعود" کا دعویدار ثابت کرنے کی کوشش کو ناکام بنا دیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا عقیدہ نہ صرف مسلمانوں کے ایمان کا بنیادی نکتہ ہے بلکہ یہ انسانیت کے لئے ایک رحمت بھی ہے جس کے ذریعے نسل آدم کے لئے اللہ تعالیٰ کے پیغام کی عالمگیر اور ابدی حیثیت کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔

صدر نے اپنی جانب سے، پاکستان کی حکومت اور عوام کی جانب سے انٹرنیشنل ختم نبوت کانفرنس کے منتظمین کو کانفرنس کے عظیم مقاصد کے لئے پوری حمایت اور تعاون کا یقین دلایا ہے۔ صدر نے یہ عہد بھی دہرایا ہے کہ امتِ مسلمہ کی یکجہتی کو ہر قیمت پر برقرار رکھا جائے گا۔ صدر نے کانفرنس کے منتظمین کو خراج تحسین پیش کیا جنہوں نے عالمی ختم نبوت کانفرنس منعقد کر کے عالم اسلام کے لئے اس انتہائی اہم مسئلہ پر دنیا کی توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی ہے۔"

صدر مملکت کے پیغام کے بعد جمعیۃ اہل السنۃ والجماعت لدعوۃ والارشاد متحدہ عرب امارات کے جنرل سیکرٹری الشیخ خلیل احمد نے متحدہ عرب امارت کے چیف جسٹس احمد عبدالعزیز المبارک اور مذہبی امور کے سیکرٹری

> ختم نبوت مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے
> اس کی حفاظت پوری دنیا کے مسلمانوں کی
> ذمہ داری ہے ——— حافظ جی حضور

علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ دنیائے اسلام کو قادیانی فتنہ کے خدوخال سے آگاہ کریں ——— حضرۃ مدنی

الشیخ محمد جمعہ سالم کے پیغامات پڑھ کر سنائے جس میں انہوں نے کانفرنس کے انعقاد کا خیر مقدم کرتے ہوئے نیک تمناؤں کا اظہار کیا اور اس بات پر زور دیا ہے کہ منکرینِ ختم نبوت کے دجل و فریب سے پوری دنیا کو آگاہ کرنے کے لئے عالمی سطح پر منظم جدوجہد کی ضرورت ہے ——— سوا گیارہ بجے بنگلہ دیش کے ممتاز دینی و سیاسی رہنما جناب مولانا احمد اللہ حافظ جی حضور حاضرین سے مخاطب ہوئے۔ آپ نے پاکستان میں قادیانیت کے خلاف علماء کرام کی جدوجہد اور حکومتِ پاکستان کے اقدامات کو سراہا۔ اور دوسری مسلم حکومتوں پر زور دیا کہ وہ بھی ان اقدامات کی پیروی کریں۔ انہوں نے کہا کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پوری دنیا کے مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے اور اس کی حفاظت بھی پوری دنیا کے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔

رابطہ عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف کے خصوصی نمائندہ الشیخ حسن الاھلال نے کہا کہ مسلمانوں کو اپنے عقائد کے تحفظ کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہئیے۔ کیونکہ آج کفر و الحاد کے فتنے مسلمانوں کے عقائد کے خلاف ہر طرف سے حملہ آور ہیں۔ قادیانی فتنہ بھی ان گروہوں میں سے ایک ہے جن کو استعماری طاقتوں نے مسلمانوں کو متزلزل اور کمزور کرنے کے لئے کھڑا کیا تھا۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کو چاہئیے کہ یکجہتی اور اتحاد کے ساتھ اس فتنہ کو بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکا جائے!

جمعیۃ علماءِ ہند کے صدر حضرت سید اسعد مدنی نے کہا کہ قادیانی فتنہ نے جس طرح یورپی دنیا میں کفر و الحاد کا پرچار کیا اُسی طرح اس کا ساری دنیا میں تعاقب کرنا ضروری ہے اور علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ دنیائے اسلام کو اس خطرناک فتنے کے خدوخال سے پوری طرح آگاہ کریں!

انہوں نے کہا کہ مرزا قادیانی کے جھوٹے ہونے کے لئے اور باتوں کے علاوہ اس کی وہ تمام پیشگوئیاں ہی کافی ہیں جو سب کی سب قطعی جھوٹی ثابت ہوئیں۔ مثلاً اس نے کہا تھا کہ میرا نکاح محمدی بیگم سے ہوگا۔ لیکن نہ نکاح ہوا اور نہ محمدی بیگم اس پر ایمان لائی۔ اسی طرح اس نے اپنی سچائی کا مدار قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری مجھ سے پہلے مریں گے لیکن مولانا مرحوم مرزا قادیانی کی موت کے بعد ٹھیک چالیس سال زندہ رہے۔

لندن میں سعودی سفارتخانہ کے وزیر مفوض الشیخ حاجی صادق مفتی نے کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے جس کی مخالفت کرنیوالوں کے ساتھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے قتال و جہاد پر اجماع کیا ہے اور مسلمانوں کے لئے صحابہ کرام کا یہی موقف حجت اور اسوہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلامی عقائد کا تحفظ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے جو علماءِ کرام محنت کر رہے ہیں وہ مبارکباد کے

مستحق ہیں۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ سعودی حکومت اور اس کے فرمانروا خادم حرمین شریفین شاہ فہد قادیانیت کو اسلام کے خلاف ایک زبردست فتنہ اور خطرناک سازش سمجھتے ہیں اور اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے محنت کرنیوالوں کی جدوجہد کو تحسین کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

ممتاز مصری عالم دین اور اسلامک کلچر سینٹر ریجنٹ پارک کے خطیب الشیخ زہران نے اپنے پُرجوش خطاب میں کہا کہ پورے مصر میں ایک بھی قادیانی نہیں ہے اور نہ ہی مصر کے عوام اور حکومت ختم نبوت کے کسی منکر کو اپنے ملک میں برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کے کسی دعویدار کو ایک مسلمان معاشرہ میں برداشت کیا جائے؟ کیونکہ یہ سراسر کفر وارتداد ہے جس کے خلاف جہاد تمام مسلمانوں پر فرض ہے!

کینیڈا سے کانفرنس میں شریک ہونے والے ممتاز عالم دین مولانا منظر عالم نے مغربی ممالک میں قادیانیوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں پر تشویش کا اظہار کیا اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے رہنماؤں پر زور دیا کہ وہ ان سرگرمیوں کے تعاقب کے لئے منظم پروگرام وضع کریں!

مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات ونشریات مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے خطاب کرتے ہوئے کہا: کہ افسوس مرزا قادیانی نے مقام نبوت کو نہیں سمجھا۔ نبوت کا انتخاب براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ غیر نبی اپنے عمل کے ذریعے خواہ کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہوجائے وہ مقام نبوت تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا اللہ تعالیٰ کی طرف سے عہدۂ نبوت کے لئے سب سے پہلے چناؤ حضرت آدم علیہ السلام کا ہوا اور وہاں سے انسانیت کا سلسلہ شروع ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو چنتے رہے تاآنکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد اللہ تعالیٰ نے فہرست مکمل فرمادی۔ اب یہ فہرست مکمل ہوچکی ہے آپ کے بعد جو نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ کذاب اور کافر ہے اور اس کے جعلی ہونے میں کوئی شک نہیں انہوں نے کہا کہ ختم نبوت کا مطلب ہے کہ آپؐ پر نبوت کی تکمیل ہوچکی ہے۔ آپ کے بعد کسی کو منصب نبوت عطا نہیں کیا جائے گا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تشریف لانا ختم نبوت کے قطعی منافی نہیں۔ کیونکہ وہ پہلے سے نبی بنائے جاچکے ہیں۔

مولانا نے زور دے کر کہا کہ مرزا قادیانی نے نہ صرف ختم نبوت کا انکار کیا بلکہ خود کو "محمد رسول اللہ" قرار دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور مسلمانوں کے دلوں کو مجروح کیا ہے۔

حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن نائب امیر مجلس نے حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کیا کہ وہ مولانا اسلم قریشی کی بازیابی کے سلسلہ میں تاخیری حربے استعمال نہ کرے۔ یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ مولانا کو جلد

> یہ کیسے ممکن ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوۃ کے کسی دعویدار کو ایک مسلمان معاشرہ میں برداشت کیا جائے؟ —— الشیخ زہرانؒ

ازجلد بازیاب کرکے مجرموں کو قرار واقعی سزا دے۔

آل جموں وکشمیر جمعیۃ علماء اسلام کے سربراہ مولانا محمد یوسف خاں نے کہا کہ قادیانی گروہ صرف مذہبی فتنہ نہیں بلکہ ایک سیاسی گروہ ہے جو مذہب کا لبادہ اوڑھ کر استعماری طاقتوں کے مفادات کے لئے کام کر رہا ہے۔

مسلمان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ناموس کے لئے سب کچھ کر گذریں گے: مولانا ضیاء القاسمی

انہوں نے کہا کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان جنگ کی مستقل کیفیت پیدا کرنے میں اس گروہ کا ہاتھ ہے۔ کیونکہ قادیانیوں نے تقسیم ہند کے موقع پر خود کو غیر مسلموں کیساتھ شمار کر کے گورداسپور کو بھارت کے حوالے کر دیا جس سے بھارت کو کشمیر کا راستہ ملا اور یہ سارے جھگڑے کھڑے ہوئے۔ آج بھی یہ گروہ باقی ماندہ پاکستان کو ختم کرنے کی سازش کر رہا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے بھرپور ہمت کریں۔

فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی نے تحریکِ ختم نبوت کے مختلف ادوار کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جس مقدس مشن کا آغاز علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ اور دوسرے کئی اکابر علماء اسلام نے کیا تھا اُسے جاری رکھا جائے۔

شہبازِ خطابت حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تحفظِ ختم نبوت کے مقدس مشن کا آغاز خلیفۂ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں کیا تھا۔ جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کے دعویداروں کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا اور اسوقت تک تلوار کو میان میں نہ ڈالا جب تک ان کا مکمل طور پر خاتمہ نہیں کر لیا۔

انہوں نے برطانیہ میں ختم نبوت کے نوجوان رضا کاروں کی تنظیم کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ یہ تنظیم "جیش صدیق اکبرؓ" کے نام سے کام کرے گی اور اس کے لئے تین سو تیرہ نوجوانوں کو بھرتی کیا جائے گا۔ جو صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ کریں گے۔

ادارہ دعوت وارشاد چنیوٹ کے سربراہ ممبر پنجاب اسمبلی مولانا منظور احمد چنیوٹی نے قادیانی سربراہ مرزا طاہر کے لئے مناظرہ اور مباہلہ کی دعوت کا اعادہ کیا۔

محترم ڈاکٹر علامہ خالد محمود پی۔ ایچ۔ ڈی لندن نے کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے حضرت عیسیٰؑ کی حیات اور نزول کے مسئلہ پر روشنی ڈالی اور کہا کہ قرآن وسنت کی روشنی میں ملتِ اسلامیہ کا اجتماعی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نہ سولی چڑھے نہ ان پر موت آئی بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمانوں پر اٹھالیا ہے اور قیامت سے پہلے وہ نازل ہوں گے

مجلس عمل کے سیکرٹری اطلاعات مولانا زاہد الراشدی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ برصغیر پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش میں فرنگی کے تسلط کے بعد ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے موقع پر مرزا غلام قادیانی کے خاندان نے مسلمانوں سے غداری کرتے ہوئے انگریزی فوجوں کا ساتھ دیا اور مسلمان حریت پسندوں کے خلاف جنگ لڑی۔ اس کے صلہ میں فرنگی

حکومت نے اپنی وفاداری کے لئے بنائی جانے والی جماعت کی سربراہی کیلئے مرزا غلام قادیانی کو منتخب کیا اور اس کے سر پر جھوٹی نبوت کا جعلی تاج رکھ کر اسے مسلمانوں کے خلاف سازش کے لئے تیار کیا اور پھر مرزا غلام قادیانی نے ساری زندگی انگریز کی وفاداری اور جہاد کی حرمت کا سبق دیا۔ اور اپنی نبوت کا مقصد اسکو قرار دیا کہ مسلمانوں کو انگریز کی وفاداری کے لئے تیار کیا جائے۔

انہوں نے کہا کہ قادیانیوں نے قیام پاکستان کے موقع پر گورداسپور کو بھارت میں شامل کرا کے مسئلہ کشمیر کھڑا کرنے کی سازش کی اور قادیانیوں کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود نے پاکستان کے قیام کو عارضی قرار دے کر اکھنڈ بھارت کی پیشگوئی کی۔

انہوں نے کہا کہ ہمارے اکابر میں مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا اطہر علیؒ نے قیام پاکستان کی پُرزور حمایت کی تھی اور مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے قیام پاکستان کی مخالفت کی۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد مولانا آزاد اور حضرت مدنی نے پاکستان میں اپنے پیروکاروں کو پاکستان کا وفادار رہنے کی تلقین کی اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے لاہور میں دفاعِ پاکستان کانفرنس منعقد کر کے پاکستان کی حمایت اور اس کی حفاظت کے لئے جہاد کا اعلان کیا۔

جبکہ اس کے برعکس مرزا بشیر الدین محمود نے قیام پاکستان کو عارضی اور اکھنڈ بھارت کے نظریہ کو یقینی قرار دینے پر آخری دم تک ڈٹا رہا اور مرنے سے پہلے اپنی قبر پر کتبہ لگانے کی وصیت کی کہ مجھے ربوہ میں بطور امانت دفن کیا جائے اور حالات سازگار ہونے پر مجھے میری قبر سے نکال کر قادیان میں دفن کیا جائے۔ یہ کتبہ اس کی قبر پر آج بھی موجود ہے۔

خیر المدارس ملتان کے مہتمم مولانا محمد حنیف جالندھری نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مرزا غلام قادیانی نے حضرات انبیاء کرامؑ کی کھلم کھلا توہین کی ہے اور حضرت عیسیٰؑ کے خلاف انتہائی بدزبانی کرتے ہوئے انہیں معاذ اللہ شرابی اور ان کے خاندان کو نعوذ باللہ بدکار لکھا ہے اور بدکلامی و بدزبانی کی انتہا کر دی ہے۔

سندھ اسمبلی کے رکن مولانا محمد زکریا نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ برطانیہ کے سکولوں اور سرکاری محکموں اور تنظیموں کو اداروں میں قادیانیوں کو مسلمانوں کی سیٹوں پر نمائندگی نہ دی جائے اور ان کے ساتھ ایک الگ مذہبی گروہ کے طور پر مسلمانوں سے جداگانہ سلوک کیا جائے۔

مجلس کے مرکزی مبلغ مولانا اللہ وسایا نے کہا کہ قادیانی "مرزا" کو نبی کہتے ہیں۔ جو دنیاوی معاملات میں خائن ہو دھوکے باز ہو، حرام کھانیوالا، جھوٹ بولنے والا، بدزبان اور وعدہ خلافی کرنیوالا ہو وہ نبی، مسیح، مہدی اور مجدد تو کیا ایک شریف انسان کہلانے کا بھی مستحق نہیں۔ مولانا نے زور دے کر کہا کہ مرزا قادیانی کے قول اور فعل میں تضاد تھا ایک طرف پردے کا حکم دیتا ہے اور دوسری طرف خود اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اور روزنامہ الفضل کے مطابق کبھی کبھی زنا بھی کر لیا کرتا تھا۔ مولانا نے اپنی ۴۵ منٹ کی تقریر میں قادیانی کچا چٹھا خوب کھول کر بیان کیا۔

بادشاہی مسجد کے خطیب مولانا عبدالقادر آزاد نے کہا کہ دنیا کے تمام عقلاء اس امر پر متفق ہیں کہ انسانیت کے مسائل

کے حل کے سلسلہ میں تمام مذاہب نے انسانیت کا ساتھ چھوڑ دیا اور تمام ازم ناکام ہو چکے ہیں صرف ایک مذہب اسلام ہے جو تمام مسائل کو حل کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ آخری دین ہے اور اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کی وجہ سے اس میں کسی قسم کی کمی یا کجی نہیں چھوڑی۔ آپ نے کہا کہ قادیانی اور دیگر مذاہب کا تفصیلی مطالعہ اور ان کے طرز تبلیغ سے پوری واقفیت علماء کے لئے بہت ضروری ہے تاکہ وہ ان کا صحیح طور پر مقابلہ کر سکیں۔

حضرت مولانا عبید اللہ انور کے جانشین مولانا محمد اجمل قادری نے کہا کہ اب تک قادیانی یہ سمجھتے تھے کہ ہم اپنے آقا کے ملک میں محفوظ ہیں لیکن تمام مسلمان اور علماء کرام ہر جگہ ان کا پیچھا کرتے رہیں گے۔

جمعیۃ اہلسنت والجماعت متحدہ عرب امارات کے ناظم نشر و اشاعت علامہ اشتیاق حسین نے تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں علماءِ دیوبند کی مسلسل جدوجہد پر خراجِ تحسین پیش کیا۔

مولانا مفتی محی الدین نے کہا کہ کیونکہ نبوت سے امت بنتی ہے لہٰذا قادیانی اپنے آپ کو مسلمانوں کا فرقہ ہرگز کہیں یہ مستقل علیحدہ اُمت ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو صرف قادیانی، مرزائی اور غلامدی کہہ سکتے ہیں!

مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی کے ناظم اعلیٰ اور ایڈیٹر ہفت روزہ ختم نبوت نے کہا کہ مجلس تحفظ ختم نبوت شروع ہی سے پوری دنیا میں قادیانیت کا تعاقب کر رہی ہے۔ ۶۲ء میں سب سے پہلے مولانا لال حسین اختر نے انڈیا کا دورہ کیا۔ پھر آپ نے ۶۷ء سے لیکر ۶۹ کے وسط تک مغربی جرمنی، انگلینڈ اور دیگر ممالک کا دورہ کیا۔ اور اسی طرح مجلس کے کئی وفود نے یکے بعد دیگرے انڈونیشیا، متحدہ عرب امارات، اسپین۔ ساؤتھ افریقہ کینیا اور دیگر ممالک کا دورہ کیا اور مجلس نے کبھی بھی اس سلسلہ میں تساہل یا تغافل نہیں برتا۔

راقم الحروف نے مسلمانوں کی توجہ اردو اخبارات کی طرف دلائی کہ یہ قادیانیوں کے خطوط اور ان کی گمراہ کن خبریں برابر چھاپ رہے ہیں۔ جبکہ یہ اخبارات مسلمانوں کے ہیں اور ۹۹ فیصد مسلمان ہی خریدار ہیں۔ اس طرح سے ان کی مرزائیت نوازی ان کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگی۔

مولانا محمد فاروق صاحب ہڈرشفیلڈ نے کہا کہ ہم مرزا قادیانی کے پیروکاروں کا ہر موڑ پر مقابلہ کریں گے۔

کانفرنس سے مولانا عبدالرشید ربانی، قاری بشیر احمد، مولانا محمد آدم، مولانا حسین علی، مولانا مفتی محمد سلیم، مولانا قاری عبدالحی عابد، مفتی محمد سلیم، مولانا قاری محمد اسماعیل، مولانا محمد اقبال رنگونی، مولانا فضل الٰہی تاج پوری، مولانا حافظ عبدالرحمٰن قاسمی، مولانا امداد الحق، مولانا قاری محمد الیاس، مولانا قاری عبدالوہاب، مولانا محمد اسلم زاہد، مولانا امداد الحسن نعمانی، مولانا بلال حسین پٹیل، مولانا عبدالرؤف ربانی، مولانا قاری منصور الحق، مولانا محمد یوسف رحمانی، مولانا قاری محمد طیب عباسی، مولانا یوسف سورتی، مولانا بلال احمد مظاہری اور دیگر مقررین نے بھی خطاب کیا۔

شہدائے ختم نبوّۃ کانفرنس ساہیوال
بیاد
الحاج حافظ قاری
بشیر احمد حبیب شہیدؒ
اُستاذ جامعہ رشیدیہ
طالب علم رہنما
اظہر رفیق شہیدؒ
طالبعلم کالج ساہیوال
جن کو
ایک درجن مرزائیوں نے ۲۶ر اکتوبر ۱۹۸۴ء اپنے معبد ضرار
میں ظالمانہ تشدد کے ساتھ گولیوں سے چھلنی کر کے شہید کر دیا تھا
دو ظالم، قاتل مرزائی تاحال مفرور ہیں اور حکومت پاکستان
اس معاملہ میں تساہل و تغافل سے کام لے رہی ہے۔
انتظامیہ اور حکومت کی اس روش پر ہم سراپا احتجاج ہیں!
۲۶ر اکتوبر کے روز شہدائے ختم نبوّت کو خراج عقیدت پیش
کرنے کے لئے ملک کی قومی اسمبلی کے شریعت گروپ،
مرکزی اراکین، صوبائی ممبران اور سینٹ کے ارکان مدعو اور
جملہ دینی جماعتوں کے قائدین۔ اسلامی طبقوں کے راہنما
جملہ فرقوں کے زعماء۔ وکلاء۔ طلباء تشریف لا رہے ہیں۔
پروگرام
۲۶ر اکتوبر کی صبح درسِ قرآن برائے ایصال ثواب شہدا درجامعہ رشیدیہ
ظہر سے عصر تک جلسۂ عام درجامع عیدگاہ۔
عصر کے بعد چوک شہداءِ ختم نبوت میں شہداء کی یاد میں سنگ بنیاد
کی تنصیب اور رات بعد عشاء کھلا اجلاس ہوگا! اسلئے
ع صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے!
الداعیان
عبدالعلیم رائپوری۔ خالد لطیف چیمہ۔ چوہدری عبدالمتین ایڈووکیٹ ساہیوال

Phone
NO. 2356

جریدہ اسلامیہ شهریۃ تصدر عن الجامعۃ الرشیدیۃ

REGD. L
NO. 8054

MONTHLY. ALRASHID. LAHORE PAKISTAN

جامعہ رشیدیہ ساہیوال

کا ۳۴ واں سالانہ تبلیغی

اجتماع

شہداء دارالعلوم و فرزندان دیوبند

تعلیمی اجلاس

مؤتمر رشیدیہ کا تعلیمی تبلیغی اجلاس بمقام جامعہ رشیدیہ جی ٹی روڈ غلہ منڈی ساہیوال

۲۴ اکتوبر ۱۹۰۵ء

جمعرات شام سے

۲۵ اکتوبر

جمعہ شام رات تک ہوگا

مطابق ۹، ۱۰ صفر ۱۴۰۶ھ

جس میں ملک و ملت کے علماء، زعماء، خطباء، راہنما تشریف لائیں گے

جامعہ کے اجلاس کیلئے دعوت خصوصی تصور فرماتے ہوئے تشریف لادیں!

مدعوین

- حضرت علامہ خالد محمود
- مولانا محمد ضیاء القاسمی
- مولانا عبدالشکور دین پوری
- مولانا عبدالمجید ندیم
- مولانا نورالحق قریشی ایڈووکیٹ
- سید عطاء المحسن شاہ بخاری
- مولانا محمد سلیمان طارق
- سید منظور احمد حجازی
- مولانا زاہد الراشدی
- مولانا منظور احمد چنیوٹی ایم۔ پی۔ اے
- مولانا ضیاء الرحمن فاروقی
- مولانا عبیدالرحمن ضیاء
- مولانا عبیداللہ رشیدی
- مولانا عبدالرحیم نعمانی
- مولانا کرم الٰہی فاروقی

و دیگر علماء و خطباء

استدعا کہ "جامعہ کی ہر قسم کی اعانت و نصرۃ فرماویں۔"

ھوالرشید

جامعہ رشیدیہ ساہیوال کا دینی و تبلیغی مجلہ

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں (حدیث نبوی)

میں آخری نبی ہوں، اور تم آخری اُمت (حدیث نبوی)

بادارت

فاضل حبیب اللہ

صدر مہتمم و ناظم اعلیٰ

جامعہ رشیدیہ

نعت عقیدت
بحضور ختمی مرتبت

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند

الٰہی کس سے بیاں ہو سکے ثنا اس کی — کہ جس پہ ایسا تری ذات خاص کا ہو پیار

جو تو اسے نہ بناتا تو سارے عالم کو — نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار

تو فخر کون و مکاں زبدۂ زمین و زماں — امیر لشکر پیغمبراں شہ ابرار

تو بوئے گل ہے اگر مثل گل ہیں اور نبی — تو نور شمس گر اور نبی ہیں شمس نہار

حیات جاں ہے تو ہیں اگر وہ جان جہاں — تو نور دیدہ ہے گر ہیں وہ نور دیدۂ بیدار

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں — ترے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ — کہ ہو سگان مدینہ میں میرا نام شمار

جیوں تو ساتھ سگان حرم کے تیرے پھروں — مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مرغ و مار

جو یہ نصیب نہ ہو اور کہاں نصیب مرے — کہ میں ہوں اور سگان حرم کے تیرے قطار

اڑا کے باد مری مشت خاک کو پس مرگ — کرے حضور کے روضے کے آس پاس نثار

ولے یہ رتبہ کہاں مشت خاک قاسم کا
کہ جائے کوچۂ اطہر میں تیرے بن کے غبار

مؤتمر ابنائے دار العلوم و اخوانِ دیوبند پاکستان کا ترجمان

بیاد : تحریک ریشمی رومال کے گمنام فقیر، حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ رحمہ اللہ رائپوری

ماہنامہ ، جریدہ

الرَّشِید لاہور

عدد : ۳ — ربیع الاول ۱۴۰۶ھ

جلد ۱۴ — دسمبر ۱۹۸۵ء

عملہ الرشید

عنوانات و معنون

خطاط
حزب اللہ خالد
ابن قاری لطف اللہ شہید فی سبیل اللہ

مقام اشاعت
○ ۳۲ سے اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور
○ دفتر جامعہ رشیدیہ ساہیوال

الشیع
منہاج الدین اصلاحی
شرکت پرنٹنگ پریس لاہور

زرِ اعانت
محسنین الرشید سے تبلیغی فنڈ سو روپے ؍

غیر ممالک سے یکصد روپے ؍
مع محصول ڈاک

الرشید تبلیغی مجلہ ہے
تجارتی مدارد

عام خریداری
سالانہ ـــ ؍۳۰ روپے

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر ۲۹۴ چالو کھاتہ جامعہ رشیدیہ، حبیب بنک غلہ منڈی ساہیوال

راشدات

ادارہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میری انتہائے نگارش یہی ہے
ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

مؤتمر رشیدیہ اور شہدائے ختم نبوۃ کانفرنس

۹ ر ۱۰ ر صفر المظفر ۱۴۰۶ھ جمعرات، جمعۃ المبارک جامعہ رشیدیہ کا ۲۴ واں سالانہ تبلیغی اجتماع ہوا۔ صدارت کے فرائض علماء کرام حضرات، ○ مولانا منظور احسن خطیب شہداء فریدٹاؤن ○ پیر جی عبدالعلیم رائپوری ○ حضرت مولانا حافظ حکیم ولی محمد طیب کمالیہ سرپرست ادارہ ○ حضرت مولانا الحاج ولی محمد فاضل دیوبند مدرسہ صابریہ قادریہ ٹرپہ سرپرست جامعہ۔ مہمانانِ خصوصی جناب الحاج میجر محمد رفیق صفدر ایم۔ این۔ اے و جناب الحاج میاں نذیر احمد صدر انجمن تاجران ساہیوال نے سرانجام دیئے!

پچاس طلبہ و طالبات کی جماعتوں نے تحفیظ القرآن۔ ترجمہ و تفسیر القرآن۔ ثانیہ سے درجہ عالیہ، دورہ حدیث شریف تک تکمیل کی جن کو اسناد و انعامات حضرات اکابر علماء نے تقسیم فرمائے۔

انعامات میں ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ، تفسیر عثمانیؒ۔ کتاب التوحید۔ الرشید کا خصوصی تاریخی شاہکار "تاریخ صد سالہ دارالعلوم دیوبند" فضائل قرآن مجید۔ فضائل تبلیغ۔ تعلیم النساء۔ تاج کمپنی کی حمائلیں وغیرہ خصوصی رومال و دوپٹے شامل تھے۔ جامعہ رشیدیہ کی اسناد نیز وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی خصوصی اسناد دی گئیں۔

مؤتمر رشیدیہ میں پنجاب بھر کے اصحاب احباب رفقاء جماعت تشریف لائے۔ اور پاکستان بھر کے خطباء و رہنما وزعماء نے شرکت فرمائی۔ خصوصاً حضرت علامہ خالد محمودؒ (جماعت کے عالمی مبلغ و مناظر) قاری نور الحق قریشی ایڈووکیٹ ملتان مولانا عبداللطیف انور شاہکوٹ۔ مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی سمندری۔ مولانا سید عبدالمجید ندیم۔ مولانا قاری محمد حنیف جالندھری۔ مولانا محمد طیب بورے والہ۔ مولانا محمد حسین رشیدی عارفی نے مؤتمر میں خطابات اور درسِ قرآن وحدیث دیئے!

شہدائے ختم نبوۃ کانفرنس

۲۶ ر اکتوبر ۱۹۸۴ء کو ساہیوال کے معبد ضرار میں ایک درجن قادیانی مرتدوں کے ٹولے نے جامعہ رشیدیہ کے ایک استاذ حافظ القاری الحاج بشیر احمد حبیبؒ اور گورنمنٹ پولی ٹیکنیک کالج ساہیوال کے صالح نوجوان اظہر رفیق کو ایسے تشدد اور ظالمانہ

سفاکی سے قتل کیا کہ شہداء اُحد کی یاد آنے لگی ــــ کسی بت کدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری مرزائیوں کی اس وحشت ناک درندگی اور بہیمیت کے باوجود جو لوگ مرزائیوں کے حسن اخلاق کا چرچا کرتے ہیں انکو عبرت حاصل کرنا چاہئیے۔ امت مرزائیہ کے ظلم وستم قادیان سے لیکر ربوہ، ساہیوال، سکھر اور مولانا اسلم قریشی مبلغ ختم نبوت سیالکوٹ تک ایسی بربریت کی بھیانک کہانی ہے جس سے مرزائیت کے اخلاق کا پردہ چاک ہو جاتا ہے اور ان کے کردار کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹ چکا ہے! ؎ ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں اور تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

جس جماعت کے وزیر خارجہ نے اپنے محسن قائداعظم کے جنازہ پر قساوۃ قلبی کا ثبوت دے کر قائداعظم کو عملاً کافر اعظم قرار دیا ہو ایسے لوگ کسی رواداری و حسن سلوک کے مستحق ہو سکتے ہیں؟ ایسے کفار کے متعلق قرآن حکیم اشداء علی الکفار واغلظ علیہم کا حکم دیتا ہے۔ ایسی قوم کا سوشل بائیکاٹ ہونا چاہئیے مکمل مقاطعہ!

۲۶ اکتوبر کو ان ڈو جیالے نوجوان شہیدوں کی یاد میں مجلس عمل تحفظ ختم نبوت نے جامعہ رشیدیہ کے تعاون سے یک روزہ عظیم الشان ختم نبوت کانفرنس کا اہتمام کیا اور جامع عیدگاہ ساہیوال میں حضرت پیر جی عبد العلیم رائپوری کی سرپرستی میں بصدارت حضرت خواجہ خواجگان مولانا الشیخ خان محمد مدظلہ امیر مجلس ختم نبوت و سجادہ نشین سراجیہ کندیاں ظہر سے عصر تک رہنمایان ملک وملت نے تقاریر کیں۔

عصر کے بعد چوک شہدائے ختم نبوت میں عظیم الشان اجتماع میں نہایت پُرامن اور باوقار طریقہ پر اسلامیان ساہیوال کے جم غفیر میں حضرت الامیر مولانا خان محمد مدظلہ فقیہہ الشیخ حضرت مولانا عبد الحفیظ مکی امیر عالمی مشن ختم نبوت۔ فاتح ربوہ حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی ایم۔پی۔اے۔ مجاھد کراچی حضرت مولانا محمد زکریا ایم۔پی۔اے سندھ اسمبلی میجر محمد رفیق معذر ایم۔این۔اے ساہیوال شیخ محمد اصغر شیخ محمد سعید شیخ اصغر حمید ایڈووکیٹ۔ چوہدری عبد المتین ایڈووکیٹ فاضل رشیدیہ اور معزز اراکین بلدیہ اور محترم ارکان مجلس عمل کے تعاون سے مبارک تقریب میں سنگ بنیاد کی تنصیب فرمائی اور مشن چوک کی بجائے "شہیدان ختم نبوت" رکھا گیا۔ اور حضرت خواجہ خان محمد مدظلہ نے دُعا فرمائی اور یہ تقریب نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام پائی جس کے لئے ہم انتظامیہ کا شکریہ ادا کرنے میں حق بجانب ہیں۔

رات بعد عشاء شہداء کانفرنس کے آخری عظیم اجتماع میں مندرجہ ذیل اکابر نے شہدائے ختم نبوت کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اور اپنے مطالبات دہرائے۔ خصوصاً مقدمۂ شہداء کا فیصلہ جلد سنانے اور دو لبقایا قاتلین مجرموں، مفروروں کی جلد گرفتاری پر زور دیا گیا!

- حضرة الامیر دامت برکاتہم
- فضیلۃ الشیخ مولانا عبد الحفیظ مکی
- ابن امیر شریعت سید عطاء المؤمن شاہ بخاری
- مولانا سید عبد المجید ندیم

○ نواسہ امیر شریعت سید کفیل بخاری
○ مولانا منظور احمد ایم۔پی۔اے چنیوٹ
○ مولانا محمد زکریا خان ایم۔پی۔اے کراچی
○ شیخ رشید احمد ایم۔این۔اے راولپنڈی
○ حاجی محمد اسلم کچیلا ایم۔این۔اے سرگودھا
○ الحاج میجر محمد رفیق صفدر ایم۔این۔اے ساہیوال
○ مولانا اللہ وسایا مبلغ ختم نبوت
○ مولانا اللہ یار ارشد خطیب ربوہ
○ مولانا نعمانی مبلغ انگلستان
○ مولانا ضیاء الرحمن فاروقی سمندری
○ مولانا اختر صدیقی کمالیہ
○ مولانا عبدالرشید راشد خطیب اہلحدیث
○ شیخ حمید اصغر ایڈووکیٹ
○ چوہدری عبدالمتین ایڈووکیٹ
○ سید امیر حسین گیلانی اوکاڑہ
○ فاضل رشیدی الحسینی

سخت ناسپاسی ہوگی اگر ہم خطیب بلدیہ عیدگاہ مولانا الحاج حافظ قاری عبدالستار۔ مولانا مطیع اللہ خطیب نور حافظ عبدالرشید (حافظ سوپ)، بابو محمد سلیم خاں کونسلر۔ حاجی خوشی محمد چوہان۔ حاجی عبداللطیف خالد چیمہ اور دیگر کارکنان ختم نبوت یوتھ فورس۔ جمعیتہ طلبہ رشیدیہ و کارکنان کا شکریہ ادا نہ کریں۔ جن کی مساعی سے عیدگاہ میں ایسا اجتماع ہوا۔ جس کو اسلامیان ساہیوال ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ ہم باقی معاونین و محسنین کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں اور اسلامیان ساہیوال کی قدر افزائی کے مشکور ہیں جنہوں نے دامے درمے قدمے سخنے اس کانفرنس کو کامیاب فرمایا۔

○

اپنا مسلک و نظریہ

نماز اچھی، روزہ اچھا، حج اچھا، زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود اِن کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثرب کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

— مولانا ظفر علی خان

مرزائیت کا تعاقب

ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن شاہ صاحب بخاری اور ادارہ الرشید کے رکن حاجی عبداللطیف خالد چیمہ صاحب ختم نبوت کی تبلیغ اور مرزائیت کے تعاقب میں برطانیہ کے دورہ پر ۹ر نومبر کو روانہ ہوگئے ہیں۔

یہ وفد برطانیہ کے طول و عرض میں اجتماعات کرکے دنیائے اسلام کو فتنۂ مرزائیت کی حقیقت سے آگاہ کریگا۔

بسلامت روی و باز آئی

— ادارہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن کریم کی عملی تفسیر

از: حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

○

الحمد لله وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔

سرورِ دوعالم فخرِ بنی آدم رسول الثقلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ اپنی ظاہری و باطنی وسعتوں اور پہنائیوں کے لحاظ سے کوئی شخصی سیرت نہیں وہ کسی شخصِ واحد کا دستورِ زندگی نہیں بلکہ جہانوں کے لیے ایک مکمل دستورِ حیات ہے جوں جوں زمانہ ترقی کرتا چلا جائے گا اسی حد تک انسانی زندگی کی استواری و ہمواری کے لیے اس سیرت کی ضرورت شدید سے شدید تر ہوتی چلی جائے۔

زمانہ اور اس کا تمدن اپنی ارتقائی حرکت سے کہاں تک پہنچ گیا اور کل کو نہ جانے کہاں تک جا پہنچے اور اس کی تمدنی زندگی کے گوشے کتنے ہی پھیل جائیں اور پھیل کر زمین و آسمان اور فضا و خلا سب ہی کو ڈھک لیں پھر بھی یہ ارتقائی سیرت اور اس کے تدین کے گوشے اسی حد تک تمدنی گوشوں کی تقویم و اصلاح کے لیے شاخ در شاخ ہو کر نمایاں ہوتے رہیں گے جیسا کہ وہ اب تک زمانہ کی منی ترقی کے ساتھ ساتھ نمایاں ہوتے رہے اور ان میں سکون و اطمینان کی روح پھونکتے رہے ہیں۔

اس کی شرعی وجہ یہ ہے کہ آیت وانک لعلی خلق عظیم کے بارے میں جب صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی اس خلق کی سیرت و اخلاق کے سلسلہ میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ وکان خلقہ القرآن آپ کا خلق سیرت بہ قرآن ہی تو ہے اور قرآن کے بارے میں خود حضرت صاحبِ سیرت افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ: ولا ینقضی عجائبہ ولا یخلق عن کثرۃ الرد اس قرآن کے عجائبات (علوم و معارف) کبھی ختم ہونے والے نہیں اور یہ بار بار کے تکرار سے کبھی بھی پرانا نہیں ہوگا کہ اس سے دل اکتا جائیں۔ اس سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے اور نکل بھی سکتا ہے کہ سیرت کے عجائبات بھی کبھی منتہی ہونے والے نہیں۔ فرق اگر ہے تو صرف یہ کہ قرآن میں لامحدود عجائباتِ علمی ہیں اور ذاتِ بابرکاتِ نبوی کی سیرت میں بھی یہی عجائبات عملی صورت میں ہیں۔ گویا ایک علمی قرآن ہے جو اوراق میں محفوظ ہے اور ایک عملی قرآن یعنی سیرت ہے جو ذاتِ نبوی میں محفوظ ہے اور دونوں آپس میں ایک دوسرے پر من و عن منطبق ہیں۔ پس قرآن کا کہا ہوا حضورؐ کا کیا ہوا ہے اور آپ کا کیا ہوا قرآن کا کہا ہوا ہے۔ اس لیے قرآن حکیم کی یہ ہزاروں آیتیں درحقیقت سیرتِ مقدسہ کے عملی اور تعارفی ابواب ہیں اور ادھر سیرت کے یہ ہزاروں گوشے قرآن کے عملی پہلو ہیں۔ پس قرآن میں جو چیز قال ہے وہی ذاتِ نبوی میں حال ہے اور جو قرآن میں نقوش و دوال ہیں وہی ذاتِ اقدس میں سیرت و اعمال ہیں۔ اس لیے سیرت سے تو قرآن کی عملی صورتیں مشخص ہوتی ہیں اور قرآن سے سیرت کی عملی ہیئتیں کھلتی ہیں۔

اس قرآن حکیم کے مختلف مضامین اپنی اپنی نوعیت اور مناسبت کے مطابق سیرت کے مختلف الانواع پہلو ثابت ہوتے ہیں۔ قرآن میں ذات و صفات کی آیتیں آپ کے عقائد ہیں اور احکام کی آیتیں آپ کے اعمال۔ تکوین کی آیتیں آپ کا استدلال ہیں اور تشریع کی آیتیں آپ کا حال۔ قصص و امثال کی آیتیں آپ کی عبدیت ہیں اور کبریائے حق کی آیتیں آپ کی نیابت۔ اخلاق کی آیتیں آپ کا حسنِ معیشت ہیں اور معاملات کی آیتیں آپ کا حسنِ معاشرت۔ توجہ الی اللہ کی آیتیں آپ کی خلوت ہیں اور تربیتِ خلق اللہ کی آیتیں آپ کی جلوت۔ قہر و غلبہ کی آیتیں آپ کا جلال ہیں اور مہر و رحمت کی آیتیں آپ کا جمال۔ تجلیاتِ حق کی آیتیں آپ کا مشاہدہ ہیں اور ابتغاء وجہ اللہ کی آیتیں آپ کا مراقبہ۔ ترکِ دنیا کی آیتیں آپ کا مشاہدہ ہیں اور احوالِ محشر کی آیتیں آپ کا محاسبہ نفی غیر کی آیتیں آپ کی فنائیت ہیں اور اثباتِ حق کی آیتیں آپ کی بقائیت۔ نعیمِ جنت کی آیتیں آپ کا شوق اور جحیم نار کی آیتیں آپ کا ہم و غم۔ رحمت کی آیتیں آپ کی رجا ہیں اور عذاب کی آیتیں آپ کا خوف۔ انعام کی آیتیں آپ کا سکون و انس ہیں اور انتقام کی آیتیں آپ کا حزن [illegible] جہاد کی آیتیں آپ کا عروج ہیں اور تعلیم و تبلیغ کی آیتیں آپ کا نزول تنفیذ امر کی آیتیں آپ کی خلافت ہیں اور خطاب کی آیتیں آپ کی عبادت وغیرہ وغیرہ کسی بھی نوع کی آیت ہو وہ آپ کی کسی نہ کسی پیغمبرانہ سیرت اور کسی نہ کسی مقامِ نبوت کی تعبیر ہے اور آپ کی سیرت اس کی تفسیر جس سے صدیقہؓ کے اس زریں مقولہ وکان خلقہ القرآن سے قرآن اور ذاتِ اقدس نبوی کی کامل تطبیق

اور صدیقۂ پاک کی علمی گہرائیوں اور ذاتی ذکاوتوں کا نشان ملتا ہے اس لیے یہ دعویٰ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ثابت ہوتا ہے۔ اگر قرآن کے علمی عجائبات بھی کبھی ختم نہیں ہو سکتے تو سیرتِ نبویؐ کے عملی عجائبات بھی کبھی ختم ہونے والے نہیں۔ اگر قرآن علمی طور پر تا قیامت اپنے شاخ در شاخ علوم سے بنی نوعِ انسان کی تکمیل کا ضامن ہے تو یہ سیرتِ جامعہ بھی تا یوم محشر اپنے شاخ در شاخ عملی اسوؤں سے اقوامِ عالم کی تکمیل و تسکین کی کفیل رہے گی۔

اس توجیہہ و استدلال کے سلسلہ میں ذرا اور آگے بڑھو تو قرآن کی شرح تفسیر حدیثِ پاک ہے۔ قرآن اگر متن ہے تو حدیث اس کا بیان اور شرح ہے جس سے قرآن کے مخفی گوشے واضح طور پر کھلتے ہیں اور مطالب خداوندی نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اس لیے قرآن اگر حضورؐ کی سیرت ہے تو حدیث اس سیرت کی تفصیل ہے اور اس لیے کتب حدیث کے سارے ابواب و فصول درحقیقت سیرتِ مقدسہ ہی کے ابواب و فصول ہیں جن سے گزر کر ہی آدمی اقلیمِ سیرت میں داخل ہو سکتا ہے۔

اندریں صورت کہ قرآن و حدیث سیرتِ مقدسہ کی تعبیر ہے۔ اس نکتہ پر غور کرنا چاہیے کہ قرآن و حدیث کے مضامین کی ترتیب میں اوّلیت ایمان و عقائد کو پھر عبادات کو دے گئی ہے۔ فاتحہ قرآن کو بھی اولاً ذاتِ حق پھر اس کی ربوبیتِ عامہ پھر رحمتِ عامہ اور پھر مالکیتِ عامہ اور پھر عبادت و استعانت سے شروع کیا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ کو لو تو اس کی ابتدا بھی ایمان بالغیب اور نماز و انفاق فی سبیل اللہ سے کی گئی ہے۔ بہرحال قرآن میں اوّلیت عقائد اور عبادات کو دی گئی ہے۔

اس کے بعد دوسرے ابواب میں دین کی تفصیل ہے۔ اسی طرح عموماً کتب حدیث میں اسی اسوۂ قرآنی کے مطابق ابواب و فصول کی ابتداء کتاب الایمان پھر کتاب الصلوٰۃ کتاب الصوم کتاب الحج وغیرہ سے کی گئی ہے اس کے بعد اخلاق معاملات نکاح طلاق میراث، ہبہ اوقات پھر وسائل معاشی زراعت، تجارت صنعت و حرفت ملازمت اور پھر ان معاملات کے نفاذ کے لیے قضا تعزیرات و کفارات وغیرہ اور پھر ان تمام ابواب کی حفاظت کے لیے آخر میں خلافت و امارت اور جہاد و سیاست کے ابواب لائے گئے ہیں یہ سب کے سب مرتب شدہ بلاشبہ سیرتِ مقدسہ ہی کے ابواب ہیں لیکن اس ترتیبِ نبوی اور اس کی متابعت میں ان ترتیبات نائبانِ نبوی سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضورؐ کی پیغمبرانہ سیرت کی اساس و بنیاد درحقیقت عقائد و عبادات ہی قرار دی گئی ہیں۔ خود حضورؐ نے بھی اسلام کی اساس و بنیاد عقائد و عبادات ہی کو قرار دیا جو دوسرے لفظوں میں سیرت کی بنیاد ہے فرمایا:

بنی الاسلام علیٰ خمس شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدًا رسول اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وصوم رمضان وحج البیت لمن استطاع الیہ سبیلا (مشکوٰۃ)

(ترجمہ) اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دینا۔ نماز قائم کرنا۔ زکوٰۃ ادا کرنا۔ رمضان کے روزے اور بیت اللہ کا حج اگر استطاعت ہو۔

جس سے نمایاں ہوتا ہے کہ سیرتِ نبوی میں عبادات اور دیانات اصل سیرت ہیں اور انتظامی اور سیاسی ابواب اس کے محافظ ہیں جو بعدیت کا درجہ رکھتے ہیں کہ یہ برِ تقویٰ اور دیارِ خداوندی کا کارخانہ خلل اندازی سے محفوظ رہے اور دنیا میں کسی فتنہ پرور کو اس نظامِ سیرتِ نبویؐ میں رخنہ کی جرأت نہ ہو۔

قرآن کریم نے اس سے زیادہ کھلے لفظوں میں اقامتِ عبادت و دیانت کو اصل مقصود ٹھہراتے ہوئے تمکین و سیاست اور فتوحِ ممالک کو اس کا وسیلہ قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ؕ (پ الحج ۴۱)

(ترجمہ) اگر ہم ان مسلمانوں کو زمین کی سلطنت دے دیں تو یہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور پاکیزہ امور کو امر کریں گے اور منکرات سے باز رکھیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ دین و دیانت تو تمام انبیاء علیہم السلام کو دیا گیا ہے لیکن قہر و سیاست اور جہاد و جنگ سب کو نہیں دی گئی جہاں ضرورت سمجھی گئی وہاں دی گئی ورنہ نہیں دی گئی۔

حضورؐ نے بھی اعلانِ نبوت کے ساتھ سب سے پہلے جو چیز دنیا کے سامنے پیش کی اور جس پر اپنے صحابہؓ کو تربیت دی وہ یہی ایمان باللہ مبداء معاد توحید رسالت اور سزا و جزا کے عقیدے تھے اور پھر خدا سے رشتہ جوڑنے کے لیے عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ کی تعلیم فرمائی گئی جس سے کی آیتیں بھری ہوئی ہیں۔

اس سے واضح طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سیرتِ مقدسہ کا اساسی اور غالب رنگ عبادت اور تقدس ہے اور یہ دنیا کے سارے معاملات کو اسی عبادتی رنگ میں دیکھنا چاہتی ہے یعنی اس کا طبعی رُخ یہ ہے کہ اللہ کے بندے اپنی ساری دنیا اور دنیا کے ایک ایک کام کو مقدس بن کر بہ رنگ عبادت انجام دیں جن میں رضاءِ الٰہی و یادِ خداوندی کی روح کارفرما ہو وہ کچھ بھی کریں اللہ کے لیے کریں۔ نفسیاتی انداز اختیار کرنے کی بجائے ربانی راہ اختیار کریں اور ان کا ہر عمل مجاہدہ و جہاد یعنی عبادت ہو عادت نہ ہو جس کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہو۔ اعلائے نفس نہ ہو حق تعالیٰ نے یہی حقیقت جس کا نام تفویض ہے اپنے خلیل پاک حضرت ابراہیم علیہ السلام سے طلب

ذاتی جسے اسلام کا نام دیا۔ فرمایا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔

(ترجمہ) کہہ دو ابراہیم کہ میری نماز اور عبادت اور میرا جینا اور مرنا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اس کا امر کیا گیا ہے اور میں ہی (اس امت میں) پہلا مسلم ہوں۔

یہی تفویض مطلق اور عبدیت کاملہ کی بلند پایہ کیفیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت تھی جسے آپ نے اپنی دعا میں کھولا ہے۔ فرمایا:

اللّٰھم لک اسلمت وبک اٰمنت وعلیک توکلت وبک حاکمت والیک خاصمت والیک انبت والیک المصیر

(ترجمہ) اے اللہ میں تیرے ہی لیے اسلام لایا اور تیرے ہی اوپر ایمان لایا اور تجھ ہی پر میں نے توکل کیا اور تجھے ہی میں نے حکم مانا اور تیری ہی طرف میں جھگڑا لے گیا اور تیری طرف میں نے رجوع کیا۔ اور تیری طرف جانا ہے۔

یہی حال جب اہل اللہ پر طاری ہوتا تھا۔ تو تفویض کے عجیب و غریب عنوانات ان کی زبانوں پر جاری ہوتے تھے۔ حضرت بابا فرید گنج شکر قدس سرہٗ پر یہ کیفیت غلبہ کے ساتھ وارد ہوئی تو وہ بار بار ذیل کی رباعی پڑھتے تھے اور سجدے میں گر جاتے تھے اور پھر وہی رباعی پڑھ کر سجدہ میں جا پڑتے جس کے راوی حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین دہلوی قدس سرہٗ ہیں۔

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم
خاکے شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصود من بندہ ز کونین توئی
از بہر تو میرم و از برائے تو زیم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اور سیرت کے بے شمار عملی نمونے اور اسوے ہمہ وقت جس روح سے زندہ و پائندہ تھے وہ یہی ذکر الٰہی تفویض مطلق اور عبادت خداوندی کی روح تھی گویا اسی کے لیے اس پاک زندگی کا لمبا چوڑا ڈھانچہ بنایا گیا تھا کہ اس میں یہ ذکر و فکر کی روح پھونکی جائے۔ چنانچہ آپؐ کی پاک زندگی کا ہر لمحہ ذکر اللہ سے معمور اور فکر آخرت سے بھرپور تھا۔

ذکر دائم کے بارے میں حدیث ہے کہ

کان یذکر اللّٰہ علیٰ کل احیانہ

(ترجمہ) آپ ہر لمحہ ذکر الٰہی میں لگے رہتے

کان دائم الفکرۃ حزینا

(ترجمہ) آپ ہمیشہ متفکر اور غمزدہ رہتے تھے۔

پس آپ کی زندگی اور زندگی کی سیرت بالاصل نہ ملوکیت تھی نہ ریاست۔ نہ غلبہ و قہر تھی نہ تسلط و استیلا، نہ تعیش تھی نہ تزئین و آرائش و زیبائش تھی نہ راحت طلبی و آسائش بلکہ بندگی سرافگندگی نیاز کیشیٔ عبودیت اور طاعت و عبادت تھی جس میں خوئے ذکر اور بوئے فکر سمائی ہوئی تھی اور جو کچھ بھی زندگی کی نقل و حرکت تھی وہ اسی فکر دائمی اور ذکر دائمی کے رنگ میں تھی۔ قرآن نے اسی ذکر و فکر کے مجموعہ کو دانائی کہا اور اولو الالباب یعنی عقلمندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ (آل عمران - ۱۹۱)

(ترجمہ) دانشمند وہ ہیں جو اللہ کو یاد رکھتے ہیں کھڑے بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے اور فکر کرتے رہتے ہیں آسمانوں اور زمین کی ساخت اور بناوٹ میں

پس قرآن کی رو سے محض مفکر بھی دانشمند نہیں جبکہ وہ ذاکر نہ ہو اور محض ذاکر بھی پورا دانشمند نہیں جبکہ وہ مفکر اور متفکر نہ ہو۔ حقیقی دانشمندی وہی ہے جس میں ذکر بھی ہو اور فکر بھی عقل بھی ہو اور عشق بھی محبت بھی ہو ہوش بھی۔ پس حضورؐ کی سیرت اسی ذکر و فکر کا مجموعہ اور ان دونوں مقامات کا کامل امتزاج تھی جہاں آپ کی عبادت ان دونوں رنگوں کا مظہر تھی وہیں آپ کی سیاست بھی ان دونوں رنگوں سے عبادت کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ سرکار دو عالمؐ خلیفۂ خداوندی بھی ہیں معاملات کے فیصلے بھی دے رہے ہیں، دیوانی اور فوجداری کے مقدمات بھی فیصل فرما رہے ہیں۔

جہاد کے لیے لشکر بھی بھیج رہے ہیں۔ غنائم کی تقسیم بھی کر رہے ہیں حدود و قصاص کا اجراء بھی ہو رہا ہے فتوحات ممالک کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ صوبوں اور نئی حکومتوں میں گورنر بھی مقرر کیے جا رہے ہیں یہ سب کچھ ہو رہا ہے مگر صحن مسجد میں ذکر اللہ فکر آخرت کے ساتھ کیا جا رہا ہے یعنی یہ سب کچھ تھا مگر عبادت الٰہی کے ہی رنگ میں تھا۔ ڈھانچہ اگرچہ سیاست کا تھا مگر روح عبادت کی اس میں کارفرما تھی اور روح اور ڈھانچہ میں کامل مناسبت کے ساتھ ڈھانچہ اس روح کے حسب حال تھا اور روح ڈھانچہ کی شان۔

پس آپؐ کی پیغمبرانہ سیرت کا امتیازی اور غالب پہلو یہی ایمان و عبادت اور ذکر و فکر تھا جس میں عقل و عشق، محبت و بصیرت، مادیت و ملکیت، امارت و مسکنت، خلافت و عبادت کا کامل اجتماع و امتزاج تھا کہ ایک سے دوسری متقابل صفت کسی حالت میں بھی بے فکر نہیں بنا سکتی تھی حتیٰ کہ آپ غزوات اور جنگوں میں بنفس نفیس خود بھی شرکت فرماتے اور نہ صرف شرکت بلکہ ان کی قیادت فرماتے لیکن یاد الٰہی اور رنگ عبودیت سے یہ ہنگامہ خیزی بھی پھر پلٹ کر عبادت

ہی کے رنگ میں ادا ہوتی تھی عین جہاد میں بھی ذکر اللہ اور متعلقہ دعائیں پڑھتے ہوئے آپ اپنے لشکروں کی قیادت فرماتے جس سے یہ جہاد اعلیٰ ترین عبادت بن جاتا اور عین لڑائی میں جبکہ نماز کا وقت آتا تو یہ اضافی عبادت اس حقیقی عبادت میں حارج نہیں بن سکتی تھی بلکہ اس کی مدت متعین تھی۔

آگیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز

جس سے نمایاں ہے کہ آپ کی پیغمبرانہ سیرت کا بنیادی پہلو یا بنیاد عبادت تھا جس کے لیے دیگر شعبہ ہائے زندگی بطور خادم اور بطور وسائل کے کام کرتے تھے پس زندگی کے عام شعبوں کی عبادتیں وقتی تھیں اور یہ اصل عبادت ہمہ وقتی۔

اب اس سیرت جامعہ کا خلاصہ یہ نکل آیا کہ سیرت مقدسہ اصولاً زندگی کے تین شعبوں پر مبنی ہے تعلق مع اللہ تعلق مع الخلق اور تعلق مع النفس تعلق مع النفس کے سلسلے میں پاک دامنی، پاک نفسی، عفت و عصمت حیا و انکسار، غیرت و حمیت، ہمت و شجاعت، صبر و قناعت، حلم و ضبط، اعتماد و توکل، زہد و قناعت، مجاہدہ و ریاضت، تحمل شدائد و مصائب اور خداترسی وغیرہ کے اعلیٰ ترین ملکات اور اخلاق حمیدہ آپ کی فطرت صالحہ کا خمیر تھے۔

ادھر تعلق مع الخلق کے سلسلے میں خدمت خلق اللہ، صلہ رحمی، نصرت و اعانت، جود و سخا، ایثار و عطاء، راحت رسانی اور کفّ اذی (ایذا رسانی سے بچنا) عفو و درگزر، محبت و شفقت دلسوزی و ہمدردی کی تعلیم و تربیت ارشاد و تزکیہ وغیرہ آپ کی پاک طبیعت کے فطری جوہر تھے اور تعلق مع اللہ کے سلسلے میں عبادت و ریاضت، مجاہدہ مراقبہ کسر شہوات و لذات، تقرب و انابت، توبہ و استغفار۔ تہجد و شب بیداری، ذکر و فکر وغیرہ آپ کی پاک فطرت کی افتاد تھی۔

لیکن ان تینوں تعلقات میں تعلق مع اللہ ہی دونوں تعلقات کی استواری کی روح تھی جو نفس و خلق کے تعلقات کو صحیح نہج پر قائم کرتی ہے اگر نفس انسانی کو تعلق مع اللہ کے آشنا اور اس کے تقاضوں کا خوگر نہ بنایا جائے تو تعلق مع الخلق اور تعلق مع النفس صحیح بنیادوں پر کبھی قائم نہیں رہ سکتا۔ آج بھی جو اللہ سے منقطع ہو کر ان تعلقات کو خوشنما بنانے کی فکر میں ہیں وہ طرح طرح کی مہلک لغزشوں سے دنیا کو فتنہ و فساد کا گھرانہ بنائے ہوئے ہیں۔

آج یورپ میں عقل و فہم کی کمی نہیں۔ روابط اور بین الاقوامی علائق کی کمی سیاسی تعلقات کی ہمہ گیری اور ان کی تدابیر کی کمی نہیں جتنی کہ صرف ان ہی بین الاقوامی تعلقات کے لیے متحدہ کونسل یو۔این۔او بھی قائم ہے جس میں رات دن کے ممالک آتے رہتے ہیں۔ خانگی زندگی کے لیے تزیینوں کے بے انتہا ڈھنگ اور گھریلو زندگی کی خوشگواریوں کے لیے بے شمار لٹریچر وغیرہ سب ہی کچھ مہیا ہیں لیکن اس کے باوجود ان ہی کے اقراروں اور اعلانوں سے یہ ہی واضح ہوا ہے کہ گھر اور باہر چین اور سکھ مفقود ہے۔ یہی نفوس کہ جن کی طمانیت کی خاطر یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے، امن و اطمینان کی ہوا تک سے بھی کوسوں دور ہوتے جا رہے ہیں اس کی وجہ فقدان اسباب نہیں کہ وہ تو سب مہیا ہیں بلکہ مسبب الاسباب سے ربط کا فقدان ہے۔ خدا پرستی۔ خوف آخرت اور مالک الملک کے سامنے جواب دہی کا فکر معدوم ہے، اعتقاداً ہو یا عملاً جو ان تعلقات کو صحیح نہج پر نہیں آنے دیتا جس سے ان نفوس میں جذبۂ انقیاد و اتباع حق کی بجائے خود رائی اور خود بینی کے جراثیم پرورش پائے ہوئے ہیں۔ مدار کار غرض نفس ہے یقین حق نہیں جس کے تحت خود غرضیوں اور قومی نسلی اور وطنی تعصبات کی آگ سلگ رہی ہے اور اس سے تمدنی سیاسی اور اقتصادی اونچ نیچ کی مہلک وبا، سکون و امن کی جان لیوا بنی ہوئی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دنیا ان کے تمدنی وسائل اور ایجادات سے فائدہ بھی اٹھا رہی ہے لیکن دلوں میں ان سے تنفر کے جذبات بھی لیے ہوئے اور ان کی جبری قیادت کا جوا سروں سے اتار پھینکنا بھی چاہتی ہے یہ محرومیت کا فقدان اسی خدا پرستی کے نہ ہونے سے رونما ہوا جس سے واضح ہے کہ کوئی بھی انسانی تعلق خواہ اپنے نفس سے ہو یا مخلوق سے بغیر خدائی تعلق کی ہمواری کے ہموار رہنا ممکن نہیں اسی لیے حضرت صاحب سیرت علیہ السلام نے اپنی سیرت مبارکہ کی روشنی میں بطور ضابطۂ حیات ارشاد فرمایا ہے کہ:

من اصلح فیما بینہ وبین اللہ اصلح اللہ فیما بینہ وبین الخلق۔ (کنز العمال)

(ترجمہ) جس نے اپنے اور اپنے خدا کے درمیان معاملہ درست کر لیا اس کے درمیان اور خلق کے درمیان خود اللہ معاملہ درست فرما دیتا ہے۔

اس لیے اگر آج ہم اس سیرت پاک کو اپنا کر اپنی زندگی کو صحیح بنیادوں پر اٹھانا چاہتے ہیں تو اس میں سیرت مقدسہ کی روشنی میں ان تینوں کے تعلقات کو عملی صورت دیتے ہوئے ان کی روح اور بنیاد تعلق مع اللہ ہی کو بنانا ہے جیسا کہ حضورؐ کی سیرت مقدسہ کا اساسی پہلو یہی تعلق ہے۔

اب اگر ہم سیرت عبادت و اخلاق اور تعلق مع اللہ سے کنارہ کش ہو کر مثلاً قہر و سیاست اور اقتدار و غلبہ کی سیرت کو مطمح زندگی بنالیں جس میں یہ اخلاقی روح نہ ہو تو یہ کوری سیاست ملک عضوض "کٹکھنا بادشاہ" ہو کر رہ جائے گی جس میں کسی وقت بھی ظلم و ستم زبردستی اور زبردست آزاری سے بچنے کی کوئی صورت نہیں رہ جائے گی اور اگر محض قومی خدمت اور رفاہ عامہ کو مقصد زندگی ٹھہرالیں جس میں خداترسی اور اخلاقی قدریں نہ ہوں تو وہ کوری خود غرضی نمود و نمائش اور شہرت پسندی ہو کر رہ جائے گی جس میں کسی وقت بھی قلبی یکسوئی اور مخلوق کی مدح و ذم سے بالاتر ہو کر غنا اور استغنا کی دولت نصیب نہ ہو سکے گی پھر اسی کے ساتھ اگر ہم تمام طبعی اور اجتماعی تعلقات سے الگ ہو کر محض عبادت اور خلوت

گزینی اختیار کریں گے تو نہ صرف ہم تعاونِ باہمی کی ان تمام قوتوں سے محروم ہو جائیں گے جو مدنیت کی روح اور اجتماعیت کی اساس ہیں۔ اور جن کے بغیر وہ عالمگیر خدمت انجام نہیں پا سکتی جو سیرت پاک اور طبیعتِ اسلام کے تقاضے ہیں بلکہ اس قیدِ تنہائی میں گھر سے الگ ہو کر کسی وقت بھی نفس و شیطان کی مکاریوں سے پناہ نہیں پا سکیں گے۔ جنہوں نے خلوت گزیں راہبوں کو کتنی ہی بدکاریوں کا شکار بنایا ہے۔

پس خدمتِ خلق بلا عبادت انانیت ہے خدمتِ نفس بلا خدا ترسی نفسانیت ہے انقطاعی عبادت بلا خدمتِ خلق رہبانیت ہے اور سیاست بلا عبادت ہی ملوکیت و استبدادیت ہے اور ظاہر ہے کہ رہبانیت حضور کی سیرت ہے نہ ملوکیت۔ نہ نفسانیت آپ کی سیرت ہے نہ انانیت کیونکہ یہ اکہری چیزیں الگ رہ کر جیسے مجموعی سیرت نہیں بن سکتیں ایسے ہی اپنی روح سے الگ ہو کر اس روح کے خلاف خود رو نقشوں اور رسوم کے ساتھ اجزائے سیرت بھی نہیں کہلائی جا سکتیں کہ انہیں جزوی سیرت ہی کہا جا سکے۔

البتہ جب اس خدمتِ خلق اور خدمتِ نفس کے خانوں میں اخلاق و عبادت کا رنگ بھر دیا جائے اور سب اجزاء اپنے مطلوبہ نقشوں کے ساتھ عبادت کے محور پر جمع ہو جائیں تو پھر اس جامع سیرت کا عکس پیدا ہو جائے گا۔ جس کا نام ہے کہ ہم اس کا کام کرنا چاہتے ہیں اب اسے نہ نفسانیت کہیں گے نہ رہبانیت، نہ ملوکیت کہیں گے نہ انانیت بلکہ ربانیت کہیں گے۔ جس میں انسان اپنی ہر نقل و حرکت کا مرجع و محور اپنے رب کو بنائے گا۔ پس ان تمام اجزاء کی پاک اور مطلوب صورتوں کا صحیح اور معتدل امتزاج ہی سرکارِ دو عالمؐ کی جامع تعلیمات ہے جس میں فرد کی رعایت الگ ہے اور قوم کی الگ حکومت کی رعایت الگ ہے اور محکوم کی الگ۔ اس میں دیانت بھی ہے۔ خدمت بھی ہے اور عبادت بھی اور ان سب عناصر کے امتزاج سے سیرتِ صالحہ کا یہ حاصل نکل آتا ہے کہ انسان میں طبعی جذبات باقی رہیں مگر ان پر عقل کی حکومت ہو عقل نظریات بھی ہوں مگر ان پر وحی الٰہی کی نگرانی ہو آزادیٔ ضمیر بھی ہو مگر اس میں حق کے ساتھ تقلید ہو۔ بغرض نفس، طبع، عقل، وجدان ضمیر اور جذبات میں سے کوئی چیز پامال نہ ہو سکے۔ سب کے تقاضے کارفرما رہیں مگر ہر ایک کی نقل و حرکت کا محور طاعتِ الٰہی اور ذکرِ خداوندی ہو اور کسی وقت بھی یہ تقاضے پابندیٔ حق سے آزاد نہ ہوں پس اسی جامعیت اور اعتدالِ کامل کا نام سیرتِ مقدسہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہے

آج اگر ہم اپنے نونہالوں کے لیے سچے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ ایک طرف تو وہ نہایت اونچے پیمانے کے دیندار اور خدا پرست ہوں جن میں لا ابالی ہو اور نہ بے قیدی بد اعتقادی اور اصول آزادی نہ ہو ان کی نگاہ خدا پر ہو اور اسی پر بھروسہ اور اعتماد رکھتے ہوں اور دوسری طرف وہ ملک کے سچے شہری اور متمدن ہوں جن کے حالات و معاملات میں دیانت صداقت راست گوئی اور راست بازی ہو شخصی مفاد کے غلبہ کی بجائے قومی اور جماعتی مفاد ان پر غالب ہو ایک طرف وہ مساجد و مدارس کی زینت ہوں اور دوسری طرف درباروں اور بازاروں کا نظم بھی ان کے ہاتھوں میں فروغ پا رہا ہو۔ ایک طرف ان کی خلوت گاہیں یادِ الٰہی سے بھرپور ہوں اور دوسری طرف ان کی جلوتیں اور حکومت کے دفاتر ان کی عدل گستری سے معمور ہوں۔ ایک طرف وہ اپنے ملک میں خوش حال اور خوش مآل ہوں اور دوسری طرف ملک ان کی طرف رجوع ہو کر نہ صرف ان سے عزت مندانہ تعلقات و معاملات ہی کو اپنی آبرو سمجھیں۔ بلکہ ان کے شائستہ معاملات سے بھی درس لیں تو یہ جامع زندگی بجز اس سیرتِ جامعہ کی عملی پیروی کے اور کہیں بھی انہیں دستیاب نہیں ہو سکتی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پیشتر انسانوں کی یہ دنیا دین کے نام سے رہبانیت اور انقطاع کا شکار تھی ترکِ لذات اور ترکِ مرغوبات ہی اصل دین بن گیا تھا تعذیبِ جسمانی کا ہی نام ہی تہذیبِ روحانی رکھ لیا گیا ہے اور اس قسم کے لوگ ساری دنیا سے الگ تھلگ ہو کر پہاڑوں کی کھوہ اور دروں میں چھپے ہوئے پڑے تھے نہ وہ دنیا کے لیے کارآمد تھے نہ دنیا ان کے کام کی تھی جن کو حدیثِ نبوی میں فتلک بقایاھم فی الصوامع والدیار سے متعارف کیا گیا ہے اور دوسری طرف ان جیلوؤں کے بالکل برخلاف متضاد کنارہ پر نظم ملک اور تمدن کے نام سے نفس پروری رہبانیت اور نفس پرستی کا ثبوت دیا جا رہا تھا جس کا محور اس دور میں زبردست طاقتیں تھیں۔

ایک طرف فارس میں کسریٰ کی حکمرانی تھی جو مشرقی ممالک پر اثر انداز تھی اور دوسری طرف روم میں قیصر کی جہانبانی تھی جو مغربی ریاستوں پر چھائی ہوئی تھی اور اس طرح دنیا کی تمام چھوٹی بڑی حکومتیں انہیں دو گروپوں میں بٹی ہوئی تھیں اور دونوں حکومتوں کی سیاست ملوکیت و استبداد خالص کی گود میں پرورش پا کر انسانوں کی گردنوں پر مسلط تھی یہ حاکم و محکوم کے دو طبقوں میں بٹ کر اپنی سالمیت کھو چکے تھے۔ آقائی اور غلامی کے دو طبقے بنے ہوئے تھے اس لیے راعی و رعایا میں محض جبری علاقہ رہ گیا تھا رعایا اپنے حکمرانوں سے تنگ اور ان پر لعنت بھیجتی تھی اور راعی یا حکمران طبقہ رعایا کو بہائم کا درجہ دیئے ہوئے تھا جن کی محنت سے دولت سمیٹنے رہنا ہی ان کا سب سے بڑا کام رہ گیا تھا۔ بظاہر رابطہ اور بحقیقت نفرتِ باہمی کے جراثیم راعی و رعایا میں پرورش پا رہے تھے۔ ملک بظاہر کروفر سے آراستہ تھے مگر اندرونی طور پر باہمی بے اعتمادی کی بھٹی بنے ہوئے تھے دولت غیر متوازن ہو کر امراء کے چند خاندانوں میں سمٹ آئی تھی ایک ایک امیر اور نواب کے بدن پر جب تک ایک ایک لاکھ روپے کی مالیت کا لباس سونے کے تاج سروں پر اور جواہرات کے مرصع پٹکے زیب کمر نہ

ہوتے تو وہ سوسائٹی میں آنے کے قابل نہیں سمجھا جاتا تھا اور عوام کی آبرو صرف بھیڑ بکریوں کی سی رہ کر خواص کی فرمانبرداری کو ماننے رہنا قرار پا چکی تھی غرض پورا ملک سیاسی اقتصادی اور طبقاتی اونچ نیچ اور باہمی بے اعتمادی کا جہنم بنا ہوا تھا۔

دنیا والے دنیا کے نام پر ان ہی دو متضاد لناسدوں پر تھے کہ قدرت نے ان کے دلوں کی فریاد سنی اور اس افراط و تفریط کے عذاب عظیم سے چھڑانے کے لیے عدل و مساوات کا آفتاب جہاں تاب بیٹھا یعنی فاران کی چوٹیوں پر حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کامل اعتدال عدل و مساوات پر اور اخوت باہمی اور اعتماد باہمی کی پاکیزہ ترین تعلیم اور سیرت لے کر دنیا میں نمودار ہوئے۔

آپ نے ایک طرف رہبانیت کو مٹایا اور ایک طرف اس ملوکیت کی بجائے خلافت کا آوازہ لگایا دین اور دنیا کی تفریق مٹا کر دونوں کا سنگم بنایا۔ پہاڑوں اور غاروں کی انقطاعی عبادت کے بجائے مساجد اور کھلی زمین کی جلوہ گاہوں میں اجتماعی عبادت کا راستہ دکھایا۔ حاکم و محکوم کا فرق مٹا کر قومی خدمت کا ڈول ڈالا اور سید القوم خادمہم کا پاکیزہ اصول پیش کیا۔

راعی اور رعایا میں اخوت کا اصول و تعلق قائم فرمایا۔ معاشرت اور مدنیت کو مساوات کے اصول پر قائم کیا جو بندے خدائی مسند لینا چاہتے تھے انہیں آسمانوں سے زمین پر اتارا جن کو زندگی سنبھالنا بھی بھاری ہو رہا تھا انہیں سہارا دے کر زمین سے اوپر اٹھایا جس سے اونچ نیچ مٹ کر توازن قائم ہوا اور یہ دونوں متضاد طبقے ایک دوسرے کے قریب ہوئے جس سے رہبانیت بھی دم توڑ گئی اور ملوکیت پر بھی زندگی کی راہیں تنگ ہو کر رہ گئیں۔

انسان کا کمال اور اوصاف حق سے آراستہ ہو کر خلیفۂ خداوندی بن جانا سب نے محسوس کر لیا اور اس کا سب سے بڑا عیب خدا سے کٹ کر اپنے نفس کی پوجا ازا شمار کیا گیا۔ غرض سیرت مقدسہ کے عدل و مساوات اور اجتماعیت نے بڑھ کر رہبانیت و ملوکیت پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ قیصر و کسریٰ کے بت اندھے ہو گئے اور دیانت و سیاست کی آمیزش سے ایک طرف خلافت خداوندی انسانوں میں نمایاں ہوئی اور دوسری طرف دیانت اجتماعی کے جوہر پیدا ہوئے اور دونوں میں توحید و عدل کا رنگ صاف نمایاں ہو گیا

توحید نے لاکھوں انسانوں کی کثرتوں کو ایک کر کے ان میں جماعتی عبادت کا جذبہ پیدا کیا اور عدل و مساوات نے اونچ نیچ میں پڑے ہوئے بے اعتماد انسانوں میں اعتماد باہمی اور باہمی خدمت و تعاون کے جذبات پیدا کر دیئے جس سے ان میں یکسانی آگئی اور اس طرح پہاڑوں میں پڑے ہوئے رہبان تو منظر عام کی عبادت گاہوں میں کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہو گئے اور عرش حکومت پر بیٹھے ہوئے ملوک فرش خاک پر اتر کر عوام کے ساتھ آئے اور ادھر جو لوگ استبداد پسندوں کی غلامی میں پڑے ہوئے دم توڑ رہے تھے ان میں حوصلے پیدا ہوئے اور وہ آزادی حریت کی چمک دمک دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور خود اپنے ہاتھوں سے غلامی کی زنجیریں توڑ کر میدان مساوات میں آگئے اور جو لوگ تمدن کی ظاہری چمک دمک پر فریفتہ رہ کر خالق کے سامنے سر عبودیت جھکانے کا وقت ہی نہیں پاتے تھے وہ اپنی دنیا کے جھرمٹ میں رہ کر بھی دین سے محروم نہ رہے۔

غرض اس سیرت مقدسہ نے مرتی ہوئی دنیا کو سنبھال لیا اور مادیت و روحانیت اور دیانت و سیاست کے صحیح امتزاج سے ایک ایسی مخلوط اور معتدل راہ دکھائی کہ ہر ایک اپنے دائرہ کار میں رہ کر دین اور دنیا دونوں سے بغیر تصادم ہوتے قابل بن گیا۔

بقیہ : جنگ یرموک

بھاگنے کا تماشہ دیکھتے رہے، سچی بات تو یہ ہے کہ غسانی اس دوڑ میں ایک دوسرے سے بڑھ کر نکلے، کوئی سواروں سے ڈر کر بھی اتنا تیز نہیں دوڑا جتنے تیز وہ دوڑے تھے، یوں معلوم ہوتا تھا کہ دوڑ کا مقابلہ ہو رہا ہے۔

کیمپ میں آئے تو حضرت سپہ سالار دیکھ کر خوش ہوئے حضرت خالدؓ نے کہا ہمارے پانچ مجاہد گرفتار ہو چکے ہیں اور ان میں ضرار بن ازورؓ، رافع بن عمیرہؓ، ربیعہؓ بن عامر اور یزید بن ابوسفیانؓ ہیں۔ جو ہمارے مجاہدوں کے سر تاج اور عربوں کی لاج ہیں، کوئی بات نہیں، اب سب کو آرام کرنے کی اجازت دیں خدا نے چاہا تو انہیں رہا کرانے کی کوئی تدبیر ہو جائے گی۔

حضرت خالد نے کہا "میں کیا ہوں، یہ سب خدا کی نصرت ہے، وہی کارساز ہے اور اپنے دین پاک کا نگہبان ہے اور یہ سب اُس کا فضل ہے، میرے ساتھیوں نے وہ تلوار چلائی کہ دشمن کے چھکے چھڑا دیئے، وہ شجاعت دکھائی کہ دشمن بزدل ہو کر بھاگ گیا، بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے، مجھے اپنے شہیدوں پر رشک ہے کہ وہ مجھ سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پہنچ گئے اور میں کوشش کے باوجود پیچھے رہ گیا۔" (بشکریہ "المجاہد")

نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(از حضرت شاکر سیالکوٹی)

"انتخابِ لاجواب"

ہمارے کرم فرما، ملت کے شاعر، الحاج چوہدری احمد الدین صاحب شاکر سیالکوٹی کا منظوم کلام ملک کے جرائد میں مختلف ناموں سے شائع ہوتا رہا۔ نظمِ ذیل حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی خاص پسندیدہ ہے۔ چنیوٹ کی ایک مجلس میں حضرت شاہ صاحب کو دوسرے شعر پر وجد طاری ہو گیا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان شاء اللہ شاکر کی نجات کے لیے یہی کافی ہے کہ اس میں شانِ رسالت، ختمِ نبوت کے عقیدے کا اظہار ہے۔

اے کہ تیرا وجود ہے بزمِ جہاں میں انقلاب — کفر کی ظلمتوں کو ہے تیرا ظہور آفتاب

خاتمِ انبیاء کی شان، وہم و گماں سے ہے بلند — یعنی خدا کا انتخاب، انتخابِ لاجواب

عشق سے دل کو بھر دیا، تیری نظر نے کر دیا — رازِ حیات بے حجاب، لطفِ نجات بے نقاب

موجِ کرم کے لطف سے حسنِ ازل نکھر گیا — آبِ رواں کے جوش سے باقی نہ رہ سکے حباب

تیری شفاعتیں شہا! عام بھی ہیں، مدام بھی — میرے گناہ بے شمار، میرے قصور بے حساب

سجدہ ہو یا نماز ہو، سوز ہو یا گداز ہو — شاکرِ بے نوا ہو گر تیرے حضور باریاب

رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

از

مولانا ابوالکلام آزادؒ

یہ تقریر ۲۷ نومبر ۱۹۳۵ء کو مسلم انسٹی ٹیوٹ کلکتہ میں کی گئی

آپ کو معلوم ہے کہ اس موضوع کی اہمیت، اہمیت کا لفظ کافی نہیں لا انتہائیت کا کیا حال ہے جس وجودِ مقدس کے تذکار کے لیے ہم جمع ہوئے ہیں، تاریخِ انسانیت کی کامل تیرہ صدیاں گزر چکی ہیں اور شاید کوئی انسانی ہستی اس ذاتِ گرامی کے سوا ایسی نہیں گزری جس کے تمام گوشہ ہائے زندگی کا عقلِ انسانی نے اس قدر سراغ لگایا ہو جس قدر اس مقدس و عظیم الشان ہستی کے لیے لگایا جا رہا ہے۔ مگر داستانِ حیات اس ذاتِ گرامی کی ہنوز نامکمل ہے۔ وجودِ مقدس کی حقیقت کا پتہ لگانے کے لیے سمندر کی موجوں کو ایک کوزے میں اور دریاؤں کی روانی کو ایک قطرے میں بند کیا جا سکتا ہے تو شاید ہی اس کا کھوج لگا سکے۔ میں کوشش کروں گا کہ اسی ایک قطرے کے حسن و وصف کے تذکارِ اقدس میں یہ وقت گزارا جائے۔

مطالعۂ سیرت کے طریقے

میں آپ کو جس رُخ پر لے جانا چاہتا ہوں، وہ رُخ کون سا ہے؟ سیرتِ پاک پر نظر ڈالنے کے لیے ایک نہیں بے شمار دروازے ہیں جن کے ذریعے سے اس کی کبریائی کی سراغ رسانی کی جا سکتی ہے۔ لیکن میں کوشش کروں گا کہ کم سے کم اور قریب ترین راستے سے اس کی عظمتوں کا مطالعہ کرا سکوں؛ میں اس امر کی کوشش کروں گا کہ وہ تمام اوصاف و واقعات جو سینکڑوں بار دُہرائے جا چکے ہیں اور جن کو صد ہا بار آپ کے کانوں نے سُنا ہوگا انہیں نظر انداز کر دوں۔ میں کوشش کروں گا کوئی ایسا نقطۂ نگاہ آپ کے سامنے پیش کروں کہ اس کے اعمالِ عظیمہ کو یقینی معیار پر رکھ کر آسانی سے جانچ سکے۔ ایسا معیار ہم اپنی طرف سے بنانا نہیں چاہتے ہمیں دیکھنا ہے کہ قرآنِ حکیم نے کیا کوئی ایسا معیار بیان کیا ہے؟ اور اگر کیا ہے تو اس کے تحت اس کے اعمالِ حسنہ کا کیا حال ہے؟

قرآنی معیار

جب ہم قرآن حکیم کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس وجودِ گرامی اور زندگی مقدس کے لیے بے شمار معیار ملتے ہیں جن کو خود آپ نے بھی سنا ہوگا۔ ہاں! سنا ہوگا لیکن ان کی گہرائیوں تک غور نہ کیا ہوگا۔

اچھا سنو! ان میں سے ایک معیار وہ ہے جو سورۂ انبیاء میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ "اور دیکھو! ہم نے زبور میں تذکیر و نصیحت کے بعد یہ بات لکھ دی تھی کہ زمین کی وراثت انہی بندوں کے حصے میں آئے گی جو نیک ہوں گے۔ اس بات میں ان لوگوں کے لیے جو عبادت گزار ہیں بڑا ہی پیام ہے۔ اور (اے پیغمبرؐ!) ہم نے تجھے نہیں بھیجا ہے مگر اس لیے کہ تمام دنیا کے لیے رحمت کا ظہور ہو۔"

اس آیت میں ایک معیار بتایا گیا ہے ہر معتقد کے لیے جو دیکھ لینا چاہیے اور ہر منکر کے لیے جو پرکھنا چاہیے۔

رحمۃٌ للعالمین

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس وجودِ گرامی کا ظہور کس ماحول میں ہوا اور اس نے کیا نتائج نکالے۔ میں ابھی آپ کے سامنے چند کارنامے اس وجودِ مقدس کے پیش کروں گا فیصلہ خود آپ کے سامنے آجائے گا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ
اس کا ظہور اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ رحمۃ للعالمین! تمام نوعِ انسانی کے لیے رحمت! کسی ایک ٹکڑے، کسی ایک گوشے کے لیے نہیں۔ تمام نوعِ انسانی کے لیے۔ مشرق و مغرب کے لیے۔ اسود و احمر کے لیے کسی خاص قوم کے لیے نہیں، اقوامِ عالم کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ اعلانِ حق ہے۔ قرآن کے اس اعلانِ حق سے آج تک کوئی منکر بھی انکار نہ کر سکا۔ بلکہ تاریخ کے جتنے اوراق اُلٹے گئے۔ اس اعلان کی صداقت و حقانیت واضح بلکہ واضح تر ہوتی گئی اور اس وجودِ گرامی کا رحمۃ للعالمین ہونا ہر اعتبار اور ہر نوعیت سے ثابت و درست ہوتا گیا۔ کسی محقق کی بھی خواہ وہ کتنا ہی مخالف ہو، یہ مجال نہیں ہوئی کہ قرآنِ کریم کے اس معیار کو غلط ثابت کر سکے اور اس وجودِ مقدس کے اعمالِ حسنہ پر کوئی حرف رکھ سکے۔ اس کا ہر عمل بجائے خود دلیل بن کر پکارا کہ "ہاں! میں رحمت ہوں۔"

اگر کسی نوعیت سے یہ رحمت نہ ہو تو پھر رحمت ہوتا کون اور

ہے کیا؟ تاریخ کو کون جھٹلا سکتا ہے؟ کوئی بھی تاریخ اٹھاؤ، تم دیکھو گے کہ ہر امتیاز ہر پرکھ ایک ابھری ہوئی نشانی ہے۔ ہر عمل خیر اور معیارِ رحمت ہے ایسا کہ ہر نظر، ہر نگاہ، ہر دل، ہر دماغ اعتراف تسلیم کرے گا کہ بلا شک و شبہ یہی وجودِ گرامی رحمتِ الٰہی ہے۔

بے کس و مجبور انسان

دوسرا معیار اس ذاتِ اقدس کے رحمۃ للعالمین ہونے کا قرآن حکیم کی ایک دوسری آیت سے ثابت ہوتا ہے جو سورۂ اعراف میں ملتی ہے۔

" جو اس رسول کی پیروی کریں گے کہ نبی امّی ہوگا اور اس کے ظہور کی خبر اپنے یہاں تورات اور انجیل میں لکھی پائیں گے۔ وہ انہیں نیکی کا حکم دے گا، برائی سے روکے گا۔ پسندیدہ چیزیں حلال کرے گا۔ گندی چیزیں حرام ٹھیرائے گا۔ اس بوجھ سے نجات دلائے گا جس کے تلے دبے ہوں گے اور ان پھندوں سے نکالے گا جن میں وہ گرفتار ہوں گے۔"

" وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ "

اس آیت کا مقصد و نتیجہ کیا ہے۔ پہلے تم کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ "اصر" کے معنی کیا ہیں؟ عربی میں "اصر" کے معنی بوجھ کے ہیں معمولی قسم کا بوجھ نہیں، بلکہ ایسا ناقابلِ برداشت بارِ شدید جو کسی کو تہہ کر دے۔ اکثر آپ نے دیکھا ہوگا کہ کوئی شخص سر پر بوجھ اٹھائے چلا جا رہا ہے لیکن شدتِ بار سے اس کی کمر جھکتی چلی جا رہی ہے۔ خم ہوئی جاتی ہے ــــ اس طرح کی حالت کو عربی زبان میں "اصر" کہتے ہیں ــــ "اغلال" ــــ اغلال کے معنی ہیں محنت و مشقت میں مبتلا۔ مفہومِ عام میں جکڑ بند رہنا طرح طرح کے شدائد اور سختیوں میں، مصائب و آلام میں محصور اور قسم قسم کے دام بیڑیاں، پھندے جن میں انسان قید و بند میں مبتلا رہے۔

غور کرو! قبل ظہورِ اسلام کیا اقوامِ عالم کی بالکل یہی حالت نہ تھی؟ تاریخ کے اوراق سے پوچھو کیا وہ انہی آلام و مصائب کا علی الاعلان ثبوت پیش نہیں کر رہے؟ قبلِ بعثت کیا انسانی گردنوں میں طرح طرح کے پھندے ان کے پاؤں میں قسم قسم کی بیڑیاں نہیں پڑی ہوئی تھیں؟ نسلِ انسانی کیا رنگ رنگ کی جکڑبندیوں میں جکڑی ہوئی نہ تھی؟ ایسی کہ ان کی کمریں دو تہہ ہوئی جاتی تھیں اور اس وقت انسانی کاندھوں پر جو بوجھ لدے ہوئے تھے کیا انھوں نے ان کی زندگی کو تلخ نہیں بنا ڈالا تھا؟ قانون کے جو پھندے ان کی گردنوں میں مذہبی آستانوں کے جو حلقے ان کے جسموں سے پٹے ہوئے تھے، کیا ان سے ان کی جسمانی و روحانی تسکین پامال نہیں ہو رہی تھی؟ ہاں ایسا ہی تھا۔ اس وقت کی صدہا اقسام کی مذہبی و قانونی جکڑبندیاں ایک لعنت بن کر نسلِ انسانی و نوعِ بشری کے ساتھ چپک گئی تھیں اور انسانوں کے ساتھ انسانیت کا بھی خون ہو رہا تھا اور یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا، مستشرقینِ یورپ کی تحقیق اور تاریخ کے اوراق بھی یہی کہتے ہیں۔

ظہورِ نبویؐ اور نویدِ امن

عین اسی عالمِ یاس و آہ میں سرزمینِ مکہ سے ایک آواز بلند ہوتی ہے جو طالبانِ نجات کے لیے وجہِ نجات ثابت ہوتی ہے۔ یہ اعلان کوئی معمولی اعلان نہیں تھا۔ کیا اعلان؟ اعلان کہ ایک ہستی آئی ہے۔ کیوں آئی ہے؟ کرۂ ارض پر بسنے والی نوعِ انسانی کے لیے جس کی گردنوں میں ظالمانہ قانون کے پھندے اور پاؤں میں بے رحمانہ احکام کی بیڑیاں، کندھوں پر مصائب و آلام کے اور مشقت و مصیبت کے ناقابلِ برداشت بوجھ لدے ہوئے ہیں۔ پیغامِ آزادی لے کر، ہر اس کمر کے لیے جو بوجھ سے دوتہہ اور ہر اس گردن کے لیے جو طرح طرح کی ظالمانہ پابندیوں میں جکڑی ہوئی ہے۔ نویدِ امن لے کر آئی ہے۔

تاریخ کی شہادت

یہ دو معیارِ تفتیش ہیں جن کو لے کر میں بحث و نظر کے میدان میں آتا ہوں۔ حسنِ اعتقاد کے ساتھ نہیں، تحقیق و تدقیق کے اصول پر۔ اپنا نظریہ نہیں۔ تاریخ کا بے رحمانہ فیصلہ، بے لاگ فیصلہ، وہ تاریخ جو کبھی کسی سامنے جھک نہ سکے جس کو دنیا کی کوئی دولت خرید نہ سکے، جس کو دنیا کی کوئی طاقت مٹا نہ سکے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس تاریخ کا فیصلہ کیا ہے؟ وہ فیصلہ جو حقیقت و تفصیل کی بنیاد پر ہو، وہ فیصلہ نہیں جو اعتقاد و تاویل کی بناء پر ہو۔

پس اس سلسلے میں تمہارے سامنے دو معیاری چیزیں آئی ہیں۔

نمبر ۱۔ تمام کرۂ ارض کے لیے رحمت۔

نمبر ۲۔ وہ تمام بوجھ جس سے نوعِ انسانی کو جکڑ بند کر دیا گیا تھا اس سے نجات۔

یہ دو بنیادیں یا قرآن کی بولی میں دو معیار ہاتھ آ گئے۔ دو کسوٹیاں مل گئیں۔ ہم دیکھیں گے کہ بے رحم تاریخ کا اس معیار اور کسوٹی کے مطابق کیا فیصلہ ہے؟ سیلابِ ہستی میں چند حبابوں سے زیادہ حقیقت نہیں۔ اگر ہم اپنے جذبات، اعتبار، پرستش و اعتقاد کو کام میں لائیں۔ بلکہ ہمیں حقیقت اور صرف حقیقت کی رو سے معاملے کی چھان بین کرنی ہے۔ تاریخ کا یہ ایک کھلا ہوا باب ہے اور عریاں حقیقت ہے کہ قرآن حکیم نے چند لفظوں میں جو نقشہ کھینچ دیا ہے، ساتویں صدی عیسوی میں نسلِ انسانی کا ہو بہو وہی نقشہ، وہی زبوں اور وہی حالتِ زار تھی۔ شاہانہ اقتدار بے جا اور قانونِ وقت نے نوعِ انسانی کو بے طرح جکڑ بند کر دیا تھا۔ تو میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ اس کے ثبوت کے لیے تمہیں بہت دور اور تاویلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ صرف تاریخ کے چند اوراق کی ورق گردانی کے بعد ہی تمہارے سامنے اس وقت کا پورا نقشہ آ جائے گا اور ان جگر خراش واقعات کی صورت پر بھروسہ کرتے ہوئے حیاتِ جناب محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے، ساتھ اس کا مقابلہ کرو تو تمہارے سامنے امن و راحت کی جو تصویر آئے گی کیا اس

پر تہمت کے سوا کسی دوسری چیز کا اطلاق ہو سکتا ہے؟ نوعِ انسانی کی دونوں حالتیں جب موازنے کے لیے ترازو کے دو پلڑوں میں رکھی جائیں تو پھر ہم تاریخ کا دروازہ کھٹکھٹائیں، اس سے پوچھیں کہ حقیقت کیا ہے؟ انصاف کیا کہتا ہے؟ اس وقت اقوامِ عالم کا کیا حال تھا؟ ظہورِ اسلام کے بعد صورتِ معاملہ کیا ہے؟

دورِ شہنشاہیت

تاریخ کا ناطق فیصلہ خود حقیقت بتا دے گا۔ یہ کوئی پیچیدہ راز نہیں ابھری ہوئی خصوصیت ہے۔ جب دعوتِ اسلام کی نمود ہوئی، اس وقت امم عالم کا کیا حال تھا؟ انھوں نے تمدن کی کیا بنیاد رکھی تھی؟ کس نے رکھی تھی؟ جواب صاف ہے کہ وہ لطینی قوم تھی۔ اس کا تمدن اقوامِ عالم پر چھایا ہوا تھا۔ رومی تمدن ترقی پذیر تھا۔ قدیم یونانی ضوابط و قوانین، رسم و رواج۔ اور تمدن و معاشرت کا دور دورہ تھا اور تمام اقوامِ عالم کا یہ حال تھا کہ آسمانی حکومت کا خاتمہ تک برباد کر رکھا تھا۔ نام نہاد قیصر تو تھا مگر حقیقت میں قیصر کا سایہ تک نہ تھا مسیحی مذہب انتہائی عروج تک پہنچ چکا تھا۔ بجائے اس کے کہ عیسائیوں کی حکومت حق و صداقت کی سلطنت ہوتی، شہنشاہی مذہب ہو چکا تھا۔ ساتویں صدی عیسوی میں جب کہ عیسوی مصلحین کا ظہور ہوا تھا اخوت، ایثارِ نفس، ہمدردی کے بجائے تمام و کمال جابرانہ نظام نافذ تھا۔ عقل و فہم اور ادراک کا نام لینا ان کی مجلسِ ملی کے سامنے کفر تھا بلکہ صرف مختلف آسیب زدہ روحوں کی شہادت پر تمام معاملاتِ ملی و مذہبی کا فیصلہ کیا جاتا اور جب یہ فیصلہ کرنا ہوتا تھا کہ سچائی کیا ہے تو تمام تحقیقات کا دارومدار آسیب زدہ انسان کی شہادت پر تھا۔ وہ اعلان کرتا تھا کہ فلاں گروہ کے ساتھ سچائی ہے۔ بس وہی فیصلہ، فیصلۂ ناطق تھا جو ان کی مجلس ملی کے اعلان کی صورت میں نافذ ہو جاتا تھا۔

پاپائیت اور عقلِ انسانی کی مہجوری

پھر جب قیصریت کا رتبہ پوپ کو حاصل ہوا تو اس وقت سچائی کی شناخت کا معیار کیا قرار پایا؟ مختلف قسم کی جسمانی سزائیں، عقوبتیں اور اذیتیں اگر کسی فرد یا جماعت نے سچائی کا دعویٰ کیا، پارلیمنٹ نے آزمائش کا معیار کیا منتخب کیا؟ کبھی لوہے کو آگ میں تپایا اور اس کے جسم داغے گئے۔ اس شدید عذاب اذیت سے اکثر جاں بحق ہو گئے۔ اگر کوئی بچ رہا تو قید کی کڑیاں جھیلنے کو جیلوں کی کوٹھڑیاں آباد کرنے کو۔ یہی معیار اور کیا تھا؟ دریا میں ڈبو دیا جاتا تھا۔ ہاتھ پاؤں باندھ کر، کبھی بند بکسوں اور بوروں میں تنہا، کبھی وزن کے لیے پتھروں کے ساتھ۔ یہ اور اسی قسم کے اور صدہا اور ہزارہا ظالمانہ طریقے تھے ان کے معیارِ شناخت کے۔ بہرحال جس نے اقانیم ثلاثہ سے انکار کیا یا توحید کی دعوت دی، فیصلہ ہوا کہ سچائی کے دعوے کو جانچا جائے لیکن کس طرح؟ آگ اور پانی کے ذریعے۔ نہ عقل، نہ ادراک، نہ تبصرہ

بس آگ اور پانی۔ یہ تھے آسیب زدہ انسان کے فیصلے کے مطابق سچائی کے معیار، ان میں سے جو نہ جلتا، یا نہ ڈوبتا یا ڈوب کر ابھر آتا، اس کے حق پر ہونے کی مہر لگ جاتی۔ عقلِ انسانی کسی گوشے میں بھی کارگر نہ تھی۔

سرچشمۂ ضلالت

پس بتاؤ کیا خدا کی مخلوق انہی شدائد و مصائب کے لیے پیدا ہوئی تھی؟ کیا کوئی عقل ایک لمحے کے لیے تسلیم کر سکتی ہے کہ مذہب اور توحید کی سچائی کی جانچ کے لیے یہ معیار صحیح ہے؟ اگر نہیں تو ہرگز نہیں۔ تو پھر کیا قرآن کی بولی میں یہ عَذَابِ اَلِیْم اور محن و مصائب، زنجیریں اور بوجھ نہ تھے جو مسیحی نظامِ حکومت نے نوعِ انسانی کے پاؤں میں اور گردنوں پر ڈال رکھے تھے؟ تاریخ کے اوراق پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالو۔ ساتویں صدی عیسوی کے نظامِ سلطنت کو پڑھ جاؤ۔ تمہیں ان کے مذہبی اعمال و عقائد کی کیفیت، ان کے اوہام و ظنون کی داستان، ان کی وحشت و بربریت، درشتگی و درندگی کا حال معلوم ہو جائے گا۔ میں نے تو صرف ایک اشارہ کر دیا ہے۔ کتاب اللہ، اناجیل جس کی بنیاد وحیٔ الٰہی پر تھی، باقی نہ رکھی گئی۔ بلکہ چند انسانوں کے ہاتھ کی ایک تصنیف و تالیف ہو کر رہ گئی جو ہر وقت ہر لمحہ ذاتی و نفسیاتی ضروریات کے لیے تبدیل و تحریف کی جا سکتی تھی۔ پوپ جو پطرس کا جانشین تسلیم کر لیا گیا تھا، چرچ اور تختِ روما کا مالک تھا اور اناجیلِ مقدس کی کتر بیونت کا بااختیار حاکم۔

ضلالتِ عیسائیت کا سرچشمہ کون تھا کیا کتاب اللہ؟ نہیں۔ کیا عقل و فہم؟ نہیں۔ پھر کیا تھا؟ چند انسانوں کا غلط فیصلہ جو نفس و جنون کے زیرِ اثر نافذ ہوتا تھا۔ دلیل و اجتہاد سے معرا فیصلہ۔ یہ بات سننے میں اتنی ہلکی معلوم ہوتی ہے اور آپ کے چہروں کے مشاہدے سے میں اس نتیجے پر پہنچ رہا ہوں کہ آپ نے بھی اس کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ غور کرو میں نے کتنی عظیم حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا آپ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

وہ انسان جن کی عقل کے دروازے پر قفل لگ گیا اور جن کی قوتِ ادراک نابود ہو گئی۔ طرح طرح کی توہماتِ نفسی کا شکار ہو گئے۔ آسیب زدگی ان کے ہر ہر قدم، ہر ہر فعل و قول سے واضح ہے۔ کیا وہ اس قابل ہیں کہ عقولِ انسانی ان کے سامنے جھک جائیں؟ اور اگر جھکیں ان کے سامنے جھک جائیں تو کیا ممکن ہے کہ عقولِ انسانی ایک لمحے کے لیے ترقی و نشو و نما پا سکتی ہیں؟ نہیں۔ ہرگز نہیں....

یہی حال تھا جب کہ قوانینِ الٰہی و شریعتِ نبوی مٹا ڈالی گئی تھی۔ اغراض و ہوائے نفس کا دور دورہ تھا۔ پس غور کرو جب عقل بالکل بے کار کر دی جائے، جب کتاب اللہ میں تحریف کر کے انصاف کے دروازے بند کر دیے جائیں، جب معیارِ حق و صداقت چند آسیب زدہ انسانوں کے نفس پرورانہ فیصلے ہوں تو نتیجہ کیا ہوگا؟

یہی حقیقت تھی چرچ روما کی۔ ایک آسیب زدہ انسان کے ہاتھ میں سررشتۂ حکم آگیا تھا اور نظامِ سلطنت فطری آزادیوں پر نہیں ظالمانہ قوانین پر تھا۔ جب تم نے یہ اصل تسلیم کرلی تو نتیجہ نکال لوگے کہ ہر قسم کا ذہنی ارتقاء، عقلی نشوونما یکسر ویک قلم رک گئی تھی۔ یقیناً افرادِ انسان کی ترقی رک گئی تھی۔ کیوں؟ تمام دینی و دنیوی معاملات کا دار و مدار چند انسانوں اور پوپ، ماوراء الدماغ پوپ پر تھا۔ یہود و نصاریٰ سب کے سب یکساں گمراہی میں مبتلا تھے۔

یہ تھا مسیحی نظامِ مذہب کا حال جس نے نسلِ انسانی کی عقلی ترقی اور رشد و ہدایت کو یکسر روک دیا تھا۔ ضروری نہ رہا تھا کہ یہ دیکھا جائے کہ انجیل کا کیا مطلب ہے۔ اس کے سمجھنے یا اس کے فیصلے کا اختیار پوپ یا اس کی مجلس کو تھا۔ اپنی عقل کو تج کر، کتاب اللہ سے منہ موڑ کر، انسان چند انسانوں کے ہاتھ میں جکڑ بند ہوگیا تھا۔ پوپ کی طرف سے احکام نافذ ہوا کرتے تھے کہ ہر انسان بطورِ خود معاملاتِ شرع میں غور و فکر کرنے کے لیے نہیں بلکہ یہ کام چرچ کا ہے۔ عوام کو اسی کے تابع رہنا چاہیے اور یہی ہے وہ حقیقت جو آج بھی یورپ میں بطورِ اصل کام کر رہی ہے۔ عقولِ انسانی کو معطل کرکے اس کا فرمان یہ تھا کہ جس کو میں حلال کروں وہ حلال اور جس کو میں حرام کروں وہ حرام۔ یہی تھی اور ہے وہ بنیادی خرابی جو نسلِ انسانی کی ترقیاتِ ذہن و عقل کو کھائے جا رہی تھی۔ اور ان کے نشوونما کی جڑوں کو کھوکھلی کرچکی تھی۔ اور اس کی طرف قرآن حکیم نے أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ والی آیت میں اشارہ کیا ہے: "ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے علماء و مشائخ کو اپنا پروردگار بنالیا۔" یہ اعجاز و بلاغتِ قرآن ہے کہ بڑے بڑے اہم واقعات حالات کو مختصر و جامع الفاظ میں بیان کرکے وقت کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔

مسیحی دنیا کے نام اسلام کا پیغام

کوئی غیر طرفدار مؤرخ ہو، آئے، اور جانچے کیا سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا وہ ارشاد جو اس وقت کی حالت کا نقشہ کھینچ رہا ہے۔ "وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ" کی صداقت سے انکار کرسکے گا! اسی قدر نہیں قرآن نے جابجا اس طرف اشارہ کیا ہے۔ یمن کے بشپ بطریق کی معرفت مسیحی دنیا کو جو پیغام دیا تھا، کیا تھا؟ تم نے اگر قرآن کھول کر پڑھا ہوگا اور ساتھ ہی غور کرنے کی تکلیف بھی کی ہوگی تو سورہ آلِ عمران میں اس آیت کو پایا ہوگا:

"اے پیغمبر! تم (یہود و نصاریٰ سے) کہہ دو کہ اے اہلِ کتاب (اختلاف و نزاع کی ساری باتیں چھوڑ دو اور) اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے دونوں کے لیے یکساں مسلّم ہے یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ کسی کی ہستی کو اس کا شریک نہ ٹھیرائیں ہم میں سے ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرے گویا خدا کو چھوڑ کر اسے اپنا پروردگار بنالیا ہے۔"

یہود و نصاریٰ دونوں جماعتوں سے خطاب ہے۔ طلب کسی اور چیز کی نہیں ہے۔ دنیاوی امداد اور نہ ذات کے فائدے کے لیے۔ بلکہ مطالبہ ہے اشتراکِ عقیدہ کے لیے۔ توحید پر اتفاق کے لیے یعنی أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ اللہ کی چوکھٹ کے سوا کسی انسانی بارگاہ پر خواہ وہ ظاہری ٹھاٹھ میں کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو، عبادت کی پیشانی نہ جھکائیں۔ دوسرے لَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا عقیدتاً بھی باطن میں بھی اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ گویا ظاہر ہو تب، باطن ہو تب؛ دونوں حالتوں میں اس کی عظمت اسی کی کبریائی، اسی کی الوہیت کے سامنے نیاز کا سر یا اعتراف کا قلب جھکے اور تمام خودساختہ و باطل معبودوں اور مدعیانِ جبروت طاقتوں کو ٹھکرا دیا جائے۔ خواہ یہ آواز چرچوں سے بلند کی جائے یا تختِ ہائے شہنشاہی سے اور یہ کہ اللہ کے سوا کسی اور کو معبود نہ بنائیں وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ۔

قرآن کی بولی میں رب بنا لینے کا مطلب کیا ہے؟ میں خود نہیں اللہ کے رسولؐ نے اس کا جو مطلب بیان فرمایا ہے اور اس سے جو مراد لی ہے، میں ہی تمہیں بتاؤں گا۔ عدیؓ بن حاتم کی روایت ہے، جو پہلے عیسائی تھے، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شام کے عیسائیوں کے وفد کے ساتھ میں بھی حاضرِ خدمت ہوا۔ حضورؐ کے اعتراض پر میں نے عرض کیا کہ یہ بات تو ٹھیک نہیں ہے کہ ہم پادریوں اور راہبوں کو رب بنا لیتے ہیں۔ فرمایا: "کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ جس چیز کو اللہ نے تم پر حلال کیا ہے تمہارے احبار و رہبان نے اپنے نفس کی خاطر اس کو حرام کردیا ہے اور جس چیز کو اللہ نے تم پر حرام ٹھیرایا تھا انھوں نے اپنی لذتِ چشم و جسم کے لیے حلال کرلیا ہے اور اللہ کے ٹھیرائے ہوئے قانونِ حلال و حرام کو بدل ڈالا ہے؟"

عدیؓ نے کہا: "ہاں! یہ ٹھیک ہے۔" فرمایا: "بس یہی مطلب رب بنا لینے کا ہے۔ ناقص کو کامل سمجھ کر اختیار کرلیا ہے اور یہ اس لیے کہ جو اوصاف ہیں اللہ کے لیے خاص رکھنے چاہئیں تھے، وہ انسانی عقل کے ہاتھ میں تسلیم کرلیے گئے۔ ذرا غور تو کرو کیا یہ چیز خود نیچر کے بھی صاف و صریح خلاف نہیں ہے؟ اچھا یہ تمام تصرفات جو تم نے دینِ الٰہی میں کر لیے ہیں۔ کیا اس کی دلیل بھی تمہارے پاس ہے؟ اللہ کے کسی کلام میں، کسی نوشتۂ وحی میں، کسی پیغمبر کی تعلیم میں، رسولوں کی تبلیغ میں، کہیں سے بھی کوئی دلیل ہمیں دکھاؤ کہ چرچ کے اربابِ اختیار نے احکامِ الٰہی کو نہیں بدلا اور وہ ان پر بے چون و چرا عمل کر رہے ہیں۔ مگر تم نہیں دکھا سکتے بلکہ اس کے برخلاف ہزاروں سند و دلیل بتائی جاسکتی ہیں کہ پوپ اور دوسرے احبار و رہبان أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ کے زعمِ باطل میں نت نئے قانون، فطرت اور حکمِ الٰہی کے خلاف وضع کرتے اور امت پر مسلط کرتے رہے ہیں۔ مگر سردست میں ان گوشوں میں نہیں جاؤں گا۔

یورپ کی نشأۃِ ثانیہ

بہرحال چند قدم اور آگے بڑھیے۔ بہت جلد نتیجہ سامنے آجائے گا۔ مورخین ازمنۂ وسطیٰ کہتے ہیں کہ سولہویں صدی عیسوی اصلاحاتِ چرچ کا اور ابنِ علم و تغیرِ معتقدات کا زمانہ ہے جس میں پوپ، شاہ اور عوام کے لیے قوانین نافذ ہوئے اور اس دَور کو نشأۃ ثانیہ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسے موجودہ دَور سے بہتر کہتے ہیں لیکن یہ تاریخ کی دہرائی ہوئی اور پامال حقیقت ہے اور جسے میں واقعات تفاصیل کے ساتھ دہرانے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ تم کالج کے طالب علم ہو تو تمہارے سامنے لائبریری کی کتابیں موجود رہتی ہیں۔ کسی ایک تاریخ کو اٹھا کر دیکھو کیا اس میں مندرج واقعات و حقائق اس کی تائید کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ خونریزی کے حوادث، ظلم کی کہانیوں اور ستم رانیوں کے احوال سے ہر تاریخ بھری پڑی ہے۔ پوپ اور چرچ نے جتنے ستم یہودیوں اور عام باشندگانِ ملک پر اس وقت توڑے، شاید ہی کسی زمانے میں ایسا ظلم و ستم ہوا ہو۔ اور یہ سب مذہب اور اصلاحِ عقیدہ کے نام پر ہوا۔ اور میں بے سند و دلیل نہیں کہتا بلکہ یہ مورخین یورپ کے قلم کے بکھرے ہوئے حقائق ہیں۔

کلیسا کا مصلح

غور کرو سب سے پہلی دستک کون سی تھی جو یورپ کے سامنے علم و عقل نے اصلاحِ کلیسا یا چرچ ریفارم کے نام سے دی۔ سولہویں صدی عیسوی میں اس بارے میں لوتھر کی پہلی آواز تھی جو اس بارے میں اٹھی۔ تمام مورخ متفق ہیں کہ عمل و علم کی راہ میں لوتھر کی آواز پہلی روشنی تھی جو کلیسا کی سیاہ کاریوں، ستم رانیوں کے بالمقابل عوام کے سامنے آئی لیکن دیکھو کہ اس تعلیم کا ماحصل کیا ہے؟ لوتھر نے للکارا: دین کی تعلیم کے بارے میں چرچ کا رویہ غلط ہے۔ اس کو خلش پیدا ہوئی کہ حق کا معیار اور سچائی کا راستہ کون سا ہو سکتا ہے؟ کتاب اللہ یا پوپ کی ذاتی رائے اور اس کے احکام؟

دراصل اس کی ابتداء یوں ہوتی ہے کہ پوپ نے مغفرت کے پروانے دینے شروع کر دیے یعنی جتنی معصیت کریں، کوئی فکر نہیں۔ جتنا بھی کوئی فسق و فجور، عیش پرستی، نفس پروری کرنا چاہے کرے۔ پوپ سے مغفرت کے پروانے نقد قیمت سے خرید لے اور نارِ عقبیٰ سے آزاد ہو جائے۔ مغفرت کے پروانے کی نقد تجارت اتنی بڑی اور بڑھی ہوئی تھی اور یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہیں بلکہ امرِ واقعہ ہے کہ تمام گوشہ ہائے ملک میں باقاعدہ پوپ کے ایجنٹ پھیل گئے تھے۔ اور انہیں پوپ کے پروانے کے تحت ہر قسم کے سیاہ و سفید کا اختیار رہتا۔ نظامِ عالم یکسر درہم برہم ہو گیا تھا۔ احکام و قوانینِ الٰہی پس پشت ڈال دیے گئے تھے۔ کلیسا کے اربابِ حل و عقد، بسط و کشاد اپنی من مانی کارروائیوں کا ایک جال تمام ملک میں بچھائے ہوئے تھے اور دادِ عیش دے رہے تھے۔ ان کے خودساختہ قوانین نے ایک اصولی شکل اختیار کر لی تھی جن کی پابندی ہر متنفس کے لیے لازمی تھی۔ لوتھر نے اس کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ بحث و مناظرہ کی نوبت پہنچی۔ اربابِ کلیسا کے شکنجے میں آگے ہوتے لوگوں نے جن کی تعداد قلیل تھی، لوتھر کا ساتھ دیا۔ مگر اس طرح کہ خوف و ہراس سے ان کا برا حال تھا۔ خوف بھی ان کا جو زمین پر مظہرِ خدا ہونے کے مدعی تھے، اختیارِ کُل کے مالک تھے۔ پھر ان کے کارپردازان کا، پھر ان کے متبعین کا، بدقسمتی سے جن کی تعداد شمار سے خارج تھی۔

بہرحال بحث یہ تھی کہ احکام کس کے قابلِ قبول ہیں چرچ کے یا انجیل کے؟ لوتھر نے کہا: نہیں ہم اللہ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کے مکلف ہیں۔ ایمان یہی ہے۔ خدا اور رسول کے مان لینے کے معنی یہی ہیں کہ کسی انسانی رائے کو خواہ وہ انسان کتنا ہی عظیم المرتبت کیوں نہ ہو، اگر صاحبِ وحی نہیں ہے تو اس کا کوئی درجہ ماننے کے لیے تیار نہیں۔ ہمارا اعتقاد اللہ اور اللہ کی کتاب پر ہے اور یہ عقل ہونا بھی چاہیے۔ کلیسا اور کلیسا پرستوں میں ایک جلسۂ عام کے اندر لوتھر کی یہ تقریر آگ کا کام کر گئی۔ طے کر لیا گیا کہ اس نئی دعوتِ اصلاح کو پامال کرنا چاہیے۔ خون بہا اور بے شمار کلیسائی تلواریں کھنچ گئیں اور ادنیٰ اشتباہ پر زندگی موت میں تبدیل ہو گئی۔ سر قلم ہوئے، گھر کے گھر برباد کر دیے گئے۔ بستیوں کی بستیاں ویران کر دی گئیں۔ تاہم تاریخ کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اربابِ کلیسا کے ظلم و جبر کے باوجود مصلح لوتھر کی دعوت پامال نہ کی جا سکی۔ مخالفت و شرارت کے باوجود یہ صدا اٹھی، بلند ہوئی اور پھیلی۔ تاآنکہ نصف مسیحی دنیا پر چھا گئی۔

ساتویں صدی عیسوی کا عہدِ سعادت

لیکن سوال سولہویں صدی کا نہیں، ساتویں صدی عیسوی کا ہے۔ جبکہ وہ اصلاح و دعوت ہی فنا ہو گئی تھی۔ شہنشاہ لوئی اور ایڈرین (ADRIAN) نے کلیسا کے اختیار میں سب کچھ دے دیا تھا اور ہر طرف پوپ چرچ کا دَور دَورہ تھا۔ ظلم و شرارت، طغیانی و سرکشی اپنی ہولناکیوں اور ہوس ناکیوں کے ساتھ پھیلی پڑی تھی کہ ناگاہ صحرائے عرب کے دامن سے ایک مصلح کی آواز بلند ہوئی۔ یہ پکار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صدا تھی: "اے اہلِ کتاب! آؤ کلمۂ حق کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔"

دراصل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صدا جو اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے ساتھ بلند ہوئی تھی، رافتِ نبوی اور رحمتِ الٰہی کا عام اعلان تھا۔ بے چین و مضطر دنیا کے لیے ایک پیامِ امن تھا۔ اشرار کے لیے ایک طبلِ جنگ تھا۔ مسیحی دنیا میں ایک برگزیدہ کی دعا اور دوسرے مقرب کی بشارت کے ظہور کی نشانی تھی۔ قبولِ عام بڑھ بڑھ کر قدم لیتی ہے۔ حقانیت و سچائی کے متلاشی جوق در جوق آتے ہیں۔ تسکین و تشفی ہوتی ہے۔ خیالات میں، معتقدات میں تبدیلی ہوتی ہے۔ سعید ارواح پرچمِ نبوی کے نیچے جمع ہوتی چلی جاتی ہیں۔ یَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا کی شان متشکل

ہوتی ہے۔ ذاتِ نبویؐ کا ظہور، قرآن کا نزول، ان کے جلووں کی تابانی سے مشرق سے مغرب، شمال سے جنوب، کوہ و صحرا دشت و جبل منور ہو رہے ہیں عجب ساعت ہے عجب عہدِ سعادت ہے۔ عجب خیر و برکت ہے اور امن امان کا دَور دورہ ہے۔ جان محفوظ، مال محفوظ، عزت محفوظ، آبرو محفوظ

تاریخِ عالم کی مسلّمہ حقیقت

خون خوار و باطل پرست یا سایۂ رحمت میں آ گئے یا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرفِ غلط کی طرح مٹ گئے۔ امن و آسائش کی بسائی ہوئی یہ نئی دنیا جس ذات کی رہینِ منت ہے اس کا نام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ و تنہا یہ نہیں کہتا اور اپنی طرف سے نہیں کہتا تاریخ عالم کی اور بے بہرہ تاریخِ عالم کی مسلّم و معتدد حقیقت بیان کرتا ہوں۔ جس کو بیگانوں اور اغیار نے بھی مانا اور تسلیم کیا ہے۔

ایک گوشہ اس سلسلے میں تاریخ کا اور آپ کے سامنے بے نقاب کر دوں کہ موجودہ مسیحی دنیا انجیل کو اور موسائی تورات کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سبب ہے نوعِ انسانی کے تہذیب و تمدن اور امن و امان سے آشنا بنانے کا حالانکہ ان کے اپنوں تک کی تاریخ ان کے اس قول کی تصدیق نہیں کرتی جس کا ایک نمونہ میں اوپر بیان کر آیا ہوں۔ مزید توضیح کا نہ حلیہ حامل ہے، نہ وقت مقتضی نہ میری صحت کی اجازت، اور حقیقت یہ ہے کہ تاریخ کے افق پر بجز دستِ محمدی کے کوئی دوسرا ہاتھ نہیں۔

قدیم ہندوستان

جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے، ہندوستان ایک قدیم تمدن کا گہوارہ ملک ہے۔ اس کی تمدن و تہذیب کی اولیت و عروج تاریخ عالم کے نزدیک تمام ممالک آباد و سطحِ ارضی سے ممتاز اور سابقون الاولون میں شمار ہوتا ہے تاریخ سے اس کے عہدِ اول پر جو روشنی پڑتی ہے اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ برہمنی رسم و رواج وہ طریقِ حکمرانی تھا کہ جس کا نظم و نسق اور عزل و نصب برہمن مدبرین اور پیشواؤں کے ہاتھ میں رہا۔ اس تہذیب و تمدن کے آثار اب بھی بعض مقامات سے ظاہر ہیں۔ بعض کتابوں میں درج ہیں اور متعدد زبانوں پر جاری۔ برہمنی تہذیب کو جب زوال آیا تو گوتم بدھ کی تعلیمات اور اس کا مذہب ملک کے مذہب پر غالب آیا اور تمام ہندوستان میں پھیل گیا۔ ابھی یہ تعلیم و تہذیب اپنے پاؤں مضبوط نہ کر سکی تھی کہ پھر انقلاب ہوا۔ گشت و خون کا بازار اور دار و گیر رسن و زنجیر کی ہنگامہ آرائی مدت تک رہی۔ بالآخر یہ بلوہ ایک نئے مذہب و نئی تہذیب کے جنم پر منتج ہوا جو برہمنی دور کی ایک ترقی یافتہ تحریک تھی۔ یہ تحریک شنکر اچاریہ کی تحریک تھی اور اس کا ظہور دکن میں ساتویں سنہ عیسوی میں ٹھیک اس وقت ہوا جو اسلام کے ظہور کا زمانہ تھا۔

اس تعلیم نے بھی برہمنی قوانین کے مطابق تقسیم ذات کو تسلیم کر لیا اور

انسانی لوں تقسیم پر جو بالکل غیر فطری و غیر قدرتی تقسیم تھی اقوام و افراد میں تفوق کا مردہ تخیل پھر عود کر آیا۔ نسلی امتیاز، اصلی اور عملی اعزاز بے اصل و بے بنیاد ہو گیا۔ حالانکہ شرف و خصوصیت عمل پر موقوف ہے۔ نسل وغیرہ نسل کوئی چیز نہیں۔ برخلاف اس کے اسلام نے اعلان کیا ہے کہ جسمانی و روحانی ارتقاء و عروج عمل پر منحصر ہے۔ نسل کی کوئی گنتی نہیں۔ عمل میں جو شخص یا جماعت جتنی پاکباز ہے اس کا درجہ بھی اتنا ہی بلند ہے اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ میں اس کی طرف اشارہ ہے اور اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اس پر ایک مہرِ تصدیق۔

بہرحال فطری حقیقت کے خلاف اس تعلیم نے ذات پات (CASTE SYSTEM) کو اپنے یہاں تسلیم کیا اور بنیادی عقیدے کے طور پر اسے داخلِ مذہب کیا تفریقِ نسل و تقسیمِ ذات جس نے اب غلو کر کے عصبیت کا درجہ لے لیا ہے۔ غیر نسل سے نفرت، افتراق و انشقاق پر منتج ہوئی ہے۔ وہ ابتدا پیشوں کی تقسیم اور عمل کی بنا پر ممکن ہے کہ پیدا ہوئی ہو۔ ایک عمل لڑائی کا۔ ایک عمل تجارت کا ایک عمل نچلے کاموں کا۔ یہ تقسیم گویا ایک بہت زیادہ گہری اعتقادی نیت پر تھی۔ حالانکہ دنیا نے کبھی اپنے اصول، بنیادی امور کے لیے بھی نہیں وضع کیے۔ مذہب تو ایک بالاتر اعتقادی اور روحانی چیز تھی۔ پھر ان کی ایک ایسی جماعت بھی پیدا ہوئی جس نے معاشرتی و دینی اصلاح کے سلسلے میں تناسخ کا عقیدہ قائم کیا۔

عقیدۂ تناسخ

تناسخ کیا ہے؟ بار بار آنے کا عقیدہ۔ کیوں اور کس طرح؟ اپنے کرم کے اعتبار سے عذاب کے طور پر انسان جنموں میں جن میں حیوانات اور نجس و ناپاک جانور بھی شامل ہیں، مرنے کے بعد اس کی روح منتقل ہوتی ہے۔ عذاب و ثواب کے بارے میں یہاں کی بنیادی اینٹ تھی۔ کرم اچھے ہوتے ہیں تو کسی اچھے جنم کے لیے اچھا جانور منتخب ہوتا ہے۔ بلحاظ عہدہ جو خاندان اونچا ہے اس میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ راجہ ہو سکتا ہے۔ برہمن ہو سکتا ہے۔ یہ اس کی معراج اور حدِ کمال ہے۔ اگر اس کی ساری عمر پاپوں میں گزری ہے تو اسے شودر اور نیچ قوم میں جنم ملے گا۔ اور اگر معصیت اس سے زیادہ ہے تو نجس جانوروں تک میں اس کو داخل ہونا پڑے گا۔ یہاں کا اعتقادی اصول اور جزا و سزا کا تصور کسی بہت ہی گہرے لیکن گمراہ خود غرض نے ایجاد کیا ہے۔ مزید جسارت بھی اس وجہ کی کر کہ دیا گیا کہ یہ خدائی اصول ہیں اور فطرت نے ان پر مہر لگا دی ہے۔

یہی وہ ناقابلِ فہم اور ناقابلِ قبول اصول و ضوابط مذہب تھے جن کے خلاف حال میں ڈاکٹر امبیدکار نے آواز بلند کی ہے۔ ڈاکٹر امبیدکار ایک تعلیم یافتہ اور روشن دماغ مدبر و مفکر ہے۔ اس نے سمجھ لیا کہ یہ اصول جو اصول بجا جو مذہب کے نام پر وضع کیے گئے ہوں ہرگز مذہبی بنیادی اصول ہو ہی نہیں سکتے۔ نہ فطرت کی ایسی تعلیم ہو سکتی ہے، نہ فطرت کا یہ منشا ہے۔ یہ یقیناً انسانی تقسیم ہے اور خود

تمہارا حال یہ تھا کہ آگ سے بھری ہوئی خندق ہے اور اس کے کنارے کھڑے ہو۔ ذرا پاؤں پھسلا اور شعلوں میں جا گرے۔ لیکن اللہ نے تمہیں ان حالات سے نکال لیا۔"

قرآن تاریخ یا قصے کی کتاب نہیں۔ وہ واقعہ بیان کرتا ہے مگر اشارۃً۔ اس لیے بھی کہ عرب کا ہر فرد تاریخ عرب کی ایک مجلد کتاب تھا۔ ذرا سا اشارہ انھیں حالات و معاملات معلوم کرنے کے لیے کافی تھا جنھیں فہم قرآن بخشا گیا ہے، ان کے لیے بھی اتنا اشارہ حالات، معاملات معلوم کرنے کے لیے عرب کی پوری تاریخ پیش کر دیتا ہے۔

عرب کا عظیم الشان انقلاب

لیکن بعثت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، نزول قرآن کے بعد انہی اہل عرب کا کیا حال تھا؟ قلب بدل گئے تھے۔ ماہیت بدل گئی تھی، ذہنیت بدل گئی تھی۔ مکمل انقلاب ہو گیا تھا۔ یکسر انسان بن گئے تھے اور اس تبدیلی انقلاب کے بارے میں اہل عرب کے اقوال مختلف تاریخی کتابوں میں آج بھی محفوظ ہیں۔ دیکھے جاتے ہیں اور لکھے جاتے ہیں۔ تعصب قرابت کے خوگر، عرب انقلاب کے بعد ایسے انسان، منشاءِ انسانیت بن گئے تھے کہ زندگی کے آخری لمحات میں غلاموں اور غلام زادوں کے نام اپنے ترکے کی وصیت کرتے تھے یا اپنی اولاد کے ساتھ ساتھ انھیں بھی اپنے ترکے میں سے حصہ دے جاتے تھے۔

ابوبکر صدیقؓ، ان کی شرافت و نجابت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے؟ اشراف عرب اصیل قریش نسلی غرور کر سکتے تھے۔ ایک منٹ کے لیے بھی یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ یہ کسی کی رکاب پکڑ کر چلنے والے لوگ ہیں۔ مگر یہ تاریخ کی ایک [illegible] ہوئی حقیقت ہے اور تہذیب جدید بھی جس سے انکار نہ کر سکی کہ جب اسامہؓ سالار لشکر بن کر اطراف شہر سے باہر نکلے ہیں تو دور تک آپ ان کے گھوڑے کی رکاب تھامے ہوئے انھیں سمجھاتے چلے گئے اور وہ بار بار معذرت کرتے رہے لیکن آپ کا مدعا اور حقیقی محبت نبوی سے محبت تعلق، آمادہ نہ ہو سکا کہ ان کی معذرت کو قبول کر لیا جائے۔

سلمانؓ بن اسلام کی کیفیت تو کچھ مؤرخین نے تاریخ میں قلم بند کر کے ظلمت کے سینے چھوڑ دی ہے، دیدۂ عبرت کے لیے ہمیشہ سبق آموز رہے گی۔
—— بلال حبشیؓ سے کائنات عالم میں بسنے والوں سے کون واقف نہیں؟
—— کیا ان کا حال و مقام ہمارے درس عبرت کے لیے کافی نہیں؟ ایک حبشی، اسود، سیاہ فام مسکین مقام کیا تھا؟ صحابۂ کرام خوشامد کے ساتھ ان سے تمنا کرتے تھے کہ اذان دے کر ہمارے دلوں کو خوش کرو۔ حضرت عمرؓ جیسا اعلیٰ خلیفہ اور محترم ترین صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم، جن کے عدل و دانش اور تدبر نے اقوام عالم سے خراج تحسین حاصل کیا، ان کی ذات پر فخر کرتے تھے —— حضرت صہیب رومیؓ کا حال کس نے نہیں سنا؟

بہر حال، ہر ولایت و ملک کے لوگ جو معلم اخلاق و انسانیت کے دربار میں پہنچے انسان بن گئے۔ ہے کوئی انسان تاریخ انسانیت میں موجود جس کو مثال کے طور پر بھی اس انسانیت کبریٰ کے مقام پر فائز انسان کامل کے سامنے لایا جا سکے۔ تاریخ اس کے جواب و مثال سے آج تک قاصر ہے اور قاصر رہے گی۔ اس میں شک نہیں کہ تاریخ نے ہیبت و دبدبہ، رعب و جلال والی ہستیاں اور ان کے کارنامے اپنے صفحات میں محفوظ رکھے ہیں۔ مگر انسان کامل جو ایک طرف شہنشاہ تو دوسری طرف بوریہ نشین مسکین، ایک طرف فوجی جرنیل و قائد تو دوسری طرف داعی امن و سلامتی انسان، صفحۂ ہستی پر ہویدا نہیں ہوا نہ زمانے نے پیدا کیا ہے۔

نسل عصبیت کا پیکر خاکی، دوسروں کے جان و مال، عزت و آبرو کا پاسبان بن جائے۔ وہ یا ظلم و استبداد سے قوم کے گلے میں غلامی کا طوق اور ان کی پیٹھ پر پابندیوں کا بوجھ ڈال کر سر غرور و فخر سے بلند کرنے والا، دونوں سے افضل کون ہے؟ تاریخ کا فیصلہ موجود ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ جس قوم کا وطیرہ قتل و غارت ہو، نخوت و غرور ہو، اس میں یہ انقلاب آنا ہو جائے کہ قریشی ہاتھ باندھ کر پیچھے کھڑا ہو اور غلام قوم کا ایک فرد ان کا امام ہو۔ اُم المومنینؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے کہ اگر حضرت زیدؓ زندہ ہوتے تو خلافت میرے بعد [illegible] نفس ملی مسلم کی [illegible] محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ذرا فیصلہ تحریر میں آتی ہے۔ آپ کی [illegible] مبارک پر [illegible] کے پیچھے [illegible] جاری رہتی تھی [illegible] ... الخ

نہ تعزیت ہے نہ پارٹی اور جتھہ بندی ہے۔ نہ گروہ پسندی۔ بس اسلام ملت ہے اللہ کی بندگی ہے اور رسولؐ کی اطاعت۔ ہر مسلمان بلکہ ہر انسان بھائی بھائی ہے کوئی انسان حقیقت انسان چھوت نہیں ہے۔ اعمال کیسے ہوں، عقیدہ کیسا ہو نجاست ہے ناپاکی جسم پر نہیں۔ عقیدے میں ہوتی ہے جسم ہر انسان کا پاک ہے۔

تاریخ اقوام عالم کی اخلاقی کیفیت اور ساتویں صدی تک کے وہ تمام بوجھ جو نوع انسانی کی پیٹھ پر ڈال دیے گئے تھے اور ظہور اسلام کے بعد دنیا کا حال مختصراً آپ نے سن لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آپ رحمت تھے نشان رحمت الٰہی اور سبب رحمت ایزدی تھے۔

ساتویں صدی میں نوع انسانی کی حالت آپ سن چکے۔ تہذیب و سلطنت کا حال معلوم کر چکے۔ کلیسائی احکام، پاپائی نظام، روما کی سعادت، ہندی احکام و قوانین۔ رسم و رواج پابندی و جکڑ بندی دیکھ لی۔ فیصلہ یہ ہوگا کہ نسل انسانی یکسر گرفتار بلا و معذب تھی۔ عقل گرفتار، جسم گرفتار، غاصبانہ ذہنیت، غلامانہ عقیدت، جسم میں ظالمانہ خرافات، روح میں مذلت و خباثت، بادشاہ اور مذہبی پھندوں نے طرح طرح کی عقوبتیں ڈال رکھی تھیں۔ بس [illegible] کا بے لاگ، اٹل، بے پناہ فیصلہ یہی ہوگا اور ہے کہ نوع انسانی عذاب و لعنت میں گرفتار تھی۔

باقی صفحہ ۳۲ پر

نذرانۂ عقیدت

پیروی تیری اتباعِ خدا

علامہ انور صابری مرحوم فاضل دیوبند

سیدالانبیاء، سلام علیک — مصطفٰے، مجتبٰے! سلام علیک
دونوں عالم میں کارسازِ حیات — رحمتِ کبریا! سلام علیک
ابتداءِ ظہورِ کون و مکاں — تا حدِ انتہا! سلام علیک
آئینہ دارِ سورۂ واللیل — تیری زلفِ دوتا! سلام علیک
عارضِ پاک پرتوِ والشمس — ہمہ تن والضحٰے، سلام علیک
آشنائے رموزِ ذات و صفات — روحِ صدق و صفا، سلام علیک
ہادیٔ کاروانِ جادۂ حق — مرشدِ اولیاء، سلام علیک
فقرِ بافخر زندگی تیری — دستِ فضلِ خدا، سلام علیک
تو نگہبانِ عظمتِ آدم — امن کے پیشوا! سلام علیک
فرش تا عرش دستگیرِ امم — ہے ترا آسرا، سلام علیک
"ماہِ میلاد" کی ضیائے جبیں — آفتابِ ھُدیٰ، سلام علیک
شرحِ آیاتِ خاص "مُزّمّل" — عابدِ پارسا! سلام علیک
مونسِ بےکساں، غریب نواز — تیرے در کے گدا، سلام علیک
تیرا چہرہ بصد فروغِ جمال — جلوۂ کبریا، سلام علیک
پیروی تیری اتباعِ خدا — مقتدر رہنما! سلام علیک
خاتمِ حلقۂ رسالتِ دیں — آخری مقتدا، سلام علیک
معنیٔ آیتِ سراجِ منیر — شمعِ بزمِ حرا، سلام علیک
جاوداں ہے تیرے چمن کی بہار — سروِ باغِ وفا، سلام علیک
ہے اجابت کی ضامن کامل — تیرے لب کی دعا، سلام علیک
زندگی تیرا اک تبسم ناز — جانِ خلدِ حیا، سلام علیک
ہے رضائے خدا اسی کا نام — جو ہے تیری رضا، سلام علیک
ہوگئی تیرے آستانہ پر — پوری ہر التجا، سلام علیک

تیری توفیقِ نعت کا ممنون
انورِ خوشنوا سلام علیک

اے موجِ دجلہ تو بھی پہچانتی ہے ہم کو
اب تک ہے تیرا دریا افسانہ خواں ہمارا

شجاعت صحابہؓ و جرأت تابعینؒ

از: مولانا سید معظم علی شاہ صاحب مبلغ دار العلوم دیوبند

دریائے دجلہ کی وادی میں ایرانیوں اور مسلمانوں کی معرکہ آراء جنگ ہوتی ہے۔ چونکہ ایران کا دارالسلطنت "مدائن" دریا کے اس پار نظروں کے سامنے ہے۔ اس لئے مسلمانوں کے حوصلے بڑھے ہوئے ہیں۔ سارے ملک ایران کی تمام جنگوں کا فیصلہ ہے، ایرانی بھی جان توڑ کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ گھمسان کا رن پڑ رہا ہے۔ کچھ ہی دیر میں جنگ کا نقشہ بدلتا ہوا دیکھ کر ایرانیوں کو جان بچانے کی فکر پڑ گئی۔ ایرانیوں کے سامنے مسلمان ہیں جن کے نیزوں بھالوں تلواروں کی دھاروں سے کہیں امن نظر نہیں آتا اور پشت پر دریائے دجلہ کی موجیں منہ پھاڑ رہی ہیں۔ ایرانیوں نے مسلمانوں کے سامنے جمنے سے اسکو آسان سمجھا کہ اپنے کو دریا کے حوالے کر دیں۔ جلدی جلدی کشتی بیڑی ڈونگے جو کچھ بھی ہاتھ آیا انہیں تیار کر کے جتنے اپنی جان بچا کر نکل سکتے تھے میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ مسلمان تعاقب کناں دریا کے کنارے پہنچے، اتنے میں ایرانی دریا کے اس پار مدائن کی فصیل پر چڑھ کر لشکر اسلام کا تماشا دیکھنے لگے۔

مسلمان سوار نیزوں کو تانے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے دشمن کے تعاقب میں تیزی کے ساتھ آرہے تھے کہ سامنے کا راستہ دریائے دجلہ سے بند دیکھ کر حیران رہ گئے۔ دم میں ساٹھ ہزار مسلم سواروں کے گھوڑے دریائے دجلہ کے کنارے صف بستہ نظر آنے لگے۔

اب اس منظر کو دیکھئے دارالسلطنت مدائن کی فصیل کے نیچے دریائے دجلہ اپنی تیزی اور طغیانی کے ساتھ ٹھاٹھیں مار رہا ہے اس کے کنارے ہزاروں مسلم سوار انگشت بدنداں حیرت زدہ غصہ میں بھرے ہوئے اپنی داڑھیاں چبا رہے ہیں کہ دشمن ہاتھ سے نکل گیا اور اپنے پاس دریا عبور کرنے کا سامان موجود نہیں۔

سپہ سالار لشکر اسلام حضرۃ سعد بن ابی وقاص بھی تھوڑی دیر میں دریا کے کنارے پہنچ گئے یہ نقشہ دیکھ کر انہیں اپنا خواب یاد آ گیا کہ مسلمان پا پیادہ دریائے دجلہ کو عبور کر رہے ہیں۔ سارے لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا "دشمنوں نے دریا کی طغیانی میں پناہ لے رکھی ہے تم ان پر حملہ نہیں کر سکتے اور وہ جب چاہیں تم پر حملہ کر سکتے ہیں۔ میری رائے تو یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ دنیا تم پر غالب آجائے اور اس میں ملوث ہونے سے تمہارے حالات بدل جائیں، صدق و اخلاص میں کمی آجائے اللہ کے واسطے کچھ کام کر لو۔ اور وہ کام یہ ہے کہ اللہ کے بھروسہ پر گھوڑوں کو دریا میں ڈال کر اسی حالت میں عبور کر لیا جائے۔

تمام کے تمام مسلم سواروں نے بیک زباں ہو کر جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے عزم میں برکت عطا فرمائے ہم سب

سلیح اور تیار ہیں۔ اس سوال و جواب کے فوراً ہی بعد دیکھنے والوں کی آنکھوں نے دیکھا کہ اس سمندر کے بیچ دریائے دجلہ کی اٹھتی ہوئی موجوں اور زوروں کی طغیانی میں ساٹھ ہزار گھوڑے ایسی تیزی سے جا رہے ہیں کہ جیسے خشک میدان میں دوڑتے ہیں۔ حضرت سعدؓ اور ہر مسلم کی زبان پر دعائیہ کلمات جاری تھے اور سب کے سب بڑے اطمینان سے دریا عبور کر رہے تھے!

لشکر اسلام کے دریا میں داخل ہونے سے ایرانی بڑے خوش ہو ہو کر قہقہے لگانے لگے کہ عرب کے وحشی خشک ملک کے رہنے والے دریا کی موجوں کو کیا جانیں۔ جوش میں آکر دریا میں گھس تو گئے ہیں اب سب کے سب ڈوب جائیں گے۔ ہمارے ہرمن نے ہماری مدد کی ہے کہ ہمارے دشمن خود بخود ہی ہماری دیکھتی آنکھوں فنا ہو جائیں گے۔

لیکن جب یہ خدا پر بھروسہ کرنیوالا خدا کا لشکر جو اس کا کلمہ بلند کرنے کے لئے گھروں سے کفن باندھ کر نکلا تھا دریا کو عبور کرتا ہوا فصیل کے قریب پہنچ گیا اور پہلے ہی دستہ کے نعرۂ تکبیر سے ایرانی محلات تھرانے لگے تو ایرانیوں کو ہوش آیا اور اپنے جان و مال کی فکر پڑی۔ بہت سے تو "دیواں آمدند دیواں آمدند" کہتے ہوئے سروں پر پیر رکھ کے بھاگے۔ اسی جلدی میں جتنا جس سے ممکن ہوا اپنا مال و متاع لے کر شہر سے نکلنے کی کوشش میں لگ گیا۔

لشکر اسلام پورے کا پورا دارالسلطنت ایران میں بے روک ٹوک داخل ہو گیا۔ دشمن کے زن و مرد اسلام کی غلامی میں تھے اور مال و متاع بیت المال کا ذخیرہ تھا۔ مدائن جیسا شہر مسلمانوں کے لئے اجنبی جگہ گلی کوچے تو کیا سڑکوں سے بے خبر تھے پھر بھی جس مسلمان کو جو کچھ ملتا تھا اسکو وہ اپنا نہیں تھا بلکہ اسلام کے مکمل قانون کی اطاعت کرتا تھا جس مسلمان کے ہاتھ جو مال آتا وہ لا کر ایک ہی متعین شخص کے پاس جمع کرتے جس کو صاحب اقباض کہا جاتا تھا۔

اسی افراتفری میں ایرانی جان و مال کو بچا کر بھاگ رہے تھے اور مسلمان مالِ غنیمت کو جمع کر رہے تھے۔ جو مسلمان جس گلی کوچہ میں گھس گیا اسی کا مالک ہو گیا۔ مگر کیا مجال کہ ایک حبہ کی خیانت ہوتی۔ رتی رتی مال صاحبِ اقباض کے پاس پہنچتا رہا۔ اسی سلسلہ میں دو چار مسلمان نہروان کے پُل پر پہنچ گئے۔

کیا دیکھتے ہیں کہ چند ایرانی ایک خچر کو جس پر صندوق لدے تھے دھکیلتے ہوئے لئے جا رہے ہیں مسلمان جو اس طرف کو نکلے تو ایرانی عرب کے دیوؤں کی شکل دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے مسلمانوں نے خچر پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کا خیال تھا کہ ان صندوقوں میں کچھ قیمتی پارچہ جات یا زیورات ہوں گے۔ مگر صندوق کے کھلتے ہی آنکھیں چکاچوند ہو گئیں۔ کسرائے ایران کا وہ بیش قیمت بلکہ انمول تاج تھا جس پر تمام ملک ایران کی کئی سالہ کل کی کل آمدنی جمع کی گئی تھی جو کبھی کبھی عظیم الشان درباروں میں استعمال ہوتا تھا۔ ان مسلمانوں میں کسی ایک کے دل میں بھی یہ خطرہ پیدا نہ ہوا کہ اس بیش قیمت تاج کو کہاں صاحبِ اقباض کے پاس لیجائیں لاؤ آپس میں ہی تقسیم کر لیں؛ انہیں ایسا تو خطرہ بھی نہ گزرا اور وہ اس خچر کو اسی طرح لدا کا لدا صاحبِ اقباض کی خدمت میں لے گئے اور کسی قسم کا تصرف نہیں کیا۔

ایک دو دن بعد جب کہ مسلمان صبح کا فریضہ ادا کرنے کے لئے بیدار ہوئے۔ ایک مسلمان نماز کی تیاری کے لئے اٹھا اور

قضائے حاجت کے خیال سے ایک باغ میں گھس گیا۔ صبح کا سپیدہ نمودار ہو چکا تھا مگر تارے چٹک رہے تھے اور باغوں میں ابھی کافی اندھیرا تھا۔ اسی صبح کے اندھیرے میں مسلمان نے اس باغ میں ٹھوکر کھائی۔ جس چیز کی ٹھوکر لگی تھی اسے اٹھا کر دیکھا تو وہ ایک وزنی ڈبہ تھا۔ اس خدا سے ڈرنے والے مسلمان نے اسے کھول کر بھی نہ دیکھا کہ اس میں کیا ہے۔ ادائے نماز سے پہلے ہی اسے بند لئے ہوئے صاحب اقباض کی خدمت میں پہنچا۔ صاحب اقباض نے اس کے سامنے ہی اس ڈبہ کو کھولا تو اس میں اس قسم کے جواہرات برآمد ہوئے جس کو دیکھ کر عملہ کے تمام لوگ کہنے لگے اب تک مالِ غنیمت میں اسکے لگ بھگ مال نہیں آیا اور جتنا آیا ہے وہ سب مل کر بھی اس کے برابر نہیں۔ صاحبِ اقباض نے اس مسلمان سے دریافت کیا۔ اس ڈبہ کے ملنے کے وقت اور بھی کوئی تھا۔ اس نے کہا نہیں۔ پھر دریافت کیا " تم نے اس میں سے کچھ نکالا ہے۔ تو قسم کھا کر کہا۔ اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو اس ڈبہ کو تمہارے پاس نہ لاتا۔ نام دریافت کیا گیا تو جواب دیا میں اپنا نام بھی نہیں بتاؤں گا تم خواہمخواہ میری تعریف کرو گے اور شہرت دو گے۔ میں صرف اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھ کو توفیق دی اور اسی سے ثواب کی امید رکھتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ مسلمان چل دیا۔ صاحبِ اقباض نے آدمی بھیج کر پتہ لگوایا تو ان کا نام عامر بن قیس معلوم ہوا۔

صاحبِ اقباض نے جب امیر جیش حضرتِ سعد رضی اللہ عنہ کے سامنے مالِ غنیمت فراہم ہونے کی رپورٹ پیش کی تو اس میں عامر بن قیسؓ کے ڈبہ لانے کا واقعہ بھی من وعن سنایا۔ اس واقعہ کو غور سے سننے کے بعد حضرت امیر عسکر نے فرمایا " خدا کی قسم یہ لشکر نہایت امانت دار ہے۔ اگر اہلِ بدر کی افضلیت ثابت نہ ہو چکی ہوتی تو میں کہتا یہ بھی ان کے برابر ہیں"۔

ہم موجودہ مسلمانوں کے لئے اپنے اسلاف کے ان کارناموں میں کوئی عبرت! کوئی سبق ہے کہ نہیں! ہم ان مسلمانوں کی غیبی امدادوں پر تعجب کرتے ہیں، حیرت میں رہ جاتے ہیں کہ انہوں نے کیونکر طغیانی میں آئے ہوئے دریائے دجلہ کو عبور کر لیا یہ عرب کے مٹھی بھر اور نہتے وحشی کسریٰ جیسے باقاعدہ آہن پوش لشکر پر کیسے فتحیاب ہو گئے! مگر ان حضرات کے کارناموں پر نظر نہیں ڈالتے کہ ان میں خدا کی خشیت! اللہ کا خوف اور خدا پر بھروسہ کا یقین کس درجہ پر تھا۔ جبکہ وہ بڑے بڑے مال وجاہ پر نظر نہیں ڈالتے تھے۔ خدا کا کلمہ بلند کرنا، خدائی قانون کی پابندی کرنا ان کے لئے جیسا جلوت میں ضروری تھا ایسا ہی خلوۃ میں بھی ضروری تھا۔ جب ہی تو ہر موقع پر خدا کی امداد ہوتی تھی۔ (ختم نبوت)

بقیہ: وفاق المدارس

کی طرف سے اس سے قبل وفاق کے امتحان میں آپ کے شریک نہ ہونے کا تصدیق نامہ۔ قیام وطعام کا انتظام خود امیدوار کے ذمہ ہوگا۔ وفاق اس کا انتظام نہیں کرے گا۔ پرچوں پر نظر ثانی نہیں کی جائے گی۔ جملہ امور میں امتحانی کمیٹی کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

مفتی محمد انور شاہ
ناظم امتحانات وفاق المدارس العربیہ پاکستان

بآبائنا هو وامهاتنا　　از: حضرت علامہ طالوت مرحوم

رحمۃ للعٰلمین کی ولادت باسعادت

فرشتے ہنس رہے ہیں، لعنتی شیطان روتا ہے
خدا کا گھر خدا کے نور سے آباد ہوتا ہے
زمین کا مرتبہ بڑھتا ہے باوصفِ نگونساری
کہ آنے والے ہیں اس پر حبیبِ حضرتِ باری
زمیں کو اس ترقی پر فلک سے داد ملتی ہے
فلک کیا، عرشِ اعلیٰ سے مبارکباد ملتی ہے
گئے انسانیت کے ذلت و خواری کے دن بیشک
گئے مظلوم کی آہوں کے اور زاری کے دن بیشک
ہوا ہی چاہتا ہے خاتمہ باطل کی ہستی کا
یہی ہے آخری دن گویا شخصیت پرستی کا
ہے مٹنے کو خدایانِ کہن کی گرم بازاری
ہُبل پر نائلہ پر لات پر لرزہ ہوا طاری
ادب سے سر جھکاؤ مالکِ لولاک آتے ہیں
ردائے اِنَّمَا اوڑھے نبی پاک آتے ہیں

اسلامی جہاد، گاہے گاہے باز خواں

ساٹھ کا ساٹھ ہزار سے مقابلہ

جنگ یرموک

ے گو جنگ یرموک حشرے دگر — گو جنگ بل یک جہاں کینہ ور

"شفیق مہدی پوری"

حمص کا مقام تھا، سرسبز و شاداب علاقے میں قیام تھا، لشکر سستا رہا تھا اور گھوڑے چر چر کر اپنی ماندگی دُور کر رہے تھے سپہ سالار اپنے آئندہ پروگرام کو مرتب کر رہا تھا کہ معلوم ہوا۔ شاہِ ہرقل نے لاکھوں کا لشکر تیار کر لیا۔ جو روم و شام کے بہادر جنگجوؤں پر مشتمل ہے اس لشکر کی تعداد کئی لاکھ ہے اور وہ بڑی تیزی سے کوچ کرتا ہوا آرہا ہے یہ خبر وحشت اثر سُنتے ہی سپہ سالار اسلام سوچ میں پڑ گئے، اپنے سرداروں کو بلایا اور ان سے مشورہ طلب کیا۔

قیس بن ہبیرہ نے کہا۔ ہم نے شام کے شہر بڑی قربانی اور جانفشانی سے فتح کئے ہیں، ہمارے مجاہدین نے اپنے لہو سے اس سرزمین کو سینچا ہے، میری رائے یہ ہے کہ ہمیں دشمن کا انتظار یہیں کرنا چاہئے اور اسی سرزمین میں شاہِ روم سے مقابلہ کرنا چاہئے اگر ہم اس معرکہ میں شہید بھی ہو جائیں تو شہداء کے ساتھ بہشت کے وارث ہوں گے۔ یہ زمین جنت ارضی ہے اسے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔

سرداروں نے قیس کی تقریر کی تائید کی مگر حضرت خالدؓ خاموش تھے ایسے موقع پر ان کی خاموشی معنی خیز تھی۔ آخر حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا اللہ کی تلوار! تو کیوں خاموش ہے، اپنی رائے سے ہماری رہنمائی کر!

حضرت خالدؓ نے جواب دیا۔ امین الامت، سالار لشکر! میں اس لئے خاموش تھا کہ جب رائے عامہ ایک بات پر متفق ہے تو مجھے کچھ کہنا مناسب نہیں۔ اب چونکہ آپ نے پوچھا ہے اس لئے مجھے بولنا چاہئے۔ میری رائے قیس کی رائے کے خلاف ہے۔ "ہمیں یہاں ہرگز نہیں ٹھہرنا چاہئے کیونکہ اوّل تو یہ علاقہ ابھی نومفتوح ہے، یہاں کے لوگوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا مجھے یقین ہے کہ رومی فوجوں کو دیکھتے ہی یہ لوگ ان سے مل جائیں گے پھر ہمیں بیت المقدس کی رومی فوجوں کا بھی خطرہ رہے گا۔ وہ یقیناً اپنے ہم مذہب لوگوں کی امداد کے لئے آئیں گے اور ہم ہر طرف سے گھر جائیں گے۔ عرب سے ہمارا تعلق قائم نہ رہ سکے گا اور نہ ہمیں کمک پہنچ سکے گی۔ اتنے بڑے لشکر سے مقابلہ کے لئے وسیع میدان کی ضرورت ہے جو یہاں نہیں ہے اس لئے میری رائے یہ ہے کہ ہمیں یہاں سے ہٹ کر ایسی جگہ کو میدان جنگ کے لئے انتخاب کرنا چاہئے جہاں ہم اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ آسانی سے کر سکیں۔ گھر کر، دبک دبک کر نہ مریں اور ہمیں مدینہ سے کمک پہنچ سکے مفتوحہ شہروں اور سرسبز زمینوں کا لالچ کچھ مفید نہ ہوگا یہ شہر ہماری فتح مندی پر آسانی ہمارے مطیع ہو جائیں گے کیونکہ وہ ہماری تلواروں کی دھار دیکھ چکے ہیں۔"

سیف اللہ کی تقریر سُن کر جیسے سب کو ہوش آ گیا اور سب نے یک زبان اتفاق کیا حضرت ابو عبیدہؓ خوش ہوئے اور کہا بہادر خالد! ایسی باتیں سوچنا تمہارا ہی حصہ ہے اب تم جونسا میدان پسند کرو جلد از جلد وہاں لشکر لے کر چلو تاکہ دشمن کی آمد پر ہم ہر طرح مقابلہ کے لئے تیار ہو سکیں۔"

حضرت خالدؓ نے کہا آپ فوراً تمام مفتوحہ شہروں سے اپنے نگران اور سپاہیوں کو حکم بھیجیں کہ وہ بھی دریائے یرموک پر آملیں، تاکہ بغاوت کی صورت میں ان پر زد نہ پڑے اور وہ دشمن کی تلوار سے بچ سکیں۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے مختلف شہروں کے نگرانوں کو حکم نامے بھیج دیئے اور لشکر لیکر یرموک کی طرف چل پڑے۔ دریائے یرموک پر پہنچے تو دیکھا کہ یرموک سے ملنے والی ایک ندی نے ایک بڑے میدان کو گھیر رکھا ہے ایک چھوٹا سا قطعۂ زمین شمال کی طرف ایسا ہے جس میں سے بڑا حملہ ناممکن ہے حضرت خالدؓ نے اسی طرف اپنا لشکر اُتارا۔ لشکرگاہ کے ساتھ ہی ریگستان شروع ہو جاتا ہے جسے عبور کرنا صرف عربوں ہی کا کام تھا رومی اس میدان کے شہسوار نہ تھے۔

شاہِ ہرقل نے انطاکیہ سے اپنی افواج کو مختلف گروہوں میں تقسیم کیا۔ ایک لاکھ جنگجوؤں کا افسر قناطیر کو بنایا اور اسے طرطوس کی جانب کوچ کا حکم دیا۔ دوسرے ایک لاکھ پر اپنے بھتیجے قوریر کو افسر مقرر کیا۔ تیسرے لاکھ پر جرجیر کو افسر بنا کر قنسرین پر بھیجا اور چوتھا لاکھ ماہان اپنی کے ماتحت کیا اور اسے سارے لشکر کی کمان عطا کی اور حمص کی طرف بڑھنے کا حکم دیا پانچویں لاکھ پر دریجان کو افسر مقرر کر کے اس کی امداد کو بھیجا۔ جبلہ بن ایہم غسانی کو ساٹھ ہزار غسانیوں پر افسر بنا کر حمص کو جانے کا حکم دیا۔ یہی غسانی ہراول دستہ قرار پائے۔ اس حساب سے یہ لشکر پانچ لاکھ سے زیادہ تھا۔ سامان حرب کے محفوظ ذخائر ساتھ لئے اور حکم دیا کہ نمایاں کام کرنیوالے بہادروں کو جی کھول کر انعام دیا جائے تاکہ کوئی جوان جانفشانی سے دریغ نہ کرے اور بڑھ چڑھ کر اپنے جوہر دکھائے۔

ماہان نے یرموک کے خالی میدان کو از بس غنیمت سمجھا، اور ندی عبور کر کے اپنا لشکر اتار دیا۔ اسکا خیال تھا کہ عربوں نے اس میدان کو خالی چھوڑ کر سخت غلطی کی ہے جس کا خمیازہ انہیں اٹھانا پڑیگا۔ کیونکہ اس میدان کی طرف دریائے یرموک لہریں لے رہا ہے اور دوسری طرف ندی بہہ رہی ہے ان دونوں کو عبور کر کے رومی لشکر پر حملہ کرنا قریباً ناممکن ہے۔

دونوں لشکر کئی دن تک آمنے سامنے رہے اور کسی نے بھی جنبش نہ کی۔ اسی اثناء میں قیصر روم کا خط پہنچا کہ عربوں سے صلح کی گفتگو کی جائے اگر وہ جابیہ تک کا علاقہ لینے پر قناعت کریں تو جنگ سے احتراز کیا جائے:

ماہان نے خط پڑھا، اپنے سرداروں کو سنایا اور کہا میں نہیں جانتا، شہنشاہ اتنا رحم دل کیوں ہے؟ اسے عربوں پر غصہ کیوں نہیں آتا۔ ہمارے پاس اتنا لشکر اور اتنے جنگجو بہادر ہیں جو ساری دُنیا کو فتح کر سکتے ہیں یہ ذلیل عرب کیا بلا ہیں جن سے اتنی رعایت کی جا رہی ہے

رومی سپہ سالار نے جرجیر کو اسلامی لشکر کی طرف قاصد بنا کر بھیجا۔ وہ لباس فاخرہ پہنے خوبصورت گھوڑے پر مرصّع زین ڈالے اسلامی کیمپ میں آیا، محافظ دستہ سے کہا اپنے سردار کو بلاؤ میں ان سے گفتگو کرنے آیا ہوں!

محافظوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کو اطلاع دی، وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور پوچھا کہیئے کیا پیغام لائے ہو؟

جرجیر نے کہا۔ قیصر روم نے ہمیں تاکید کی ہے کہ جنگ سے پہلے صلح کی گفتگو کریں، آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے ساتھ چھ لاکھ کے قریب لشکر ہے جس میں روم و شام اور عرب کی جنگجو قوموں کے مشہور تیغ زن شامل ہیں۔ انطاکیہ سے اور کمک بھی آ رہی ہے عربی لشکر آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں، چیونٹی اور ہاتھی کا مقابلہ ہے اور آپکی قوم کے ختم ہو جانیکا اندیشہ ہے۔ عرب پہلے ہی ریگستان ہے اب قبرستان بنے گا۔ اور یہاں اُلّو بولیں گے!

قیصر کا پیغام یہ ہے کہ آپ نے ہمارے شہر ولایت جو

پھر حاصل کیا ہے، جتنا خراج وصول کیا ہے وہ سب معاف کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ حجاز سے جابیہ تک کا علاقہ بھی آپ کو دیا جاتا ہے بشرطیکہ آپ اس سے آگے نہ بڑھنے کا عہد کریں۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے جواب دیا۔ رومی سردار، مسلمان کا عقیدہ ہے کہ اللہ سب پر غالب ہے، فتح و ظفر اس کے اختیار میں ہے، وہی عزت دیتا ہے اور وہی ذلت کی خاک سر میں ڈالتا ہے، وہ قلت کو کثرت پر غالب کرتا ہے، وہ ہمارا ہے اور ہم اس کے ہیں، ہم کسی دنیوی لالچ کو یہاں نہیں آئے بلکہ اپنے خدا کا نام اور اپنے آقا و مولا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچانے آئے ہیں، آپ لوگوں کو گمراہی کے گڑھے سے نکال کر راستی کے تخت پر بٹھانے آئے ہیں، ہماری موت ہماری شہادت ہے جسے حیات و دوام حاصل ہے، ہم آپکی تعداد سے ہراساں ہیں نہ خائف۔ تلوار ہمارے اس قول کی صداقت پر مہر لگائے گی۔ ہم بھیک مانگتے ہیں نہ قیصر کا عطیہ قبول کرتے ہیں، یہ زمین یہ ملک ہمارا ہے، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کا وارث قرار دیا ہے، ہم اپنی وراثت لیں گے اور خدا ہمیں آپ پر اور آپ کے قیصر پر غلبہ عطا کریگا۔

اگر آپ صلح چاہتے ہیں تو ہماری دو شرطوں میں سے ایک قبول کرنا ہوگی، پہلی شرط یہ ہے کہ آپ اسلام لاکر ہمارے بھائی بن جائیں، اگر یہ منظور نہ ہو تو ہماری حفاظت میں آنا قبول کریں اور جزیہ ادا کریں۔

جرجیر نے حضرت ابو عبیدہؓ کا جواب سُنا تو کچھ اور کہے بغیر واپس چلا گیا، ہامان ساری گفتگو سن چکا تھا اور کہا کہ رومیوں سے تو یہ عرب ڈرتے نہیں، انہیں ترغالی لگے ہیں، ممکن ہے کوئی عرب انہیں سمجھائے تو مان جائیں۔

ہامان نے جبلہ بن ایہم سے کہا۔ تم بھی عرب ہو، عربوں کی عادات سے واقف ہو، ان چند ہزار بھوکے ننگے عربوں کو سمجھاؤ کہ اپنے آپ سے دشمنی نہ کریں اور شہنشاہ کی شفقت بھری پیشکش کو منظور کر کے واپس چلے جائیں، ورنہ ہمارا لشکر انہیں مار مار کر تباہ کر دیگا اور ان کی ایک ایک بوٹی بھی ہمارے حصے میں نہیں آئے گی۔ میرے بس میں ہوتا تو میں ایسی پیشکش کبھی نہ کرتا۔

جبلہ نے اپنے سالار کا حکم سُنا، فوراً گھوڑے پر سوار ہوا، اور اسلامی کیمپ کے قریب آکر پکارا، میں جبلہ بن ایہم ہوں، اپنے کسی دانا آدمی کو بھیجو تاکہ میں اس سے گفتگو کروں۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ مجھے اس سے گفتگو کرنے کا موقع دیا جائے، سالارِ لشکر نے اجازت دی، اور وہ سوار ہو کر جبلہ کے سامنے آکھڑے ہوئے۔

جبلہ نے پوچھا، عربی دوست، آپ کا نام کیا ہے؟ اور عرب کے کس علاقے سے آپ کو نسبت ہے؟

عبادہؓ بن صامت نے جواب دیا، میرا نام عبادہ ہے اور یمن کے قبیلہ خزرج سے ہوں۔

جبلہ نے کہا تم تو میرے قرابتی ہو اور عزیز خاص ہو، مجھے تم سے مل کر خوشی ہوئی ہے۔ میں اس لئے یہاں آیا ہوں کہ ہم قرابتی ہو کر ایک دوسرے کا گلا نہ کاٹیں، ہمارے ساتھ لاکھوں کا لشکر ہے اور تمہاری تعداد ہزاروں میں ہے۔ لاکھ اور ہزار کا کیا مقابلہ؟ سو ہزار ہوں تو ایک لاکھ بنتا ہے، سمجھ لو یہ لڑائی تمہیں مہنگی پڑے گی، تاریخ تمہاری حماقت آمیز ہلاکت پر ہنسے گی، اقوام دُنیا نفرین کریں گی بہتر یہی ہے کہ تم اپنے سردار کو سمجھاؤ، اور یہ چند ہزار بچا کر لیجاؤ، ورنہ تمہاری ہلاکت پر نہ گماں دریا و پرندگان ہوا کے سوا کوئی افسوس کرنے والا بھی نہ ہوگا۔ مانا کہ تم بہادر ہو، مگر تمہارے مقابلہ پر بھی تم سے دگنے صرف عرب ہی ہیں جو تم سے کم بہادر اور شجاع نہیں۔ پھر ان کے ایک سے مزید کمک بھی آنیوالی ہے۔

عبادہؓ نے کہا، جبلہ، ہماری قرابت صرف اہل اسلام سے

ہے جو مسلمان نہیں، وہ ہمارا عزیز ہے نہ قرابت دار، اگر تمہیں قرابت کا اتنا ہی پاس ہے تو مسلمان ہو کر ہمارے بھائی بن جاؤ اگر یہ منظور نہیں تو کم از کم اس لشکر سے علیحدہ ہو جاؤ، تاکہ ہم رومیوں سے مقابلہ کریں اور اپنے ہم وطنوں کا گلا نہ کاٹیں۔

ہمارا یقین اور ایمان ہے کہ اللہ ہی سب پر غالب ہے وہ ہمیں اب بھی غالب کریگا۔ قنسرین میں بھی تمہارے تین لشکر تھے، تم خود بھی وہاں موجود تھے۔ تم نے جان لیا ہوگا کہ ہم خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، تمہارے ساٹھ ہزار قنسرین اور محمود یہ کی افواج نے متحد ہو کر بھی بارہ مجاہدوں کا کچھ نہیں بگاڑا، اور انہوں نے ہزاروں کا کھیت ڈالا۔ تم دیکھو گے کہ اگر ہمیں ضرورت پڑسی تو ہمیں اسی ریگستان کے راستے کمک پہنچے گی جس میں جوانان شیر دل اور شیر پنجہ ہوں گے۔

جبلہ ہنسا اور کہنے لگا مجھے یاد ہے کہ عرب کے چند فرزند اور بہادر اس میدان میں دھکیل دیئے گئے ہیں۔ اب عرب میں کوئی بہادر باقی نہیں۔

عبادہؓ ہنسے اور کہا اے جبلہ تم غلطی پر ہو، ابھی مدینہ میں اتنے شیر دل بہادر موجود ہیں کہ تمہاری فوج کو بس ایک ایک ہی کافی ہے۔ ابھی مدینہ میں حضرت عمر بن خطاب خلیفہ ثانی، حضرت عثمان، حضرت علی حیدر کرار، حضرت عباس، حضرت طلحہ، حضرت عبدالرحمٰن بن رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے علاوہ بہت سے تیغ کے دھنی، برچھیت، تلوار یئے اور ریل تن موجود ہیں، یمن، طائف اور حجاز کے گرامی پہلوان اجازت جہاد کے خواستگار ہیں، خدا نے ہماری پشت مضبوط بنا رکھی ہے سر دست تمہارے اتنے بڑے لشکر کے لئے صرف ہم ہی کافی ہیں، ہم تم سے نہیں اپنے خدا سے رحم اور نصرت چاہتے ہیں۔ اگر صلح چاہتے ہو تو اسلام قبول کر لو یا جزیہ ادا کر کے ہماری حفاظت میں آجاؤ۔ اس کے علاوہ ہم تم میں صلح ناممکن ہے۔

جبلہ عربوں کو ڈرانے گیا تھا، مگر عبادہؓ نے اسے ہی ڈرا دیا۔ وہ کہنے لگا نہ میں اسلام قبول کروں گا، نہ جزیہ دوں گا بلکہ لڑوں گا اور تمہیں تباہ کر کے رکھ دونگا، تم بہت جلد ہی ہماری بات سمجھنے لگو گے۔

عبادہؓ نے کہا تباہی خدا اور رسولؐ کے باغیوں کے لئے ہے ہمارے لئے آبادی اور دولت دی ہے، تم نہیں جانتے کہ ہمارا خدا ایک رسولؐ ایک، کعبہ ایک، خلیفہ ایک، قوم ایک، دل ایک، زبان ایک، امنگ ایک اور ولولہ ایک ہے۔ ہمیں شکست دینا تمہارے بس کا روگ نہیں، عنقریب قیصر و کسریٰ ختم ہو جائیں گے اور خدا کے نام سے ایران اور روم گونج اٹھیں گے۔

جبلہ، عبادہؓ کے جوابات سے سخت برہم ہوا۔ اسے جی حضور، جناب، آقا، ولی نعمت وغیرہ الفاظ سننے کی عادت تھی، برابر کی گفتگو سن کر غضبناک ہو گیا، واپس لوٹا اور ہامان سے آکر کہا، یہ لوگ بڑے بے ادب اور گستاخ ہیں، بات کرنے کی تمیز نہیں، عجیب بات یہ ہے کہ ہمارے اتنے بڑے لشکر سے بھی خائف نہیں، ہمیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں اور ہم سے جزیہ مانگتے ہیں۔

ہامان نے کہا، کل اپنا لشکر لے کر نکلو اور انہیں ایسی سزا دو کہ قیامت تک ضرب المثل کا کام دے۔ تمہارا ساٹھ ہزار ہے اور یہ تیس ہزار چالیس ہزار کے قریب، گویا ان سے تم دوگنے ہو۔ میں بھی مدد کے لئے تیار ہونگا اگر تم انہیں شکست دے دو تو یہ سارا علاقہ بھی تمہیں بخش دیا جائیگا، عرب کا ملک بھی تمہاری ریاست میں شامل ہوگا اور تم بڑے بادشاہ بن جاؤ گے۔

جبلہ نے جواب دیا ہاں ضرور، میں کل انہیں ایسی سزا دوں گا کہ ان کے سر سے گستاخی اور بے ادبی کا جنون نکل جائے گا انہیں گھیر

گھیر کر ماروں گا اور ان کے خون سے ریت کے خشک ذرّے سیراب ہوں گے۔

عبادہؓ بن صامت نے حضرت ابوعبیدہؓ سے گفتگو کی کیفیت بیان کی، یہ سنکر سالار لشکر نے کہا جنگ ناگزیر ہے خالد! تم سیف اللہ ہو، تمہاری تلوار میں بڑا کاٹ ہے، تمہارے بازؤں میں خدائی طاقت ہے، کل میدان جنگ گرم ہوگا۔ مناسب انتظامات سے اپنے لشکر کے دفاع کو مضبوط کرلو۔

حضرت خالدؓ نے کہا ہم اس میدان کے نکاس پر ہیں، دشمن ہم پر ایک ہی دفعہ نہیں پڑسکتا، عقب سے ہمیں حملے کا خطرہ نہیں، آپ عورتوں اور سامان کو ذرا دُور ٹیلے پر پہنچادیں اور کہدیں کہ ہوشیار رہیں، اپنے ہتھیار اپنے پاس رکھیں، دشمن سے غافل نہ رہیں، اگر کوئی ہمارا آدمی بھاگے تو اسے غیرت دلاکر واپس کردیں۔

سامان اور عورتیں ٹیلے پر بھیج دی گئیں اور انہیں ہوشیار رہنے کی تاکید کردی گئی، وہ عرب کے شیروں کی مائیں بہنیں اور بیٹیاں تھیں، ہتھیار پہن کر بیٹھ گئیں۔

حضرت سالار لشکر نے منادی کرادی کہ کل کا دن بہت سخت ہوگا، خدا سے صبر و استقلال کی دُعائیں مانگتے رہو۔ میدان جنگ میں بھی خدا کو نہ بھولو اور اُسی سے فتح و نصرت کے طلبگار رہو، شہید اور غازی بننے کے لئے بڑھو، نعرہائے تکبیر سے دشمن کو ہراساں کردو، اسلام کے ناموس کے لئے کٹ مرو، عرب کی آتشیں غیرت سے دشمن کو جلادو۔"

مجاہدوں نے رات خدا کی عبادت اور فتح و نصرت کے لئے دُعائیں مانگتے گذاردی، صبح کی روشنی پھیلی، مجاہدوں نے ہتھیار پہنے، گھوڑوں پر سوار ہوئے، بیویوں، ماؤں، بہنوں سے رخصت ہوئے اور میدان جنگ کی طرف بڑھے۔

اِبتدائے جنگ

جبلہ نے اپنی ساٹھ ہزار فوج میدان جنگ میں آراستہ کی، صفیں درست کیں، میمنہ، میسرہ پر منتخب بہادر متعین کئے اور خود قلب لشکر میں بڑے طمطراق سے گھوڑے پر سوار زرہ جوشن پہنے، ہتھیار لگائے آکھڑا ہوا۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے قیسؓ بن سعید، کعب بن مالکؓ معاذ بن جبلؓ، جابرؓ بن عبداللہ اور ابی ایوب خالدؓ بن زید سے کہا کہ تم پانچوں مجاہد جبلہ کے پاس جاؤ اور جس طرح اس نے قرابت کا واسطہ دیا تھا تم بھی یہ حق ادا کرو، چنانچہ وہ جبلہ کے پاس گئے اور کہا کہ ہم قرابت کا حق ادا کرنے آئے ہیں، اسلام کی دعوت دیتے ہیں قبول کرلو، اور ہمارے بھائی بن جاؤ، تاکہ ہم ایک دوسرے کا گلا نہ کاٹیں۔ اگر یہ منظور نہیں تو ہماری حفاظت میں آجاؤ اور رومیوں سے تعلقات قطع کرلو، اگر یہ بھی منظور نہیں تو قرابت کا لحاظ کرکے لڑائی سے الگ رہو۔

جبلہ نے کہا یہ سب باتیں ایسی ہیں جنہیں میں منظور نہیں کرسکتا، میں تمہارا غرور توڑوں گا، تمہیں اسی میدان میں ہلاک کروں گا، تمہاری بغاوت، سرکشی اور گستاخی کو اسی میدان میں دفن کروں گا۔" ایک ایک عیسائی کا انتقام لوں گا، توحید کو مٹا کر رکھدوں گا۔ اپنے سردار سے جاکر کہدو کہ اب تلواروں کی دھار ہی منصف ہوگی، اب نیزے کی نوک پر توحید اور تثلیث کو تولا جائیگا اور اپنے شہنشاہ کی آرزو پوری کی جائے گی۔

صلح کے قاصد واپس آئے، سالار لشکر سے گفتگو کا حال بیان کیا۔ جبلہ کے عزائم کی تفصیل بتائی حضرت ابوعبیدہؓ نے کچھ سوچا پھر حضرت خالدؓ سے کہا ابا سلیمان! ہماری دعوت اکارت گئی، آب

اتنے بڑے لشکر کے ساتھ نمٹنے کی ترکیب بتاؤ۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کہا امین الامت! ہماری جانیں خدا کی رضا کے لئے وقف ہیں، ہم نہ کبھی دشمن کی کثرت سے ڈرے ہیں نہ ڈریں گے، اسوقت ہمارے سامنے ساٹھ ہزار عرب ہیں! جو ہمارے برابر کے بہادر اور شجاع ہیں، ان کی تعداد ہم سے دوگنی ہے اگر ہم سارے لشکر سے حملہ کر دیں تو لڑائی نتیجہ خیز نہیں ہوگی، بہتر یہ ہے کہ ہم میں سے چند بہادر نکلیں اور ان ساٹھ ہزار کا مقابلہ کریں تاکہ ہماری دہشت ان کے دل پر بیٹھ جائے، اگر ہم اس مقصد میں کامیاب ہوگئے تو ہمارا کام نسبتاً آسان ہو جائیگا۔

ابوسفیانؓ نے کہا میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا، ساٹھ ہزار عربوں کے مقابلہ میں چند مجاہد! یہ تو دانستہ ہلاکت ہے، جس سے خدا نے بھی منع فرمایا ہے۔

حضرت خالدؓ نے جواب دیا چچا جان! میرا مطلب یہ ہے کہ ہم تیس مجاہد میدان میں نکلیں اور دشمن پر اپنی برتری اور شجاعت کا سکہ بٹھا دیں جب ہم اس میں کامیاب ہو جائیں تو پھر لڑائی کا ڈھنگ بدل جائیگا اور ہماری قلت انہیں کثرت نظر آنے لگے گی، وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ جب تیس مجاہد ساٹھ ہزار کا مقابلہ کرسکتے ہیں تو تیس ہزار مجاہد تو یقینی طور پر غالب ہو کر رہیں گے۔

ابوسفیانؓ نے کہا بے شک تم شمشیر الٰہی ہو، مگر میں اتنی ترمیم کرتا ہوں کہ تیس کی بجائے ساٹھ مجاہد ہوں، تاکہ ہر مجاہد دو ہزار کا مقابلہ کرنے کی بجائے ایک ہزار دشمن سے لڑے۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا اور کہا یہ کام تم ہی کرو۔ ساٹھ بہادر چن لو اور خدا کا نام لیکر بسم اللہ کرو"

حضرت خالدؓ نے عبدالرحمن بن ابی بکر، عبداللہ بن عمر، فضل بن عباس، سہیل بن عمر، ربیعہ بن عامر، ضرار بن ازور، رافع بن عمیرہ، عدی بن حاتم، قیس بن سعید، کعب بن مالک، عبادہ بن صامت، جابر بن عبداللہ، ابوایوب انصاری، شرحبیل بن حسنہ، معن بن یزید بن خطاب، یزید بن سفیان، عاصم بن عمر، رافع بن سہیل رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین وغیرہم بہادر منتخب کئے اور ان سے مخاطب ہو کر کہا۔

بہادرو! یہ مہم بہت سخت ہے، ہم ساٹھ آدمی ساٹھ ہزار دشمنوں کے مقابلہ پر جا رہے ہیں، ہمارے صبر و استقلال کا امتحان ہے، ہر ایک کو اپنا اپنا کام کرنا ہے کسی کی امداد کا خیال نہ کرنا۔ اگر ممکن ہو تو اس میں کوتاہی بھی نہ کرنا۔ گھوڑا وہ پسند کرو جس کی قوت اور وفاداری پر اعتماد کیا جا سکے، تلوار وہ جو زرہ کو کاٹ سکے، نیزہ وہ جو چار آئینہ توڑ کر دشمن کا سینہ چھید سکے اگر کسی کو جان کا خوف ہو تو وہ ابھی الگ ہو جائے، شہادت کو اپنا مقصد اور حوضِ کوثر کو اپنی منزل سمجھو، خدا اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس سے بہتر موقع میسر نہ ہوگا، آپ جاؤ اور اپنے اہل وعیال سے رخصت ہو آؤ"

ضرارؓ اپنی بہن خولہؓ کے پاس گئے اور کہا بہادر بہن! ہم ساٹھ آدمی ساٹھ ہزار کے مقابلہ پر جا رہے ہیں، اگر میں زندہ رہا تو آملوں گا، ورنہ میرے لئے دعاءِ مغفرت ضرور پڑھنا۔

بہن نے جواب دیا، بہادر بھائی! تمہیں خدا کو سونپا۔ جاؤ خدا اور رسولؐ کے دشمنوں سے جنگ کرو، اپنے بازوں کا زور دکھاؤ خدا کی خوشنودی حاصل کرو۔ اگر تم شہید ہوگئے تو دشمنوں سے تمہارا بدلہ لوں گی اور بہت جلد حوضِ کوثر پر تم سے آملوں گی۔

زبیر بن عوام اپنی بیوی حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر سے رخصت ہوئے تو اسماءؓ نے اپنے بھائی عبدالرحمن سے کہا پیارے بھائی خدا تمہیں فتح و ظفر عطا کرے، اپنے پھوپھی کے بیٹے سے جدا نہ ہونا اور حملے میں انکی مدد کرنا۔

مجاہد اپنے عزیزوں سے رخصت ہوئے، میدان کارزار کی طرف بڑھے اور ساٹھ ہزار دشمنوں کے سامنے سینے تان کر کھڑے ہو گئے گھوڑوں کی باگیں ہاتھوں میں تھیں اور خالدؓ کے اشارے کے منتظر تھے۔ گھوڑے ہنہناتے تھے فرش زمین پر بار بار سُم مارتے تھے میدان کی خاک اُڑاتے اور دشمنوں کی آنکھوں میں ڈالتے تھے، گویا مجاہدوں کے گھوڑے ان سے بھی آگے بڑھ کر جہاد کیلئے تیار تھے۔

ساٹھ گھڑسوار دیکھ کر جبلہ نے سمجھا، پیام صلح لائے ہیں، وہ اپنے لشکر سے نکل کر آگے بڑھا اور بولا کہو کیا پیغام لائے ہو؟ جو کچھ کہنا ہے جلدی کہو، تاکہ وقت ضائع نہ ہو۔

حضرت خالدؓ نے کہا، ہم پیغام دے چکے ہیں، اب کوئی نیا پیغام نہیں، وہ منظور ہے تو بات کرو؟

مجھے تمہارے پیغام سے نفرت ہے میں نہ بزدل ہوں نہ کمزور جبلہ نے کہا۔

آؤ نفرت نکالو، ہمت دکھاؤ، بہادری کی داستان سناؤ، تم وہی تو بہادر ہو جو قنسرین سے زخمی ہو کر بھاگا تھا" حضرت خالدؓ نے کہا"

وہ ایک اتفاقی بات تھی اب اسکا بھی انتقام لیا جائیگا"

اس میدان میں تمہارا گوشت چیل کوے کھائیں گے"، جبلہ نے کہا۔

خالدؓ نے جواب دیا۔ "ہم ساٹھ آدمی تمہارے ہزار آدمیوں کو اس طرح رگیدیں گے کہ تم ذلیل ہو کر منہ دکھانے کے قابل نہ رہو گے"

جبلہ نے کہا، "ابھی ہماری تلواریں تمہارے خون سے سیراب ہوں گی، پھر تمہارے لشکر کی بوٹیاں اُڑا دی جائیں گی"

خالدؓ نے جواباً کہا، "لاف زنی چھوڑو، شیخی کم بگھارو، اپنے جوانوں کو للکارو، ہماری تلواروں کو آزماؤ"

"اگر یہی ارادہ ہے تو میں ایک ایک آدمی بھیج کر وقت ضائع نہیں کروں گا، ابھی وقت ہے سمجھ جاؤ" جبلہ نے دانت پیس کر کہا"

خالدؓ نے جواب دیا" انفرادی مقابلہ کے لئے کس نے التجا کی ہے، ہم خود بہت جلد تمہارا غرور توڑنا چاہتے ہیں"

جبلہ دانت پیستا، غصّے کی آگ میں جلتا واپس چلا گیا اور پہلی صف کو آگے بڑھایا۔ ہامان اور دوسرے رومی سردار ایک بلند ٹیلے پر متمکن ہو گئے تاکہ لڑائی کا نظارہ کر سکیں، جونہی پہلی صف مجاہدین کی طرف بڑھی، مجاہدوں نے باگیں اُٹھائیں اور اسطرح حملہ کیا کہ گویا شہباز ہیں، جو چڑیوں کے جھنڈ پر آپڑے ہیں، دائیں بائیں، آگے پیچھے تلوار چلاتے بڑھتے گئے، ساٹھ ہزار میں ساٹھ مجاہد اس طرح گھسے کہ دشمنوں کے سوا ان کا کوئی پتہ نہ تھا، تلواریں چل رہی تھیں گھوڑے دوڑ رہے تھے اور لشکر کے اندر ہی اندر کھلبلی مچ رہی تھی مسلمان اپنے مجاہدوں سے مایوس ہو گئے، انہیں یقین ہو گیا کہ سب کے سب دشمنوں کی تیغ بے نیام کا لقمہ بن گئے۔ وہ متاسف تھے غمناک تھے آنکھوں میں آنسوؤں کے دریا بند تھے کہ دفعتہً اللہ اکبر کے نعرے سے میدان جنگ گونج اُٹھا اور ساٹھ کے ساٹھ سارے لشکر کو ہلا کر، سینکڑوں کو آب شمشیر پلا کر میدان میں آکھڑے ہوئے۔ انہیں دیکھ کر اسلامی لشکر نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور دشت وجبل میں غلغلہ ڈال دیا۔

جبلہ نے اپنے لشکر کو پھر اُکسایا اور حکم دیا کہ آگے ہی بڑھتے جاؤ، اگر ایک قتل ہو جائے تو دوسرا اس کی جگہ لے، جو میدان سے ہٹے گا اسے قتل کر دیا جائیگا، افسوس ہے تم سے ساٹھ مسلمانوں پر غلبہ نہ پایا جا سکا۔

غسانی لشکر غیرت کے گھوڑوں پر سوار ہو کر پھر حملہ آور ہوا مجاہدوں نے بھی دریدنے لشکر میں غوطہ لگایا، تلواریں اور نیزے اپنا کام کرنے لگے۔ مجاہدوں نے لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے سارے لشکر میں گھوڑے پھیرا دیئے، نعرے لگاتے، دشمنوں کے سر اڑاتے

دوبارہ میدان کی زینت بنے، دوست و دشمن نے آفرین کہی۔"

جبلہ اپنے لشکر کی ناکامی دیکھ کر سخت جھنجھلایا، ٹوٹی ہوئی صفیں فوراً جوڑیں، ترتیب درست کی اور اپنے لشکر کو سخت غیرت دلائی، سارا لشکر پھر سے حملہ آور ہوا، مجاہدین بھی ان میں مل گئے، میدان میں خون کے دریا بہہ گئے۔ غسانیوں نے تھکے ہوئے مجاہدین کو اپنے گھیرے میں لے لیا، انہیں چھوٹے چھوٹے گروہوں میں تقسیم کر دیا اور پورے زور سے حملے پر حملہ کرنے لگے، حضرت خالد اور حضرت عبدالرحمٰن رضوان اللہ اجمعین کے گھوڑے زخمی ہو گئے وہ پیادہ ہو کر لڑنے لگے، غسانی ان کا گھیرا تنگ کئے آتے تھے کہ فضل بن عباس اور زبیر بن عوام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے اپنا گھیرا توڑا، دشمنوں کو للکارا اور اپنے پیادہ مجاہدوں کی امداد کو پہنچ گئے۔ دشمنوں کو مار مار کر بھگا دیا، پیادہ مجاہدوں نے دشمنوں کے دو گھوڑے پکڑلئے اور ان پر سوار ہو کر ٹوٹ پڑے، اب یہ حالت تھی کہ مجاہدین دو دو، تین تین، چار چار کی ٹکڑیوں میں منقسم تھے اور دشمنوں کی یلغار کا مقابلہ کر رہے تھے، دشمنوں کے حملے شدید ہو رہے تھے اور مجاہدوں کا جوش بڑھ رہا تھا، اگرچہ دن بھر کی لڑائی سے چور چور تھے، پیاس سے لبوں پر دم آرہا تھا مگر خدا اور اپنے آقا و مولا کی خوشنودی کے لئے تلوار چل رہی تھی، نعرے لگاتے، دشمنوں کو دھوتے اور اپنے خون کو گراتے تھے۔

آفتاب اس منظر کو دیکھ کر حیران تھا، اس کا چہرہ افق ہو رہا تھا، آنکھوں کی روشنی ختم ہو رہی تھی، وہ اپنی آنکھیں بند کر لینا چاہتا تھا اس کا سفر بھی ختم ہو رہا تھا، منزل قریب تھی، اس نے جلدی ہی یہ فاصلہ طے کیا اور اپنے محل میں جا گھسا، رات نے فوراً ہر طرف سیاہ پردے تان دیئے، میدان جنگ پر تاریکی مسلط ہو گئی، ستارے اپنے چراغ جلا کر یہ خونی منظر دیکھنے لگے۔

لڑائی جاری تھی، اندھیرے نے دوست دشمن کی تمیز اٹھا دی تھی، غسانیوں کی تلواریں ایک دوسرے کو کاٹنے لگیں، جبلہ گھبرایا ہوا تو تھا ہی اس نے فوراً طبل بازگشت بجایا، غسانیوں کی جان میں جان آئی، بگٹٹ گھوڑے دوڑاتے کیمپ کی طرف دوڑ پڑے اور دم بھر میں میدان جنگ میں خاموشی چھا گئی، مردے پڑے رہ گئے اور زندہ بھاگ کر انہیں گیدڑوں کیلئے چھوڑ گئے، مجاہدین کے سوا میدان میں دشمنوں کا نشان تک نہ تھا۔

منتشر مجاہد اکٹھے ہوئے تو ان کی تعداد بیس تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت خالدؓ کا خون خشک ہو گیا، وہ پریشان ہوئے اور کہنے لگے ہمارا مقصد تو پورا ہو گیا مگر نقصان نہایت پریشان کن ہے، کاش مجھے بھی شہادت نصیب ہو جاتی اور میں اس سانحہ کو نہ دیکھتا۔

ابوسفیانؓ نے کہا مجھے یقین ہے کہ اصحاب رسولؐ زندہ ہیں مشعلیں لو اور میدان کا جائزہ لو، اسی وقت مشعلیں لائی گئیں، دس شہداء کی لاشیں ملیں اور باقی کا کچھ پتہ نہ چلا۔ غسانیوں کی لاشوں کے انبار تھے گنی گئیں تو پانچ ہزار تھیں، اگرچہ یہ سودا مہنگا نہ تھا، مگر حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت خالدؓ نہایت اندوہگین تھے۔

ابوسفیانؓ نے کہا ہمارے مجاہد زندہ ہیں اور دشمن کے تعاقب میں گئے ہیں، گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

حضرت خالدؓ نے کہا آپ آرام کریں، اس مصیبت کا باعث میں ہوں اب میں ہی اس کی تلاش میں جاتا ہوں، یہ کہہ کر وہ دن بھر کی لڑائی سے تھکا ہوا شیر اکیلا دشمن کے کیمپ کی طرف چل دیا، ابھی تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ گھوڑوں کی ٹاپ کان میں پڑی، وہیں قدم رک گئے، ذرا سی دیر میں مجاہدین ان کے سامنے تھے۔ فضل بن عباسؓ زبیرؓ بن عوام، عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکر نے السلام علیکم سے اپنی آمد کا پتہ دیا۔ یہ مجاہد پچیس تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ تم کہاں رہے؟ انہوں نے کہا ہم دشمن کے تعاقب میں ذرا دور نکل گئے تھے، غسانیوں کو بھگاتے، ان کے

باقی صفحہ ۱۱ پر

ظہورِ قدسی
ولادت نبوی
بعثت محمدی

از: مولانا الطاف حسین حالی مرحوم

یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت — بڑھا جانبِ بوقُبیس ابرِ رحمت
ادا خاکِ بطحا نے کی وہ ودیعت — چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت
ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دُعائے خلیلؑ اور نویدِ مسیحا

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا — مُرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا — وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

خطا کار سے درگذر کرنے والا — بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا — قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اُتر کر حِرا سے سوئے قوم آیا
اور اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

مسِ خام کو جس نے کُندن بنایا — کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا — پلٹ دی بس اک آن میں اسکی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی
نئی اک لگن سب کے دل میں لگادی اک آواز میں سوتی بستی جگادی
پڑا ہر طرف غل یہ پیغام حق سے
کہ گونج اُٹھے دشت و جبل نام حق سے

سبق پھر شریعت کا اُن کو پڑھایا حقیقت کا گُر ان کو اِک اِک بتایا
زمانے کے بگڑے ہوؤں کو بنایا بہت دن کے سوتے ہوؤں کو جگایا
کُھلے تھے نہ جو راز اب تک جہاں پر
وہ دکھلا دیئے ایک پردہ اُٹھا کر

نہ واقف تھے انساں قضا اور جزا سے نہ آگاہ تھے مبدء و منتہا سے
لگائی تھی اِک اِک نے لَو ماسوائے پڑے تھے بہت دُور بندے خُدا سے
یہ سُنتے ہی تھرّا گیا گھر سارا
یہ راعی نے للکار کر جب پکارا

کہ ہے ذاتِ واحد عبادت کے لائق زباں اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق
لگاؤ تو لَو اس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اس کے آگے جُھکاؤ

سکھائی انہیں نوعِ انساں پہ شفقت کہا' ہے یہ اِسلامیوں کی علامت
کہ ہمسائے سے رکھتے ہیں وہ محبّت شب و روز پہنچاتے ہیں اس کو راحت
وہ جو حق سے اپنے لئے چاہتے ہیں
وہی ہر بشر کے لئے چاہتے ہیں

خدا رحم کرتا نہیں اس بشر پر نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر
کسی کے گر آفت گذر جائے سر پر پڑے غم کا سایہ نہ اس بے اثر پر
کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

(مسدسِ حالی)

خلافت راشدہ

مولانا حالی کے موئے قلم سے عہد صحابہ کی دلکش تصویر

ان خصوصیات کی بناء پر یہ پہلا اسلامی معاشرہ جس کی بنیاد صحبتِ نبویؐ، تربیتِ ایمانی اور تعلیمات قرآنی پر پڑی تھی، ایک بے خار انسانی گلدستہ بن گیا۔ جس کا ہر پھول اور ہر پتی اس کے لئے باعث زینت تھی۔ مختلف قبائل مختلف خاندانوں اور مختلف حیثیتوں کے افراد ایک خوش اسلوب متحد القلوب خاندان میں تبدیل ہوگئے اور اسلام کی انقلاب انگیز تعلیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ محبت نے ان کو شیر و شکر بنا دیا۔ اس موقع پر مدیر الرشید کے قلم سے خواجہ الطاف حسین حالی کی شہرہ آفاق مسدس کا ایک اقتباس نقل کئے بغیر رہا نہیں جاتا۔ جس میں صحابہ کرامؓ کے اس معاشرہ کی بولتی ہوئی تصویر کھینچی گئی ہے۔ یہ تصویر مبنی بر حقیقت ہونے کے ساتھ ایسی دلکش و دلآویز ہے کہ اس کو پوری نسل انسانی کے وسیع اور ضخیم مرقع میں پیغمبروں کی سیرت و تاریخ کے بعد سب سے پہلی اور اونچی جگہ دینی چاہئے مولانا حالی صحابہ کرامؓ خلافتِ راشدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

جب امت کو سب مل چکی حق کی دولت ادا کر چکی فرض اپنا رسالت
رہی حق پہ باقی نہ بندوں کی حجت نبیؐ نے کیا خلق سے قصدِ رحلت
تو اسلام کی وارث اِک قوم چھوڑی
کہ دنیا میں جس کی مثالیں ہیں تھوڑی

سب اِسلام کے حکم بردار بندے سب اسلامیوں کے مددگار بندے
خدا اور نبی کے وفادار بندے یتیموں کے رانڈوں کے غمخوار بندے
رہ کفر و باطل سے بیزار سارے
نشہ میں مئے حق کے سرشار سارے

جہالت کی رسمیں مٹا دینے والے کہانت کی بنیاد ڈھا دینے والے
سر احکام دیں پر جھکا دینے والے خدا کے لئے گھر لٹا دینے والے
ہر آفت میں سینہ سپر کرنے والے
فقط ایک اللہ سے ڈرنے والے

اگر اختلاف ان میں باہم دگر تھا تو بالکل مدار اس کا اخلاص پر تھا
جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا خلاف آشتی سے خوش آئندہ تر تھا
یہ تھی موج پہلی اس آزادگی کی
ہرا جس سے ہونے کو تھا باغ گیتی

نہ کھانوں میں تھی واں تکلف کی کلفت نہ پوشش سے مقصود تھی زیب و زینت
امیر اور لشکر کی تھی ایک صورت فقیر اور غنی سب کی تھی ایک حالت
لگایا تھا اِک باغ مالی نے ایسا
نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

خلیفہ تھے اُمت کے ایسے نگہباں ہو گلہ کا جیسے نگہبان چرواہا
سمجھتے تھے ذمی و مسلم کو یکساں نہ تھا عبد و حُر میں تفاوت نمایاں
کنیز اور بانو تھیں آپس میں ایسی
زمانہ میں ماں جائی بہنیں ہوں جیسی

رہِ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ اُن کی فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ اُن کی
بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی شریعت کے قبضہ میں تھی باگ اُن کی
جہاں کردیا نرم نرما گئے وہ
جہاں کردیا گرم گرما گئے وہ

کفایت جہاں چاہئیے واں کفایت سخاوت جہاں چاہئیے واں سخاوت
جچی اور تُلی دشمنی اور محبت نہ بے وجہ اُلفت نہ بے وجہ نفرت
جھکا حق سے جو جھک گئے اس سے وہ بھی
رُکا حق سے جو رُک گئے اس سے وہ بھی

نظم

دُر فشانی نے تری قطروں کو دریا کردیا
دل کو روشن کردیا آنکھوں کو بینا کردیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کردیا

محمد رسول اللہ
والذین معہ

فتوحات فاروقی

شبلی نعمانیؒ

جنگ قادسیہ

جب اسلام کے جیالے کسریٰ کی فوجوں پر قہرِ الٰہی بن کر ٹوٹ پڑے

رستم اَب تک لڑائی کو برابر ٹالتا جاتا تھا لیکن مغیرہ کی گفتگو نے اسکو اسقدر غیرت دلائی کہ اسی وقت کمر بندی کا حکم دیا نہر جو بیچ میں حائل تھی حکم دیا کہ صبح ہوتے ہوتے پاٹ کر سڑک بنا دی جائے صبح تک یہ کام انجام کو پہنچا اور دو پہر سے پہلے پہلے یہ فوج نہر کے اس پار آگئی، خود سامان جنگ سے آراستہ ہوا دو ہری زرہیں پہنیں، سر پر خود رکھا، ہتھیار لگائے پھر اسپ خاصہ طلب کیا اور سوار ہو کر جوش میں کہا کہ کل عرب کو چکنا چور کر دوں گا۔ کسی سپاہی نے کہا "ہاں اگر خدا نے چاہا" بولا کہ "خدا نے نہ چاہا تب بھی"۔

فوج نہایت ترتیب سے آراستہ کی، آگے پیچھے تیرہ صفیں آراستہ کیں، قلب کے پیچھے ہاتھیوں کا قلعہ باندھا، ہودجوں اور عماریوں میں ہتھیار بند سپاہی بٹھائے، میمنہ و میسرہ کے پیچھے قلعہ کے طور پر ہاتھیوں کے پرے جمائے، خبر رسانی کے لئے موقع جنگ سے پایۂ تخت تک کچھ کچھ فاصلے پر آدمی بٹھائے۔ جو واقعہ پیش آتا تھا موقع جنگ کا آدمی چلا کر کہتا تھا اور درجہ بدرجہ مدائن تک خبر پہنچ جاتی تھی۔

قادسیہ میں ایک قدیم شاہی محل تھا جو عین میدان کے کنارے پر واقع تھا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو چونکہ عرق النساء کی شکایت تھی اور چلنے پھرنے سے معذور تھے اس لئے فوج کیساتھ شریک نہ ہوسکے۔ بالاخانے پر میدان کی طرف رُخ کر کے تکیہ کے سہارا سے بیٹھے اور خالد بن عرطفہ کو اپنے بجائے سپہ سالار مقرر کیا تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے یعنی جس وقت جو حکم دینا مناسب ہوتا تھا پرچوں پر لکھوا کر اور گولیاں بنا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے اور خالد انہی ھدایتوں کے موافق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے۔ تمدن کے ابتدائی زمانے میں فنِ جنگ کا اسقدر ترقی کرنا تعجب کے قابل اور عرب کی تیزیِ طبع اور لیاقت جنگ کی دلیل ہے۔

فوجیں آراستہ ہوچکیں تو عرب کے مشہور شعراء اور خطیب صفوں سے نکلے اور اپنی آتش فشانی سے تمام فوج میں آگ لگا دی۔ شعراء میں شماخ، حطیئہ، اوس بن معراء، عبدۃ بن الطیب، عمرو بن معدیکرب۔ اور خطیبوں میں قیس بن ہبیرہ غالب ابن البذیل الاسدی، بسر بن ابی رہم الجہنی، عاصم بن عمرو، ربیع سعدی، ربیع بن عامر میدان میں کھڑے تقریر کر رہے تھے اور فوج کا یہ حال تھا کہ ان پر کوئی جادو کر رہا ہے۔ ان تقریروں کے بعض حصے یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

ابن الہذیل اسدی کے الفاظ یہ تھے :

"خاندانِ سعد ! تلواروں کا قلعہ بناؤ اور دشمنوں کے مقابلہ میں شیر بن جاؤ ، گرد کی زرہ پہن لو اور نگاہیں نیچی کرلو جب تلواریں تھک جائیں تو تیروں کی باگ چھوڑ دو کیونکہ تیروں کو جہاں بار مل جاتا ہے تلواروں کو نہیں ملتا۔"

اس کے ساتھ ہی قاریوں نے میدان میں نکل نکل کر [illegible] الحانی اور جوش سے سورۂ جہاد کی آیات تلاوت کرنی شروع کردیں جن کی تاثیر سے دل ہل کر رہ گئے اور آنکھیں سُرخ ہوگئیں۔

سعدؓ نے قاعدے کے موافق تین نعرے مارے اور چوتھے پر لڑائی شروع ہوئی۔ سب سے پہلے ایک ایرانی قد انداز دیبا کی قبا زیب بدن کئے، زریں کمربند لگائے ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنے میدان میں آیا۔ ادھر سے عمرو بن معدی کرب اس کے مقابلے کو نکلے۔ اُس نے تیر کمان میں جوڑا اور ایسا تاک کر مارا کہ یہ بال بال بچ گئے۔ انہوں نے گھوڑے کو دابا اور قریب پہنچ کر کمر میں ہاتھ ڈال کر اُٹھایا اور زمین پر دے پٹکا اور تلوار سے گردن اڑا کر فوج کی طرف مخاطب ہوئے کہ یوں لڑا کرتے ہیں۔ لوگوں نے کہا ہر شخص معدی کرب کیونکر ہوسکتا ہے۔

اس کے بعد اور بہادر دونوں طرف سے نکلے اور شجاعت کے جوہر دکھائے۔ پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ ایرانیوں نے بجیلہ کے رسالہ پر جو سب میں ممتاز تھا ہاتھیوں کو ریلا۔ عرب کے گھوڑوں نے یہ کالے پہاڑ کہاں دیکھے تھے دفعۃً بدکے اور منتشر ہوگئے۔ پیدل فوج ثابت قدمی سے لڑی لیکن ہاتھیوں کے ریلے میں ان کے پاؤں بھی اکھڑ جاتے تھے سعدؓ نے یہ دیکھ کر قبیلہ اَسد کو فوراً حکم بھیجا کہ بجیلہ کو سنبھالو۔ طلیحہ نے جو قبیلہ کے سردار اور مشہور بہادر تھے ساتھیوں سے کہا: عزیزو! سعدؓ نے کچھ سمجھ کر تم سے مدد مانگی ہے۔ تمام قبیلے نے جوش میں آکر باگیں اُٹھائیں اور ہاتھوں میں برچھیاں لے کر ہاتھیوں پر حملہ آور ہوئے۔ ان کی پامردی سے اگرچہ یہ کالی آندھی ذرا تھم گئی لیکن ایرانیوں نے بجیلہ کو چھوڑ کر سارا زور اسطرف کردیا۔ سعدؓ نے قبیلہ تمیم کو جو تیراندازی اور نیزہ بازی میں مشہور تھے کہلا بھیجا کہ تم سے ہاتھیوں کی کچھ تدبیر نہیں ہوسکتی یہ سُن کر وہ دفعۃً بڑھے اور اسقدر تیر برسائے کہ فیل نشینوں کو گرا دیا پھر قریب پہنچ کر تمام ہودے اور عماریاں پلٹ دیں شام تک یہ ہنگامہ رہا جب بالکل تاریکی چھاگئی تو دونوں حریف میدان سے ہٹے۔ قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا اور عربی اس کو یوم الارماث کہتے ہیں۔

سعدؓ جسوقت بالاخانے پر بیٹھے فوج کو لڑا رہے تھے ان کی بیوی سلمیٰ بھی ان کے برابر بیٹھی تھی۔ ایرانیوں نے جب ہاتھیوں کو ریلا اور مسلمان پیچھے ہٹے تو سعدؓ غصے سے بے تاب ہوئے جاتے تھے اور بار بار کروٹیں بدلتے تھے۔ سلمیٰ یہ حالت دیکھ کر بے اختیار چلا اٹھی کہ افسوس آج مثنیٰ نہ ہوا۔ سعدؓ نے غصے سے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کیا اور کہا کہ مثنیٰ ہوتا تو کیا کر لیتا۔ سلمیٰ نے کہا: "سبحان اللہ بزدلی کیساتھ غیرت بھی..." یہ اس بات پر طعن تھا کہ سعدؓ خود لڑائی میں شریک نہ تھے۔ اگلے دن سعد نے سب سے پہلے میدان جنگ سے مقتولوں کی لاشیں اُٹھوا کر دفن کرائیں اور جسقدر

زخمی تھے مرہم پٹی کے لئے عورتوں کے حوالے کئے پھر فوج کو کمر بندی کا حکم سنایا۔ لڑائی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ شام کی طرف غبار اٹھا۔ گرد ہٹی تو معلوم ہوا کہ ابوعبیدہؓ نے شام سے جو امدادی فوجیں بھیجی تھیں وہ آن پہنچیں۔ حضرت عمرؓ نے جس زمانے میں عراق پر حملے کی تیاری کی تھی اُسی زمانے میں ابوعبیدہؓ کو جو شام کی مہم پر مامور تھے لکھ بھیجا تھا کہ عراق کی فوج جو وہاں بھیجی گئی تھی اسکو حکم دو کہ سعدؓ کی فوج سے جا کر مل جائے چنانچہ عین وقت پر یہ فوج پہنچی اور تائید غیبی سمجھی گئی۔ چھ ہزار سپاہی تھے جن میں پانچ ہزار ربیعہ مضر اور ایک ہزار خاص حجاز کے تھے۔ ہاشم بن عتبہ سعدؓ کے بھائی سپہ سالار تھے اور ہراول قعقاع کی رکاب میں تھا قعقاع نے پہنچتے ہی صف سے نکل کر پکارا کہ ایرانیوں میں کوئی بہادر ہو تو مقابلے کو آئے۔ اُدھر سے بہمن نکلا۔ قعقاع جسر کا واقعہ یاد کر کے پکار اُٹھے کہ "لینا ابوعبیدؓ کا قاتل جانے نہ پائے" دونوں حریف تلوار لیکر مقابل ہوئے اور کچھ دیر کی ردوبدل کے بعد بہمن مارا گیا۔ دیر تک دونوں اطراف کے بہادر تنہا تنہا میدان میں نکل کر اپنی شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔

سیستان کا شہزادہ شہر براز کے ہاتھوں مارا گیا۔ بزرجمہر ہمدانی جو ایک مشہور بہادر تھا قعقاع سے لڑ کر قتل ہوا۔ غرض ہنگامۂ عام سے پہلے ایرانی فوج نے اپنے اکثر نامور بہادر کھو دیئے تاہم بڑے زور شور سے دونوں فوجیں حملہ آور ہوئیں۔

شام کی امدادی فوج کو قعقاع نے اس تدبیر سے روانہ کیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے دستے کر دیئے تھے اور جب ایک دستہ میدانِ جنگ میں پہنچ جاتا تھا تو دوسرا دُور سے نمودار ہوتا تھا اس طرح تمام دن فوجوں کا تانتا بندھا رہا اور ایرانیوں پر رعب چھا تا گیا۔ ہر دستہ اللہ اکبر کے نعرے لگاتا ہوا آتا تھا اور قعقاع اس کے ساتھ ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوتے تھے۔

ہاتھیوں کے لئے قعقاع نے یہ تدبیر کی کہ اونٹوں پر جھول اور برقع ڈال کر ہاتھیوں کی طرح مہیب بنایا یہ مصنوعی ہاتھی جس طرف رُخ کرتے تھے ایرانیوں کے گھوڑے بدک کر سواروں کے قابو سے نکل جاتے تھے۔

عین ہنگامۂ جنگ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاصد پہنچے جن کے پاس نہایت بیش قیمت عربی گھوڑے اور تلواریں تھیں۔ ان لوگوں نے فوج کے سامنے پکار کر کہا کہ امیر المؤمنین نے یہ انعام اُن لوگوں کے لئے بھیجا ہے جو ان کا حق ادا کر سکیں۔ چنانچہ قعقاع نے حمال بن مالک، ربیل بن عمرو، طلیحہ بن خویلد، عاصم بن عمرو التمیمی کو یہ تلواریں دیں اور قبیلہ یربوع کے چار بہادروں کو گھوڑے عنایت کئے۔ ربیل نے فخر سے جوش میں آ کر یہ شعر پڑھا: "سب لوگوں کو معلوم ہے کہ میں سب سے زیادہ مستحق ہوں۔"

جس وقت لوگوں نے کاٹنے والی نازک تلواریں پائیں اسوقت لڑائی کا ہنگامہ گرم تھا۔ ابومحجن ثقفی جو ایک مشہور بہادر اور شاعر تھے اور جن کو شراب پینے کے جرم پر سعدؓ نے قید کر دیا تھا قید خانے کے دریچے سے لڑائی کا منظر دیکھ رہے تھے اور شجاعت کے جوش میں بے اختیار ہوتے جاتے تھے آخر ضبط نہ کر سکے۔ سلمیٰ (سعد کی بیوی) سے کہنے لگے خدا کے لئے اسوقت مجھے چھوڑ دو۔ لڑائی سے جیتا بچا تو خود آ کر بیڑیاں پہن لوں گا۔ سلمیٰ نے انکار کیا یہ حسرت کے ساتھ واپس ہوئے اور بار بار پُردرد لہجہ میں یہ اشعار پڑھتے تھے: "اس سے بڑھ کر کیا غم ہوگا کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں اور میں زنجیروں میں بندھا پڑا ہوں"

جب کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیر اُٹھنے نہیں دیتی' اور دروازے اسطرح بند کر دیئے جاتے ہیں کہ پکارنے والا پکارتے تھک جاتا ہے۔"

ان اشعار نے سلمیٰ کے دل پر اسقدر اثر کیا کہ انہوں نے اس کی بیڑیاں کاٹ دیں۔ انہوں نے فوراً اصطبل میں جاکر سعدؓ کے گھوڑے پر جس کا نام بالقاں تھا زین کسا اور میدان جنگ میں پہنچ کر بھالے کے ہاتھ نکالتے ہوئے ایک دفعہ میمنہ سے میسرہ تک کا چکر لگایا پھر اس زور و شور سے حملہ کیا کہ جس طرف نکل گئے صف کی صف اُلٹ دی تمام لشکر متحیر تھا کہ یہ کون بہادر ہے سعدؓ بھی حیران تھے اور دل میں کہتے تھے کہ حملہ کا انداز ابومحجن کا ہے لیکن وہ قید خانے میں ہے۔ شام ہوئی تو ابومحجن نے آکر خود بیڑیاں پہن لیں۔ سلمیٰ نے یہ تمام حالات سعدؓ سے بیان کئے۔ سعدؓ نے اسی وقت ان کو رہا کر دیا اور کہا کہ خدا کی قسم مسلمانوں پر جو شخص یوں نثار ہو میں اس کو سزا نہیں دے سکتا۔ ابومحجن نے کہا خدا کی قسم میں آج کے بعد پھر کبھی شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔

خنساء جو عرب کی مشہور شاعرہ تھی اس معرکے میں شریک تھی اور اس کے چاروں بیٹے بھی ساتھ تھے۔ لڑائی جب شروع ہوئی تو اس نے بیٹوں کی طرف خطاب کیا اور کہا:

"پیارے بیٹو! تم اپنے ملک کے دو بھر نہ تھے' نہ تم پر قحط پڑا تھا باوجود اس کے کہ تم اپنی کہن سال ماں کو یہاں لائے اور فارس کے آگے ڈال دیا۔ خدا کی قسم جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو اسی طرح ایک باپ کے بھی ہو۔ میں نے تمہارے باپ سے بد دیانتی نہیں کی نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا۔ تو جاؤ اور آخری دم تک لڑو۔"

بیٹوں نے ایک ساتھ باگیں اُٹھائیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ جب نگاہ سے اوجھل ہوگئے تو خنساء نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہا "خدایا میرے بیٹوں کو بچانا۔"

اس دن مسلمان دو ہزار اور ایرانی دس ہزار مقتول و مجروح ہوئے تاہم فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا یہ معرکہ اغواث کے نام سے مشہور ہے۔

تیسرا معرکہ یوم العماس کے نام سے مشہور ہے اس میں قعقاع نے یہ تدبیر کی کہ رات کے وقت چند رسالوں اور پیدل فوج کو حکم دیا کہ پڑاؤ سے دور شام کی طرف نکل جائیں پو پھوٹتے ہی سو سو سوار میدان جنگ کی طرف گھوڑے اُڑاتے ہوئے آئیں اور رسالے اسی طرح برابر آتے جائیں۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی پہلا رسالہ پہنچا۔ تمام فوج نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور غل پڑ گیا کہ نئی امدادی فوجیں آگئی ہیں، ساتھ ہی حملہ ہوا حسن اتفاق سے ہاشم بن عتبہ کو ابو عبیدہؓ نے شام سے مدد کے لئے بھیجا تھا عین موقع پر سات سو سواروں کو لیکر پہنچ گئے۔ یزدجرد کو دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں اور وہ برابر فوجیں بھیجتا جاتا تھا۔ ہاشم نے فوج کی طرف خطاب کیا اور کہا تمہارے بھائیوں نے شام کو فتح کر لیا۔ فارس کی فتح کا جو خدا کی طرف سے وعدہ ہوا ہے وہ تمہارے ہاتھ سے پورا ہوگا۔ معمول کے موافق جنگ کا آغاز یوں ہوا کہ ایرانیوں کی فوج سے ایک پہلوان شیر کی طرح ڈکارتا ہوا میدان میں آیا اس کا ڈیل ڈول دیکھ کر لوگ اس کے مقابلے سے جی چُراتے تھے لیکن ایک عجیب اتفاق سے وہ ایک کمزور

سپاہی کے ہاتھوں مارا گیا۔ ایرانیوں نے ہاتھیوں کے دائیں بائیں پیدل فوجیں قائم کیں عمرو بن معدی کرب نے رفیقوں سے کہا میں مقابل ہاتھی پر حملہ کرتا ہوں تم ساتھ رہنا ورنہ عمرو بن معدی کرب مارا گیا تو پھر معدی کرب پیدا نہ ہوگا۔ یہ کہہ کر تلوار میان سے گھسیٹ لی اور ہاتھی پر حملہ کیا لیکن پیدل فوجیں جو دائیں بائیں تھیں دفعتہً ان پر ٹوٹ پڑیں اور اسقدر گرد اُٹھی کہ یہ نظر سے چھُپ گئے۔ یہ دیکھ کر ان کی فوج حملہ آور ہوئی اور بڑے معرکے کے بعد دشمن پیچھے ہٹا عمرو بن معدی کرب کا یہ حال تھا کہ تمام جسم خاک سے اٹا ہوا تھا۔ بدن پر جا بجا برچھیوں کے زخم تھے تاہم تلوار قبضے میں تھی اور ہاتھ چلتا جاتا تھا۔ اسی حالت میں ایک ایرانی برابر سے نکلا انہوں نے اس کے گھوڑے کی دُم پکڑ لی ایرانی نے بار بار مہمیز کیا لیکن گھوڑا اپنی جگہ سے ہل نہ سکا آخر سوار اتر کر بھاگ پڑا اور یہ اُچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھے۔

سعدؓ نے یہ دیکھ کر کہ ہاتھی جس طرف رُخ کرتے ہیں دل کا دل پھٹ جاتا ہے ضخم وسلم وغیرہ کو جو پارسی تھے اور مسلمان ہو گئے تھے بلا کر پوچھا کہ اس بلائے سیاہ کا کیا علاج ہے؟ انہوں نے کہا کہ ان کی سونڈ اور آنکھیں بیکار کر دی جائیں۔ تمام غول میں دو ہاتھی نہایت مہیب اور کوہ پیکر گویا کل ہاتھیوں کے سردار تھے ایک ابیض اور دوسرا اجرب کے نام سے مشہور تھا۔ سعدؓ نے قعقاع عاصم، حمال اور ربیل کو بُلا کر کہا کہ یہ مہم تمہارے ہاتھ ہے۔ قعقاع نے پہلے کچھ سوار اور پیادے بھیجدیئے کہ ہاتھیوں کو نرغہ میں کرلیں پھر خود برچھا ہاتھ میں لیکر پیل سفید کی طرف بڑھے۔ عاصم بھی ساتھ تھے دونوں نے ایک ساتھ برچھے مارے کہ آنکھیں میں پیوست ہو گئے ہاتھی جھُرجھُری لیکر پیچھے ہٹا ساتھ ہی قعقاع کی تلوار پڑی اور سونڈ مستک سے الگ ہو گئی ادھر ربیل و حمال نے اجرب پر حملہ کیا وہ زخم کھا کر بھاگا تو تمام ہاتھی اس کے پیچھے ہو لئے اور دم کے دم میں یہ سیاہ بادل بالکل تھم گیا۔

اب بہادروں کو حوصلہ آزمائی کا موقع ملا اور اس زور کا رن پڑا کہ نعروں کی گرج سے زمین دہل دہل پڑتی تھی چنانچہ اسی مناسبت سے اس معرکہ کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں۔ ایرانیوں نے فوج نئے سرے سے ترتیب دی قلب میں اور دائیں بائیں تیرہ تیرہ صفیں قائم کیں مسلمانوں نے بھی تمام فوج کو سمیٹ کر یکجا کیا اور آگے پیچھے تین پرے جمائے۔ سب سے آگے سواروں کا رسالہ ان کے بعد پیدل فوجیں اور سب سے پیچھے تیر انداز۔ سعدؓ نے حکم دیا تھا کہ تیسری تکبیر پر حملہ کیا جاوے لیکن ایرانیوں نے جب تیر برسانے شروع کئے تو قعقاع سے ضبط نہ ہو سکا اور اپنی رکاب کی فوج لیکر دشمن پر ٹوٹ پڑے فوجی اصول کے لحاظ سے یہ حرکت نافرمانی میں داخل تھی۔ تاہم لڑائی کا ڈھنگ اور قعقاع کا جوش دیکھ کر سعدؓ کے منہ سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْہُ وَ انْصُرْہُ یعنی "اے خدا قعقاع کو معاف کرنا اور اسکا مددگار رہنا۔ قعقاع کو دیکھ کر بنو اسد اور بنو اسد کی دیکھا دیکھی نخع، بجیلہ، کندہ سب ٹوٹ پڑے۔ سعد ہر قبیلے کے حملہ پر کہتے جاتے تھے خدایا اس کو معاف کرنا اور یاور رہنا۔ اوّل اوّل سواروں کے رسالوں نے حملہ کیا لیکن ایرانی فوجیں جو دیوار کی طرح جمی کھڑی تھیں اس ثابت قدمی سے لڑیں کہ گھوڑے آگے نہ بڑھ سکے یہ دیکھ کر سب گھوڑوں سے کود پڑے اور پیادہ حملہ آور ہوئے۔

ایرانیوں کا ایک رسالہ سر تا پا لوہے میں غرق تھا۔ قبیلہ ہمیضہ نے اس پر حملہ کیا لیکن تلواریں زرہوں پر اُچٹ اُچٹ

کر رہ گئیں۔ سردارانِ قبیلہ نے للکارا۔ سب نے کہا زرہوں پر تلواریں اثر نہیں کرتیں۔ اس نے غصے میں آکر ایک ایرانی پر اپنے برچھے کا وار اسطرح کیا کہ برچھا کر توڑ کر نکل گیا۔ یہ دیکھ کر اوروں کو بھی ہمت ہوئی اور اس بہادری سے لڑے کہ رسالہ کا رسالہ برباد کر دیا تمام رات ہنگامۂ کارزار گرم رہا۔ لوگ لڑتے لڑتے تھک کر چور ہو گئے تھے اور نیند کے خمار میں ہاتھ پاؤں بیکار ہوئے جاتے تھے اسپر بھی جب فتح و شکست کا فیصلہ نہ ہوا تو قعقاع نے سرداران قبائل میں سے چند نامور بہادر منتخب کئے اور سپہ سالارِ فوج رستم کی طرف رُخ کیا۔ ساتھ ہی قیس اشعث عمرو بن معدی کرب ابن ذی البردین نے جو اپنے اپنے قبیلہ کے سردار تھے ساتھیوں کو للکارا کہ دیکھو یہ لوگ خدا کی راہ میں تم سے آگے نکلنے نہ پائیں اور سرداروں نے بھی جو بہادری کے ساتھ زبان آور بھی تھے اپنے قبیلوں کے آگے کھڑے ہو کر اس جوش سے تقریریں کیں کہ تمام لشکر میں ایک آگ لگ گئی۔ سوار گھوڑوں سے کود پڑے اور تیر کمان پھینک کر تلواریں گھسیٹ لیں۔ اس جوش کے ساتھ تمام فوج سیلاب کی طرح بڑھی اور فیروزان و ہرمزان کو دباتے ہوئے رستم کے قریب پہنچ گئے۔ رستم تخت پر بیٹھا فوج کو لڑا رہا تھا یہ حالت دیکھ کر تخت سے کود پڑا اور دیر تک مردانہ وار لڑتا رہا جب زخموں سے بالکل چور ہو گیا تو بھاگ نکلا۔ ہلال نامی ایک سپاہی نے پیچھا کیا۔ اتفاق سے ایک نہر سامنے آگئی رستم کود پڑا کہ تیر کر نکل جائے۔ ساتھ ہی ہلال بھی کودے اور ٹانگیں پکڑ کر باہر کھینچ لائے۔ پھر تلوار سے کام تمام کر دیا۔

ہلال نے لاش خچر کے پاؤں میں ڈال دی، اور تخت پر چڑھ کر پکارے کہ رستم کا میں نے خاتمہ کر دیا ہے۔ ایرانیوں نے دیکھا تو تخت سپہ سالار سے خالی تھا۔ تمام فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ مسلمانوں نے دُور تک تعاقب کیا اور ہزاروں لاشیں میدان میں بچھادیں۔

سعدؓ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامۂ فتح لکھا اور دونوں طرف کے مقتولوں کی تفصیل لکھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ جس دن سے قادسیہ کا معرکہ شروع ہوا تھا ہر روز آفتاب نکلتے مدینے سے نکل جاتے اور قاصد کی راہ دیکھتے۔ ایک دن معمول کے مطابق نکلے اِدھر سے ایک شتر سوار آرہا تھا بڑھ کر پوچھا کہ کدھر سے آرہے ہو۔ وہ سعدؓ کا قاصد تھا اور مژدہ فتح لیکر آیا تھا۔ جب معلوم ہوا کہ سعدؓ کا قاصد ہے تو اس سے حالات پوچھنے شروع کر دیئے اس نے کہا خدا نے مسلمانوں کو فتح دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رکاب کے برابر دوڑتے جاتے تھے اور حالات پوچھتے جاتے شتر سوار شہر میں داخل ہوا تو دیکھا جو شخص سامنے آتا ہے ان کو امیر المومنین کے لقب سے پکارتا ہے۔ ڈر سے کانپ اٹھا اور کہا کہ حضرت نے مجھ کو اپنا نام کیوں نہ بتایا کہ میں اس گستاخی کا مرتکب نہ ہوتا۔

فرمایا" نہیں کچھ حرج نہیں تم سلسلہ کلام کو نہ توڑو" چنانچہ اسی طرح اس کے رکاب کے ساتھ ساتھ گھر تک آئے مدینہ پہنچ کر مجمع عام میں فتح کی خوش خبری سنائی اور ایک نہایت پُر اثر تقریر کی جس کا آخیر فقرہ یہ تھا:

" مسلمانو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنانا چاہتا ہوں۔ میں خود خدا کا غلام ہوں البتہ خلافت کا بار میرے سر پر رکھا گیا ہے۔ اگر میں اسی طرح تمہارا کام کروں کہ تم چین سے گھروں میں سوؤ تو یہ میری سعادت ہے اور اگر میری یہ خواہش ہو کہ

تم میرے دروازے پر حاضری دو تو میری بدبختی ہے۔ میں تم کو تعلیم دینا چاہتا ہوں لیکن باتوں سے نہیں بلکہ عمل سے۔"

قادسیہ کے معرکے میں جو عجم یا عرب مسلمانوں سے لڑتے تھے اُن میں ایسے بھی تھے جو دل سے لڑنا نہیں چاہتے تھے بلکہ زبردستی فوج میں لائے گئے تھے۔ بہت سے لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے فتح کے بعد یہ لوگ سعدؓ کے پاس آئے اور امن کی درخواست کی۔ سعدؓ نے دربارِ خلافت کو لکھا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ کو بلوا کر رائے لی اور سب نے بالاتفاق منظور کیا۔ غرض تمام ملک کو امن دیا گیا۔ جو لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے واپس آکر آباد ہو گئے۔ رعایا کے ساتھ یہ ارتباط بڑھا کہ اکثر بزرگوں نے ان میں رشتہ داریاں کر لیں۔ ایرانیوں نے قادسیہ سے بھاگ کر بابل میں مقام لیا اور چونکہ یہ ایک محفوظ و مستحکم مقام تھا اطمینان کے ساتھ جنگ کے تمام سامان مہیا کر لئے تھے اور فیروزاں کو سردارِ لشکر قرار دیا گیا۔ سعدؓ نے ان کے استیصال کے لئے ۱۵ھ میں بابل کا ارادہ کیا اور چند سردار آگے روانہ کئے کہ راستہ صاف کرتے جائیں۔ چنانچہ مقام برس میں بصبریٰ سدِ راہ ہوا اور میدانِ جنگ میں زخم اُٹھا کر بابل کی طرف بھاگ گیا۔ برس کے رئیس نے جس کا نام بسطام تھا صلح کر لی اور بابل تک موقع بموقع پل تیار کرا دیئے کہ اسلامی فوجیں بے تکلف گذر جائیں۔ بابل میں اگرچہ عجم کے بڑے بڑے سردار نخیرجان، ہرمزان، مہران وغیرہ جمع تھے لیکن پہلے ہی حملے میں بھاگ نکلے۔ سعدؓ نے خود بابل میں مقام کیا اور زہرہ کی افسری میں کچھ فوجیں آگے روانہ کر دیں۔ عجمی فوجیں بابل سے بھاگ کر کوثی میں ٹھہری تھیں اور شہریار جو رئیس زادہ تھا ان کا سپہ سالار تھا۔ زہرہ کوثی سے گذرے تو شہریار آگے بڑھ کر مقابل ہوا اور میدانِ جنگ میں آکر پکارا کہ جو بہادر تمام لشکر میں انتخاب ہو مقابلے کو آئے۔ زہرہ نے کہا میں نے خود تیرے مقابلے کا ارادہ کیا تھا لیکن جب تیرا یہ دعویٰ ہے تو کوئی غلام ہی تیرے مقابلہ کو جائے گا۔ یہ کہہ کر نابل کو جو قبیلہ تمیم کا غلام تھا اشارہ کیا اس نے گھوڑا آگے بڑھایا۔ شہریار دیو کا سا تن و توش رکھتا تھا مقابل کو کمزور دیکھ کر نیزہ ہاتھ سے پھینک کر گردن میں ہاتھ ڈال زور سے کھینچا اور زمین پر گرا کر سینے پر چڑھ بیٹھا۔ اتفاق سے انگوٹھا نابل کے منہ میں آگیا نابل نے اس زور سے کاٹا کہ شہریار تلملا گیا نابل موقع پا کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور تلوار سے پیٹ چاک کر دیا۔ شہریار نہایت عمدہ لباس اور اسلحہ سے آراستہ تھا نابل نے زرہ وغیرہ اس کے بدن سے اُتار کے سعدؓ کے آگے ڈھیر کر دی۔ سعدؓ نے عبرت کے لئے حکم دیا کہ نابل وہی لباس اور اسلحہ سجا کر آئے۔ چنانچہ شہریار کے زرق برق لباس اور اسلحہ سے آراستہ ہو کر مجمع عام میں آیا تو لوگوں کی آنکھوں میں زمانے کی نیرنگیوں کی تصویر پھر گئی۔

کوثی ایک تاریخی مقام تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے یہیں قید کیا تھا۔ چنانچہ قید خانے کی جگہ اب تک محفوظ تھی سعدؓ اسکی زیارت کو گئے اور درود پڑھ کر یہ آیت پڑھی: تلک الایام نداولها بین الناس. کوثی سے آگے پائے تخت کے قریب بہرہ شیر ایک مقام تھا یہاں ایک شاہی رسالہ رہتا تھا جو ہر روز ایک بار قسم کھا کر کہتا تھا کہ جب تک ہم ہیں سلطنتِ فارس پر کبھی زوال نہیں آسکتا۔ یہاں ایک شیر پلا ہوا تھا جو کسریٰ سے بہت ہلا ہوا تھا اور اسی لئے اسکو بہرہ شیر کہتے تھے سعدؓ کا لشکر قریب پہنچا تو وہ تڑپ کر نکلا لیکن ہاشم نے جو ہراول کے افسر تھے اس صفائی سے تلوار ماری کہ وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔

سعدؓ نے اس بہادری پر ان کی پیشانی چوم لی۔ آگے بڑھ کر سعدؓ نے بہرہ شیر کا محاصرہ کیا اور فوج نے ادھر اُدھر پھیل کر ہزاروں آدمی گرفتار کر لئے۔ شہرزاد نے جو ساباط کا رئیس تھا سعدؓ سے کہا کہ یہ معمولی کاشتکار ہیں ان کے قید کرنے سے کیا حاصل۔ چنانچہ سعدؓ نے ان کے نام دفتر میں درج کر لئے اور چھوڑ دیا۔ آس پاس کے تمام رئیسوں نے جزیہ قبول کر لیا مگر شہر پر قبضہ نہ ہو سکا دو ماہ تک محاصرہ رہا۔ ایرانی کبھی کبھی قلعے سے نکلکر معرکہ آراء ہوتے۔ ایکدن بڑے جوش سے سب نے مرنے پر کمریں باندھیں اور تیر برسائے زہرہ جو ایک مشہور افسر تھے ان کی زرہ کی کڑیاں جگہ جگہ سے ٹوٹ گئی تھیں لوگوں نے کہا کہ اس زرہ کو بدل لیں۔ بولے کہ میں اتنا خوش نصیب کہاں ہوں کہ دشمن کے تیر سب کو چھوڑ کر میری ہی طرف آئیں۔ اتفاق سے پہلا تیر انہی کو آ لگا، لوگوں نے نکالنا چاہا تو انہوں نے منع کر دیا کہ جب تک یہ بدن میں ہے اسی وقت تک زندہ بھی ہوں۔ چنانچہ اسی حالت میں حملہ کرتے ہوئے بڑھے اور شہر براز کو جو ایک نامی افسر تھا تلوار سے مارا۔ تھوڑی دیر لڑکر ایرانی بھاگ چلے اور شہر والوں نے صلح کا پھریرا اُڑا دیا۔

بہرہ شیر اور مدائن میں صرف دجلہ حائل تھا۔ سعد بہرہ شیر سے بڑھے تو آگے دجلہ تھا۔ ایرانیوں نے پہلے سے جہاں پُل تھے توڑ کر بیکار کر دیئے۔ سعدؓ دجلہ کے کنارے پہنچے نہ پل تھا نہ کشتی فوج کی طرف مخاطب ہو کر کہا: برادران اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن میں پناہ لی ہے یہ مہم بھی سر کرلو تو پھر مطلع صاف ہے۔ یہ کہہ کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا ان کو دیکھکر سب نے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ دوسرے کنارے پر ایرانی یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے تھے۔ جب فوج عین کنارے پر پہنچی تو ان کو خیال ہوا کہ یہ آدمی نہیں جن ہیں چنانچہ "دیواں آمدند، دیواں آمدند" کہتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ یزدگرد نے حرم اور خاندان شاہی کو پہلے ہی حلوان روانہ کر دیا تھا یہ خبر سُن کر خود بھی شہر چھوڑ بھاگا۔

سعدؓ مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا۔ بے اختیار زبان سے یہ آیات نکلیں، کم ترکوا جنات و عیون وزروع ومقام کریم ونعمۃ کانوا فاکہین کذالک اورثناھا قوما آخرین ۰ ایوان کسریٰ میں تخت شاہی کی جگہ منبر نصب ہوا چنانچہ جمعہ کی نماز اسی میں ادا کی گئی اور یہ پہلا جمعہ تھا جو عراق میں ادا کیا گیا۔

رُباعیٔ اکمل

مولائے زماں، خواجۂ اطہر و اکمل
آں دُرِ یتیم است، عجب، انور و افضل
ز اوجِ کمالات و جمالات ہمیں است
عالم ہمہ بے کیف و محمد اجمل

——— شاعر الرشید

حسنِ صورت وکمالِ سیرت

واحسن منک لم ترقط عینی
واجمل منک لم تلد النساءُ
خلقت مبرأً من کل عیب
کانک قد خلقت کما تشاءُ

——— حضرت حسانؓ

مکتوبات

مکتوباتِ نائیجیریا ①

از جمیل احمد

سیدی و مربی حضرت مدیر الجامعہ اطال اللہ بقاء کم علینا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس سے پہلے بھی تقریباً دو عریضے لکھے تھے امید ہے مل گئے ہوں گے۔ شوال کے الرشید سے حضرۃ الاستاذ رحمۃ اللہ سراپا حسنات فداہ نفسی کے حادثہ فاجعہ ہامہ انتقال الی جوار رحمۃ ربہ پر مطلع ہوا تھا۔ بعد میں کالج میں تعطیلات کی وجہ سے نائیجیریا کے دوسرے شہروں میں تبلیغی اسفار پر چلا گیا۔ جب بھی کچھ لکھنا چاہا تو سوچ میں پڑ گیا کہ کیا لکھوں۔ آپ کے کمالات وصفات لاتعداد ولاتحصیٰ۔

حضرتؒ کی تقریباً پانچ سال کی صحبت وتلمذ کے سارے قصص سامنے آنے لگے۔ الشکر اللہ تعالیٰ علیٰ آلائہ کہ ایسے عظیم انسان سے حدیث کے علاوہ اور بھی بہت سی کتب پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی اور خوب استفادہ کیا۔ ان کے علمی گُر بتائے ہوئے ہر روز کام آرہے ہیں۔ اپنے یہاں نائیجیرین طلباء کو پڑھاتے وقت اب ہی نہیں حضرتؒ کے انتقال سے پہلے بھی اپنے استاذ مکرم کے واقعات مزے لے لے کر سناتا تھا۔ یہ لوگ انتہائی تعجب کرتے ہیں کہ ایسے علماء عصر حاضر میں بھی پاکستان میں موجود ہیں۔ ان کی وسیع النظری اور صبر وتحمل کا کیا کہنا کہ کسی بھی نازیبا حرکت کرنیوالا یہ سمجھتا کہ شاید مولانا کو اسکا علم نہیں ہوا۔ یہ سمجھنے والے کی نادانی ہوگی ورنہ حضرتؒ کو اسکا علم ہوتا اور تسامح فرما لیتے۔ بڑے لوگوں کی یہی شان ہوتی ہے۔ اللہ کرے اس مردِ درویش، خود دار مستغنی عن الناس، عزیمت واستقامت کے پہاڑ، تواضع وانکساری کا نادر وشاذ اسوۃ وقدوۃ کی سوانح حیات جو ان کی علمی براعۃ ومہارت، تقویٰ وورع کی غیر معمولی تصویر اور مدارس دینیہ کی قیادت کے اصول پر مشتمل ہو جلد منظرِ عام پر آئے۔ آپ اس بارے میں پہلے سی ہی فکرمند ہوں گے۔

اللہ رب العزت آپ کے تمام امراض دور فرماتے ہوئے صحتیاب فرمائے اور ہم سب کو حضرۃ الاستاذ شیخ المحدثؒ کے مبارک مشن کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ سارے اعمال کی اساس اخلاص جس میں موصوف کو خصوصی شان حاصل تھی ہمیں بھی اس کا ذرہ نصیب فرمائے۔ مجھے آئندہ سے الرشید مذکورہ پتہ پر ارسال فرمایا کریں۔ ۔ محتاج دُعا

مکتوب دار العلوم دیوبند ②

از محمد انعام غازی پوری دار العلوم دیوبند

محترم ذوالمجد والکرم فاضل حبیب اللہ رشیدی! ابقاکم اللہ حرز الاسلام وسیفاً مسلولاً علی الباطل

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج گرامی! بلاشبہ ماہنامہ "الرشید" کی گل کاری اور اس کے جلوؤں میں پنہاں

خوش بولاثانی و لافانی ہے۔ بالخصوص قادیانیت (علیہا ماعلیہا) کی بیخ کنی میں ثبات قدمی اور اولوالعزمی کے ساتھ تگ و دو لائق صد ستائش و قابل رشک ہے۔

دنیا کی تاریخ کا ایک عظیم لیکن روح فرسا اور حیرتناک واقعہ ہے کہ حق کی نورانیت پر باطل نے ظلمت کا پردہ ڈالنے کے لئے ہمیشہ سر اُبھارا ہے۔ حق و باطل اور نور و ظلمت کی یہ جنگ ایک سخت آزمائش ہے جس کے ذریعے حق کی نورانیت کے متلاشی اور باطل کی ظلمت میں ٹامک ٹوئیاں مارنے والے ایک دوسرے سے ممتاز ہو جاتے ہیں اہل حق جو حق کے لئے جیتے ہیں جن کی زندگی حقانیت کے لئے وقف ہوتی ہے وہ موت سے کہاں گھبرائیں؟ وہ تو حق کے لئے مر مٹنے میں اپنی سعادت ابدی سمجھتے ہیں۔ جگر نے کیا خوب کہا ہے:

؎ جو حق کی خاطر جیتے ہیں مرنے سے کہیں ڈرتے ہیں جگر
جب وقتِ شہادت آتا ہے دل سینوں میں رقصاں ہوتے ہیں

لیکن تاریخ کے زریں صفحات اس بات پر شاہد و عادل ہیں کہ حق کی نورانیت نے باطل کی ظلمت کو ہمیشہ چاک کیا ہے جاء الحق و زھق الباطل۔ باطل کو بہرحال میدان چھوڑنا ہوگا، رہی یہ جنگ ——— اور لمبی جنگ ——— تو یہ مسلمانانِ عالم اور نونہالانِ اسلام کی آزمائش ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ اسلام کے لئے ہم صرف زبانی جمع خرچ کرنیوالے ہیں؟؟ اس جنگ میں جہاں ہم کو خطابت و صحافت کے میدان میں گھوڑے ڈال کر تیر و آزما ہونا ہوگا، وہیں اپنی مالی قربانی پیش کر کے قادیانیت کا دنداں شکن جواب دینا ہوگا۔ اور اپنی پیاری جانوں کے پیارے لہو سے حق کے چراغ کو روشن رکھ کر باطل کی ظلمت کو چاک کرنا ہوگا۔ حتیٰ کہ اپنی جانیں جان آفریں کے سپرد کر دیں اور دل سرور و مستی کے عالم میں بزبانِ حال یہ کہہ رہا ہو:

؎ جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

خدائے پاک آپ کے ادارہ "الرشید کے جملہ عملہ کے جہد مسلسل، سعی پیہم اور مبارک و بے باک جد و جہد کو قبول فرمائے اور اس جنگ میں قربانی پیش کرنیوالے حضرات کے درجات بلند فرمائے۔ فرحم اللہ عبداً قال آمینا"

بقیہ: رسولِ رحمتؐ

حمیتِ خداوندی جوش میں آتی ہے۔ آیۂ رحمت بن کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوتا ہے۔ عیسائی و یہودی سب کے لئے رحمت ہے۔۔ انقلاب ہوتا ہے۔ انقلاب آتا ہے۔ کل جو سورج نسلِ انسانی پر ایک نئے ظلم کی علامت تھا۔ آج اس کی شعاع ہر دامن انسان کو امن و راحت، دولت و رحمت عطا کر رہی ہے۔ غلامی کی زنجیریں کٹ جاتی ہیں۔ بیڑیوں کا بوجھ گر جاتا ہے، ذہنی بندشیں اور فکری بندھن ٹوٹ جاتے ہیں۔ نسلِ انسانی ہر قسم کے ظلم و جبر سے نجات پاتی ہے اور ہر قسم کی جتھہ بندی، نسلی غرور اور ذاتی وجاہت کی جکڑ بندیوں سے نجات پا کر بھائی بھائی بن جاتی ہے۔ مشرق و مغرب میں بحر اس نعرے سے گونج اٹھتا ہے: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۔

دار الامتحانات

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

معلوم رہے کہ وفاق المدارس العربیہ نے اپنے جملہ سابق فضلاء کو درجہ ثانویۃ العام درجہ ثانویۃ الخاصہ اور درجہ عالیہ کے سندات جاری کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

طریق کار: اپنا اور مدرسہ کا مکمل پتہ، تاریخ پیدائش، سال امتحان اور فیس سندات یکصد پچاس روپے ۱۵۰/- کے ساتھ ساتھ الثانویۃ العامہ، الثانویۃ الخاصہ اور عالیہ کے نصاب میں شامل کتب کا تفصیلی نتیجہ مع فیصد نتیجہ مصدقہ مہتمم جامعہ / مدرسہ مہیا کرنا ہوگا۔

نیز درجۂ عالیہ (دورۂ حدیث) کا سال امتحان، رقم الجلوس، نام جامعہ اور موجودہ مکمل پتہ مہیا کرنا لازمی ہے۔
ان درجات سے متعلق تعلیمی کوائف مہیا کرنے کے لئے مطبوعہ فارم دفتر وفاق المدارس العربیہ ملتان سے طلب فرمائیں۔

(۲)

معلوم رہے کہ درج ذیل تفصیلات کے ساتھ قدیم فضلاء کا امتحان ۱۲ جنوری ۱۹۸۶ء کو ملتان میں منعقد ہوگا۔
وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ ۶ صفر ۱۴۰۶ھ مطابق ۲۱ اکتوبر ۱۹۸۵ء اور مجلس شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ۷ صفر ۱۴۰۶ھ دار العلوم فیصل آباد میں فیصلہ کیا گیا کہ وفاق سے ملحق جامعات کے سالہائے گذشتہ کے جو فضلاء وفاق کا امتحان نہ دے سکے ان کے لئے ایک الگ امتحان مقرر کیا جائے۔ چنانچہ امتحانی کمیٹی کے فیصلہ کے مطابق قدیم فضلاء کا امتحان یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۲ جنوری بروز اتوار صبح ۸ بجے جامعہ خیر المدارس ملتان میں منعقد ہوگا

طریق کار: اس امتحان کا ۱۰۰ نمبروں کا ایک معیاری پرچہ بر ورقۃ الاختبار النہائی فی العلوم الاسلامیہ والعربیہ پر ہوگا۔
کامیابی کے لئے ۴۰ فیصد نمبر حاصل کرنے ضروری ہوں گے اور فیصد نمبروں کے حساب سے اس امتحان کے درجات کامیابی تین ہوں گے: (۱) مقبول (۲) جید (۳) جید جداً

شرائط داخلہ: داخلہ وفاق کے مطبوعہ فارم پر ہوگا جو دفتر وفاق سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ جامعہ سے حاصل کردہ سند کی مصدقہ فوٹو کاپی۔ شناختی کارڈ کا دو عدد مصدقہ فوٹو کاپی۔ فیس امتحان دوصد روپیہ۔ سابق فضلاء سے مراد ۱۴۰۱ھ یا اس سے پہلے کے فضلاء ہیں۔ اس کے بعد کے فضلاء اس امتحان میں شریک نہیں ہوسکتے۔ وفاق سے ملحق جامعات کے سابق فضلاء داخلہ بھیجیں۔ سالہائے گذشتہ کے سالانہ امتحان میں ناکام طلبہ بھی اس امتحان میں شریک نہیں ہوسکتے۔
پرائیویٹ طلبہ یا وفاق سے غیر ملحق جامعات کے فضلاء یا جن کی داڑھی مسنون مقدار سے کم ہو داخلہ نہ بھیجیں۔ مہتمم جامعہ

باقی صفحہ ۴۳ پر

خاتم النبیینؐ و خلفاء راشدینؓ

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا　　اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکا
وہ راز اک کملی والے نے　　بتلا دیا چند اشاروں میں
ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی　　بوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ
ہم مسلک ہیں یارانِ نبیؐ　　کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

مولانا ظفر علی خاںؒ

ہمارا عقیدہ

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجہک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ختم الرسلؐ

وہ دانائے سبل ختم رسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

(اقبالؒ)

الرّشید

خاص تبلیغی رسالہ ہے، معاونین ومحسنین سے کم از کم یکصد
سالانہ معاونت کی استدعا ہے کہ اس رقم سے مستحق حلقوں، لائبریریوں
اور مختلف طبقات میں فی سبیل التبلیغ پہنچایا جاتا ہے! خریدار حضرات
۳۰ روپے سالانہ زرِ اعانت منی آرڈر بھجوادیں یا وی۔پی طلب فرمادیں۔

جو حضرات ۳۰ روپے سالانہ خریداری قبول فرمائیں گے ان کی خدمت میں

صد سالہ تاریخ دار العلوم دیوبند نمبر

صرف ۲۰ روپے میں پیش کی جائے گی!

تاریخ دار العلوم کے محدود ومعدود نسخے باقی ہیں ناظرین وشائقین توجہ سامی
فرمادیں کہ "الرشید" کے سابقہ خصوصی شمارے کمیاب ونایاب ہو رہے ہیں!

★ مدیر "الرشید"

Phone
NO.2356

جریدۂ اسلامیہ شہریۃ ... الرشیدیۃ

REGD. L
NO. 8054

MONTHLY. ALRASHID. LAHORE [PAKISTAN]

خصوصیات جامعہ رشیدیہ

جامعہ رشیدیہ ایک تحریک ہے اور جامعہ کی عظیم تاریخ ہے!

اغلباً مدارس و جامعات میں وہ واحد ادارہ ہے جس میں تعلیمات السنہ شرقیہ و فنون عربیہ کی تدریس کے ساتھ تربیت کے کام کو ایک اہمیت حاصل ہے!

تعلیم کے ساتھ ساتھ تبلیغ کا فریضہ بھی سرانجام دیا جاتا ہے۔ تقریر و تحریر کے ذریعے اس علمی و عملی درسگاہ میں تبلیغ و اشاعت کا کام بھی اس کے اسباق میں شامل ہے۔

خصوصاً تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر جامعہ رشیدیہ مسلسل شریک جہاد ہے۔ سابقہ سال تحفظ ختم نبوت کیلئے اڑھائی لاکھ کے میزانیہ سے زیادہ مصارف اور متعدد اخراجات ہوئے!

ع۔ کارساز ما بفکر کار ما

جملہ مراسلات بنام

فاضل حبیب اللہ رشیدی

مدیر "الرشید" و ناظم اعلیٰ

جامعہ رشیدیہ (رجسٹرڈ) ساہیوال (پاکستان)

هوالرشید

جامعہ رشیدیہ ساہیوال کا دینی و تبلیغی مجلہ

ماہنامہ

مُجاہدِ ملّت

حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدیؒ کی وفات حسرت آیات پر

از : سید امین گیلانی

وہ مسافرِ رہِ زندگی — وہ سفیرِ دینِ محمدیؐ
اُسے موت لے کے چلی گئی — کہ اجل تھی آ کے نہ ٹل سکی

کسی روز ہم وہیں جائیں گے — وہ یہاں نہ آئے گا اب کبھی
وطن اس کا اصل میں خُلد تھا — یہاں بس رہا تھا وہ عارضی

بہت اُس نے کام کئے یہاں — بڑے کام کا تھا وہ آدمی
اُسے دُھن رہی سدا دین کی — وہ نظام و نظم کا تھا دَھنی

نہ کبھی تھکا نہ کبھی رُکا — وہ مسافرِ رہِ راستی
نہ ہی آہ کی کبھی طعن پر — نہ ہی چاہ کی کبھی داد کی

نہ کبھی "انا" کا مظاہرہ — نہ کبھی مزاج میں برہمی
وہ نظر میں چاند کا چاندنا — وہ لبوں پہ گُل کی شگفتگی

وہ امینؔ میرا حبیبؒ تھا
میں ملا تھا اس سے ابھی ابھی[1]

---

[1] ۵ ردسمبر؁ جمعرات شام آٹھ بجے میں ان کی عیادت کے لئے جامعہ رشیدیہ گیا اور تیسرے روز اخبار میں وفات کی خبر پڑھی!

مؤتمر ابنائے دار العلوم و اخوانِ دیوبند پاکستان کا ترجمان

بیاد، تحریکِ ریشمی رومال کے گمنام فقیر، حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ رحمہ اللہ رائپوری

ماہنامہ • جریدہ

اَلرَّشِید لاہور

عدد: ۴
ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ

جلد نمبر ۱۴
جنوری ۱۹۸۶ء

عنوانات و معنون

عملہ الرشید

بانی
فاضل حبیب اللہ رشیدی

مدیر مسئول و ناشر
حافظ عبد الرشید ارشد

ناظر اعلیٰ
(پیر جی) عبد العلیم رائپوری

ناظر
قاری مطیع اللہ رشیدی

رفیق الترتیب
خالد لطیف چیمہ

خطاط
حزب اللہ خالد
ابن قاری لطف اللہ شہید فی سبیل اللہ

مقام اشاعت
○ ۳۲ اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور
○ دفتر جامعہ رشیدیہ ساہیوال

الطبع
منہاج الدین اصلاحی
شرکت پرنٹنگ پریس لاہور

زر اعانت
محسنین الرشید سے تبلیغی فنڈ سو روپے ؍ ما

غیر ممالک سے یکصد روپے ؍ ما
مع محصول ڈاک

الرشید تبلیغی مجلہ ہے
تجارتی نہ دارد

عام خریداری
سالانہ ؍۳۰ روپے

۲۳۵۶

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر ۲۹۴ چالو کھاتہ جامعہ رشیدیہ، حبیب بنک غلہ منڈی ساہیوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

راشدات
ادارہ

میری انتہائے نگارش یہی ہے
تیرے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

انا للہ و انا الیہ راجعون

ان للہ ما اعطے ولہ ما اخذ

؎ صُبّت علیّ مصائب لو انھا صبت علی الایام صرن لیالیا

؎ عمر بھر کرتا رہا وہ خدمتِ دینِ رسولؐ
جان و دل میں بھر رہی تھی اُلفتِ دینِ رسولؐ

آہ ـــــ ع نوحہ خواں ہیں مدرسے اور مسجدیں ہیں سوگوار!

ابھی ہمیں والد صاحب مرحوم و مغفور (شیخ الجامعہ مولانا محمد عبد اللہ صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ) کی وفات کا صدمہ باقی تھا اور ہم اسی رنج و غم میں شب و روز گذار رہے تھے کہ اچانک اقلیم علم کا تاج دار، گلشنِ دین کا باغبان، حریمِ ختمِ نبوت کا پاسبان، مسندِ خطابت کا صدر نشین، خاندان رشیدی و رائپوری کا وارث اور مفتی فقیر اللہ رحمہ اللہ کا لختِ جگر، شیخ الجامعہؒ کا برادرِ عزیز، قاری لطف اللہ کا برادرِ محترم ہزاروں علماء فضلاء کا استاذِ معظم، حق و صداقت کا علمبردار مجاھد، ہمارا محسن و مشفق مربی مجاہدِ ملت حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدیؒ رائپوری جالندھری حسینی القاسمی فاضل دار العلوم دیوبند مدیر الرشید مہتمم و ناظمِ اعلیٰ جامعہ رشیدیہ ساہیوال ۷، دسمبر ۸۵ء بروز ہفتہ آٹھ بجے شب اس دار فانی سے دار البقاء کی طرف رحلت فرما گئے! انا للہ وانا الیہ راجعون!

؎ محبوبِ بزم گوشہ نشیں ہوگیا ہے آج
اُف آفتاب زیرِ زمیں ہوگیا ہے آج

آہ ۔ جماعتِ علماء، خطباء، طلباء، ابناء و اخوان دیوبند، رشیدی و قاسمی برادری کا آخری سہارا دنیوی اُٹھ گیا۔ اور ہم سب یتیم ہوگئے ! بقول عبرت ؛

؎ ظلمتیں چھائی ہوئی ہیں روشنی خاموش ہے
جگمگاہٹ جسکے دم سے تھی آج وہ خاموش ہے

موت کے قانون سے کوئی مستثنیٰ نہیں ۔ نہ نبی رہے نہ ولی رہے، نہ شاہ رہے نہ گدا ۔ اپنے وقت پر سبھی کو جانا ہے ۔ موت سے کس کو رستگاری ہے ۔ آج یا کل میری باری ہے ۔ مگر فاضل حبیب اللہ رحمہ اللہ کی موت ایک عالم کی موت ہے کہ زندگی انکے نقشِ پا سے راستہ ڈھونڈھتی تھی، ایک دُنیا ان کے نُور سے روشنی پاتی تھی، انسانیت ان سے غازۂ حسن مستعار لیتی تھی، شرافت ان پر ناز کرتی تھی، ایوانِ خطابت ان کے دم قدم سے جگمگاتا تھا، زخمی دل ان سے مرہم شفا پاتے تھے، بےکس و درماندہ لوگ اِن کے سایۂ عاطفت میں پناہ لیتے تھے ۔ وہ شمع کی مثل خود پگھلتے تھے مگر مخلوقِ خدا پر ضیا پاشی کرتے تھے، خود جلتے تھے مگر دوسروں کو جِلا بخشتے تھے، خود بے چین و بیقرار رہ کر دوسروں کو راحت و سکون عطا کرتے تھے !

آہ ! اُن کی رحلت سے چہار سُو صفِ ماتم بچھی ہوئی ہے، آسمان و زمین نوحہ کناں ہیں، انسانیت کا پرچم سرنگوں ہے، تاریخ کا ایک عظیم باب ختم ہوچکا ہے !

آہ ہمارے محترم مُربی و مہربان فاضل رشیدیؒ چلے گئے ۔ ملت کا صبر و سکون بھی ساتھ لے گئے آج کون اشکبار نہیں، کون دلفگار نہیں ؟ جامعہ رشیدیہ میں کہرام بپا ہے کہ اس کا محبوب بانی و مہتمم جلد کوچ کر گیا ہے

رخصت ہوگیا۔ ساہیوال کے لوگ نوحہ کناں ہیں کہ اب صدائے حق کون دے گا۔ ختم نبوت کے باغیوں کو کون للکارے گا۔ باطل کے ایوانوں سے کون ٹکرائے گا؟ مدارس عربیہ میں چرچا ہے کہ اب ایسا منتظم کہاں سے آئے گا! علماء مبہوت ہیں کہ علم کا آفتاب غروب ہوگیا۔ اہل حق سراسیمہ ہیں کہ ان کی ڈھال ختم ہوگئی۔ بیواؤں یتیموں اور بے کسوں کو صدمہ ہے کہ ان کا مربی و مشفق مہربان اٹھ گیا۔ دانشور مغموم ہیں کہ ملت ایک دیدہ ور راہنما سے محروم ہوگئی ——— آہ!

؎ تیرے بغیر قوم کو آکر جگائے کون اعلاءِ حق کے واسطے سب لٹائے کون

حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی نور اللہ مرقدہٗ عرصہ سے دمہ کے ضیق النفس کے دائمی مریض چلے آرہے تھے مگر اس کے باوجود جامعہ رشیدیہ کی تعمیر و ترقی فلاح اور تبلیغی اسفار جاری رہتے۔ قاری بشیر احمد شہید ختم نبوت کی شہادت کا صدمہ انکو بہت تھا پھر شیخ الجامعہ کی وفات نے ان کو بالکل نڈھال کر دیا تھا تقریباً چھ ماہ سے مسلسل علیل چلے آرہے تھے مگر تبلیغی کام اور ختم نبوت کے مشن کیلئے ۱۱ر ربیع الاول ۱۴۰۶ھ کو لاہور مجلس عمل ختم نبوت کے منعقدہ اجلاس میں شرکت فرمائی اور جامع مسجد بیت المکرم میں خطاب فرمایا۔ اور ۲۰ر نومبر ۸۵ء کا جمعہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں خوب بیان فرمایا۔ اور اسی دن رات کو ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ختم نبوۃ کانفرنس میں بڑی پُراثر اور مجاہدانہ تقریر فرمائی۔ اس کے بعد ۱۹ر ربیع الاول کو "الرشید" کیلئے دس صفحات کا ایک مضمون تحریر فرمایا۔

۲۰ر ربیع الاول بدھ سے ضیق النفس کا شدید دورہ پڑا۔ ۲۱ر کو فجر کی نماز کے بعد فوت ہو جانیوالے بزرگوں کا تذکرہ فرمانے لگے۔ حضرت خیر الانام مولانا خیر محمد صاحبؒ اور حضرت مولانا عبد العزیز صاحبؒ اور والد محترم حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحبؒ اور مولانا قاری لطف اللہ شہید فی سبیل اللہ کا خصوصی تذکرہ فرماتے رہے۔ اور یوں گویا ہوتے

جیسے یہ حضرات سامنے بیٹھے ہیں! ۲۲ ؍ کو جمعہ نہ پڑھا سکے کہ طبیعت زیادہ خراب رہی۔ البتہ باتیں بزرگوں کی اور دار العلوم دیوبند، خیر المدارس اور حرمین شریفین کی فرماتے رہے!

۲۳ ؍ ربیع الاول ہفتہ صبح تمام اہل خانہ کو نصیحتیں فرمائیں اور کچھ مدرسہ کے کام احقر راقم السطور کے ذمہ لگائے اور "الرشید" کے سلسلہ میں برادر عزیز حزب اللہ سے کچھ فرمایا۔ عصر کی نماز کے بعد بھی ہم سب کو تسلی دی کہ اب میری طبیعت ٹھیک ہے فکر نہ کرو۔ مغرب کی نماز باہوش و حواس پڑھی اور ساڑھے سات بجے یخنی پی اور دوائی کھائی۔ سات بجکر چالیس منٹ پر اپنے بھانجے خادم خاص قاری عبد الہادی صاحب کو فرمایا کہ وکل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ ونخرج لہ یوم القیمۃ کتابا یلقٰہ منشورا پڑھو۔ اور سات بجکر پچاس منٹ پر قاری عبد الہادی صاحب اور گھر میں اہلیہ محترمہ کو کہا کہ تم نماز پڑھ لو پھر مجھے وضو کرانا۔ چنانچہ اہلیہ محترمہ اور قاری صاحب نماز کے لئے چلے گئے اور حضرتؒ کے پاس انکی دو بھانجیاں اور قاری بشیر شہیدؒ کا ایک صاحبزادہ محمود احمد بیٹھے تھے اور آپ دیوار کیساتھ تکیہ لگائے بیٹھے تھے کہ اچانک آنکھیں کھول کر دروازہ کی طرف دیکھا اور فرمایا وعلیکم السلام تم آگئے ہو اور بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرا کہ لو السلام علیکم ہم چلے! اور کلمہ پڑھنے لگے۔ بچوں نے کہا کہ کہاں چلے آپ نے تو وضو کرنا ہے۔ فرمایا آب حیات سے وضو کریں گے۔ ادھر اچانک راقم السطور گھر میں داخل ہوا۔ ایک نظر دیکھا اور آنکھیں بند کر کے لمبی سانسیں لینے لگے میں نے جلدی سے آب زمزم منہ میں ڈالا اور سیدھے کر کے لٹایا تو آخری سانس لی اور گردن قبلہ کی جانب ڈھلک گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

اللّٰھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ واغفرلہ وارحمہ ونور قبرہ وادخلہ فی جنۃ النعیم۔

غم نصیب: مطیع اللہ رشیدی ناظم جامعہ رشیدیہ ساہیوال۔

(پیرجی، عبدالعلیم رائے پوری

خاموش ہوگیا ہے چمن بولتا ہوا !

●

لو کان للانسان یدوم بقاؤہٗ — لما مات خیر المرسلین محمدا
وما کان موت حبیب موت واحد — ولکنہٗ بنیان قوم تھدما

●

ہوگئی ہے ختم اب تو زندگانی کی بہار — اشک ہیں آنکھوں میں اب ہم مسکرا سکتے نہیں
شدتِ غم نے ہمیں مجبور ایسا کر دیا — دل پہ جو گذری ہے اسکو بھی بتا سکتے نہیں

۲۳ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ کا سورج دُور مغرب کی وادیوں میں اپنی منزل کو تھکا ماندہ پہنچ چکا تھا۔ ارغوانی شام غروب ہو چکی تھی۔ اُجالا کسی بدیشی مسافر اور اجنبی کی طرح رخصت ہوگیا تھا۔ شام کے دھندلکے گہرے ہوگئے تھے اور رات اپنی پوری قہرمانیت اور تاریکیوں کے ساتھ نزول کر چکی تھی۔ تاریک سرد اور ٹھٹھرتی ہوئی رات کے غمگین اندھیرے اور زیادہ گہرے ہوگئے تھے۔ رات کی سیاہی کے دبیز پردے کائنات کی ہر چیز کو اپنے دامن میں چھپا چکے تھے اور برفانی سردی بڑی تیزی سے گر رہی تھی۔ ہر طرف خاموشی اور سکوت تھا۔

ایسے میں ملک عدم کا مسافر اپنی مرکب نورانی پر سوار ملک بقا کی طرف کوچ کر گیا۔ آہ وہ مسافر مجاہدِ ملت ضیغم اسلام تحفظ ختم نبوت کا نڈر و بیباک راہنما مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدیؒ مہتمم و ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ ساہیوال تھا جو ہمیشہ کے لئے ہم سے جُدا ہو کر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

آپ ایک انتھک مجاہد۔ مخلص کارکن۔ خلوص وللّٰہیت کے پیکر اور نڈر و بیباک شخصیت کے مالک تھے اہلِ حق کے خلاف باطل کی طرف سے جب بھی کوئی تحریک اٹھی اور کوئی معاشرتی برائی یا معاشرہ میں بگاڑ کی کوئی صورت پیدا ہوئی تو فاضل رشیدیؒ اس کا دفاع کرنے میں ہراول دستہ میں موجود ہوتے تھے اور سدا صفِ اول میں ہوتے۔

یوں تو ہر بُرائی اور فتنہ و شر کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو جاتے مگر تحفظ ختم نبوت کی خاطر اور فتنہ مرزائیت کے قلع قمع کی خاطر تن من دھن کی بازی لگانا ان کا خاص مشن اور ذوق تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں متعدد بار جیل میں محبوس رہے۔
آپ انتہائی شگفتہ مزاج۔ مرنجاں مرنج۔ سادہ لباس۔ سادہ بود و باش۔ روایاتِ سلف کے امین۔ علماء واہل اللہ سے تعلق خاطر دین سے محبت۔ اشاعتِ توحید و سُنت کا نصب العین۔ حسنِ اخلاق۔ وضعداری۔ مسلک کے لئے تڑپ۔ راست بازی صاف گوئی۔ مہمان نوازی۔ خدمت گذاری۔ طلباء سے شفقت۔ اہلِ دین سے اُلفت۔ اہل اللہ سے عقیدت کے علمبردار

غرض کہ۔ بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں !

فاضل رشیدی مرحوم حضرت مفتی فقیر اللہ صاحبؒ بانی جامعہ رشیدیہ کے منجھلے صاحبزادے تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد رشید اور مرید باصفا تھے۔ دین کے معاملہ میں انتہائی محتاط اور حساس تھے۔ یہ اثرات آپ کی اولاد میں منتقل ہوئے۔ چنانچہ حضرت شیخ الجامعہ مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ رائپوری کے علم۔ تدین۔ زہد و ورع۔ ریاضت و عبادت پارسائی اور ذکر و فکر سے تمام اہل علم و اصحاب فضل بخوبی واقف ہیں۔

حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی حسینی القاسمی مرحوم و مغفور نے بھی اپنے والد ماجد اور برادر اکبر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تمام زندگی دین کی خدمت کے لئے وقف کر دی۔ آپ کی مخلصانہ جدوجہد کا ثمرہ جامعہ رشیدیہ کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے اس کے لئے آپ نے کیا کیا محنتیں کیں۔ کتنے لمبے لمبے سفر کئے۔ اس چمن کو سینچنے کے لئے کن کن مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ داستان بہت طویل ہے۔

ہم اس المناک حادثہ پر بارگاہ ایزدی میں انتہائی الحاح و زاری سے دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ناظم صاحب مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیں اور ان کی لغزشوں سے درگذر فرما کر بلند درجات عطا فرمائیں اور ان کے لگائے ہوئے چمنستان علمی کو تا ابد پائندہ و تابندہ رکھیں۔ حضرت مرحوم سے اصل عقیدت و محبت یہی ہے کہ ان کے مشن کو جاری رکھا جائے اور ان کے اس صدقہ جاریہ کی ہر طرح سے حفاظت و خدمت کی جائے۔

آخر میں ہم اس حادثہ جانکاہ میں خاندان رشیدی کے ساتھ غم میں برابر کے شریک ہیں۔ بالخصوص حضرت مرحوم کی اہلیہ محترمہ کی خدمت میں تعزیت کرتے ہوئے انہیں یقین دلاتے ہیں کہ ہم انشاءاللہ ہمیشہ ان کے خادم ہونے میں اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ اور حضرت مرحوم کے برادر زادگان مولانا عبیداللہ صاحب مولانا مطیع اللہ صاحب، محترم قاری رشداللہ سعداللہ۔ حزب اللہ۔ قاری عبدالهادی اور قاری سعید احمد وغیرہم سے تعزیت کے کلمات عرض کرتے ہوئے اللہ رب العزت سے دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو صبر جمیل عطا فرمائیں اور انہیں اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی مزید توفیق عطا فرمائے۔

معاونین جامعہ اور کارکنان جامعہ سے بھی ہم پُرامید ہیں کہ حسب سابق اپنی عنایات و توجہات اور ہمدردیاں ادارہ سے وابستہ رکھیں گے کہ ہم انشاءاللہ ادارہ کو حسب سابق انہی اصولوں پہ چلانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے !

صحابہ پر تنقید اُن سے بغض کی علامت ہے

ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے — پوچھتے ہیں لوگ وہ فاضل کون تھے

مختصر حالاتِ زندگی

مجاہدِ ختمِ نبوت ——— پاسبانِ حق وصداقت

حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ صاحب رشیدی حسینی القاسمی رحمۃ اللہ علیہ

مجاہدِ ملت حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی فاضل دیوبند مدیر "الرشید" مہتمم وناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ ساہیوال خلف الفقر مفتی اعظم فقیہ العصر حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ صاحبؒ بانی جامعہ رشیدیہ کے گھر رائپور (جالندھر) ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے حبیب اللہ نام رکھا۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ رشیدیہ رائپور میں حاصل کی۔ حفظ قرآن حافظ جان محمد صاحب سے کیا اور اردو کی تعلیم منشی خوشی محمد صاحب مرحوم سے حاصل کی۔ فارسی کی کتب اور عربی علوم وفنون موقوف علیہ تک اپنے والد ماجد حضرت مفتی فقیر اللہ رحمہ اللہ (جو کہ تلمیذ ارشد ومجاز صحبت حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن اسیر مالٹا اور محدث دار العلوم دیوبند تھے)، اور حضرت مولانا عبد العزیز صاحب رائپوریؒ سے پڑھیں۔ پھر حضرت مفتی فقیر اللہؒ نے جالندھر خیر المدارس میں دورہ حدیث شریف کے لئے حضرت خیر الاساتذہ مولانا خیر محمد صاحبؒ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت خیر الانامؒ نے بڑی توجہ سے مشکوٰۃ، جلالین اور دورہ حدیث خود پڑھائے اور کچھ اسباق آپ کے دوسرے اساتذہ کے پاس بھی تھے چنانچہ حضرت شیخ الجامعہ مولانا محمد عبد اللہؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ اور مولانا احمد بخشؒ صاحبان بھی آپ کے استاذ تھے۔

خیر المدارس سے دورہ حدیث پڑھنے کے بعد اپنے والد ماجد کے حکم سے مولانا خیر محمد صاحبؒ کی سفارش سے دار العلوم دیوبند میں ۱۳۵۴ھ میں داخلہ لیا۔ اور دوبارہ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دورۂ حدیث پڑھا۔ اور سندِ فراغت حاصل کی۔ اسوقت آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ، حضرت مولانا سید اصغر حسینؒ محدث، حضرت مفتی محمد شفیعؒ مفتی اعظم پاکستان، حضرت مولانا اعزاز علیؒ شیخ الادب، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا عبد السمیع، حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور مولانا قاری حفظ الرحمٰن مرحوم بھی تھے۔ آپ نے فراغت کے بعد بیعت یکم رمضان ۱۳۵۵ھ میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے دستِ حق پرست پر کی۔

فراغت کے بعد اوّل مدرسہ حیاۃ العلوم قصبہ نکودر ضلع جالندھر میں معلم مقرر ہوئے اور قصبہ کی جامع مسجد میں خطابت کے فرائض سر انجام دیتے رہے۔ بعد ازاں مولانا محمد شریف صاحب ہوشیار پوری کی دعوت پر مرکزی جامع مسجد محلہ شیخاں ہوشیار پور میں خطابت فرمائی اور مدرسہ سبیل الرشد ہوشیار پور میں ۲ سال تک کتب پڑھائیں۔

ہوشیار پور سے مولانا عبدالجبار صاحبؒ حصاروی خلیفہ حضرت تھانویؒ اور مبلغ دارالعلوم دیوبند کی دعوت پر حضرت مفتی فقیر اللہ صاحبؒ کے حکم سے مدرسہ اشرف المدارس ابوہر میں ایک سال تعلیمی و تبلیغی کام کیا اور حضرت مولانا عبدالجبارؒ کے ساتھ حصار، بیکانیر اور فیروز پور کے دورے کئے۔ پھر حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے حکم سے کوہاٹ سرحد میں تعلیمی و تبلیغی کام کرتے رہے۔ بعد ازاں شیخ حاجی محمد الدین رئیس صدر انجمن اسلام چنیوٹ کی دعوت پر اور حضرت سید مدنیؒ اور مولانا قاری طیبؒ کے مشورہ سے چنیوٹ اسلامیہ ہائی سکول میں مقرر ہوئے وہاں حضرت مولانا عبدالرشید طالوتؒ مرحوم فاضل دیوبند تلمیذ خاص حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ عربی تعلیمات پر مقرر تھے ۔حضرت علامہ طالوتؒ نے آپ کو عربی اسلامیات کی تعلیم کے لئے متصل شاہی مسجد اسلامیہ ہائی سکول چنیوٹ کے لئے مقرر و منتخب فرمایا۔

شاہی مسجد میں مولانا فضل حق مرحوم ہزاروی خطیب و امام تھے مگر چنیوٹ کے احباب کے تقاضا پر اکثر آپ خطبہ و خطاب دیتے رہے۔ حضرت فاضل رشیدی رحمہ اللہ نے حاجی شیخ محمد اسمٰعیل مرحوم، حافظ مشتاق احمد صاحب کی مساعی سے مدرسہ عربی آفتاب علوم شروع کیا جس کا افتتاح علامہ پیر سید احمد شاہ چوکیروی نے فرمایا اور اس میں آپ کتب عربیہ درس نظامیہ پڑھاتے رہے اور ماہنامہ "علم و عمل" کی ادارت بھی فرماتے رہے۔ ان دنوں چنیوٹ اسلامیہ ہائی سکول میں ان حضرات کی رفاقت رہی۔

"مولانا عبدالکریم جتوئی، چوہدری احمد دین شاکر، شیخ محمد صادق بی اے منیجر مراکو فیکٹری فیصل آباد، مولانا نذیر احمد مجیدی حافظ احسن علی تھانوی بی اے علیگ، چوہدری طفیل احمد لاہوری، چوہدری سلطان محمود"۔

تقریباً آٹھ نو سال چنیوٹ میں کام کیا۔ تقسیم سے قبل غالباً ۱۹۴۵ء میں چوہدری پیر محمد صاحب وکیل بانی اسلامیہ ہائی سکول ننگل انبیاء ضلع جالندھر نے فاضلکا اسلامیہ ہائی سکول میں آپ کو دعوت دی۔ ان کے اصرار پر آپ فاضلکا اسلامیہ ہائی سکول میں اسلامیات کی تعلیم دیتے رہے اور یہ دو سال چوہدری عطاء اللہ ایم اے علیگ کی معیت میں گذارے تاآنکہ ملک تقسیم ہوگیا۔

۱۹۴۷ء تقسیم ملک کے بعد (منٹگمری) ساہیوال میں آکر مقیم ہوئے اور حاجی فیروز دین صاحب مرحوم کی معیت میں غلہ منڈی کی جامع مسجد تعمیر کرائی اور وہاں خطیب و امام اول آپ رہے۔ آپ نے آبادی مہاجرین کے لئے بڑی کوشش فرمائی۔ چنانچہ غلہ منڈی کے ماحول میں تمام پکی آبادیاں جو تعمیر ہوئیں ان میں آپ نے مہاجرین کی بڑی مدد فرمائی۔

جی۔ٹی روڈ ساہیوال پر حاجی فیروز دین مرحوم، شیخ فضل کریم مرحوم، حاجی خوشی محمد مرحوم، میاں غلام نبی مرحوم گاہا برادران اور دوسرے احباب کی معیت میں جامعہ رشیدیہ ساہیوال کی تعمیر کا کام شروع فرمایا اور حضرت مفتی فقیر اللہ صاحبؒ اور مولانا عبداللہ صاحبؒ شیخ الجامعہ اور مولانا قاری لطف اللہ شہیدؒ کو فقیر والی سے یہاں لائے اور پورے علاقہ میں تعلیمی و تبلیغی کام شروع فرمایا جو الحمدللہ آج تک روز روشن کی طرح عیاں ہے!

آپ نے جامعہ رشیدیہ میں برصغیر کے نامور علماء کو دعوت دی چنانچہ آپ کی دعوت پر حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ حضرت مولانا سید عبدالقادر رائپوریؒ، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ حضرت قاری محمد طیبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، حضرت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ، ماسٹر تاج الدینؒ انصاری، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ حضرت مولانا مفتی محمودؒ، مولانا عبداللہ درخواستی مدظلہ، قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا خیر محمد صاحبؒ، مولانا محمد علی جالندھری صاحبزادہ فیض الحسن بخاریؒ، شیخ حسام الدینؒ مولانا عبدالہادیؒ دین پوری اور مولانا خان محمد آف کندیاں شریف کے علاوہ دیگر مقتدر علماء وفضلاء وقتاً فوقتاً تشریف لاتے رہے اور جامعہ رشیدیہ کے مستقل سرپرست حضرت مفتی فقیر اللہؒ، حضرت خیر الانام مولانا خیر محمدؒ، حضرت مولانا فضل احمد رائپوری، حضرت مولانا محمد ابراہیمؒ میاں چنوں، حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوری رہے ہیں۔ موجودہ سرپرست و مہتمم حضرت مولانا ولی محمد صاحب مدظلہ فاضل دیوبند ہیں!

قید و بند ۱۹۵۲ء میں آپ کی پہلی گرفتاری ختم نبوت کے سلسلہ میں ہوئی۔ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں ایک سال جیل میں رہے اور یہ گرفتاری غلہ منڈی کی جامع مسجد سے ہوئی اور پورے شہر میں آپ کی گرفتاری پر احتجاجی ہڑتال ہوئی۔ اسی تحریک میں جامعہ رشیدیہ کی تعمیرات، جائیداد مدرسہ کو بحق سرکار ضبط کر لیا گیا! جہاں اب گورنمنٹ محمودیہ ہائی سکول ہے۔

تیسری گرفتاری چیچہ وطنی سے شہادت غلام رسولؒ کے موقع پر تقریر سے ہوئی۔ اور چوتھی مرتبہ پھر تحریک نظام مصطفےٰ میں آپ کو مدینہ مسجد ساہیوال سے گرفتار کیا گیا۔ مقدمات زبان بندیاں تو ہمیشہ رہتی تھیں۔

آپ ساہیوال میں جمعیۃ علماء اسلام کے عرصہ دراز تک امیر رہے اور آپ کے تعمیری، تبلیغی، تعلیمی، ادبی اور سیاسی کام اور خدمات شمار سے باہر ہیں۔ آپ نے آٹھ حج اور دو عمرے ادا فرمائے اور اسی ماہنامہ "الرشید" کی ادارت عرصہ چودہ سال سے کرتے چلے آ رہے تھے۔ دارالعلوم دیوبند نمبر، مدنی اقبال نمبر، تاریخ دارالعلوم نمبر اور فیضانِ دارالعلوم نمبر آپ کی عظیم محنت اور یادگار ہیں۔

آپ کے ہزاروں شاگرد ملک اور بیرون ملک تعلیمی و تبلیغی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ کی خدمات اور عظیم ملی کارنامے اور آپ کی سوانح مجھ سا کم علم اور گناہگار کے بس کا روگ نہیں۔ اپنی یادداشت کے مطابق یہ مختصر حالات تحریر کر دیئے ہیں۔ آپ کی چالیس سالہ خدمات ایک مستقل تاریخ ہے۔

آپ کی حقیقی کوئی اولاد نہ تھی نہ ہے، نہ بیٹا نہ بیٹی۔ آپ کے بھتیجے بھانجے بہنیں تین اور بیوی موجود حیات ہیں! پس ماندگان میں مولانا عبیداللہ رشیدی راقم السطور مطیع اللہ، قاری رشد اللہ ارشد، بھائی سعد اللہ اور حزب اللہ، قاری عبدالہادی قاری سعید کے علاوہ تین بہنیں اور آپ کی بیوہ ہیں۔

غم نصیب
مطیع اللہ رشیدی

شورش کاشمیری

بارگاہِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم

اِک شخص سراپا رحمت ہے
سجدے تھے جبیں تک آپہنچے
اُس ذات پہ حُجّت ختم ہوئی
سُورج نے ضیاء اُس سے لی
اُس نورِ مجسم سے پہلے
ہم ایسے فقیروں کی زد میں
سیرۃ کے درخشاں موتی ہیں
جب دوش پہ گیسوں کھلتے ہیں
اونٹوں کے چرانے والوں نے
اُس نام کی عظمت عرش پہ ہے
بطحا کے مسافر دیکھ کے چل

اِک ذات ہے یکسر نورِ خدا
یثرب کی زمیں تک آپہنچے
نبیوں کی شہادت ختم ہوئی
اُس نطق سے غنچے پھول بنے
اُس ذاتِ مکرم سے ہٹ کر
دولت بھی رہی حشمت بھی رہی
اصحاب مدینہ رولتے ہیں
والّیل کی شہ چیں ہوتی ہیں
اُس شخص کی صحبت میں رہ کر
اُس شخص کا چرچا فرش پہ ہے
یہ اُس کے نقوشِ پا ہی تو ہیں
کیا بات کہی ہے مُرشد نے
سُبحان اللہ ما اجملک

ہم ارض و سما کو دیکھ چکے
ہم عین یقین تک آپہنچے
یعنی کہ نبوت ختم ہوئی
اُٹھا تو ستارے فرش پہ تھے
تاریخ کے ظلمت زاروں میں
اُس دَر سے ہمیں جب نسبت ہے
سینا پہ گئے تو کچھ نہ ملا
لولاکَ لما کے سانچے میں
قیصر کے تخت کو روندا
وہ ذات نہیں تو کچھ بھی نہیں
تاریخ کے لالہ زاروں میں
اللہ کی اُس پر رحمت ہو
ما احسنک ما اکملک

لیکن کوئی اُس جیسا نہ ملا
اے صَلِّ علٰی اے صَلِّ علٰی
پھر کوئی نہ اُس کے بعد آیا
بیٹھا تو زمیں کو عرش کیا
جو عقدہ تھا عقدہ ہی رہا
دارا و سکندر چیز ہے کیا
جو کچھ بھی ملا یثرب سے ملا
اک نورِ مجسم ڈھل کے رہا
کسریٰ کا گریباں چاک کیا
قرآں کی ہر آیت سے کھلا
اَز غارِ حرا تا کرب و بلا

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا
گستاخ اکھیں کتھے جا لڑیاں

قدم قدم یہ رحمتیں، نفس نفس پہ برکتیں
جدھر جدھر سے وہ شفیعِ عاصیاں گذر گیا

اور

جہاں نظر نہیں پڑی وہاں ہے رات آج تک
وہیں وہیں سحر ہوئی جہاں جہاں گذر گیا

(احسان)

مولانا قاری محمد طیب قاسمی
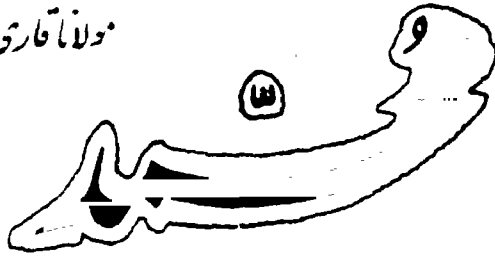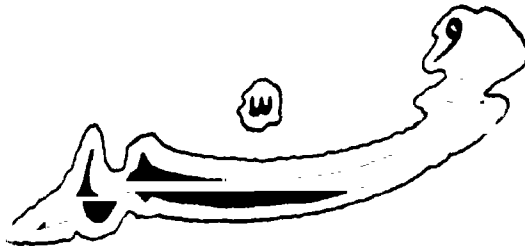
محمد ﷺ ابن عبداللہ سے محمد ﷺ رسول اللہ تک

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریب سعید پر بے مثال خطاب عام

— انبیاء علیہم السلام قبل از نبوت بھی معصوم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف اپنے بلکہ غیر مسلم بھی اس کی شہادت دیتے ہیں، جو تاریخ دان انصاف سے غور کرتے ہیں اور نبوتوں کی زندگی سے منجملہ کچھ واقفیت رکھتے ہیں انہوں نے شہادتیں دی ہیں کہ دنیا میں ایسا کامل اور مکمل انسان جس کی زندگی پر حرف رکھنے کی گنجائش نہ ہو وہ صرف اور صرف جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے

(از حکیم الاسلام مدظلہ)

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہٗ و من یضللہٗ فلا ھادی لہٗ و نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ و نشھد ان سیدنا و سندنا و مولٰنا محمدًا عبدہٗ و رسولہٗ ارسلہٗ اللہ الٰی کافۃ للناس بشیرًا و نذیرًا وداعیًا الیہ باذنہٖ و سراجًا منیرًا — **اَمّا بعد** :—

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ وکان اللہ بکل شیءٍ علیما الٰی قولہٖ وکفٰی باللہ وکیلاً (پ ۲۲) (صدق اللہ العلی العظیم)

بزرگانِ محترم :

یہ جلسہ جیسا کہ آپ کے علم میں ہے، جلسہ عید میلاد النبی (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے نام سے منعقد کیا گیا ہے گویا اس کا موضوع یہ ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت باسعادت کا ذکر کیا جائے اس لئے کہ حضورؐ کی ولادت طیبہ کا ذکر حقیقۃً عین عبادت ہے اور اللہ کے نزدیک بڑی بھاری طاعت اور قربت ہے اور سارے کمالات و برکات کا سرچشمہ ہے اس لئے میلاد النبیؐ کا تذکرہ ایک عظیم نعمت ہے جو مسلمانوں کو عطا کی گئی تو میں اس وقت میلاد نبوی ہی کے بارے میں چند کلمات آپ حضرات کی خدمت میں گذارش کروں گا اور اسی مناسبت سے یہ چند آیتیں میں نے تلاوت کی ہیں جو آپ کے سامنے ابھی پڑھی گئیں ———

میں چاہتا ہوں کہ میلاد کے سلسلہ میں آپ بھی چونکہ ولادت کا ذکر سننے کے لئے آئے ہیں، ولادت کا ذکر بھی کروں لیکن میں ایک ولادت کی بجائے حضورؐ کی دو ولادتوں کا ذکر کروں گا۔

ولادتِ نبوی ــ جسمانی اور رُوحانی ،

ممکن ہے آپ کو یہ سُن کر حیرت ہو کہ ولادت تو ایک ہی ہوتی ہے ، پیدائش ایک ہی مرتبہ ہوتی ہے تو دو ولادتیں کیسی ؛ لیکن میری گزارشات کے بعد آپ کو معلوم ہو گا کہ حقیقۃً نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو ہی ولادتیں ہوئیں ـــــ ایک ولادت با سعادت تو ۱۲ ربیع یا ۸ ربیع الاوّل کو علی اختلاف الاقوال ہوئی ـــــ اور ایک ولادت حضورؐ کی چالیس برس کے بعد ہوئی یعنی روحانی ولادت جب سے آپؐ نبی اور پیغمبر کی حیثیت سے دنیا میں ظاہر ہوئے ۔ ۱۲ ربیع الاوّل کو ولادت جسمانی ہوئی اور چالیس برس بعد ولادت روحانی ہوئی جس کو ہم نبوت سے تعبیر کریں گے ۔

۱۲ ربیع الاوّل کو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جمال دنیا میں ظاہر ہوا اور چالیس برس کے بعد حضورؐ کا کمال دنیا میں ظاہر ہوا ۔ تو ایک جمال کی حیثیت سے ولادت ہے اور ایک کمال کی حیثیت سے ولادت ہے ـــــ دونوں ولادتوں میں ہمارے لئے ان کا ذکر عبادت اور طاعت ہے حضورؐ کا دنیا میں جمال ظاہر ہونا یہ بھی عالم کیلئے عظیم ترین نعمت ہے اور آپؐ کا کمال دنیا میں ظاہر ہونا یہ اس سے بھی بڑی نعمت ہے جو اللہ نے ہمیں عطا فرمائی ہے ـــــ تو جمال محمدی وہ بھی ایک ایسی امتیازی شان رکھتے ہیں کہ دنیا میں اتنا بڑا جمیل اور صاحبِ جمال پیدا نہیں ہوا جتنا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جمال والے تھے اور اتنا بڑا با کمال بھی کوئی پیدا نہیں ہوا جتنا کہ کمال والے آپ تھے تو دونوں ولادتیں امتیازی شان رکھتی ہیں نہ ولادت جسمانی کی نظیر ہے نہ ولادت روحانی کی نظیر ہے فرق اتنا ہے کہ ۱۲ ربیع الاوّل کو ہمارے سامنے ظہور ہوا محمد بن عبداللہ کا اور چالیس برس کے بعد ظہور ہوا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ۔ اس وقت آپ ابن عبداللہ کی حیثیت سے دنیا میں آئے اور چالیس برس کے بعد رسول اللہ کی حیثیت سے دنیا میں تشریف لائے ۔

ولادۃ روحانی کے بارے میں عامۃ الناس کا طرزِ عمل ،

عام طور سے لوگ ولادت جسمانی کو اہمیت دیتے ہیں اور اسی ولادت کے ذکر کو ذکر میلاد ...

کہتے ہیں، حالانکہ یہ ذکر میلاد کا ابتدائی درجہ ہے حقیقی درجہ وہ ولادت ہے جو چالیس برس کے بعد ہوئی اس لئے کہ پہلی ولادت میں ہمارے لئے عمل کا کوئی نمونہ نہیں ہے اور دوسری ولادت میں ہمارے لئے عمل کے نمونے موجود ہیں جس سے ہم سعادت حاصل کر سکتے ہیں یعنی آپؐ کی پہلی ولادت جمال کی ہوئی کہ چہرہ مبارک ایسا تھا انگلیاں ایسی تھیں، بال ایسے تھے، آنکھیں ایسی تھیں بدن، قد و قامت یہ تھا اس میں ہمارے لئے کوئی نمونۂ عمل نہیں ہے خوشی کی تو انتہائی چیز ہے کہ ہمارے پیغمبر کو اللہ نے وہ جمال اور موزونیت عطا فرمائی کہ عالم میں ایسا حسن و جمال کسی کو نہیں دیا گیا خوشی اور فخر کا موقع ہے لیکن عمل کا نمونہ کچھ نہیں —— یہ نہیں ہے کہ جیسے حضورؐ کے ہاتھ تھے ہم ویسے ہاتھ بنالیں۔ جیسے حضورؐ کا رنگ مبارک تھا ہم اپنا رنگ ویسا کرلیں۔ جیسے آپؐ کا قد و قامت تھا ویسا ہم اپنا قد و قامت بنالیں۔ اس میں عمل کا نمونہ ہمارے لئے نہیں ہے خوشی کا موقع ضرور ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

لیکن محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیثیت سے جب آپ ظاہر ہوئے اس میں سامنے یہ چیز ہوتی ہے کہ آپؐ کا ایمان ایسا تھا۔ آپؐ کا عقیدہ یہ تھا آپؐ کا عمل یہ تھا، نماز ایسی، روزہ ایسا، حج ایسا، جہاد ایسا اس میں ہمارے لئے نمونۂ عمل ہے جیسی آپؐ نے نماز پڑھی ہم بھی ویسی نماز پڑھیں۔ جیسے آپؐ نے روزے رکھے ہم بھی ویسے روزے رکھیں، جس طرح آپؐ نے حج کیا ہم بھی ویسا ہی حج کریں، جس طرح آپؐ کی گھریلو معاشرت تھی ہم بھی ویسی ہی معاشرت بنائیں جس طرح آپؐ کی جماعتی زندگی تھی ہم بھی ویسی زندگی بنائیں، اس میں عمل کا نمونہ ہے میرے خیال میں یہ جو پہلی ولادت کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے یہ اس لئے کہ اس میں کرنا کرانا کچھ نہیں پڑتا کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی خوش ہو لئے یا زیادہ سے زیادہ خوش ہو کے مٹھائی بانٹ لی اور خود ہی کھا بھی لی اس سے زیادہ کچھ نہیں ——

ولادتِ روحانی ہی اصل مقصود ہے،

اور دوسری ولادت سن کر ذمہ داریاں بڑھتی ہیں کہ ہمیں مسلمان بننا پڑے گا، ہمیں یہ کام

یوں کرنا پڑے گا، زندگی کا نمونہ ایسا بنانا پڑے گا عمل کرنا لوگ نہیں چاہتے اس لئے دوسری ولادت کا تذکرہ نہیں کرتے اور اس کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے اور پہلی ولادت میں عمل کا نمونہ نہیں ہے خوشی خوشی کا موقع ہے اس لئے اس کو زیادہ اختیار کرتے ہیں ورنہ میں سمجھتا ہوں کہ جیسے یہ عبادت ہے کہ حضورؐ دنیا میں آئے ایسے ہی اس کا ذکر بھی عبادت ہے کہ حضورؐ نے اس طرح نماز پڑھی حضورؐ نے اس طرح حج کیا حضور نے اس طرح جہاد کیا بلکہ یہ اس سے بڑی عبادت ہے اس میں ہمارے لئے سعادت حاصل کرنے کا موقع ہے اس میں محض خوش ہونے کا موقع ہے مگر بہرحال یوں دونوں ولادتوں کا ذکر ہمارے حق میں عبادت ہے اگرچہ پہلی ولادت مقدمہ ہے اور دوسری ولادت مقصود ہے کیونکہ اگلا مقصود ظاہر کرنا تھا اس لئے ولادت جسمانی سامنے رکھی گئی تاکہ ولادت روحانی کا موقع آجائے تو پہلی ولادت تمہید ہے اور دوسری ولادت اصل مقصود ہے —— رسالت و نبوت کا دنیا میں لانا تھا اس لئے ذاتِ اقدس کو پیدا کیا گیا —— مگر تمہید ہو یا مقصد ہو، ہے دونوں کا ذکر طاعت اور عبادت —— اس لئے تھوڑا تھوڑا ذکر میں دونوں قسم کی ولادتوں کا کروں گا۔

جمالِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تو میں نے عرض کیا کہ پہلی ولادت میں حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جمال ظاہر ہوا۔ جسم مبارک ایسا تھا، رنگ ایسا تھا، قد و قامت ایسا تھا چال ڈھال ایسی تھی۔ یہ بھی امتیازی چیز تھی کہ پورے عالم میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ حدیث میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جو جلیل القدر صحابی ہیں، فرماتے ہیں، ایک دن نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبویؐ میں تشریف فرما تھے، سرخ حلّہ پہنے ہوئے، سرخ چادر اور سرخ ہی لنگی —— لیکن محدثین اور شراح حدیث اس کی تفصیل کرتے ہیں کہ وہ ساری سرخ نہیں تھیں سرخ اس لئے کہا گیا کہ اس پر دھاریاں سرخ پڑی ہوئی تھیں کپڑا سفید تھا سفید زمین کے کپڑے میں سرخ دھاریاں تھیں۔

یمن سے چادریں آیا کرتی تھیں۔ بعض سیاہ دھاریوں کی۔ بعض سرخ دھاریوں کی بعض سبز دھاریوں کی —— تو اس دن یمن سے سرخ دھاری کی کوئی چادر حضور صلے اللہ علیہ

کے لئے آئی تو آپؐ وہی پہنے ہوئے تھے۔ رات کا وقت تھا اور چودھویں رات کا چاند چمک رہا تھا، چاندنی کھیل رہی تھی اس میں آپؐ تشریف رکھتے تھے صحابہؓ بھی موجود تھے ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں کبھی چاند کو دیکھتا تھا کبھی چہرہ مبارک کو اور کہتا تھا کہ ان میں کون زیادہ حسین ہے؟ مجھے فیصلہ کرنا پڑتا تھا کہ چاند میں وہ حسن و جمال نہیں، جو چہرۂ محمدیؐ کے اندر حسن و جمال ہے اس لئے چاند سے ہٹ کر میری نگاہیں حضور اکرمؐ کے چہرۂ انور پر جم جاتی تھیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرات صحابہؓ نے کیسی صورت زیبا دیکھی ——— صحابہؓ کی عادت مبالغہ کی نہیں تھی۔

صحابہ کرامؓ سے زیادہ سچا اس عالم میں دوسرا نہیں پیدا ہوا۔ اہلسنت والجماعت کا اجماع ہے کہ اس امت میں بڑے سے بڑا قطب، غوث اور ابدال پیدا ہو لیکن صحابیت کی گرد کو نہیں پہنچ سکتا، صحابہ سب کے سب متقی، عدول، پاکباز اور پارسا ہیں۔ ان سے بڑھ کر مقدس طبقہ اس امت میں کوئی دوسرا نہیں ہے۔ قرآن و حدیث نے جس طبقے کی برگزیدگی کی شہادت دی ہے وہ صرف صحابہؓ کا طبقہ ہے۔ اس لئے ان کے ہاں شاعریت نہیں تھی مبالغہ آرائی نہیں تھی جو کچھ کہتے تھے اپنے اللہ کو سامنے رکھ کر حقیقت کہتے تھے ابوہریرہؓ نے کوئی شاعری اور مبالغہ نہیں کیا بلکہ اصل حقیقت بیان کی ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسی پاک صورت پہلے کبھی دیکھی نہ آئندہ دیکھیں گے، یہ کوئی مبالغہ یا شاعری نہیں بلکہ بیان حقیقت ہے اور اس کے متعلق صحابہؓ کے بارے میں تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ عشاق رسولؐ ہیں محبت نبویؐ میں فنا تھے اور جو فانی ہو محبت میں وہ تو کہا ہی کرتا ہے وہ اچھی چیز ہی کہے گا وہ تو محبت ہی کی بات کرے گا تعریف ہی کی کہے گا لیکن قرآن کریم میں بھی اس کی شہادت موجود ہے۔

جمالِ محمدیؐ کا ماخذ قرآن سے

جب اللہ کے کلام سے کوئی چیز اخذ کی جائے تو قرآن ذمہ دار بن جاتا ہے پھر اس میں شاعریت کا کوئی شائبہ تک باقی نہیں رہتا تو قرآن کریم میں بھی ماخذ موجود ہے اور سمجھنے والے اس

کے حضرات صحابہؓ ہیں۔ تو پہلے میں قرآن کریم کا واقعہ بیان کر دوں اور پھر اس واقعہ سے صحابہؓ نے
جو اخذ کیا ہے اس کو عرض کروں گا۔

حدیث میں فرمایا گیا کہ یوسف علیہ السلام سب سے زیادہ حسین دنیا میں گذرے ہیں اور خود فرمایا
حدیث میں حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جب اللہ نے حسن وجمال پیدا کیا تو آدھا حسن ساری دنیا کو
کو دیا اور آدھا حسن تنہا یوسف علیہ السلام کو دیا تو حسن و جمال میں کوئی شک نہیں جب حدیث نبویؐ
میں خود حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرما دیا تو اس سے بڑھ کر شہادت نہیں ہو سکتی کہ یوسف
علیہ السلام سے زیادہ کوئی حسین نہیں جمال ان کا اُونچا تھا، ان پر زلیخا عاشق ہوئی ہیں ـــــــ جو
بادشاہِ مصر کی بیوی تھیں اور صرف زلیخا ہی عاشق نہیں تھیں بلکہ مصر کی تمام بیگمات اپنے دلوں کو یوسف
علیہ السلام کے عشق میں کھوئی ہوئی تھیں ـــــــ لیکن زلیخا نے چونکہ انہیں خریدا تھا اور کنعان کے
قافلے نے آ کے زلیخا کے ہاتھ بیچ دیا تھا اس لئے حضرت یوسفؑ گویا زلیخا کے مملوک تھے، دوسری طرف
جا نہیں سکتے تھے تو بیگمات مصر لاکھ عشق کریں مگر کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھیں تو انہوں نے ایک ڈھنگ
اختیار کیا کہ زلیخا پر طعنے کسنے شروع کئے، کہ دیکھو زلیخا۔ کیسے تھوڑے دل کی عورت ہے جو اپنے
غلام پر عاشق ہو گئی ہے، اسے شرم نہیں آتی۔ بادشاہ کی بیگم ہے اور غلام پر عاشق؟ یہ طعنے دینے کا
مقصد کیا تھا؟ ـــــــ یہ کہ زلیخا کا دل اتر جائے اور کسی طرح یوسف علیہ السلام کو ہم قبضا ئیں۔ زلیخا بیچ سے
ہٹ جائے تو اس پر ہم قابض ہوں تو یہ مقصد تھا طعنے دینے کا۔

زلیخا بھی سمجھ گئی اور روز روز کے طعنے سنتے سنتے تنگ آ گئی۔ آخر اس نے ایک دن ارادہ کیا کہ
میں ایک دفعہ ان سارے طعنوں کا جواب دے دوں تو اس نے بیگمات مصر کو چائے کی پارٹی دی
ـــــــ چائے کا لفظ میں نے اس لئے کہا کہ کھانے کے سوا جو پارٹی ہوتی ہے چائے کی کہلاتی
ہے چاہے اس زمانے میں چائے ہو یا نہ ہو ـــــــ مگر بہر حال وہ پارٹی تھی، کھانے کی نہ تھی وہ تفریحی
پارٹی تھی، اور کچھ تکلف کی چیزیں اس میں رکھی گئی تھیں۔ پھل فروٹ وغیرہ بہتر سے بہتر چنے گئے
تھے بہر حال ملکہ تھیں بادشاہ کی بیگم تھیں تو اس کے ہاں کیا کمی تھی؟ بڑا دستر خوان سجایا، پھل
فروٹ، مٹھائیاں اور جو اس زمانے کے تکلفات تھے، سب رکھے گئے، پھل کاٹنے کے لئے
چھریاں رکھی گئیں اور بیگمات مصر کو دعوت دی۔ تمام وزراء زادیاں، امیر زادیاں اور ان کی بیگمات

وہ آئیں اور ہر ایک اپنے بناؤ سنگھار کر کے لباس اور زیورات پہن کر آئیں مقصد یہ تھا کہ شاید یوسف کی نظر پڑ جائے اور مجھے ہی پسند کر لے ہر بیگم یہ چاہتی تھی تو انتہائی آراستہ پیراستہ ہو کر بہترین زیورات، لباس پہن کر جمع ہوئیں، دسترخوان سجایا گیا تھا جب زلیخا نے دسترخوان پر سب کو بٹھلایا تو یوسف ع کو ایک کمرے میں چھپا دیا، کہا جب میں کہوں تو باہر آئیں پہلے باہر نہ آئیں۔ یوسف علیہ السلام اندر بیٹھ گئے ——— غیر بیگمات مصر بیٹھیں ——— قرآن کریم میں اس کا تذکرہ فرمایا گیا کہ وقال نسوة فی المدینة امرأة العزیز تراود فتىٰها عن نفسه بیگمات مصر نے زلیخا کو طعنے دینے شروع کئے کہ اپنے غلام پر عاشق ہو گئی شرم آنی چاہیئے۔ قد شغفها حبا۔ انا لنرٰها فی ضلٰل مبین ہم تو اسے گمراہ سمجھتے ہیں بھلا غلام پر بھی عاشق ہونے کے کوئی معنی ہیں؟ فلما سمعت بمکرهن ارسلت الیهن جب زلیخا نے پہچان لیا کہ طعنہ دینا محض اس لئے ہے کہ میرا دل اتر جائے یوسف سے! اور یہ یوسف پہ قابو پائیں ارسلت الیهن واعتدت لهن متکأ دسترخوان تیار کیا، پھل فروٹ سجائے وآتت کل واحدة منهن سکینا۔ ہر ایک کے سامنے ایک ایک چھری رکھ دی، کہ پھل کاٹیے اور کھایئے جب انہوں نے چھریاں ہاتھ میں لیں اور پھلوں کو تراشنا شروع کیا۔ ایک دم یوسف علیہ السلام کو آواز دی کہ باہر آجائیں، یوسف علیہ السلام باہر آئے۔ ان کا حسن وجمال دیکھنا تھا کہ بیگمات اتنی مبہوت ہوئیں کہ آپے سے باہر ہو گئیں۔ بجائے پھل کاٹنے کے کسی نے انگلی کاٹ لی، کسی نے خونچہ کاٹ لیا، کسی نے بازو کاٹ لیا۔ سب لہو لہان ہو گئیں، یوسف علیہ السلام کا حسن وجمال دیکھ کر ——— انہیں اپنے آپے کا ہوش نہ رہا

، جب یوسف علیہ السلام کو دیکھا، تو بہت بھاری اور بڑا سمجھا، اور ہوش وحواس کھو بیٹھیں اور ہاتھ کاٹ ڈالے وقلن حاش للہ ما هذا بشرا ان هذا الا ملک کریم اور کہا کہ واللہ یہ بشر نہیں کوئی فرشتہ ہے جو آسمان سے اترا ہے یہ حسن وجمال بشر میں کہاں ہے؟ یہ خوبصورتی، یہ نزاکت، یہ قد رعنا اور یہ زیبائش، یہ کہاں بشر میں ہو سکتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے یہ کوئی فرشتہ ہے ——— جب تعریف میں رطب اللسان ہوئیں تو زلیخا نے کہا،

یہی ہے وہ جس کے بارے میں تم مجھے طعنے دیا کرتی تھیں۔ میں نے تو کبھی انگلی کاٹی نہ ہاتھ کاٹا، تم کو کیا مصیبت آئی کہ تم نے انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ میرے ساتھ تو ذرا یوسف ہیں گھر

(باقی صفحہ نمبر ۲۳ پر)

تقویٰ و للّٰہیت اور خدا ترسی کے الفاظ جونہی سُنے جاتے ہیں، فوراً خیال آتا ہے کہ ان اوصاف کے خاص کوئی گوشہ نشین دنیا بیزار شخص ہوں گے جن پر جذب یا کم از کم ضرورت سے زیادہ سادگی کی کیفیت طاری ہوگی۔ وہ دنیا سے بے خبر یہاں کی سیاست سے بے بہرہ اور یہاں کی چال بازیوں اور شاطرانہ طریقوں سے نابلد ہوں گے۔ اپنے دشمنوں سے حفاظت اور ان سے پنجہ آزمائی کا تو ان کو خیال تک نہیں گذرتا ہوگا۔ وہ بات کے اتنے خشک اور حق گوئی کے معاملہ میں اتنے تند اور مصلحت نااندیش ہوں گے کہ بڑے سے بڑے دنیا دار کو ذرا بھی نظر میں نہ لاتے ہوں گے۔ تدبیر کو تو گویا وہ حرام ہی باور کرتے ہوں گے اور صرف تقدیر و توکّل کا اسلحہ سجائے نصرتِ خداوندی کے سہارے ہر گتھی کو سُلجھایا کرتے ہوں گے!

یہ وہ تصویر ہے جو عام طور پر ہمارے معاشرہ میں ایک "خدا پرست انسان" اور "متقی انسان" کی کھینچ دی گئی ہے۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیّبہ کا ادنیٰ طالب علم بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ للّٰہیت کی انتہائی غلط تعبیر ہے اور اسلام میں جو تقویٰ مطلوب ہے اس سے اس کو دُور کا تعلق بھی نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہمیں بتاتی ہے کہ ایک شخص بیک وقت "عابدِ شب بیدار" بھی ہوسکتا ہے جس کے پاؤں خدا کے حضور عجز و نیاز میں متورّم ہوگئے ہیں اور خوفِ خدا نے اس کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر کر دی ہوں اور وہی ایک انتہائی فریش دانشمند "قائدِ کارزار" کے فرائض بھی انجام دے سکتا ہے جو اپنے تدبّر اور جنگی حکمتِ عملی سے طاقتور ترین دشمنوں کو زیر کر دے۔ دنیا کے کانوں اس قدر اس کے نالہ ہائے نیم شبی اور فغانِ سحر گاہی سنے ہیں کہ مشکل ہی سے اس کی نظیر ملے گی۔ اور انہی کانوں نے ان کے وہ حکیمانہ خطبات بھی سُنے ہیں جن کو دیکھ کر اس پر کوئی بڑا مقصد ہونے کا گمان گذرتا ہے۔ وہ اپنے دشمنوں کی ایک ایک چال پر ایسی گہری نظر رکھتا ہے اور ایسی خوش اسلوبی کیساتھ اس کا سدباب کرتا ہے کہ اہلِ بصیرت حیران ہیں!

یہ حال کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی نہیں ہے ۔ قرآن بتاتا ہے کہ اللہ کے وہ تمام برگزیدہ بندے جو کسی دور میں اس کی طرف سے شہادت حق پر مامور ہوئے اپنے زمانہ کے انتہائی مدبر، انتہائی دلیر، انتہائی معاملہ فہم اور مصلحت شناس تھے۔ اور ان کی بصیرت افروز تدبیر نے دنیا کے بڑے بڑے سیاسی اور اولوالعزم قائدین کے سر جھکا دیئے ۔ ان کا کوئی جملہ ان کی کوئی گفتگو اور ان کا کوئی اقدام خالص دنیوی اعتبار سے بھی "تدبر" اور مصلحت کے خلاف نہ تھا۔ اکثر اوقات ان کے طرزِ عمل سے اپنوں کو شکایت ہوئی اور مخلصوں اور جاں نثاروں کو گراں ہوئی مگر حالات نے ثابت کر دیا کہ ان کا اقدام مصلحت کے عین مطابق تھا۔

مجھے تو اس وقت حیرت ہوتی ہے جب قرآنِ مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا معاملہ پڑھتا ہوں کہ فرعون ایک غیر معمولی سیاسی اور چالباز حکمران تھا اور قوم کو کسی کے خلاف برانگیختہ کرنے کی جو بھی صورتیں ہو سکتی تھیں اس نے ان کا استعمال کیا ۔ اپنے احسانات اور حکومت کا حوالہ دیا ۔ شاہی تقریب کی لالچ دی ۔ حضرت موسیٰؑ کو ایک ہوشیار اور منصوبہ بند جادوگر کہا ۔ مصر کے اصل باشندے قبطیوں کی قومی عصبیت کو ہوا دی اور حضرت موسیٰؑ انتہائی دانش مندی سے محتاط لب و لہجہ میں اس کا جواب دیتے رہے یہاں تک کہ اس نے اپنی قوم کو للکارا اور حضرت موسیٰؑ سے پوچھا کہ اگر تم پر ایمان لے بھی آئیں تو ان کے کافر آباؤ اجداد کا کیا حال ہوگا؟

یہ بڑا نازک چبھتا ہوا اور جذباتی سوال تھا۔ اگر حضرت موسیٰؑ از راہِ سادگی کہہ دیتے کہ وہ سب دوزخ کے نذر ہوں گے تو ہوا کا رُخ ان کے خلاف ہو جاتا اور جو لوگ ابھی اس دعوت پر غور کرنے کو آمادہ ہی ہوئے تھے عین ممکن تھا کہ ان میں انحراف پیدا ہو جاتا اس لئے حضرت موسیٰؑ نے ٹالتے ہوئے کہا کہ ان کا حال اللہ کو معلوم ہے ۔ (طٰہٰ ۵۱ - ۵۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب اتنا ہوشمندانہ ہے کہ اس سے زیادہ بہتر جواب ان حالات میں دیا جانا ممکن نہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست کا سب سے بڑا شاہکار آپ کی وہ پہلی دعوت ہے جو آپ نے کوہِ صفا سے دی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب عربوں میں بت پرستی اور شرک اس حد تک رچ بس گیا تھا اور ان کی حیثیت ایسے مسلمات اور حقائق کی ہو چکی تھی کہ اس پر کوئی تنقید ان کے خیال میں دن کو رات کا نام دینا تھا۔ پھر اہلِ مکہ کو عربوں کے اس مشرکانہ دین میں سیادت کا درجہ حاصل تھا اور وہی گویا اس کی روح تھی ان کے لئے اس قسم کی باتوں کا انکار گویا اپنی قیادت اور برتری کے تعمیر کئے ہوئے شیش محل کو خود اپنے ہاتھوں چور چور کر دینے کے مترادف تھا۔

ان حالات میں اگر براہِ راست ان کو کوئی نامانوس دعوت دی جاتی اور ایسی دعوت جس کی ضرب ان کے پشت ہا پشت سے آنے والے افکار اور قائدانہ حیثیت پر پڑتی ہو تو اس کا ان پر بہت سخت اور شدید ردِ عمل ہوتا ۔ آپ نے اسی لئے یکبارگی ایمان کی دعوت دینے کی بجائے پہلے ان سے اپنی صداقت اور سچائی کا اقرار کرایا ۔ پھر ایک فرضی مثال دے کر سمجھایا کہ

میں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک فوج کھڑی ہے جو عنقریب تم پر حملہ آور ہوگی تو کیا تم یقین کرو گے؟ جب اس کا جواب بھی اثبات میں ملا تو اب ان کے بتوں کی کھلی مذمت یا ان کے آباؤ اجداد کی گمراہی اور انجام کا ذکر کرکے بغیر مثبت لب و لہجہ میں نہایت موثر اور محتاط الفاظ میں رسالت اور آخرت کی دعوت دی۔

مدینہ آنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سب سے پہلے اہم اقدام کیا وہ یہ کہ قریب کے قبائل سے معاہدے کئے۔ بعض قبائل سے یہ معاہدہ ہوا کہ کسی خارجی دشمن کے حملہ آور ہونے کے وقت وہ مسلمانوں کا تعاون کریں گے۔ مثلاً بنو ضمیرہ، بنو خزاعہ اور بعض قبائل سے یہ کہ اگر کوئی مسلمانوں پر حملہ آور ہو تو وہ غیر جانبدار رہیں گے۔ مثلاً قبیلہ جہینہ وغیرہ۔

حضور کی اس خارجہ پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدینہ کی یہ چھوٹی سی نوخیز اسلامی مملکت جس کی حیثیت مخالفتوں کے سمندر میں ایک جزیرہ کی تھی ایک گونہ مضبوط ہوگئی اس کی سرحدیں محفوظ ہوگئیں اور اہلِ مکہ کے لئے حملہ آور ہونا تو درکنار مدینہ کے مضافات اور گرد و نواح سے گزرنا بھی دشوار ہوگیا۔

دوسری طرف اس سے خود مدینہ میں یہود کے قبائل جو ہمیشہ ریشہ دوانیوں میں لگے رہتے تھے کا موقف کمزور ہوگیا اور وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں تنہا پڑ گئے۔

غزوہ بدر سے پہلے اہل مکہ کا قافلۂ تجارت شام کو روانہ ہوا۔ یہ اپنی نوعیت کا غیر معمولی اور بہت بڑا قافلہ تھا عورتوں مردوں سبھوں نے اس میں دل کھول کر اور فیاضانہ سرمایہ لگایا اور تقریباً تمام ہی سرداران قریش اور اعداءِ دین نے اس میں بھرپور حصہ لیا۔ اس سے پہلے مسلمانوں سے دو بار چھیڑ خانی ہوچکی تھی اور حضرمی کرز بھی اس قسم کی ایک کارروائی میں مارا گیا تھا۔ مکہ میں اس کے ورثاء سوگوار تھے اور عرب کے دستور کے مطابق چیخ چیخ کر نعرہ لگا کر خاک اڑانی شروع کی جو گویا استغاثہ اور فریاد ہوتی تھی۔ عربوں کی مثالی غیرت اور حمیت جوش میں آئی اور ایک دیرینہ چنگاری شعلہ جوالہ بن گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اگر یہ تجارتی قافلہ اپنے ساز و سامان اور بھرپور اسباب و وسائل کے ساتھ واپس آگیا تو اہلِ مکہ جو ابھی جذبات میں ہیں کے لئے ایک عظیم الشان جنگ لڑنا بہت آسان ہو جائے گا اور ان کو اتنی رسد حاصل ہوگی کہ وہ ایک غیر معمولی تعداد میں اپنا لشکر لاسکیں گے۔ آپ نے انتہائی فراست اور دانشمندی سے کام لیتے ہوئے ایک مختصر سا قافلہ لیا تاکہ اس پر حملہ آور ہوں اور گو کہ وہ قافلہ ساحلِ سمندر سے گذر گیا اور مسلمانوں کی زد سے بچ گیا مگر یہی اقدام بالآخر غزوۂ بدر کا باعث بنا۔

غور کیجئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تجارتی ناکہ بندی حالات کے لحاظ سے نہایت ہی سیاسیانہ اور فریسانہ اقدام تھا۔

سنہ ۶ھ میں آپ اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کو نکلے ۔ حدیبیہ کے مقام پر روک دیئے گئے۔ مسلمانوں کی تعداد اسوقت کم نہ تھی مقابلہ بھی دشوار نہ تھا۔ صحابہ اس کے لئے تیار ہی نہ تھے، منہ رہتے ۔ مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ایسی شرائط پر مصالحت منظور کر لی جو بظاہر مسلمانوں کی کمتری اور شکست کو ظاہر کرتی تھیں۔ صحابہ کو اس معاہدہ پر سخت رنج ہوا ۔ اور آپ کے حکم کے باوجود انہوں نے احرام توڑنے میں تاخیر کی۔ حضرت عمرؓ کچھ زیادہ ہی پرجوش تھے۔ انہوں نے آپ سے کہا کیا آپ سچے نہیں ہیں؟

لیکن بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ حضورؐ کا فیصلہ اتنا درست اور برمحل تھا کہ اسوقت یہی ہونا چاہئے تھا۔

اہلِ مکہ کی مسلسل مزاحمت کا نتیجہ یہ تھا کہ مسلمان ادھر اُلجھے ہوئے تھے اور ان کی قوت منفی پہلو پر خرچ ہو رہی تھی۔ دین کی دعوت اور اقامت کی طرف وہ خاطر خواہ توجہ نہیں کر سکتے تھے ۔ دوسرے خود مکہ اور اس کے دوسرے مضافات کے قبائل کو اس تصادم کی نوعیت نے ایک ضد میں مبتلا کر رکھا تھا وہ اسے وقار کا مسئلہ بنا چکے تھے، ان کو قریب سے اسلام کو سمجھنے کا موقعہ ہی نہ ملا تھا۔ صلح حدیبیہ نے دعوت کے لئے وسیع مواقع فراہم کئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دو ہی سال بعد جزیرۃ العرب کے اکثر حصہ پر اسلام کا جھنڈا نصب ہو گیا۔

سیرت کے یہ چند واقعات اس لئے بیان کئے گئے کہ دنیا کی دوسری قوموں میں مذہبیت کا جو تصور موجود ہے اور بدقسمتی سے خود مسلمانوں کے عہد انحطاط میں دینداری اور تقویٰ کا جو دام ہمرنگ تیار کیا گیا اور خدا ترسی و للہیت کا جو تصور دیا گیا وہ نہ صرف یہ کہ عقل و دانش کے خلاف ہے بلکہ آنحضور کی حیات طیبہ سے دور کا واسطہ بھی نہیں رکھتی۔ آپ کی سیرت بتاتی ہے کہ ایک مومن کو نہایت فرلیس، سیاس، ہوشمند اور دانشمند ہونا چاہیئے ۔ (النقیب الہند)

بقیہ :- محمد بن عبد اللہ ...

میں اپنے آپے میں ہوں۔ تم نے ایک نظر دیکھا اور آپے سے باہر نکل گئیں تو جب تمہاری یہ حالت ہے اگر میری یہ حالت ہو تو طعن کی کونسی بات ہے؟ تمہیں طعن دینے پر شرم آنی چاہیے نہ کہ میں غلام پر عاشق ہو کر شرم کروں، تم کیوں عاشق ہوئیں ؟ تم پر یہ مصیبت کیوں آئی؟

اب بے چاری بیگمات چپ ہوئیں، اپنا سامنہ لے کر رہ گئیں، پھر کسی کی زبان طعن نہیں کھلی۔ زلیخا چھوٹ گئیں۔ ہمیشہ کے لئے چھٹکارا ہو گیا ۔۔۔۔۔۔ یہ تو واقعہ ہے جو قرآن کریم نے یوسف علیہ السلام کے حسن کے بارے میں بیان کیا ۔۔۔۔۔۔

(جاری ہے)

خاتم النبیین علیہ السلام کی اکمل کاملیت

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ
وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کاملیت

کسی انسانی سیرت کے دائمی نمونۂ عمل بننے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے صحیفۂ حیات کے تمام حصے ہماری نگاہوں کے سامنے ہو، کوئی واقعہ پردۂ راز اور ناواقفیت کی تاریکی میں گم نہ ہو۔ بلکہ اس کے تمام سوانح اور حالات روزِ روشن کی طرح دنیا کے سامنے ہوں تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس کی سیرت کہاں تک انسانی سوسائٹی کے لیے ایک آئیڈیل زندگی کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اس معیار پر اگر شارمین ادیان اور بانیانِ مذاہب کے سوانح اور سیرتوں پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سوا اور کوئی ہستی اس معیار پر پوری نہیں اترتی اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ خاتم الانبیاء ہو کر دنیا میں تشریف لائے تھے ہم کہہ چکے ہیں کہ ہزاروں لاکھوں انبیاء علیہم السلام اور مصلحینِ دین کے زمرہ میں سے صرف تین چار ہی ہستیاں ایسی ہیں جو تاریخی کہی جا سکتی ہیں لیکن کاملیت کی حیثیت سے وہ بھی پوری نہیں ہیں، غور کرو کہ مردم شماری کے لحاظ سے آج بودھ کے پیرو دنیا کی آبادی کے چوتھائی حصہ پر قابض ہیں مگر بایں ہمہ تاریخی حیثیت سے بدھ کی زندگی صرف چند قصوں اور کہانیوں کا مجموعہ ہے لیکن اگر ہم انہی قصوں اور کہانیوں کو تاریخ کا درجہ دے کر بودھ کی زندگی کے ضروری سے ضروری اور اہم

سے اہم اجزاء تلاش کریں تو ہم کو ناکامی ہوگی ان قصوں اور کہانیوں سے ہم کو زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں نیپال کی ترائی کے کسی ملک میں ایک راجا کا لڑکا تھا جس نے فطرۃً سوچنے والی طبیعت پائی تھی جوان ہونے اور ایک بچہ کا باپ بننے کے بعد اتفاقاً اس کی نظر چند مصیبت زدہ انسانوں پر پڑی اس کی طبیعت بے حد متاثر ہوئی اور وہ گھر بار چھوڑ کر دیس سے نکل گیا اور بنارس، گیا، پاٹلی پتر (پٹنہ) اور راجگیر (بہار) کے کبھی شہروں میں اور کبھی جنگلوں میں اور پہاڑوں میں پھرتا رہا اور رفتہ رفتہ عمر کی کتنی منزلیں طے کرنے کے بعد اس نے گیا کے ایک درخت کے نیچے انکشافِ حقیقت کا دعویٰ کیا اور بنارس سے بہار تک اپنے نئے مذہب کا وعظ کہتا رہا، پھر اس دنیا سے رخصت ہو گیا، یہ خلاصہ ہے بدھ کے متعلق ہمارے معلومات کا۔

زرتشت بھی ایک مذہب کا بانی ہے۔ مگر ہم بتا چکے ہیں کہ قیاسات کے سوا اس کی زندگی اور سیرت کا بھی سراغ نہیں ملتا۔ ان قیاسات سے بھی جو کچھ معلوم ہوا ہے اس کو ہم بجائے اپنی زبان سے کہنے کے بیسویں صدی کے مستند خلاصۂ معلومات انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے آرٹیکل زرتشت سے یہاں نقل کرتے ہیں۔

> زرتشت کی جس شخصیت سے (گاتھا کے) ان اشعار میں ہماری ملاقات ہوئی ہے وہ نئے اوستا کے زرتشت سے بالکل مختلف ہے وہ ٹھیک متضاد ہے اس دوسرے افسانہ کی معجزانہ شخصیت سے (اس کے بعد گاتھا کے کچھ واقعی حالات نقل کر کے مضمون نگار لکھتا ہے) تاہم ہم یہ توقع نہ کریں کہ ہم گاتھا سے زرتشت کے فیصلہ کن حالات جان سکتے ہیں وہ ہم کو زرتشت کی لائف کا کوئی تاریخی بیان نہیں دیتی اور جو کچھ ملتا بھی ہے، اس کے معنی یا توضاحت نہیں ہیں یا غیر مفہوم ہیں۔"

زرتشت کے معنی موجودہ زمانہ کی تصنیفات کا باب شروع کرتے ہوئے یہ مضمون نگار لکھتا ہے۔

ا؎ گیارہواں ایڈیشن۔

اس کی جائے پیدائش کی تعیین کے متعلق شہادتیں متضاد ہیں۔"

اس کے زمانہ کے تعیین کے متعلق بھی یونانی مورخین کے بیانات، نیز موجودہ محققین کے قیاسات مختلف ہیں، مضمون نگار لکھتا ہے۔

"زرتشت کے زمانہ سے ہم قطعًا ناواقف ہیں"

بہرحال جو کچھ ہم کو معلوم ہے وہ یہ ہے کہ آذربائیجان کے کسی مقام میں پیدا ہوا، بلخ وغیرہ کی طرف تبلیغ کی ہشتاسپ بادشاہ نے اس کے مذہب کو اختیار کیا کچھ اس نے غیر معمولی معجزے دکھائے، اس نے شادی بیاہ کیا اولادیں ہوئیں اور پھر کہیں مرگیا، کیا ایسی نامعلوم ہستی کے متعلق کوئی کاملیت کا گمان بھی کر سکتا ہے اور اس کی زندگی انسانی سوسائٹی کے لیے چراغ راہ بن سکتی ہے، یا بنائی جاسکتی ہے؟

انبیائے سابقین میں سب سے مشہور زندگی حضرت موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے موجودہ تورات کے مستند یا غیر مستند ہونے کی بحث سے قطع نظر کر کے ہم اس کے بیانات کو بالکل صحیح تسلیم کیے لیتے ہیں تاہم تورات کی پانچوں کتابوں سے ہم کو حضرت موسیٰؑ کی زندگی کے کس قدر اجزاء ہاتھ آتے ہیں؟ جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ پیدا ہو کر فرعون کے گھر پرورش پاتے ہیں جوان ہو کر فرعونیوں کے مظالم کے خلاف بنی اسرائیل کی ایک دو موقعوں پر مدد کرتے ہیں۔ پھر مصر سے بھاگ کر مدین آتے ہیں یہاں شادی ہوتی ہے اور معتدبہ زمانہ تک یہاں زندگی بسر کر کے مصر واپس جاتے ہیں راہ میں نبوت سے سرفراز ہوتے ہیں فرعون کے پاس پہنچتے ہیں معجزات دکھاتے ہیں اور بنی اسرائیل کو مصر سے لے جانے کی رخصت چاہتے ہیں، رخصت نہیں ملتی، بالآخر عفلت میں مع اپنی قوم کے نکل جاتے ہیں خدا کے حکم سے سمندر میں ان کو راہ مل جاتی ہے فرعون غرق ہوجاتا ہے اور وہ اپنی قوم کو لے کر عرب اور شام میں داخل ہوتے ہیں۔ کافر باشندوں سے لڑائیاں پیش آتی ہیں اسی حالت میں جب وہ بہت بوڑھے ہوجاتے ہیں تو ایک پہاڑی پر ان کی وفات ہوجاتی ہے تورات استثنا کے اختتامی فقرے میں ہے:۔

سو خداوند کا بندہ موسیٰ خداوند کے حکم کے مطابق ... کی سرزمین میں مرگیا اور اس نے
اس مواب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل گاڑا ، پر آج کے دن تک کوئی اس
کی قبر کو نہیں جانتا اور موسیٰ اپنے مرنے کے وقت ایک سو بیس کا تھا اور اب تک بنی
اسرائیل میں موسیٰ کے مانند کوئی نبی نہیں ہوا۔

ا۔ یہ تورات کی پانچویں کتاب کے فقرے ہیں جس کی تصنیف بھی حضرت موسیٰ کی طرف منسوب ہے۔ ان فقروں میں سب سے پہلے آپ کی نظر اس پر پڑنی چاہیے کہ یہ پوری کتاب یا اس کے آخری اجزاء حضرت موسیٰؑ کی تصنیف نہیں۔ لیکن بایں ہمہ دنیا حضرت موسیٰ کے اس سوانح نگار سے واقف نہیں ہے۔

۲۔ ان درسوں کے الفاظ "آج تک اس کی قبر کو کوئی نہیں جانتا اور اب تک ویسا کوئی نبی بنی اسرائیل میں نہیں ہوا" ظاہر کرتے ہیں کہ سوانح موسوی کے یہ تکمیلی اجزاء اتنی مدت دراز کے بعد لکھے گئے ہیں جس میں ایک مشہور یادگار کو لوگ بھول جا سکتے ہیں۔ اور ایک نئے پیغمبر کے ظہور کی توقع کی جا سکتی ہے۔

۳۔ حضرت موسیٰ نے ایک سو بیس ۱۲۰ برس کی عمر پائی ، مگر غور سے دیکھو کہ اس (۱۲۰) برس کی عمر کے طویل زمانہ کی وسعت کو بھرنے کے لیے ہم کو حضرت موسیٰؑ کے کیا واقعات معلوم ہوئے ہیں اور ان کے سوانح کے ضروری اجزاء ہمارے ہاتھ میں کیا ہیں ، پیدائش ، جوانی میں ، ہجرت شادی اور نبوت کے واقعات معلوم ہیں ، پھر چند لڑائیوں کے بعد بڑھاپے میں ۱۲۰ برس کی عمر میں ان سے ملاقات ہوتی ہے ان واقعات کو جانے دیجیے یہ تو شخصی حالات ہیں جو ہر شخص کی زندگی میں الگ الگ پیش آتے ہیں انسان کو اپنی سوسائٹی کے عملی نمونہ کے لیے جن اجزاء کی ضرورت ہے وہ اخلاق و عادات اور زندگانی کے طور و طریق ہیں اور یہی اجزاء حضرت موسیٰؑ کی پیغمبرانہ سوانح عمری سے کم ہیں ، ورنہ عام جزئی حالات یعنی اشخاص کے نام و نسب ، مقامات کے پتے ، مردم شماریاں اور قانونی قال و اقوال بہت کچھ تورات میں مذکور ہیں مگر یہ معلومات خواہ جغرافیہ ، کرانولوجی ، نسب ناموں

اور قانون دانی کے لیے کسی قدر ضروری نہ ہوں، مگر عملی حیثیت سے بالکل بیکار اعاجز لائے سوانح کی کاملیت سے معرا ہیں۔

اسلام سے سب سے پہلے القعہد پیغمبر حضرت عیسیٰ ہیں جن کے پیرو آج یورپین مردم شماری کے مطابق تمام دوسرے مذاہب کے پیروؤں سے زیادہ ہیں مگر یہ سن کر آپ کو حیرت ہوگی کہ اسی مذہب کے پیغمبر کی زندگی کے اجزاء تمام دوسرے مشہور مذاہب کے بانیوں اور پیغمبروں کے سوانح سے سب سے زیادہ کم معلوم ہیں آج عیسائی یورپ کے تاریخی ذوق کا یہ حال ہے، کہ وہ بابل واسیریا، عرب وشام، مصر وافریقہ، ہندوستان وترکستان کے ہزارہا برس کے واقعات کتابوں اور کتبوں کو پڑھ کر اور کھنڈروں، پہاڑوں اور زمین کے طبقوں کو کھود کر منظرِ عام پر لارہا ہے اور دنیا کی تاریخ کے گمشدہ اوراق از سرنو ترتیب دے رہا ہے، مگر اس کا مسیحائی معجزہ جس چیز کو زندہ نہیں کرسکتا وہ خود حضرت عیسیٰ کی زندگی کے مدفون واقعات ہیں۔ پروفیسر رینان نے کیا کیا نہ کیا، مگر حضرت عیسیٰ کی واقعاتِ زندگی نہ ملنا تھے نہ مل سکے۔ انجیل کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ کی زندگی ۳۳ برس کی تھی، موجودہ انجیلوں کی روایتیں اوّلاً تو نامعتبر ہیں اور جو کچھ ہیں بھی وہ صرف ان کے آخری تین سالوں کی زندگی پر مشتمل ہیں، ہم کو ان کی تاریخی زندگی کے صرف یہ حصے معلوم ہیں، وہ پیدا ہوئے اور پیدائش کے بعد مصر لائے گئے۔ لڑکپن میں ایک دو معجزے دکھائے اس کے بعد وہ غائب ہوجاتے ہیں اور پھر یک بیک تیس برس کی عمر میں بپتسمہ دیتے اور پہاڑیوں اور دریاؤں کے کنارے ماہی گیروں کو وعظ کہتے نظر آتے ہیں، چند شاگرد پیدا ہوتے ہیں، یہودیوں سے چند مناظرے ہوتے ہیں یہودی ان کو پکڑوا دیتے ہیں۔ رومی گورنر کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوتا ہے، اور سولی دے دی جاتی ہے تیسرے دن ان کی قبر ان کی لاش سے خالی نظر آتی ہے تیس برس اور کم از کم پچیس برس کا زمانہ کہاں گزرا اور کیونکر گذرا۔ دنیا اس سے ناواقف ہے اور رہی ہوگی ان تین آخری برسوں کے واقعات میں بھی کیا ہے؟ چند معجزے اور مواعظ اور آخر سولی!

جامعیت کسی سیرت کے عملی نمونہ بننے کے لیے تیسری ضروری شرط جامعیت ہے جامعیت سے مقصود یہ ہے کہ مختلف طبقات انسانی کو اپنی ہدایت اور روشنی کے لیے جن نمونوں کی ضرورت ہوتی ہے یا ہر فرد انسان کو اپنے مختلف تعلقات و روابط اور فرائض و واجبات کو ادا کرنے کے لیے جن مثالوں اور نمونوں کی حاجت ہوتی ہے وہ سب اس "آئیڈیل زندگی" کے آئینہ میں موجود ہوں اس نقطہ نگاہ سے بھی دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ سوائے خاتم الانبیاء علیہ السلام والصلوٰۃ کے کوئی دوسری شخصیت اس معیار پر پوری نہیں اترتی مذہب کیا چیز ہے، خدا اور بندوں اور باہم بندوں کے متعلق جو فرائض اور واجبات ہیں ان کو تسلیم کرنا اور ادا کرنا دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے بجالانے کا نام ہے اسلیے ہر مذہب کے پیرووں کا فرض ہے کہ وہ اپنے اپنے پیغمبروں اور بانیوں کی سیرتوں میں ان حقوق، فرائض اور واجبات کی تفصیلات تلاش کریں اور ان کے مطابق اپنی زندگی کو اس قالب میں ڈھالنے کی کوشش کریں، حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں حیثیتوں سے جب آپ تفصیلات ڈھونڈیں گے تو وہ پیغمبر اسلام کے سوا آپ کو کہیں نہیں ملیں گی۔

مذاہب دو قسم کے ہیں ایک وہ جن میں یا تو خدا تسلیم ہی نہیں کیا گیا ہے جیسا کہ بدھ اور جین مذہب کے متعلق کہا جاتا ہے اس لیے ان مذہب کے پیغمبروں اور بانیوں کی زندگیوں میں بھی خدا طلبی کے واقعات مفقود ہیں خدا کے متعلق ہم کو کیا اعتقادات رکھنے چاہییں اور ان کے کیا اعتقادات تھے اور ان اعتقادات پر ان کو کس حد تک عملاً یقین تھا اس کی تفصیل سے ان کی سیرتیں خالی ہیں پوری تورات پڑھ جاؤ خدا کی توحید اور اس کے احکام اور قربانی کے شرائط کے علاوہ تورات کی پانچ کتابوں میں کوئی ایسا فقرہ نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ حضرت موسیٰؑ کے تعلقات قلبی اور اطاعت و عبادت اور خدا پر توکل و یقین، خدا کے صفات کاملہ والٰہیہ کی جلوہ گری ان کے قلب اقدس میں کہاں تک تھی، حالانکہ اگر موسوی مذہب ہمیشہ کے لیے اور آخری مذہب کے طور پر آیا ہوتا تو اس سے پیرووں کا فرض تھا کہ وہ ان واقعات

کو قید تحریر میں لاتے مگر خدا کی مصلحت یہ نہ تھی اس لیے ان کو اس کی توفیق نہ ملی۔

حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کا آئینہ انجیل ہے انجیل میں اس ایک مسئلہ کے علاوہ کہ خدا حضرت عیسیٰؑ کا باپ تھا ہم کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس دنیاوی زندگی میں اس مقدس باپ اور بیٹے میں کیا تعلقات اور روابط تھے، بیٹے کے اقرار سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ باپ کو بیٹے سے بڑی محبت تھی مگر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ بیٹے کو باپ سے کس درجہ محبت تھی وہ کہاں تک اپنے باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں مصروف تھا وہ اس کے آگے شب و روز میں کبھی جھکتا بھی تھا اور آج کی روٹی کے علاوہ کوئی اور چیز بھی اس نے کبھی اس سے مانگی، گرفتاری کی رات سے پہلے کوئی ایک رات بھی اس پر ایسی گذری جب وہ باپ کے حضور میں دعا مانگ رہا ہو۔ پھر ایسی سیرت سے ہم روحانی حیثیت سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں اگر حضرت عیسیٰؑ کی سیرت میں خدا اور بندہ کے تعلقات واضح ہوتے تو ساڑھے تین سو برس کے بعد پہلے عیسائی بادشاہ کونیس میں تین سو عیسائی علماء کی مجلس اس کے فیصلے کے لیے فراہم کرنی نہ پڑتی اور وہ اب تک ایک ناقابلِ فہم راز نہ بنے رہتے۔

اب حقوق عباد کی حیثیت کو لیجیے تو اس سے بھی حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا تمام دیگر انبیاء علیہم السلام اور بانیانِ مذاہب کی سیرتیں خالی ہیں بودھ نے اپنے تمام اہل و عیال اور خاندان کو چھوڑ کر جنگل کا راستہ لیا اور پھر کبھی اپنی پیاری بیوی جس سے اس کو محبت تھی اور اپنے اکلوتے بیٹے سے کوئی متعلق نہ رکھا، دوستوں کے جھرمٹ سے علیحدہ ہو گیا حکومت اور سلطنت کے بارِ گراں سے سبکدوشی حاصل کی۔ اور نروان یا موت کے حصول کو اپنی زندگی کا آخری مقصد قرار دیا، ان حالات میں کیا کوئی انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس دنیا کے بسنے والوں کے لیے جن میں حکومت و رعیت، شاہ و گدا، آقا و نوکر، باپ بیٹے، بھائی بہن اور دوست احباب کے تعلقات ہیں۔ بودھ کی سیرت کچھ کارآمد ہو سکتی ہے؟ کیا بودھ کی زندگی میں کوئی ایسی جامعیت ہے جو تارک الدنیا بھکشوؤں اور کاروباری انسانوں دونوں کے لیے قابلِ تقلید ہو؟ اسی لیے اسکی

زندگی کبھی بھی اس کے ماننے والوں کاروباری انسانوں کے لیے قابلِ تقلید نہ بنی ورنہ چین وجاپان سیام وانام، تبت وبرما کی تمام سلطنیں، تجارتیں، صناعیاں اور دیگر کاروباری مشاغل فوراً بند ہوجاتے اور بجائے آباد شہروں کے صرف سنسان جنگلوں کا وجود رہ جاتا۔

حضرت موسیٰ کی زندگی کا ایک ہی پہلو نہایت واضح ہے اور وہ جنگ اور سپہ سالاری کا پہلو ہے ورنہ اس کے علاوہ ان کی سیرت کی پیروی کرنے والوں کے لیے دنیاوی حقوق، واجبات فرائض اور ذمہ داریوں کا کوئی نمونہ موجود نہیں ہے۔ میاں بیوی، باپ بیٹے، بھائی بھائی دوست واجبات کے متعلق ان کا کیا طرزِ عمل تھا۔ صلح کے فرائض میں ان کا کیا دستور تھا۔ اپنے مال و دولت کو کن مفید کاموں میں انھوں نے لگایا، بیماروں، یتیموں، مسافروں اور غریبوں کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ تھا اور ان کے ماننے والے ان امور میں ان کی زندگی کی مثالوں سے کیونکر فائدہ اٹھائیں حضرت موسیٰؑ بیوی رکھتے تھے، بچے رکھتے تھے، بھائی رکھتے تھے۔ دوسرے اعزہ اور متعلقین رکھتے تھے اور ہمارا اعتقاد ہے کہ ان کا پیغمبرانہ طرزِ عمل یقیناً ہر حرف گیری سے پاک ہوگا مگر ان کی موجودہ سیرت کی کتابوں میں ہم کو یہ ابواب نہیں ملتے، جو ہمارے لیے قابلِ تقلید اور نمونہ ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں تھیں اور انجیل کے بیان کے مطابق ان کے بھائی بہن بھی تھے، بلکہ مادی باپ تک بھی موجود تھے مگر ان کی زندگی کے واقعات ان عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ ان کا تعلق، طرزِ عمل، سلوک اور برتاؤ نہیں ظاہر کرتے حالانکہ دنیا ہمیشہ انہی تعلقات سے آباد رہی ہے اور رہے گی۔ مذہب کا بڑا حصہ انہی کی متعلقہ ذمہ داریوں کے ادا کرنے کا نام ہے علاوہ ازیں حضرت عیسیٰؑ نے محکومی کی زندگی بسر کی اس لیے ان کی سیرت تمام حاکمانہ فرائض کی مثالوں سے خالی ہے وہ متاہل نہ تھے اس لیے ان دوجوڑوں کے لیے جن کے میاں تو ولت کے پہلے ہی باب نے ماں باپ سے زیادہ مضبوط رشتہ قائم کیا ہے، حضرت عیسیٰؑ کی زندگی تقلید کا کوئی سامان نہیں رکھتی اور چونکہ دنیا کی بیشتر آبادی متاہلانہ زندگی رکھتی ہے اس لیے اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کے بیشتر حصہ آبادی کے لیے ان کی سیرت

نمونہ نہیں بن سکتی، جس نے گھر بار اہل و عیال، مال و دولت، صلح و جنگ، دوست و دشمن کے تعلقات سے کبھی واسطہ ہی نہ رکھا ہو وہ اس دنیا کے لیے جو انہی تعلقات سے معمور ہے کیونکر مثال ہو سکتا ہے اگر آج دنیا یہ زندگی اختیار کر لے وہ کل وہ سنسان قبرستان بن جائے تمام ترقیاں دفعۃً رک جائیں اور عیسائی یورپ تو شاید ایک منٹ کے لیے بھی زندہ نہ رہے۔

عملیت

"آئیڈیل لائف" کا سب سے آخری معیار عملیت ہے، عملیت سے یہ مقصود ہے کہ شارعِ دین اور بانی مذہب جس تعلیم کو پیش کر رہا ہو خود اس کا ذاتی عمل اس کی مثال اور نمونہ ہو۔ اور خود اس کے عمل نے اسکی تعلیم کو عملی یعنی قابلِ عمل ثابت کیا ہو۔

خوش کن سے خوش کن فلسفہ، دلچسپ سے دلچسپ نظریہ اور خوش آئند سے خوش آئند اقوال ہر شخص ہر وقت پیش کر سکتا ہے لیکن جو چیز ہر شخص ہر وقت نہیں پیش کر سکتا وہ عمل ہے انسانی سیرت کے بہتر اور کامل ہونے کی دلیل، اس کے نیک اور معصوم اقوال، خیالات اور اخلاقی فلسفیانہ نظریے نہیں بلکہ اس کا اعمال اور کارنامے ہیں اگر یہ معیار نہ قائم کیا جائے تو اچھے اور برے کی تمیز اٹھ جائے اور دنیا صرف بات بنانے والوں کی مسکن رہ جائے اب مجھے پوچھنے دیجیے کہ لاکھوں شارعین اور ہزاروں بانیان مذاہب میں سے کون اپنی عملی سیرت کو اس ترازو پر تلوانے کے لیے آگے بڑھ سکتا ہے۔

"تو اپنے خداوند خدا کو اپنی ساری جان اور دل سے پیار کر، تو دشمن کو پیار کر، جو تیرے داہنے گال پر تھپیڑ مارے۔ تو اس کے سامنے اپنا بایاں گال بھی پھیر دے جو تجھ کو ایک میل بیگار لے جائے تو اس کے ساتھ دو میل جا۔ جو تیرا کوٹ مانگے تو اس کو کرتا بھی دے دے۔ تو اپنے مال و اسباب کو خدا کی راہ میں دے دے تو اپنے بھائی کو ستر دفعہ معاف کر، آسمان کی بادشاہت میں دولت مند کا داخل ہونا مشکل ہے"، یہ اور اسی قسم کی بہت سی نصیحتیں نہایت دل خوش کن ہیں مگر عمل سے ان کی تصدیق نہ ہو تو وہ سیرت کا ٹکڑا نہیں بلکہ وہ صرف معصومانہ شیریں زبانیوں کا ایک مجموعہ ہیں جس نے اپنے دشمن پر قابو نہ پایا ہو۔ وہ عفو

کی عملی مثال کیسے پیش کر سکتا ہے جس کے خود کچھ نہ ہو، وہ غریبوں اور مسکینوں اور یتیموں کی مدد کیونکر کر سکتا ہے جو عزیز و اقارب، بیوی، بچے نہ رکھتا ہو، وہ انہی تعلقات سے آباد دنیا کیسے مثال کیونکر بن سکتا ہے جس نے بیماروں کی تیمارداری اور عیادت نہ کی ہو وہ اس کا وعظ کیونکر کہہ سکتا ہے جس کو خود دوسروں کے معاف کرنے کا موقع نہ ملا ہو اس کی زندگی ہم میں سے غضب ناک اور غصہ ور لوگوں کے لیے نمونہ کیسے بنے گی۔

غور کیجیے! نیکیاں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک سلبی اور ایک ایجابی۔ مثلاً آپ پہاڑ کے ایک کھوہ میں جا کر عمر بھر کے لیے بیٹھ گئے تو صرف یہ کہنا صحیح ہوگا کہ بدیوں اور برائیوں سے آپ نے پرہیز کیا یعنی آپ نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جو آپ کے لیے قابلِ اعتراض ہو مگر یہ تو سلبی تعریف ہوئی۔ ایجابی پہلو آپ کا کیا ہے؟ کیا آپ نے غریبوں کی مدد کی، محتاجوں کو کھانا کھلایا، کمزوروں کی حمایت کی، ظالموں کے مقابلہ میں حق گوئی سے کام لیا، گرتوں کو سنبھالا، گمراہوں کو راستہ دکھایا، عفو، کرم، سخا، مہمان نوازی، حق گوئی، رحم، حق کی نصرت کے لیے جوش، جدوجہد مجاہدہ، ادائے فرض، ذمہ داریوں کی بجا آوری، غرض تمام وہ اخلاق جن کا تعلق عمل سے ہے وہ صرف سلبِ فعل اور عدمِ فعل سے نیکیاں نہیں بن جائیں گی نیکیاں صرف سلبی ہی پہلو نہیں رکھتیں زیادہ تر ایجابی اور عملی پہلو پر ان کا مدار ہوتا ہے اس تقریر سے ظاہر ہوگا کہ جس سیرت کا عملی حصہ سامنے نہ ہو اس کو "آئیڈیل لائف" اور قابلِ تقلید زندگی کا خطاب نہیں دیا جا سکتا کہ انسان اس کی کس چیز کی نقل کرے گا؟ اور کس عمل سے سبق حاصل کرے گا؟ ہم کو تو صلح و جنگ، فقر و دولت ازدواج و تجرد، تعلقاتِ خداوندی و تعلقاتِ عباد، حاکمیت و محکومیت، سکون و غضب، جلوت و خلوت غرض زندگی کے ہر پہلو کے متعلق عملی مثال چاہیے دنیا کا بیشتر بلکہ تمام تر حصہ انہی مشکلات اور تعلقات میں الجھا ہوا ہے۔ اس لیے لوگوں کو انہی مشکلات کے حل کرنے اور انہی تعلقات کو بوجہ احسن انجام دینے کے لیے عملی مثالوں کی ضرورت ہے، قولی نہیں بلکہ عملی، لیکن یہ کہنا شاعری اور خطابت نہیں بلکہ تاریخی واقعہ ہے کہ اس معیار پر بھی سیرتِ محمدیؐ کے سوا کوئی دوسری

(باقی صفحہ نمبر ۴۴ پر)

حرارت ایمان جب زندگی میں جوش و خروش اور جاں بازی و جاں سپاری کا جذبہ پیدا کر دیتی ہے تو ہمیشہ ہی مسلمانوں کی ایک قلیل جماعت نے انتہائی بے سروسامانی کے باوجود دشمنانِ اسلام کی مسلح و کثیر فوجوں پر غلبہ و فتحمندی حاصل کی ہے!

نعیم انصاری ــــ بی اے

کسی مصلح اقوام یا رہنمائے عالم کے لئے دو شرائط ناگزیر ہیں ــــ ایک مؤثر تبلیغ اور دوسری باغی عناصر سے مقابلہ کی اہلیت! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رشد و ہدایت کے لئے وقتاً فوقتاً انبیاء بھیجے ہیں مگر تمام انبیاء علیہم السلام بیک وقت ہر دو خصوصیات کے حامل نہ تھے۔ رحمۃ للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی تھے۔ اور آپ میں ہر دو صفات بدرجہ اکمل ودیعت کر دی گئی تھیں۔ آپ کی تبلیغ و اشاعتِ دین کا کمال یہ ہے کہ آج تقریباً چودہ سو سال کے بعد بھی اسلام ایک زندہ اور ترقی پذیر مذہب اور مسلمان دنیا کی دوسری کثیر التعداد قوم ہے۔ آپ کی استیصالِ بغاوت اور فتنہ و فساد کے انسداد کی اہلیت کی روشن دلیل یہ ہے کہ آپ نے کم و بیش اسّی جنگیں لڑیں اور سب میں فاتح و کامران رہے ہیں۔ بلاشبہ آپ ایک عظیم سپہ سالار بھی تھے۔

تعلیمات اسلام کے مطابق جہاد دین کا ایک اہم اصول ہے۔ اور اسی اصول کی تبلیغ و اعلان نے مٹھی بھر مسلمانوں میں وہ جوشِ جاں فروشی اور جذبۂ فدا کاری پیدا کر دیا تھا کہ وہ اعلانِ جنگ سنتے ہی گھروں سے باہر نکل آتے تھے اور قلیل التعداد ہوتے ہوئے بھی ٹڈی دل دشمنوں کے مقابلہ میں معرکہ آراء ہو جاتے تھے۔ جہاد فی سبیل اللہ کا انسانیت پرور نظریہ بندہ کو براہ راست اس کے خالق سے ملا دیتا ہے۔ اسی راہ میں مرتبۂ شہادت ملتا ہے اور مرتبۂ شہادت کا شوق ایسا ہوتا ہے کہ مسلمان سر سے کفن باندھ کر مستانہ وار گھر سے نکل کھڑا ہوتا ہے۔ کیونکہ جسے شہادت مل گئی اسے جنت کا ابدی سرور مل گیا۔ اس جذبہ کے ساتھ فوج جب حزبِ مخالف سے اسطرح لڑنے کے لئے کمربستہ ہو جائے تو سپہ سالار کی فتح و کامیابی یقینی ہے۔ یہی حال بدرجہ اتم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج اور سپہ سالاری کا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل جنگِ اُحد میں ملاحظہ فرمائیے جو ۷ شوال ۳ھ کو ہوئی یہاں ایک اور پہلو نظر آئے گا وہ یہ کہ جب لشکر یا اس کا ایک حصہ مقدس و مدبر سپہ سالار کی نافرمانی کرتا ہے تو پوری فوج کس طرح مشکلات میں پڑ جاتی ہے!

جنگِ بدر کی شکست نے قریش مکہ کو بہت زیادہ مشتعل کر دیا تھا اور وہ اس کا انتقام لئے بغیر نہ خود چین سے بیٹھ سکتے تھے اور نہ مسلمانوں کو وہ چین سے بیٹھنے دے سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک دوسری جنگ کی تیاری وسیع پیمانہ پر شروع کر دی۔ جنگ بدر کے وقت سے ابوسفیان کے تجارتی قافلہ کا جو زر منافع محفوظ رکھا ہوا تھا اسے مصارفِ جنگ میں شامل کر لیا گیا۔ کچھ

ہنگامی رقوم بھی جمع کی گئیں۔ فراہمیٔ لشکر کے لئے عرب کے مشہور ترین شعراء کو اس کام پر معمور کیا گیا کہ وہ اپنی شعلہ فشانیوں سے سارے قبائل قریش میں جوشِ جنگ پیدا کر دیں۔ اس زمانہ میں عورتوں کی جنگ میں شمولیت فوجوں کے استقلال کا باعث سمجھی جاتی تھی لہٰذا اس ذریعہ کا بھی قریش کی جانب سے استعمال کیا گیا۔ چیدہ چیدہ مسلمان بہادروں پر کڑی نظر رکھی گئی اور ان کے شہید کرنے کا خاص انتظام کیا گیا۔

سید الشہداء حضرت حمزہؓ نے جنگ بدر میں ہندہ کے باپ سپہ سالارِ فوج عتبہ اور رئیس مکہ جبیر بن مطعم کے چچا کو قتل کیا تھا اس لئے ہندہ اور جبیر بن مطعم کو ان سے ذاتی عناد تھا۔ چنانچہ ہندہ نے جبیر بن مطعم کے غلام وحشی کو جو نیزہ بازی کا ماہر تھا انعام و آزادی کا لالچ دے کر اس بات پر مقرر کیا کہ وہ حمزہ کو شہید کر دے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو سپہ سالار مکہ ابوسفیان اور سارے مشرکین کے سب سے بڑے دشمن تھے ہی۔

مشرکین مکہ کی پانچ ہزار کی فوج ابوسفیان کی سپہ سالاری میں تیاری جنگ میں مشغول تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ نے جو ہنوز مکہ معظمہ میں مقیم تھے سارے حالات آپ کو لکھ بھیجے۔ آپ نے تفتیشِ حالات کے لئے مخبر روانہ فرمائے جنہوں نے آکر بتلایا کہ دشمن قریب ہی مدینہ طیبہ کی چراگاہوں میں فروکش ہیں۔ حضرت حبابؓ بن منذر نے خبر لا دی کہ دشمنوں کی تعداد کثیر ہے۔ اب مدافعت ضروری تھی لہٰذا شہر کے چاروں طرف پہرے بٹھا دیئے گئے۔ شام ہوئی تو حضرت سعدؓ بن عبادہ اور سعدؓ بن معاذ چند اکابر انصار کے ساتھ آستانۂ نبوی کی حفاظت پر متعین کئے گئے۔ صبح کو جلسۂ مشاورت منعقد ہوا۔ عام مہاجرین عظام و اکابر انصار کرام نے رائے دی کہ شہر میں رہ کر مدافعت کی جائے۔ عبداللہ ابن اُبی بن سلول بھی اس رائے کا مؤید تھا۔ مگر جو نوجوان صحابہ کرام جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے وہ مصر تھے کہ شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انہی کی رائے کو منظور فرمایا۔

نماز جمعہ کے بعد سفرِ جہاد کا اعلان فرمایا۔ اعلانِ روانگی سن کر صحابہ کرامؓ نشۂ شہادت میں سرشار نکل آئے۔ حضرت حنظلہؓ بن ابو عامر حالتِ جنابت ہی میں دوڑ پڑے۔ اس طرح ایک ہزار مسلمانوں کی جماعت شہر سے نکلی مگر عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین کو فریب دینے اور نفاق ڈالنے کا بہانہ مل گیا۔ اس نے کہا:

"محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے میری رائے نہیں مانی اس لئے میں جاتا ہوں"

اور وہ اپنی تین سو سپاہیوں کی جماعت لے کر واپس مدینہ چلا آیا۔ اب صرف سات سو مسلمان باقی رہ گئے۔ حضورؐ نے شیخین پہنچ کر اپنی مختصر جماعت کا جائزہ لیا اور کمسن بچوں کو واپس جانے کا حکم دیا مگر جوشِ جانثاری کا یہ عالم تھا کہ حضرت رافعؓ بن خدیج پیر کے انگوٹھوں کے بل کھڑے ہو گئے اور وہ لے لئے گئے۔ تو حضرت سمرہؓ نے دعویٰ کیا —— "میں تو رافع سے زیادہ طاقتور ہوں مجھے بھی اجازت ملنی چاہیئے" جب دونوں کا مقابلہ ہوا تو حضرت سمرہؓ نے انہیں واقعی پچھاڑ دیا۔ دو اور کمسن حضرت نعمانؓ بن بشیر اور حضرت براءؓ بن عازب بھی شریکِ جنگ کئے گئے۔ اور حضرت [illegible] ثابتؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عرابہؓ بن اوس، حضرت اسامہؓ بن زیدؓ، حضرت زیدؓ بن ارقم اور حضرت اُسیدؓ بن حضیرؓ واپس کر دیئے گئے اس کے بعد وہیں شیخین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رات بسر فرمائی۔

نماز فجر کے بعد اس مجاہدِ فی سبیل اللہ جماعت کی صف بندی ہوئی۔ قبیلہ خزرج کا علم حضرت سعدؓ بن عبادہ کے سپرد ہوا۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر پوری فوج کے علمبردار متعین کئے گئے۔ حضرت زبیرؓ بن العوام افسر رسالہ مقرر ہوئے، حضرت حمزہؓ غیر مسلح دستہ کے کپتان بنے اور حضرت عبداللہؓ بن جبیر تیر اندازوں کی افسری پر متعین ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سپہ سالار تھے۔ مسلمانوں کی یہ مختصر جماعت اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے اسطرح روانہ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلو میں حضرت سعدؓ بن معاذ تھے اور باقی مجاہدین پیچھے چل رہے تھے۔ حتیٰ کہ جبلِ اُحد کی وادی میں پہنچ کر فروکش ہوئے۔

یہ مقام مدینہ طیبہ سے شمال کی جانب تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ قریش یہاں پہلے سے پہنچ چکے تھے۔ مشرک فوج میں سات سو زرہ پوش، دو سو اسپ سوار اور تین ہزار شتر سوار تھے۔ اس بڑی تعداد کے مقابلہ میں مسلمانوں کے ساتھ صرف ایک سو زرہ پوش اور چند اسپ سوار تھے۔ مجاہدینِ اسلام کی سات سو کی قلیل جماعت کے سامنے مشرکین کی پانچ ہزار کی کثیر فوج گویا موجیں مارتا ہوا انسانوں کا ایک سمندر تھا۔ پانچ ہزار مسلح افراد صرف سات سو بے سروسامان مجاہدین اسلام کا یہ مقابلہ بظاہر بہت ہی سخت تھا۔

جنگ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ھندہ دیگر چودہ عورتوں کی معیت میں اپنے عزیز مقتولین بدر کا ماتم کرتی اور رجزیہ اشعار پڑھتی ہوئی آگے بڑھی۔ پھر ابو عامر (جو یثرب کا باشندہ تھا اور اب مکہ میں مقیم تھا) ڈیڑھ سو آدمیوں کیساتھ میدان میں آیا اور اس نے بلند آواز کہا،

"میں ابو عامر ہوں"۔ انصار نے جواب دیا "ہاں ہم تجھے خوب پہچانتے ہیں، اللہ تجھے نامراد کرے"۔

حضرت حنظلہؓ سے اپنے باپ کی یہ شیخی برداشت نہ ہوئی، انہوں نے حضورؐ سے اپنے باپ کیساتھ جنگ کی اجازت چاہی، مگر آپ نے اسے منظور نہ فرمایا۔ لیکن وہ جوش سے غضبناک ہو رہے تھے۔ آخر سپہ سالارِ مشرکین ابو سفیان پر جھپٹ پڑے اور قریب تھا کہ اس کا کام تمام کر دیتے مگر شداد بن الاسود نے اچانک پہلو سے حملہ کر دیا اور آپ نے شہادت کا بلند مرتبہ حاصل کر لیا۔

حضرت حنظلہؓ کے شہید ہوتے ہی طلحہ جو کفار کا علمبردار تھا، صف سے نکلا اور چیلنج کیا کہ مسلمانو! تم میں کوئی ہے جو مجھے دوزخ میں پہنچا دے یا خود میرے ہاتھ سے جنت میں پہنچ جائے؟

شیر خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں تجھے جہنم رسید کروں گا! اور دوسرے ہی لمحے وہ سچ مچ دوزخ میں تھا۔ طلحہ کے گرتے ہی اس کے بھائی نے پرچم سنبھال لیا اور مقابلے کے لئے للکارنے لگا۔ اس کے مقابلہ کے لئے حضرت حمزہؓ نکلے اور اس کے شانے پر ایسی تلوار ماری کہ کمر تک اتر گئی۔

اس کے بعد گھمسان کا رن شروع ہو گیا۔ حضورؐ نے ایک تلوار اپنے دستِ مبارک سے اٹھائی اور فرمایا۔ اس کا حق کون

ادا کرے گا! بہت سے صحابہؓ اس سعادت کو حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھے مگر یہ تلوار حضرت ابو دجانہؓ کو عطا ہوئی۔ ایک تو وہ عرب کے نامور پہلوان تھے ہی دوسرے عنایت نبوی کا شرف و اعزاز بھی انہیں حاصل ہو گیا۔ وہ فخر سے سینہ تان کر دشمن کی طرف بڑھے تو حضورؐ نے فرمایا۔ اگرچہ یہ چال اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے لیکن اسوقت اسے پسند ہے۔ حضرت ابو دجانہؓ کفار کی صفیں چیرتے ہوئے ان کے قلب میں گھس گئے۔ حتیٰ کہ ہندہ سامنے آگئی۔ تلوار سر تک لیجا کر کھینچ لی کہ رسول اللہ کی تلوار عورت کے خون سے ملوث کئے جانے کے قابل نہیں ہے۔

میدان کارزار گرم تھا۔ مسلمانوں میں سے چار بہادروں نے طرۂ امتیاز لگا رکھا تھا۔ حضرت ابو دجانہؓ کا سربند سُرخ تھا حضرت علیؓ کا سفید اون کا، حضرت زبیرؓ نے زرد عمامہ اور حضرت حمزہؓ نے شتر مرغ کی کلغی لگائی ہوئی تھی۔ حضرت حمزہؓ جدھر سے گذرتے تھے صفیں کی صفیں تہہ و بالا کر ڈالتے تھے۔ ہندہ کا مقرر کردہ غلام وحشی ان کی تاک میں تھا۔ جب وہ جدال و قتال کرتے ہوئے اس کے پاس سے گذرے تو اس نے حربہ پھینکا جو ناف کے پار ہو گیا۔ انہوں نے جوابی وار کرنا چاہا مگر زخم کاری تھا لڑکھڑا کر زمین پر آرہے۔

حضرت علیؓ کی نظر کفار کے علمبرداروں پر تھی۔ طلحہ، عثمان، ابوسعید، مسافع، کلاب، شریح وغیرھم ایک ایک کر کے قتل ہو چکے تھے آخر جب علم صواب کے ہاتھ آیا تو ایک مسلمان مجاہد نے آگے بڑھ کر تلوار اس زور سے ماری کہ اس کے دونوں ہاتھ کٹ کر زمین پر گر پڑے تاہم اس نے علم گرنے نہ دیا اور سینہ کے بل گر کر سینے سے دبالیا۔ اور اسی حالت میں مارا گیا۔ کفار میں اب کسی کو ہمت نہ تھی کہ آگے بڑھ کر علم کو اٹھا لے۔ دیر تک علم زمین پر پڑا رہا۔ آخر ایک مشرک عورت آگے بڑھی اور اس نے علم بلند کر دیا۔ یہ دیکھ کر قریش کو غیرت آئی اور پھر مقابلہ پر جم گئے۔

مگر کب تک جمتے حضرت علیؓ اور حضرت ابو دجانہؓ کے بے پناہ حملوں نے ان عورتوں کو جو قریش کو جوش دلا رہی تھیں بدحواس کر دیا اور ان کے بھاگتے ہی مشرک مردوں کے بھی پاؤں اکھڑ گئے۔

جنگ مسلمانوں کی فتح پر ختم ہو گئی تھی اور میدان جنگ میں مسلمان مال غنیمت اکٹھا کر رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر وہ تیر انداز بھی جنہیں کوہ اُحد کی پشت کی جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کیا تھا اور انہیں کہا گیا تھا کہ فتح کے باوجود بھی تم نے اپنی جگہ سے نہیں ہٹنا۔ مال غنیمت لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ ان کے سردار عبداللہ بن جبیرؓ نے اپنے سپاہیوں کو بہت روکا مگر وہ نہ مانے تیر اندازوں کا مورچہ خالی دیکھ کر لشکر کفار کے میمنہ کے سردار خالد بن ولید نے جو کوہ اُحد کی پشت ہی کی جانب سے حملہ کر دیا حضرت عبداللہؓ، حضرت حارثؓ بن انس اور چند دوسرے بہادروں نے ان کا مقابلہ کیا مگر سب شہید ہو گئے۔ جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا۔ دشمن بے خبر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ اس غیر متوقع حملہ نے مسلمانوں کو پریشان کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور بہت سے کبار صحابہ کرامؓ اپنی اپنی جگہ پر ثابت قدم رہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے پیچھے دائیں بائیں لڑ کر جانبازی و جانثاری کے جوہر دکھاتے رہے۔

مسلمان مجاہدین کے علمبردار حضرت مصعبؓ اسی ہنگامہ میں شہید ہوگئے تو مشرکین نے اس واقعہ سے بہت فائدہ اٹھایا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہ تھے اس لئے مشرکین نے یہ افواہ پھیلا دی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے ہیں اس افواہ نے مسلمانوں کے رہے سہے حواس بھی باختہ کر دیئے۔ بوکھلاہٹ میں اپنے پرائے کی تمیز نہ رہی اور مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہونے لگے۔ حضرت علیؓ کی شمشیر بُراں دشمنوں کو کاٹ رہی تھی اور نگاہیں جستجوئے رسولؐ میں حیران تھیں مگر آپ کی کہیں خبر نہ ملتی تھی۔ آخر حضرت کعبؓ بن مالک نے آپ کو پہچان کر پکارا۔۔۔ مسلمانو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہیں —!

یہ سنتے ہی جاں نثار آپ کی طرف پلٹ آئے۔ مگر ساتھ ہی دشمن بھی ادھر ہی لپکنے لگے اور آپ پر تیر و تلوار کی یورش شروع کر دی۔ عبداللہ بن قمیہ نے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر تلوار ماری جس سے مغفر کی دو کڑیاں چہرۂ اقدس میں گڑ گئیں۔ فداکاران رسالتؐ چاروں طرف سے ڈھال بن گئے۔ تیروں کو حضرت ابو دجانہؓ اپنی پشت پر روک رہے تھے۔ تلواروں کے وار حضرت طلحہؓ اپنے بازوؤں پر روک رہے تھے۔

تین مشہور تیرانداز حضرت ابوطلحہؓ حضرت صہیبؓ بن سنان اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ہمرکابِ رسالت رہ کر دشمنوں پر تیر برسا رہے تھے۔ حضرت ابوطلحہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھک گئے اور آپ کی مدافعت میں دشمنوں پر اسقدر تیر برسائے کہ دو کمانیں ان کے ہاتھ میں ٹوٹ گئیں۔ آخر انگلیاں شہید ہوگئیں اور ایک ہاتھ کٹ کر گر گیا۔ حضرت صہیبؓ بن سنان ایسے پُرمذاق تھے کہ جنگ میں بھی مذاق کا پہلو نکال لیتے تھے یعنی پہلا تیر دشمن کی آنکھ ہی پر مارتے تھے اور جو سامنے آتا اس کی ایک آنکھ ضرور غائب ہو جاتی تھی۔ حضرت سعدؓ برابر تیر اندازی کر رہے تھے۔ دشمنوں پر تیراندازی کرتے کرتے جب ان کا ترکش خالی ہوگیا تو حضورؐ نے ان کے سامنے اپنا ترکش بڑھا دیا اور ارشاد فرمایا۔ ''لو تیر مارے جاؤ'' (مفہوم)

اس معرکۂ کفر و اسلام میں تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نہایت جرأت و دلیری سے لڑ رہے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زخمی ہونے کے بعد حضرت طلحہؓ آپ کو اپنی پشت پر سوار کر کے پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے ابوسفیان نے تعاقب کیا تو حضرت عمرؓ اور چند دیگر صحابہ کرامؓ نے اوپر سے اسقدر پتھر برسائے کہ اسے آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ وہیں سے بولا کہ بدر کا بدلہ تو ہم لے چکے اگرچہ میں نے اس بات کو پسند نہیں کیا لیکن میری فوج نے تمہارے مُردوں کے ناک کان کاٹ لئے ہیں —!

دشمنانِ اسلام جا چکے تھے مگر حضورؐ کے تدبّر نے یہ رائے قائم کی کہ شاید ابوسفیان پلٹ کر آئے اور پھر حملہ کرے اسلئے آپ نے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا: مشرک فوج کا تعاقب کون کرے گا؟ اس ارشادِ گرامی کے سنتے ہی ستر صحابہؓ کی جماعت دشمن کے تعاقب کو روانہ ہوگئی۔ چنانچہ ابوسفیان نے مقام روحا پہنچکر سوچا کہ انتقام تو لے لیا مگر فتح نہیں ہوئی اسلئے پھر چلنا چاہیئے لیکن قبیلہ خزاعہ کا سردار ابوسفیان کے پاس گیا اور ابوسفیان کو کہا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی تیاری کے ساتھ جنگ کرنا چاہتے ہیں اسلئے اب ان سے مقابلہ آسان نہیں ہوگا بہتر یہ ہے کہ تم سیدھے مکہ چلے جاؤ۔ ابوسفیان یہ سن کر گھبرا گیا اور مکہ کی طرف چل پڑا۔ (داستانِ دہلی)

مکتوبات

Al-daie

DARUL ULOOM-DEOBAND, U.P. INDIA

برادر معظم جناب مولانا فاضل حبیب اللہ صاحب رشیدی! زید لطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔ آپ کے رسالہ "الرشید" کے ذریعے آپ کی سرگرمیوں اور آپ کے مدرسے کے احوال و کوائف کا علم ہوتا رہتا ہے۔ اور اس سے دل و دماغ باغ باغ ہوتا رہتا ہے۔ تازہ شمارہ صفر ۱۴۰۶ھ کے ذریعے جامعہ رشیدیہ کے ۲۴ ویں سالانہ تبلیغی اجتماع منعقد ہوجانے کی اطلاع سے بیحد خوشی ہوئی۔ ہمیں آپ کا مجلہ ابھی دو روز قبل ملا ہے آج اکتوبر کی ۲۰ تاریخ ہے۔ یقین ہے کہ اجتماع بخیر و خوبی گذر چکا ہوگا۔ اور دین و ملت اور تبلیغ و دعوت کے لئے خاطر خواہ اور مفید ثابت ہوا ہوگا۔ آپ حضرات کی دین و ملت کے لئے عموماً اور مسلک دیوبند اور علماء دیوبند کے پیغام و تحریک کے لئے خصوصاً جو سرگرمیاں ہیں ان سے ہر بہی خواہِ اسلام کو خوشی ہوتی ہوگی اور ان کے لئے دل سے دعائیں نکلتی ہوں گی۔
میں اپنی طرف سے الداعی کے خدام کی طرف سے، اساتذہ دار العلوم کی طرف سے اور تمام طلبہ و کارکنان دار العلوم کی طرف سے آپ کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اور اپنے لئے عموماً اور دار العلوم کے لئے خصوصاً آپ سے بصمیمِ قلب دعا کا ملتجی ہوں کہ خدائے کریم دین و ملت کے اس قلعہ کو اپنی آن بان اور ماضی کی روایات کے ساتھ قائم و دائم رکھتے ہوئے مستقبل میں اسے وہ کردار ادا کرنے کی توفیق دے جس کی اسوقت دین و ملت کو ضرورت ہے!

والسلام : نور عالم امینی   مدیر الداعی دار العلوم دیوبند

— ۲ —

مکتوب برطانیہ

مراسلات مدارس

محترم المقام حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ صاحب جالندھری دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، طالب خیر مع الخیر! ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری صاحب اور راقم الحروف الحمد للہ بخیریت ۱۰ر نومبر کو لندن پہنچے۔ ہمارے داعی جناب شیخ عبد الغنی صاحب ائیر پورٹ آئے ہوئے تھے۔ اسی روز بعد نماز عشاء جامع مسجد ساؤتھ لندن پاکستانیوں کے ایک اجتماع سے گفتگو ہوئی اور مرزائیت اور دیگر امور سے متعلق یہاں کے ساتھیوں نے ہم سے معلومات کیں۔ میرے چچا مرحوم کا لڑکا عرفان ہمیں لینے کے لئے اسی مسجد میں آگیا۔ چنانچہ شاہ جی صاحب مع شیخ عبد الغنی صاحب مولانا فضل الرحمٰن احرار کا لڑکا خالد مسعود گیلانی اور راقم ان کے ہاں چلے گئے۔ رات قیام انہی کے ہاں کیا اگلے روز شاہ جی اور بندہ شیخ صاحب کے ہمراہ گلاسکو چلے گئے۔ احباب سے رابطہ و ملاقات کی۔ الحمد للہ کام کا آغاز امید افزا ہے تاہم

وقت اور محنت درکار ہے ۔ مرزائی یہاں بھیس بدل کر اپنے آپ کو دجل و تلبیس کے ذریعے مسلمان ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہاں مسلمانوں کی بعض تعلیمی اور فلاحی تنظیموں میں شامل ہو جاتے ہیں لیکن جونہی مسلمانوں کو پتہ چلتا ہے تو پوری مزاحمت کی جاتی ہے اور اسطرح اب مرزائیوں کو یہاں بھی منہ کی کھانی پڑ رہی ہے ۔ یہاں گلاسگو کی ایک تعلیمی کونسل میں سرکاری طور پر مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے دو مرزائی شامل ہو گئے تھے جن پر ہمارے ساتھیوں کی جدوجہد سے نہ صرف یہ کہ ان کی نمائندگی ختم ہوئی بلکہ مسلمانوں کی نمائندگی کے فارم نئے سرے سے طبع کروائے گئے اور اس میں عقیدۂ ختم نبوت پر غیر متزلزل ایمان اور مرزا قادیانی کو کافر سمجھنا مسلمان کے لئے لازم قرار دیا گیا ۔ بہرحال مرزائی یہاں بھی صرف اور صرف دولت اور غیر ملکی آقاؤں کے سہارے کام کر رہے ہیں ۔ الحمدللہ آپ حضرات کی محنت کے اثرات یہاں تک بھی پھیلے ہوئے ہیں اور خطیب مسجد احرار ربوہ مولانا اللہ یار ارشد کے نام سے تو یہاں کے مرزائی بھی دبکتے ہیں ۔ یہاں مرزائیوں کے کتابچے دیکھے جن میں دیوبندی احراری کو نشانہ بنایا گیا ہے ۔ ہم خوش ہوئے کہ اکابر کی محنت کا نتیجہ ہے کہ منکرین ختم نبوت کی نیندیں حرام ہیں اور ان پر لفظِ احرار اور دیوبندی مسلط ہے ۔ یہاں کے بے شمار پاکستانیوں نے مجھ سے شہدائے ختم نبوت ساہیوال کیس کے بارے میں معلومات حاصل کیں ۔ یہاں کے تمام مسلمان اس کیس کے ملزمان کو کیفر کردار تک پہنچنے کے بڑی شدت سے منتظر ہیں ۔ اپنے مسلک اہلسنت والجماعت کے ہر شہر میں مراکز و مساجد موجود ہیں اور بڑی محنت سے کام ہو رہا ہے ۔

۱۵ نومبر کو شاہ جی نے گلاسگو کی سینٹرل مسجد میں جمعہ کے اجتماع سے خطاب کیا ۔ ۱۶ نومبر کو کمیونٹی ہال میں "اسلام اور جمہوریت" کے موضوع پر خطاب فرمایا اور راقم کو بھی گفتگو و خطاب کا موقع ملا ۔ ۱۷ نومبر کو ہم لوگ بریڈفورڈ آ گئے اور جمعیۃ علماء برطانیہ کے زیر اہتمام سیرت کانفرنس سے خطاب کیا ۔ شاہ جی کا خطاب اور ان کی آمد کا سن کر لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور بیشمار ساتھی اپنی اپنی جگہوں کے لئے وقت کا تقاضا کر رہے ہیں لیکن نظم کے مطابق ہمارے پاس اتنی فرصت نہیں کیونکہ لندن یا انڈیا آفس لائبریری میں بعض کتابوں کے حوالہ جات کے لئے کئی دن درکار ہیں اور ہمارا ویزا صرف ایک ماہ کا ہے ۔ ارادہ ہے کہ اگر جدہ کا ویزا مل جائے تو پھر عمرہ کر کے ہی واپس آئیں گے ۔

سب حضرات کو سلام و دعا عرض کر دیں ۔ شاہ جی کی طرف سے سلام قبول فرمائیں ۔ ملک عبدالحفیظ صاحب مکی کے والد گرامی جناب عبدالحق صاحب سے مسلسل گلاسگو میں ملاقات رہی سلام بھجواتے ہیں ۔

والسلام

عبداللطیف خالد چیمہ ملتان کاسٹر (یو۔کے)

بقیہ :- کاملیت

سیرت پوری نہیں اُتر سکتی ۔ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کی قوموں کے لیے اور قیامت تک کے لیے نمونہ عمل اور قابلِ تقلید بنا کر بھیجے گئے تھے اس لیے آپ کی سیرت کو ہر حیثیت سے مکمل ، دائمی اور ہمیشہ کے لیے محفوظ رہنے کی ضرورت تھی اور یہی ختم نبوت کی سب سے بڑی عملی دلیل ہے ۔

(جاری ہے)

از : حافظ لدھیانوی۔

نعت شریف

سرمایۂ دیں ، سرمایۂ جاں سبحان اللہ سبحان اللہ

ہے نامِ محمدؐ وردِ زباں سبحان اللہ سبحان اللہ

وہ شہرِ تمنا ، شہرِ کرم ، ہے نور اُس کا عالم عالم

آنکھوں کی ضیا دِل کا ارماں سبحان اللہ سبحان اللہ

طیبا نگری کا ہر منظر ، ہے شانِ رسالتؐ کا مظہر

دربار پناہِ عاصیاں سبحان اللہ سبحان اللہ

ہے دھڑکن ، دھڑکن یاد اُسکی ، ہے گلشن گلشن نور اُس کا

ہے نور اُس کا آرائشِ جاں سبحان اللہ سبحان اللہ

فرقت میں ہیں اُسکی اشک رواں ہے اس کا کرم داماں داماں

داماں داماں ہے گوہرِ جاں سبحان اللہ سبحان اللہ

جو منزلِ حق سے بھٹکے تھے ظلمات میں جنکے تھے ڈیرے

وہ بن گئے راہبرِ دوراں سبحان اللہ سبحان اللہ

حافظ بھی ثنا خواں ہے اُسکا مداحِ نبیؐ منصب ہے ملا

اندازِ کرم ہے طرزِ بیاں سبحان اللہ سبحان اللہ

(نشید حضوری)

REGD. L
NO. 8054
جریدۂ اسلامی
MONTHLY . AL RASHID . LAHORE [PAKISTAN]

ھوالمستعان

قارئین کرام و ناظرین محترم!

کارساز ما بفکر کار ما۔ یہ ہمارا نظریہ و عقیدہ ہے۔ اور ہمارا سرمایہ توکل علی اللہ۔ حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی مرحوم کی جاذب و مقبول شخصیت کی موجودگی میں ہمیں کسی قسم کا فکر نہ تھا۔ لیکن اب ان کے انتقال کے بعد مدرسہ و ادارہ الرشید کا بوجھ ہمارے ناتواں کندھوں پر آجانے کے بعد فکر کا دامن گیر ہونا لابدی ہے۔

قارئین کرام و معاونین و محسنین سے پر امید ہیں کہ سابقہ روایات کے مطابق جامعہ سے اپنی وابستگی اور اعانت و نصرت کے ساتھ ساتھ ادارہ الرشید کی قلمی و درمی سرپرستی فرمائیں گے کہ مجلہ الرشید خالص تبلیغی و اصلاحی رسالہ ہے۔ سیاسیات عصریہ سے لاتعلق ہے۔ فرقہ واریت سے مبرا۔ اتحاد بین المسلمین کا داعی جریدہ ہے۔

ادارہ الرشید کا خسارہ جامعہ کے شعبہ تبلیغ سے پورا کیا جاتا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اس کی ترویج و اشاعت اور ترقی کے لئے اس کی طرف خصوصی توجہ فرمائی جائے۔

واللہ المستعان

عبدالرشید ارشد

جملہ مراسلات بنام مہتمم صاحب جامعہ رشیدیہ (رجسٹرڈ) ساہیوال

الرشید
أنا خاتم النبيين لا نبي بعدي
میں آخری نبی ہوں ، میرے بعد کوئی نبی نہیں (حدیث نبویؐ)
جامعہ رشیدیہ ساہیوال کا دینی و تبلیغی مجلہ
أنا آخر الأنبياء وأنتم آخر الأمم
میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت (حدیث نبویؐ)
24 APR 19
بیادگار
فاضل حبیب اللہؒ
صدر مہتمم و ناظم اعلیٰ
جامعہ رشیدیہ
ماہنامہ
الرشید

از: جناب رفیق اذفر صاحب
پروفیسر امامیہ کالج ساہیوال
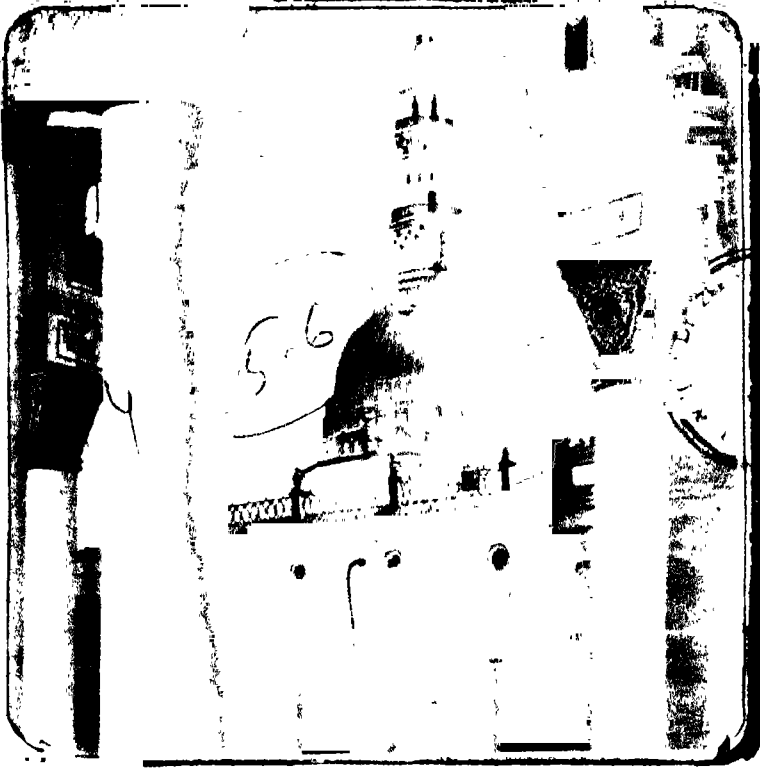
سوزِ غم

در فراق حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی حسینی القاسمیؒ ساہیوال

تاریخ وصال اوّلِ شب ۲۴ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ

غم سے دیوانے ہوئے ہیں آفتاب و آسماں
دیکھتا ہوں میں گریبانِ سحر کی دھجیاں

دیکھ تُو ہے آج خود چشمِ قضا خوننابہ بار
دیکھ آثارِ غروبِ آفتابِ ضُو دماں

ملکِ لایبلیٰ کی جانب ہوگیا ہے رہسپار
رہ نوردِ جادۂ حق چھوڑ کر اک داستاں

تُونے ہر ہر گام پر گایا نشیدِ حُرّیت
دین و دانش ہمقدم تھے عزم و ہمّت ہمعناں

رودِ کوثر سے ترے سیراب ہو کر ہی گیا
تشنہ کوئی بھی جو آپہنچا لبِ آبِ رواں

قادیانی دجل کے سینے پہ رکھا سر بلند
پرچمِ ختمِ نبوت وہ لوائے عرشیاں

جذبِ دل، برجستگی، تاثیر، ذوقِ آگہی
تھا مثالِ آیۂ محکم ترا حُسنِ بیاں

وقف تھا تیرا سبھی کچھ جامعہ کے واسطے
سوزِ دل خونِ جگر حتّٰی کہ مغزِ اُستخواں

تھا فقیر اللہؒ کے گلشن کا تُو سروِ رواں
اب وہ زیبائی چمن میں اور رعنائی کہاں

ایک عنوانِ شرافت، ایک بابِ دلکشا
ایک دیباچہ کتابِ روشنی کا بے گماں

آسمانِ عزم، وہ کوہِ یقیں، صخرِ اَصَمّ
مردِ حُر، مردِ قلندر، مردِ حق، جُرأت نشاں

دشمنانِ دینِ قیّم کے لئے صمصام تھا
بجلیاں ہی بجلیاں تھیں اس کی رگ رگ میں نہاں

کانِ خوبی، قدوۂ احرار، استاذِ نبیل
زینتِ محراب و منبر، واعظ عذب البیاں

وہ فریدِ شاہبازی، وہ ہمالہ عزم کا
ہمہمہ ایسا بدل دے قاعدۂ آسماں

شعلہ سامانوں کی محفل لُوٹ کر واپس ہوا
وہ خطیبِ عصرِ حاضر، ہمصفیرِ بلبلاں

شہرِ ساہیوال تھا ظلِ ہُما کے سائے میں
اب کہاں پاؤ گے ہمدم ایسے شہپر کا نشاں

اس جہانِ مکر و فن میں کیوں قرار آتا تجھے
طائرِ سدرہ نشیں و زائرِ باغِ جناں

صبحدم مرقد پہ جب آئے نسیمِ خوش خرام
شاخِ گُل سجدے کرے، بادِ صبا گل پاشیاں

اذفرِ غمدیدہ رشکِ معدنِ لعل و گہر
لعل، خونِ دل چکیدہ ہیں گہر، اشکِ رواں

مؤتمر ابنائے دارالعلوم و اخوانِ دیوبند پاکستان کا ترجمان

بیاد: تحریک ریشمی رومال کے گمنام فقیر، حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ رحمہ اللہ رائپوری

ماہنامہ جدید

الرشید لاہور

جلد نمبر ۱۴
فروری۔مارچ ۱۹۸۶ء

عدد: ۵ : ۶
ج ۱ ۲۰
۱۴۰۶ھ

عملہ الرشید

عنوانات و معنون

خطاط
حزب اللہ خالد
ابن قاری لطف اللہ شہید فی سبیل اللہ

مقام اشاعت
○ ۲۲ سرائے شاہ عالم مارکیٹ لاہور
○ دفتر جامعہ رشیدیہ ساہیوال

الطبع
منہاج الدین اصلاحی
شرکت پرنٹنگ پریس لاہور

زر اعانت
محسنین الرشید سے تبلیغی فنڈ سو روپے

غیر ممالک سے یکصد روپے
مع محصول ڈاک

الرشید تبلیغی مجلہ ہے
تجارتی نذارد

عام خریداری
سالانہ ۔۔ ۳۰/- روپے

۲۳۵۶
کوڈ ۰۴۴۱

بادارت: پیرجی عبدالعلیم رائے پوری ناظم اعلیٰ: جامعہ رشیدیہ

راشدات

عبدالعلیم رائے پوری

جامعہ رشیدیہ کے بانی مدیر "الرشید" ہمارے محسن و مربی حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی رحمۃ اللہ علیہ کے اُٹھ جانے سے حقیقتاً ہم یتیم ہوگئے ہیں۔ ادارہ جامعہ رشیدیہ کے قیام تا استحکام اور مسلک علماء حقہ بالخصوص عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور مرزائیت کے استیصال کے لئے حضرتؒ کی خدمات کسی تعارف یا تشریح کی محتاج نہیں بلکہ روز روشن کی طرح اظہر من الشمس ہیں۔ اپنے اکابر کی طرح حضرتؒ نے بھی کوئی جائیداد نہیں چھوڑی بلکہ زندگی میں ان کے خرچ اخراجات سے زائد جو کچھ ہوتا ادارہ پر خرچ فرما دیتے لیکن جامعہ رشیدیہ جس کو حضرت فاضلؒ نے اپنے خونِ جگر سے سینچا تھا اور یہ ادارہ جو ان کی تمناؤں اور آرزوؤں کا مرکز تھا اس کی خدمت اب ہم گناہگاروں سیاہ کاروں کے ناتواں کندھوں پر آگئی ہے ان کی موت نے جو خلا پیدا کیا ہے وہ تو ہم پُر نہیں کرسکتے لیکن اتنا ضرور ہے کہ انشاء اللہ ان کی اس عظیم یادگار کو ہر حال میں قائم و دائم رکھیں گے اور اس کی ترقی و استحکام کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے۔

میں قدیم و جدید معاونین رشیدیہ و قارئین الرشید سے گذارش کرتا ہوں کہ وہ حوصلے اور ہمت سے کام لیں اور حضرت کے دیئے ہوئے لائحہ عمل کے سلسلے میں بدستور تعاون جاری رکھیں اور جہاں ہم سے کوئی کوتاہی ہو اس کی نشاندہی فرماتے رہیں۔

گذشتہ دنوں ہمارے ملک کے دو کثیر الاشاعت قومی اخبارات روزنامہ جنگ اور نوائے وقت نے ایک اسرائیلی اخبار کے حوالے سے بلا تبصرہ ایک اہم تصویر شائع کی ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ اسرائیل میں قادیانیوں کا سبکدوش ہونے والا سربراہ ان کے ٹولے کے نئے سربراہ کا تعارف اسرائیل کے سربراہ سے کرا رہا ہے۔ اور ساتھ ہی اس نے اسرائیل میں قادیانیوں کو مکمل آزادی دینے پر اسرائیلی حکومت کا شکریہ بھی ادا کیا ہے۔

ہمارے ملک کے تمام مکاتب فکر کے علماء۔ مجلس عمل کے رہنما۔ دینی جماعتیں و اخبارات و جرائد اور خود "الرشید" اس سلسلے میں پہلے بھی کئی مرتبہ ناقابل تردید حوالے شائع کرچکا ہے لیکن اب اس حقیقت سے مزید پردہ اٹھنے کے بعد محض سیاسی ذہن رکھنے والے افراد کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ کہ اسرائیل جس کو عالم اسلام نے کبھی بھی تسلیم نہیں کیا اور جو عربوں کے لئے دردِ سر بنا ہوا ہے اور فلسطینیوں کا قاتل ہے اس نے کس ناطے قادیانیوں کو اپنے ہاں مکمل تحفظ دے رکھا ہے!

کیا اب قادیانیوں کی حمایت کرنیوالوں کی ملک دشمنی میں کوئی شک باقی رہ جاتا ہے؟

قادیانی فتنے کا تعاقب ہماری زندگی کا جزو لاینفک ہے۔ حضرت امیر شریعتؒ نے منکرین ختم نبوت کے خلاف جس تحریک کو منظم کیا وہ بلا تفریق اب عوامی تحریک بن چکی ہے۔ مرزا طاہر جو ۸۴ء میں ربوہ سے فرار ہو کر لندن میں پناہ گزین ہوا تھا اور وہاں بعض خود ساختہ جلاوطن لادین سیاستدانوں کے ساتھ مل کر اسلام اور پاکستان کے خلاف سازشوں میں مصروف ہے

کانفرنس منعقد کی گئی اور پھر گذشتہ نومبر کے اوائل میں جامعہ ختم نبوت ربوہ کے مُدیر سید عطاء المحسن بخاری اور ادارہ "الرشید" کے ایک رکن عبداللطیف خالد چیمہ نے برطانیہ میں پورا ایک مہینہ قادیانی فتنے کا بھرپور تعاقب کیا۔ چیمہ صاحب کو ساہیوال سے بوقت روانگی حضرت فاضل مرحوم نے خود اپنی دعاؤں سے الوداع کیا۔

ادارہ الرشید مرزائیت کے اس تعاقب کے سلسلہ میں سفر برطانیہ اور پھر حرمین شریفین کی حاضری پر ہر دو حضرات کو مبارکباد پیش کرتا ہے اور برطانیہ میں اس وفد کے ساتھ بھرپور تعاون کرنے والے مسلمانوں کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

منٹ کے بعد خود ہی نماز مغرب کی نیت باندھ کر تین رکعت ادا کیں اور ۵۰ ۔۶ پر وصال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ گویا کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔ اللہ تعالےٰ کا ان پر خاص فضل وکرم تھا۔ ساری عمر محنت اور عبادت ریاضت میں گزری۔ بہت کم گو لیکن مطالعہ اور عبادت بہت زیادہ کرتے۔ بقول امیر تبلیغی جماعت برطانیہ حافظ پٹیل صاحب بہت صائب الرائے تھے۔ اور ایک دوست بوستان صاحب (برطانیہ) کا کہنا تھا کہ جب تک تعلیم ہوتی یا مسجد میں بیٹھتے دو زانو ہی بیٹھتے۔ اور تمام دوستوں کا یہی مشاہدہ ہے۔ ہمارے لئے ان کا وجود مشفق و مہربان باپ، شیخ اور استاد کا تھا۔ افسوس کہ اب ہم ان کی شفقتوں اور دعاؤں سے محروم ہو گئے۔

اس سال مندرجہ بالا اتنی شخصیتوں کی جدائی ملت کے لئے بہت بڑا نقصان ہے۔ ایسے نیک لوگوں کا تھوڑے عرصہ میں اُٹھ جانا بہت بڑا خلاء رہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب ملتانی حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رائے پوری۔ حضرت مولانا غلام محمد صاحب فیصل آبادی میرے استاد تھے۔ اور حضرت ناظم صاحب مثل استاد۔ اس لحاظ سے میرے لئے تو یہ سال یقیناً عام الحزن ہے۔ میرے اساتذہ میں سے صرف ایک استاد حضرت مولانا قاری تاج محمد صاحب عبدالحکیم بقید حیات ہیں۔ انہوں نے ہی والد صاحب کی نماز جنازہ پڑھائی

بھائی صاحب کے ساتھ میں بھی ہائی سکول چھوڑ کر حضرت قاری صاحب سے نکودر ضلع جالندھر مدرسہ عربیہ خلیلیہ میں قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا۔ آپ کی عمر ماشاءاللہ نوے سال ہے۔ لیکن حافظہ اور صحت بفضلہ تعالیٰ بہت عمدہ ہے۔ تو میرے تین اساتذہ یکے بعد دیگرے چل بسے۔ حضرت فاضل رشیدی اور اب آخر میں حضرت والد صاحب بھی داغ مفارقت دے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قارئین سے درخواست ہے کہ وہ والد صاحب کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں اور یہ کہ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب ہو۔ مدیر رشید

نظرات

عبدالرشید ارشد

پاکستان کو عام طور پر مملکت خداداد پاکستان کہا اور لکھا جاتا ہے۔ یعنی یہ ایسی زمین اور ملک ہے جو خدا کا عطا فرمودہ ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کے قیام کا مقصد اسلام نہیں تھا، وہ لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ ہمالیہ سے لیکر راس کماری اور آسام سے لے کر درہ خیبر تک ایک ہی نعرہ لگتا تھا پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الہ الا اللہ ـــــ اور ہندوستان کے عام مسلمانوں نے تو بالکل یہ سمجھ کر مسلم لیگ کو ووٹ اور بعد ازاں قربانیاں دی تھیں کہ ہم اسلام کے لئے سب کچھ کر رہے ہیں۔ کم و بیش دس لاکھ مسلمان ملک کے لئے شہید ہوئے۔ اور کم و بیش پچاس ہزار خواتین قیام پاکستان کے دوران اغوا ہوئیں۔ اور ایک کروڑ سے زائد مسلمان مشرقی پنجاب دہلی اور اس کے نواح سے ہجرت کر کے پاکستان میں آئے۔ اور جب لوگ قافلوں کی صورت میں مشرقی پنجاب اور انڈیا سے پاکستان کو رواں دواں تھے، تو ان کو صدیوں سے اپنے آبائی شہروں اور دیہات کو چھوڑنا خوش نصیبی تصور ہو رہا تھا۔ اور وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ اگر ہماری اس قربانی سے اسلام کا بول بالا اور ایک اسلامی مملکت کا قیام عمل میں آتا ہے، تو یہ سودا گراں نہیں ہے۔ بہت سستا ہے۔ اور بعض لوگوں کے جذبات اس قدر پاکیزہ اور عمدہ تھے کہ وہ سوچتے تھے کہ "پاکستان" پاک سرزمین میں بول و براز کہاں کیا کریں گے۔ اور ہزاروں افراد واہگہ پہنچ کر بے اختیار سربسجود ہو جاتے تھے۔ یہ ۱۹۴۷ء کی بات تھی۔ لیکن آج کے حالات دیکھ کر بعض دفعہ گمان ہوتا ہے کہ

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

پندرہ برس قبل دایاں بازو کٹ گیا اور ۱۹۸۶ء میں بائیں بازو کو جو مسائل درپیش ہیں اس کے باعث نہیں کہا جا سکتا کہ کل کیا ہو۔

مسلم لیگ نے پاکستان کی تجویز و تحریک کی تھی، لیکن بانی پاکستان کی وفات کے بعد مسلم لیگی لیڈروں نے جو گل کھلائے اس کی بدولت جو کچھ ہوتا رہا۔ یہ دونوں باتیں تاریخ کے اوراق پر ثبت ہو چکی ہیں۔ اخبارات کی فائلیں اس کی گواہ اور لوگوں کے سینے اس کے دفینے ہیں۔ ساڑھے آٹھ سال کے طویل مارشل لا کے بعد اب پھر مرکز اور صوبوں میں مسلم لیگ کی وزارتیں قائم ہو چکی ہیں۔ کیا یہ حکومت اپنے استحکام کے ساتھ ساتھ اسلام کے لئے کچھ کرے گی؟ اب تو بہت کچھ سیکھ لینا چاہیئے۔ فکری اور نظری طور پر پاکستان کے قیام سے پہلے اور بعد اور آج تک نظریۂ پاکستان اور اسلام کے متعلق لکھا اور کہا جا چکا ہے کہ اب مزید کچھ گنجائش نہیں۔ اسلام برصغیر کے مسلمانوں میں کبھی متنازعہ فیہ نہیں رہا، بلکہ اسلام ہی کے

نام پر اسلام ہی کی خاطر آج بھی ہندوستان میں مسلمان مسلسل قربانی دے رہے ہیں۔ اور پاکستان میں جو شخص برسر اقتدار آیا۔ اس نے اسلام کو اپنا "ماٹو" بنایا۔ پیپلز پارٹی کے قائد بھٹو نے بھی "اسلام ہمارا دین ہے" کا نعرہ لگایا۔ اور اب پاکستان کی بانی جماعت کو ایک دفعہ پھر بلا شرکت غیرے اقتدار مل گیا ہے کیا پاکستان کی بانی جماعت اسلام کے نفاذ کے بارے میں صحیح معنوں میں کوئی قدم اٹھائے گی؟

قرآن پاک نے مسلمان کے متعلق ایک جگہ فرمایا ہے کہ

الذین ان مکنا ھم فی الارض	لوگ اگر ہم ان کو ملک میں قدرت دیں تو وہ قائم رکھیں نماز
اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ	اور دیں زکوٰۃ۔ اور بھلے کاموں کا حکم کریں اور برے
وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر	کاموں سے منع کریں۔ سورہ الحج

اللہ تعالیٰ نے اسلامی حکومت کا دائرہ کار چار باتوں پر منحصر کر دیا ہے۔ اقامت صلوٰۃ۔ ایتائے زکوٰۃ۔ امر بالمعروف۔ نہی عن المنکر۔ اور قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے "کامیابی" کا راز کئی ایک جگہوں میں ایمان۔ پاکیزگی اور نماز کو قرار دیا ہے۔ اگر ابتدا ہی سے ہوا عید نعروں اور قربانیوں کا خیال کر کے صحیح سمت قدم اٹھایا جاتا، تو آج ہمارا ملک جنت نشان ہوتا۔ چین ہمارے بعد آزاد ہوا۔ وہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا

مسلم لیگ کے استحکام اور اس کی حکومت کی مضبوطی کے لئے اگر فلور کراسنگ قابل پاس کیا جا سکتا، تو پھر ملک کی کامیابی کی خاطر قومی و صوبائی ممبروں۔ بلدیات کے کونسلروں کیلئے ایمانداری۔ نماز کی پابندی تقویٰ و طہارت کو ضروری قرار دیا جائے۔ جبکہ اسلام کی بنیاد ہی اس پر ہے۔ اور اس کیلئے سعودی عرب اور ایران سے سبق سیکھا جائے۔ گذشتہ دنوں ایران کے صدر خامنہ ای پاکستان تشریف لائے تو اسلام آباد اور لاہور ان کے استقبال کے وقت کوئی عورت ایئرپورٹ پر نہیں گئی۔ اور لاہور کے استقبالیہ میں بھی اس کا اہتمام کیا گیا۔ اگر یہ خامنہ ای کی خوشنودی یا ان کی ہدایت پر صرف ان کے لئے کیا گیا تو ہم بلی وجہ البصیرت کہتے ہیں کہ یہ ایک قسم کا شرک ہے۔ اور اگر اس میں خدا کی خوشنودی مطلوب تھی اور اسلام کا حکم ہے تو پھر اس کو معمول کیوں نہیں بنایا جاتا۔ ہمارے مہمان نے پاکستان کے دورے کے دوران پاکستان کے قومی و ملی اخبارات یقیناً دیکھے ہوں گے۔ انہوں نے اس کے بعد ہماری حکومت اور قوم کے متعلق کیا سوچا ہوگا۔ اس کے متعلق ہمارے عمائدین کو بھی اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہیئے کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ کیا دکھا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں۔ ہمارے تمام اخبارات نے گذشتہ ہفتہ ایران کے "اسلامی انقلاب" کے متعلق خصوصی ایڈیشن نکالے۔ لاہور میں ایرانی کونسلر کے ہاں گورنر پنجاب میاں محمد طفیل چیف جسٹس پنجاب ہائی کورٹ جاوید اقبال۔ نوابزادہ نصراللہ خان اور سینکڑوں معززین نے شرکت کی۔ اگر ایران کا انقلاب واقعتہً اسلامی انقلاب ہے تو زیادہ لمبے چوڑے پروگرام سوچنے بنانے کی

کوئی ضرورت نہیں۔ ایران کی پارلیمنٹ۔ دفتروں۔ بازاروں اور اخبارات میں جن باتوں پر عمل ہو رہا ہے۔ بلا تاخیر و مہلت اس پر عمل درآمد شروع کر دیا جائے۔ ایک برادر اور اسلامی ملک کا انقلاب اگر صحیح اسلامی انقلاب ہے تو پھر اس نظیر کو سامنے رکھا جائے۔ اور پورے ملک میں وہی کچھ کیا جائے جو ایران میں ہو رہا ہے، تو ہمیں اس انقلاب کے قائد جناب خمینی کے ان افکار و عقائد سے اختلاف ہے جو ان کی کتب میں مذکور ہیں۔ اس انقلاب سے ایران میں فحاشی و عریانی۔ مغربی تہذیب و تمدن کا جس طرح خاتمہ ہوا۔ اور عملاً وہاں کی جس حالت کو دیکھ کر ہمارے تمام اخبارات جس طرح اس کی تحسین کر رہے ہیں۔ اس کے بعد ہم انہی سے پوچھتے ہیں کہ اگر یہ سب کچھ صحیح ہے تو پھر آپ لوگ اپنے اخبارات میں تو کم از کم اس پر عمل کریں۔ اور جماعت اسلامی کا یہ نعرہ ہو جانا چاہیئے کہ ہمارا منشور ایرانی دستور۔ جو لوگ "انقلاب ایران" کی تحسین و تائید میں دن رات ایک کئے ہوئے ہیں۔ جو دانشور اور صحافی حضرات اس تقدس کی حمایت کرتے ہیں۔ اگر وہ اپنے قول و فعل میں مخلص ہیں تو پھر صدر ایران خامنہ ای کی منتقبہ مجالس اور تقریبات کو دیکھ کر ان افعال و اعمال کے خلاف شمشیر برہنہ بن جائیں جو ہمارے ملک میں ریڈیو ٹیلی ویژن اخبارات اور شادی بیاہ کی تقریبات میں دیکھے اور دکھائے جاتے ہیں۔ ورنہ ہم سمجھیں گے کہ

ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور

ہماری تاریخ میں ایک بہت جابر و ظالم گورنر حجاج بن یوسف گزرا ہے۔ اس کے زمانے میں موجودہ کراچی کے قریب ایک مسلمان عورت کو اس کے ساتھ چند اور مسلمانوں کو قید کر لیا تھا۔ اور اس نے اس وقت کے خلیفہ کے نام ایک پُر درد پیغام دیا۔ جس پر خلیفہ نے حجاج بن یوسف کو حکم دیا کہ اپنی مسلمان بہن کی فریاد کی دادرسی کا انتظام کرو۔ د حجاج بن یوسف نے اس وقت تک اپنے اوپر خواب و خور حرام کر لیا تھا۔ جب تک کہ اس کے لئے لشکر کا انتظام نہ کر لیا اور اپنے ایک عزیز محمد بن قاسم کو کہ جس کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی، اس لشکر کا سالار مقرر کیا۔ اور صرف ایک لڑکی کی پکار پر محمد بن قاسم اور اس کا لشکر سندھ کو فتح کرتا ہوا ملتان تک پہنچ گیا تھا۔ ملتان میں قاسم باغ محمد بن قاسم کے نام پر ہی رکھا گیا ہے۔ اس واقعہ کے بعد اب اپنی اسلامی مملکت کا حال دیکھیں اور اپنی غیرت و حمیت کا ماتم کریں۔

قومی اسمبلی میں ایک سوال کے جواب میں ۱۹۸۵ء صرف پنجاب کے ایک صوبہ سے اغوا شدہ عورتوں کی تعداد جو اخبارات میں آئی وہ کتنی ہے؟ تین ہزار سات صد پچاس . . .

صدر مملکت جناب ضیاء الحق صاحب، وزیر اعظم پاکستان جناب محمد خان جونیجو صاحب، قومی و صوبائی اسمبلی کے محترم ممبر حضرات اور قوم کے بزرگو، نوجوانو! پاکستان کے لئے دس لاکھ قربان ہونے والے فرزندان اسلام اور

پچاس ہزار اغوا ہونے والی نوجوان عورتوں کی روحیں آپ کو پکار کر پوچھ رہی ہیں کہ بتاؤ ہمیں کب راحت نصیب ہوگی۔ اور ہماری قربانیاں کب رنگ لائیں گی۔ آدھا ملک گنوانے کے بعد بھی تمہیں ہوش نہیں آئی۔ یاد رکھو! کل قیامت کے دن ہمارا ہاتھ ہوگا اور تمہارا گریبان۔ اور ہمارا سوال ہوگا کہ اگر تم نے یہی کچھ کرنا تھا، تو پھر ہماری اتنی بڑی جماعت

ای ذ نبہ ، قتلت

گورنر اور ملتان کے قاسم باغ کے حوالے سے ہم ملک کے سب سے بڑے صوبے کے گورنر جناب مخدوم سجاد حسین قریشی صاحب کی خدمت میں عرض کریں گے کہ اس قاسم باغ کے ساتھ آپ کے متبع سنت اور خادم کتاب و سنت تین نامور بزرگ آرام فرما ہیں۔ آپ ان نیک لوگوں کی شریف اولاد ہیں۔ لاہور میں اور پنجاب میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کا کچھ انسداد ہوگا یا نہیں۔ ماشاء اللہ آپ نے گورنر ہاؤس کی مسجد میں حلف اٹھایا ہے۔ اور تسنید کے مطابق آپ صبح کی نماز کے بعد ڈیڑھ دو گھنٹے مسجد میں تلاوت قرآن اور ذکر اذکار میں گزارتے ہیں۔ آپ کے ساتھ پنجاب کے وزیر اعلیٰ نواز شریف ہیں۔ دونوں مل کر ایسے اقدامات کیجئے کہ آپ دونوں کی شریف نوازی ضرب المثل بن جائے۔ شاید آپ دونوں نے کتب میں پڑھا ہوگا کہ حجاج بن یوسف نے جب حلف اُٹھایا اور اس کے بعد وہ کوفہ کی جامع مسجد میں آئے اور اپنا نام بتایا کہ میں فلاں بن فلاں ہوں۔ پھر کہا کہ آج کے بعد کوئی شخص اپنی دکان کو تالا نہ لگائے۔ اگر کسی کا کچھ مال چوری ہو جائے، تو وہ مجھ سے آکر طلب کرے۔ اور محمد بن قاسم کا مقابلہ جب دریائے سندھ کو عبور کرنے کے بعد راجہ داہر کی ہاتھیوں والی فوج کے ساتھ ٹھن گیا، تو حجاج بن یوسف کا خط محمد بن قاسم کے نام پہنچا۔ جس کا مضمون یہ تھا۔

پنج وقتہ نماز پڑھنے میں سستی نہ ہو۔ تکبیر و قرارت، قیام و قعود اور رکوع و سجود میں خدا تعالےٰ کے روبرو تضرع اور زاری کیا کرو۔ زبان پر ہر وقت ذکر الٰہی جاری رکھو۔ کسی شخص کو شوکت و قوت خدا تعالیٰ کی مہربانی کے بغیر میسر نہیں ہو سکتی۔ اگر تم خدا تعالیٰ کے فضل وکرم پر بھروسہ رکھو گے تو یقیناً مظفر و منصور ہوگے۔ (آئینہ حقیقت نما صہ ۱۰۵ مصنفہ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی)

پھر راجہ داہر کے مارے جانے کے بعد محمد بن قاسم کو خط لکھا۔ تمہارا اہتمام و انتظام اور ہر ایک کام شرع کے موافق ہے۔ مگر ہر خاص و عام کو امان دینے اور دوست و دشمن میں تمیز نہ کرنے سے ایسا نہ ہو کہ کام بگڑ جائے جو لوگ ذی وقعت ہوں ان کو ضرور امان دو۔ لیکن شریر اور بدمعاشوں کو دیکھ بھال کر آزاد کرو۔ اپنے عہد و پیمان کا ہمیشہ لحاظ رکھو اور امن پسند رعایا کی اشتمالت کرو۔ (حوالہ مذکور)

بر اس گورنر کی اپنے ایک سالار کو ہدایات ہیں جو خلفاء راشدین سے نہیں۔ صوفیاء اور صلحاء سے نہیں۔ اسلام کا بدنام ترین اور ظالم ترین امیر ہے۔ آپ یہ کہہ لیں کہ وہ دنیا طلب اور جاہ و منصب کا دلدادہ تھا۔ لیکن اس کے باوجود یہ یقین رکھتا تھا کہ ہماری فتح و نصرت عبادات، نماز، روزہ اور احکام قرآنیہ کی اطاعت میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعتِ خدا اور رسول اسلام کا اصل اصول ہے جس کی بنیاد اور مرکز مظبوط ایمان خدا کے آگے سر جھکانا اور مخلوقِ خدا کی خدمت ہے۔ اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر میں وہ آدمی حقوق العباد کی رعایت نہیں کر سکتا۔ جو حقوق اللہ ادا نہیں کرتا۔ مسلمان کے لئے دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ موطا امام مالک میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک فرمان جو انہوں نے تمام حکام کو روانہ کیا تھا، اس کے الفاظ یہ ہیں:

ان اھم امرکم عندی الصلوٰۃ	میرے نزدیک تمام کاموں میں سب سے زیادہ اہم کام
فمن ضیعھا فھو لما سواھا اضیع	نماز ہے جس نے اس کو ضائع کر دیا، وہ دوسرے کام کو اور بھی زیادہ ضائع کرے گا۔

قرآن پاک میں آتا ہے:

جو کوئی قتل کرے ایک جان بلا عوض جان کے یا بغیر فساد کرنے کے ملک میں تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔ اور جس نے ایک شخص کو زندہ کیا۔ اس نے گویا تمام انسانوں کو زندہ رکھا۔

سورۃ المائدہ

قرآن پاک ایک آدمی کے قتل کو پوری نوعِ انسانی کے قتل کے مترادف قرار دیتا ہے۔ اور ہمارے ملک کا کیا حال ہے۔ اخبارات کی گذشتہ سال کی رپورٹ کے مطابق گذشتہ سات سالوں میں پاکستان میں چودہ ہزار قتل ہوئے۔ جن میں سے زیادہ قتل جنسی جرائم اور بے راہ روی کی بنا پر ہوئے۔ گذشتہ سطور میں ایک سال کے عرصے میں عورتوں کے اغوا کی تعداد بیان کی گئی ہے۔ اور حکومتی ذرائع ہی کے مطابق دنیا کے بدترین نشہ ہیروئین کے تین لاکھ افراد رسیا و شکار ہیں۔ یہ سب صورت حال حکومت اور ملک کے ذی شعور افراد کیلئے چیلنج ہے کہ ہوش کریں کہ ہم کہاں سے چل کر کہاں پہنچ چکے ہیں۔ اور اس کے بعد بھی ہمیں کسی معجزہ کا انتظار ہے۔ کہ جس کے باعث ملک میں دودھ کی اور شہد کی نہریں ہوں گی۔ اور اللہ تعالیٰ ہم پر مسلسل انعام و اکرام کی بارش کرتا رہے گا۔ جب کہ حال یہ ہونا چاہیئے کہ ہم تمام سابقہ گناہوں سے توبہ و استغفار کریں۔ اور اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کریں کہ یا اللہ ماضی میں جو کچھ ہو چکا ہو چکا، ہم اس کی معافی چاہتے ہیں اور آئندہ کے لئے عزم کرتے ہیں کہ تیرے دیئے ہوئے ملک میں تیری اطاعت اور فرمانبرداری کے علاوہ ہم اور کچھ نہیں کریں گے۔

واردات ومشاہدات

عبدالرشید ارشد

برہم شدہ بزم کا آخری فرد

یوں تو جو اس دنیا میں آتا ہے وہ جانے ہی کے لئے آتا ہے لیکن بعض جانے والے ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے جانے پر دس بیس آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں۔ اور بعض شاید ایسے بھی ہوں کہ اُن کی زندگی میں جاہ وحشم کا یہ حال ہوتا ہے کہ لاکھوں لوگ مصافحہ کرنے کو ترستے رہیں لیکن رخصتی کے وقت کوئی ایک آنکھ بھی نم نہیں ہوتی۔ تاہم بعض خوش نصیب ایسے ہوتے ہیں کہ جب وہ آخرت کے سفر پر روانہ ہوتے ہیں تو سینکڑوں نہیں ہزاروں آنکھیں روتی ہیں اور ساتھ دل بھی غمزدہ ہوتے اور اپنی عقیدت کے پرچم خم کرتے ہیں۔ ایسے جانے والوں کے لئے ہزاروں افراد قطار اندر قطار کھڑے ہو کر دست بستہ اپنے اللہ سے دُعا کرتے ہیں:

"اے اللہ ہمارے زندوں اور مردوں کو بخش اور ہمارے حاضر و غائب سے بھی یہی معاملہ فرما۔ اے اللہ تو ہم میں سے جس کو زندہ رکھ۔ اسکو اسلام پر زندہ رکھ۔ اور جس کو تو ہم میں سے موت دے اسکو ایمان پر موت دے۔" (مفہوم)

اور پھر جب اس کے جسدِ عنصری کو مٹی کے سپرد کرتے ہیں تو اسوقت ان کے لبوں پر قرآن پاک کے الفاظ ہوتے ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ:

"اسی سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے دوسری دفعہ نکالیں گے۔" (سورۃ طٰہٰ)

۲۷ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ کو حضرت الاستاذ مولانا محمد عبداللہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ، جامعہ رشیدیہ اور علمی و دینی حلقوں کو سوگوار چھوڑ کر اعلیٰ علیین کی طرف سفر فرما گئے اور ان کے چھ ماہ بعد ۷ دسمبر ۱۹۸۵ء مطابق ۲۲ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ کو جامعہ رشیدیہ کے دورِ جدید کے بانی و مؤسس "الرشید" کے سرپرست و مدیرِ اعلیٰ مولانا حبیب اللہ صاحب اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اور یوں ایک بے چین و مضطرب رُوح کو چین آ گیا جو اپنے جسدِ عنصری میں نصف صدی سے زائد دینِ اسلام، حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ختمِ نبوت اور کتاب و سُنت کی اشاعت و تبلیغ کے لئے بیقرار اور تڑپتی رہی۔ جس کی زندگی کا مشن اور حاصل، تبلیغ دینِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم رہا۔ ان کے دادا کا نام میں بھی نہیں جانتا لیکن ان کے والد ماجد حضرت مفتی فقیر اللہ رائپوری کے بلاواسطہ اور بالواسطہ لاکھوں شاگرد ہیں۔ اتنے بڑے باپ کا بیٹا ہو کر اگر وہ دین کا مُبلّغ نہ ہوتا، عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا سینہ مستنیر نہ ہوتا، اگر اپنی زندگی کو دین کے لئے وقف نہ کرتا

تو صرف بڑے باپ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے ان کے والد کے کچھ عقیدت مند جمع ہو جاتے اور جنازہ پڑھ کر دفنا دیتے۔ لیکن وہ صرف بڑے باپ کا بیٹا اور بڑے بھائی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ رائپوریؒ کا صرف چھوٹا بھائی نہ تھا بلکہ خود ایسی ہمہ گیر شخصیت کا مالک تھا کہ اس کی آواز پر لنڈی کوتل سے لیکر کراچی تک کے علماء ساہیوال میں جمع ہو جاتے تھے۔ ساہیوال شہر اور ضلع میں دنیاوی اعتبار سے بڑی بڑی شخصیتیں ہیں۔ کروڑپتی تاجر ہیں۔ نئی تقسیم سے پہلے کے ضلع سے وفاقی وزیر اور صوبائی سپیکر ہیں۔ ایک ایک دو دو گاؤں کے مالک زمیندار ہیں۔ یہ فقیر الٰہی خاندان کا فقیر فرد تھا جس کی پورے ملک میں ایک مرلہ زمین نہیں۔ ذاتی مکان نہیں۔ آج کے زمانے میں اس کے جسم کے لباس کی قیمت شاید معہ جوتا سو روپیہ ہو (زیادہ سے زیادہ) لیکن سستے زمانہ میں پانچ روپے تھی۔ سر پر چارگرہ کھدر کی گیروے رنگ کی ٹوپی۔ اسی رنگ کا اسی کپڑے کا لمبا کرتا۔ نیچے سردیوں میں کبھی اسی کپڑے کی شلوار یا سستی سے سستی چادر چارخانہ کی پاؤں میں دیسی کتے دار جوتا۔ اور اس کے گھر میں (جو جامعہ رشیدیہ کے حفظ قرآن کے درجہ پر بالاخانہ تھا) چند سو روپے کا سامان ہوگا۔ لیکن یہ مرد درویش "حبیب اللہ" تھا جب فوت ہوا تو اس کے جنازے میں پورے ملک کے ہر علاقے سے کہ جہاں سے لوگ پہنچ سکتے تھے آکر لوگ شامل ہوئے۔ اور ساہیوال شہر کے تو وکلاء۔ رؤساء۔ حکام اور عام لوگ اس کثرت سے شریک ہوئے کہ باید و شاید۔ حالانکہ دنیاوی طور پر کسی کو ان سے کوئی مفاد نہ تھا۔

ناظم صاحب جمعہ کے خطبے میں دینی اور معاشرتی مسائل پر اسقدر زوردار تقریر کرتے تھے کہ سامعین حیران ہوتے تھے کہ اس نحیف و نزار جسم سے اتنی قوت سے مؤثر اور مدلل تقریر کیسے ہو رہی ہے۔ اور ہر جمعہ کی رپورٹ ضلع کے حکام کو اسی دن مل جاتی تھی۔ اکثر زبان بندی ہو جاتی تھی لیکن اسکو کم ہی قبول کرتے تھے البتہ یہ ہوتا تھا کہ پھر خطبہ جمعہ کے علاوہ کسی اور جگہ تقریر کا سختی سے نوٹس لیا جاتا تھا۔ آپ اُن مردانِ حُر سے تھے جن کے متعلق اقبالؒ نے فرمایا ہے۔

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
ازل سے یہی رہا ہے قلندروں کا طریق

گو آپ نے قیام پاکستان کے بعد جامعہ رشیدیہ کا غلہ منڈی کے باہر ملتان روڈ پر اجراء کیا تھا۔ اور دارالعلوم دیوبند کے طرز پر یہاں تعلیم و تدریس دی جاتی تھی۔ لیکن آپ کو "ختم نبوت" کے ساتھ خاص لگاؤ تھا اور اس بارے میں شمشیر برہنہ تھے۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت سے پہلے بھی برق بے اماں تھے لیکن اس تحریک میں تو سب کچھ داؤ پر لگا دیا اور جامعہ کے تمام رفقاء کے ساتھ دیوانہ وار تحریک میں حصہ لیا جسپر تینوں بھائی حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ، حضرت مولانا قاری لطف اللہ صاحبؒ اور خود مولانا حبیب اللہ صاحبؒ اور دیگر مدرسین سبھی گرفتار ہوگئے اور اس کے بعد جامعہ رشیدیہ کی تدریسی عمارات اور گراؤنڈ جو پانچ چھ سال کی محنت شاقہ سے بہت سادہ لیکن پرکشش بنائی تھیں سبھی سرکار ضبط کر لی گئیں۔

غالباً میانوالی جیل میں زیادہ وقت گذرا۔ رہائی ہوئی عید رات گھر پہنچے ابھی بچوں کو پیار بھی نہ کرپائے تھے کہ اسی وقت پھر گرفتاری ہوئی اور جیل بھیج دیئے گئے ——— رہائی پر آئے تو سارا اثاثہ لُٹ چکا تھا لیکن اس پر صد شکر ادا کیا گیا کہ یہ سب کچھ تحفظِ ناموسِ ختم نبوت کی خاطر تھا کوئی ذاتی مفاد و غرض نہ تھی۔ مسجد اور اس کے گرد اگرد کچھ جگہ پڑی تھی بڑے سلیقہ سے اسی میں مزید عمارات بنا کر کام جاری رکھا۔ اس کے بعد ایک نیک نام ڈپٹی کمشنر ملک کرم داد نے کچھ زمین اور کچھ زمین سردار نور محمد متوکل مرحوم نے مدرسہ کے لئے وقف کی جو جنوب میں راجباہ کے تقریباً ایک مربع پار تھی۔ وہاں درجہ کتب کی کلاسوں، کتب خانہ، مدرسین کی رہائش، مسلیخ اور دارالاقامہ طلبہ کی بناء ڈالی اور لیلیٰ کا روانِ عشق رواں دواں رہا۔ ختم نبوت اور مسلک دیوبند کی اشاعت آپ کی زندگی کا مشن تھا۔

جامعہ رشیدیہ کے سرپرست حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ بانی و مہتمم مدرسہ خیر المدارس جالندھر و ملتان آپ کے والد ماجد حضرت مفتی فقیر اللہ صاحبؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ انہوں نے اپنے مدرسہ کی جانب سے جالندھر میں سالانہ تبلیغی جلسوں کی طرح ڈالی تھی، گو اور بعض ادارے بھی سالانہ جلسے کیا کرتے تھے اور اس میں نمایاں ادارہ انجمن حمایت اسلام لاہور تھا کہ جس کے سالانہ جلسوں میں مولانا حالیؔ۔ ڈپٹی نذیر احمد۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور علامہ اقبال جیسے مشاہیر شریک ہوتے تھے۔ اس کے بعد پنجاب میں نمایاں سالانہ جلسے مدرسہ خیر المدارس کے تھے جنہیں پورے ہندوستان کے جلیل القدر اکابر علماء کرام شریک ہوتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد خیر المدارس کا اجراء ملتان میں ہوا تو پھر یہ اجلاس اسی وقار اور سج دھج سے ملتان کے عام خاص باغ میں ہونے لگے۔ جامعہ رشیدیہ کے بانی حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کے شاگرد تھے لہٰذا انہوں نے بھی جامعہ رشیدیہ کے سالانہ اجلاس کرانے شروع کئے جنہیں ملک بھر کے نامور علماءِ کرام تشریف لاتے تھے۔ اور استاد و شاگرد کے سالانہ جلسے ملک میں نمایاں شہرت حاصل کر گئے۔ جامعہ رشیدیہ کے سالانہ اجلاس ابتداء میں شہر میں کمیٹی پارک میں ہوتے تھے۔

اب تو جلسوں کا نام رہ گیا ہے جلسے تو امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اپنے ساتھ لے گئے۔ خیر المدارس جالندھر ہر جمعہ کے بعد پہلی تقریر عموماً حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کی ہوتی اور آخری امیر شریعتؒ کی۔ پاکستان میں آکر آخری تقریر تو شاہ صاحبؒ ہی کی ہوتی البتہ پہلی میں تبدیلی ہو گئی۔

جامعہ رشیدیہ میں عام طور پر جمعہ کے بعد پہلی تقریر صاحبزادہ سید فیض الحسنؒ کی ہوتی اور آخری امیر شریعتؒ کی۔ جلسے عام طور پر پورے ملک میں مدارس کے سالانہ جلسوں یا عام اجلاسوں میں آخری تقریر امیر شریعتؒ ہی کی ہوا کرتی اور عموماً رات کو ہوا کرتی تھی۔ خیر المدارس میں جالندھر اور پھر ملتان میں کئی سال تک حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ سٹیج سیکرٹری ہوتے اور ایک آدھ مستقل طور پر تقریر بھی کرتے۔ جامعہ رشیدیہ کے جلسوں میں سٹیج سیکرٹری ہمیشہ ناظم صاحبؒ ہوتے اور تین دن کے مختلف اجلاس میں مجموعی طور پر اعلانات کے علاوہ چھ سات گھنٹہ کی تقریر

کرلیتے جو عام طور پر ماحصل جلسہ ہوتی اور بطور خاص ان کی رپورٹنگ ہوتی۔

اس ساری طوالت کا حاصل یہ ہے کہ ناظم صاحبؒ اپنے استاذ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کے اتباع میں سالانہ جلسے کا باقاعدہ اہتمام کرتے تھے جبکہ اس کے قدیم دور رائے پور میں کبھی جلسہ نہیں ہوا تھا کاش ابتدائی دس بارہ سالوں کے جلسوں کی تقریریں کیسٹوں میں محفوظ ہوتیں لیکن ان دنوں ٹیپ ریکارڈ نہیں تھا۔

یہیں ایک واقعہ عرض کرنے کو جی چاہتا ہے!

مسعود صاحبؒ مرحوم (کھدر پوش) مظفر گڑھ میں ڈپٹی کمشنر تھے۔ وہاں احرار ایک دفاع کانفرنس کر رہے تھے صدارت مسعود مرحوم کی تھی۔ وہ ان دنوں امریکہ سے ٹیپ ریکارڈ مشین لائے تھے جس کے ساتھ لاؤڈ سپیکر کی طرح کا مائیک ہوتا تھا اور خاصی بڑی ریکارڈنگ مشین تھی جس کے ساتھ بڑی سی ریل جس پر تقریر ریکارڈ ہوتی۔ مائیک کو لاؤڈ سپیکر کے ساتھ لگا دیا گیا اور امیر شریعتؒ کی تقریر کا اعلان کر دیا گیا۔ شاہ صاحب مائیک کے سامنے آئے تو لاؤڈ سپیکر کے مائیک کے ساتھ ایک اور مائیک دیکھا، شک پڑا کہ "کار دیگر است" پوچھا یہ کیا ہے؟ غالباً مولانا مجاہد الحسینی وہاں تھے۔ انہوں نے کہا شاہ صاحب یہ آپ کی تقریر ریکارڈ کرنے کے لئے اہتمام کیا ہے۔ شاہ صاحب کو غصہ آگیا اور پنجابی میں فرمایا "میں تینے قوال دی طراں ہن میرے ریکارڈ بجایا کرن گیو" اور کہا کہ اسے اتارو ناچار مائیک اتارنا پڑا۔ شاہ صاحبؒ اپنا غصہ فرو کرتے رہے اور منتظمین نے وہ مائیک سپیکر کے پاس لیجا کر رکھدیا۔ اور شاہ صاحبؒ کچھ وقفہ اس واقعہ پر تاسف رہے اور پھر اپنے مخصوص لہجہ و قرأت میں خطبہ شروع کیا۔ شاہ صاحبؒ کے مائیک کے سامنے آتے ہی سناٹا چھا جاتا تھا اور پھر جب "الحمد للہ" کہتے تو یوں محسوس ہوتا کہ مجمع میں کرنٹ دوڑ گیا ہے اور لوگ اونچی گردنیں کر کے شاہ صاحبؒ کی طرف بغور دیکھتے ہوئے خطبہ سننے میں ایسے محو ہوتے کہ سانسوں کی آواز بھی رک جاتی۔ شاہ صاحبؒ نے تقریر مکمل کی۔ اگلے دن صبح غالباً نواب زادہ نصر اللہ خاں صاحب کار لیکر آگئے مولانا مجاہد الحسینی نے کہا کہ ذرا باہر سیر کر آئیں۔ شاہ صاحبؒ بے خبری میں ساتھ بیٹھ گئے اور چند منٹوں کے بعد کار ایک بڑے پھاٹک کے پاس پہنچ گئی۔ شاہ صاحبؒ نے دیکھا کہ سامنے مسعود صاحب دیدہ دل فرش راہ کرنے کے لئے کھڑے تھے۔ شاہ صاحبؒ پر کبیدگی سی طاری ہو گئی، فرمایا کہ تم نے بُرا کیا کہ مجھے ڈی سی کی کوٹھی پر لے آئے لیکن مسعود صاحب سے خاصی رسم و راہ بھی تھی۔ اور پھر مسعود صاحب نے اپنے خاص پنجابی لہجہ میں کہا ہوگا کہ میں تو فقیر ہوں قدم رنجہ فرمائیں۔ شاہ صاحب مع رفقاء ڈائننگ ہال میں داخل ہوئے صوفے پر بیٹھ گئے کہ اچانک ایک کونے سے پاٹ دار مترنم آواز آئی "الحمد للہ" ــــ شاہ صاحبؒ چونکے! اور پھر وہاں سے اٹھ کر مشین کے پاس

لہ افسوس کہ ۵ار دسمبر کو ان کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

زمین پر کہنیاں ٹیک کر خوشگوار حیرت سے سُننے لگے اور سُنتے سُنتے شاہ صاحبؒ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ فرمایا ہمالیہ سے راس کماری تک کروڑوں لوگوں نے میری تقریر سنی ہوگی لیکن میں اب بڑھاپے میں پہلی دفعہ سُن رہا ہوں۔ یہ بات میں نے حضرت شاہ صاحبؒ سے ان کے ملتان مکان میں رازی پاکستانی اور آصفی پاکستانی کی معیت میں حاضری پر سُنی۔ ان کے ایک بیٹے غالباً (سید عطاء المحسن شاہ بخاری) پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے اس پر کہا کہ آجکل ہمارے اکثر و بیشتر مقرر ایسے ہیں کہ اگر ان کو ان کی تقریر سنائی جائے تو وہ یہ کہیں کہ یہ کون بکواس کر رہا ہے۔ میں نے کچھ نرم الفاظ کہے ہیں۔ انہوں نے اور سخت الفاظ کہے تھے!

اس ملاقات میں آصفی صاحب یا رازی صاحب نے آٹوگراف کے لئے کاپی پیش کی۔ شاہ صاحبؒ شعر لکھنے لگے اور رازی صاحب نے فوٹو کھینچ لیا۔ یہی وہ تصویر ہے جو آغا شورش مرحوم کی تصنیف "سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ" کے پہلے ایڈیشن کے شروع میں ہے۔ شاہ صاحبؒ نے شعر لکھا تھا۔ پہلا مصرع یاد نہیں غالباً پھول کے متعلق ہے کہ چاروں طرف سے کانٹوں میں گھرنے کے باوجود ع۔ پھر بھی کھِلا ہی پڑتا ہے کیا خوش مزاج ہے۔

مسعود صاحب مرحوم کے پاس اور بھی مقرر حضرات کی تقریریں ریکارڈ تھیں کسی ایک کمرہ میں ڈھیر لگا رہا کئی سال اسی طرح پڑے رہے لیکن جب احباب کا اصرار بڑھا تو دیکھا شاہ صاحبؒ کی تقریر کی ٹیپ گرمی سے آپس میں جڑ گئی تھی۔ میں اب برطانیہ گیا تو لوگوں نے کہا کہ جس طرح بھی حاصل کرو کہ سائنس اتنی ترقی کر گئی ہے کہ ایک آلہ لگا کر پوری آواز دوسری جگہ منتقل کی جا سکتی ہے۔ لیکن مسعود صاحب سے ملاقات نہ ہو سکی اور اب مسعود صاحب بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اُن کا جانا بھی ایک بہت بڑا خلا ہے۔ بہت خوبیوں کے مالک تھے۔ ساری عمر کھدر پہنا اور مسلمانوں میں غالباً پہلے آئی سی ایس آفیسر تھے ــــــ بات جامعہ رشیدیہ کے جلسوں کی ہو رہی تھی کہ اس کے آخری اجلاس میں اردو زبان کے سب سے بڑے خطیب کی تقریر ہوا کرتی تھی۔ یہ ایک مستقل موضوع ہے پھر کسی فرصت میں ان شاء اللہ تفصیلات قلم بند کروں گا۔

حضرت شاہ صاحبؒ میں یہ خوبی تھی کہ اچھی تقریر کرنیوالوں کو بہت داد دیتے اور ان کا حوصلہ بڑھاتے اور حضرت ناظم صاحبؒ کی یہ خوبی تھی کہ کہاں تو امیر شریعت جیسے یکتائے فن کے خطاب کے وقت سٹیج سیکرٹری ہیں لیکن اب صورتحال یہ تھی کہ جامعہ رشیدیہ کے تلامذہ کے تلامذہ کو سالانہ جلسہ میں بلاتے اور ان کی تقریریں کراتے اور خود سٹیج سیکرٹری ہوتے اور اس میں ان کو نہ ذرا حجاب ہوتا نہ کسر شان سمجھتے بلکہ مقرر حضرات کا یوں تعارف کراتے کہ گویا وہ اپنے وقت کے عظیم مقرر واعظ اور خطیب ہیں جبکہ شاید ملک میں کسی دوسری جگہ یہ بات نہ ہو کہ برہم شدہ بزم کا کوئی فرد باقی ہو اور وہ تیسری نسل کے واعظ و مقرر حضرات کی حوصلہ افزائی کر رہا ہو ــــــ یہ عجز و انکسار حضرت ناظم صاحبؒ ہی کا حصہ تھا۔

یہ بات منجملہ عجائبات کے ہے کہ حضرت قاری محمد طیبؒ، حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ، حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، قاضی احسان احمد

شجاع آبادیؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا احتشام الحق تھانویؒ سے داد وصول کر نیوالا شخص کہ جس کا ذکر "سیر اکوارڈی رپورٹ" میں بطور خاص ہو، وہ ۱۹۰۵ء کے سالانہ جلسہ رشیدیہ کی رپورٹ "الرشید" میں شائع کرے تو اس میں جیسا کہ عرض کیا گیا ان اصاغر کو اکابر بنا کر پیش کرے کہ جن کے آباؤ اجداد ناظم صاحبؒ کی جوتیاں سیدھی کرنے کو فخر سمجھتے تھے ـــــ یہ خوبی کبریت احمر کا حکم رکھتی ہے اور ہمارے ہاں اب عنقا ہے۔ اول دن سے لیکر آخر تک اپنے آپ کو علماء، صلحاء اور طلباء کا خادم سمجھا ـــــ گو جامعہ کے انتظامی امور میں نظامت کے فرائض ادا کرتے ہوئے سخت گیر بھی تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ادارہ کو چلانے کے لئے کسی انسان میں جو خوبیاں اور صلاحیتیں ہونی چاہئیں آپ اس سے متصف تھے اور اسمیں یہ بھی ہے کہ ناظم و مہتمم اپنے آپ کو فی الواقع طلباء و اساتذہ کا خادم سمجھے اور اپنی پوری صلاحیتیں اس ادارے کے لئے نہ صرف صرف کرے بلکہ اپنے آپ کو وقف کر دے۔ ایسے ادارے کہ جن کا تعلق مالیات سے ہو جیسا کہ دینی مدارس ہیں کہ جن کا سارا مدار عوامی چندوں پر ہوتا ہے اس کے سربراہ کے لئے امین و دیانتدار ہونا بہت ضروری اور سب سے پہلا وصف ہے اس بارے میں جامعہ کے حسابات بہت صاف ستھرے اور روشن رہے۔ اور میں اپنے علم اور دوسروں کی شہادت کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ ایک ایسے ادارے کے سیاہ و سفید کے مالک ہونے کی حیثیت سے جس کا سالانہ میزانیہ ہمیشہ ہی لاکھوں رہا اس میں ان کی حیثیت اور شخصیت بالکل بے داغ اور دامن بالکل اُجلا تھا۔ حسد و رقابت جس کے متعلق اکثر علماء کی لوگوں کو شکایت کرتے دیکھا اور سُنا گیا ان میں مطلق نہ تھی۔ کبھی کسی کے متعلق بدگوئی یا گلہ شکوہ کرتے نہیں سنا گیا اگر ان کی مجلس میں کوئی ایسی گفتگو کرتا تو حکمت عملی سے ہنسی مذاق میں گفتگو کا رُخ کسی اور جانب منتقل کر دیتے۔

سادگی۔ بے تکلفی اور خوش مذاقی کا ایسا پیکر تھے کہ غیر مسلک کے لوگ بھی ان کی ان خوبیوں اور صلاحیتوں کے معترف تھے۔ گو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے لیکن نہ صرف حضرت تھانویؒ بلکہ ان کے خلفاء کی اپنے شیخ ایسی محبت سے سرشار تھے اور یہ سب حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کی شاگردی اور اپنے گرامی قدر والد ماجد اور اپنے بڑے بھائی کی صحبت و تربیت کا اثر تھا اور حضرات رائپوری ضلع جالندھر اور سہارنپور کی یہ خاص خصوصیت تھی۔

بہت اچھے خطیب اور مقرر تھے جمعہ کی تقریر عام طور پر تیاری کر کے کرتے۔ لیکن جلسوں میں یا تو جلسے کے عنوان یا پھر جیسا حالات کا تقاضا ہوتا اس کے مطابق خطاب کرتے۔ تقریر بڑی سلیس سادہ اور شگفتہ کرتے قرآن پاک کو اکثر استدلال میں پیش کرتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وارشادات اور واقعات بڑے برموقع استعمال کرتے۔ اکابر دیوبند کی اکثر مثالیں دیتے۔ علامہ اقبال کے خاصے اشعار یاد تھے مسدس حالی اور اکبر الٰہ آبادی کے کلام سے بھی اپنی تقریر کو مزین کرتے۔ تقریر کی ابتداء بڑے عمدہ اور عام فہم انداز میں کرتے۔ تقریر میں کوئی ایچ پیچ ابہام یا مشکل بیانی نہ ہوتی۔ میدانی دریا کی طرح روانی اور تسلسل ہوتا البتہ فرقہ وارانہ حالات و مسائل کے خلاف اور اس دور کے فتنۂ کبریٰ مرزائیت کے ذکر پر انداز بیان میں شعلہ نوائی اور تیزی آجاتی۔ اسی طرح عام معاشرتی بگاڑ حکومت کے طور اطوار پر بھی تلخی اور تیزی سے تنقید ہوتی لیکن کبھی

جگہ تقریر میں مقصدیت اور تعمیر کو نظر انداز نہ ہونے دیتے ۔ آدھ گھنٹہ سے لیکر ڈیڑھ دو گھنٹہ تک یکساں آمد ہوتی اور موضوع کا حق ادا کرتے ۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ مقرر یا خطیب زیادہ کامیاب ہوتا ہے جو انہونی اور نا شدنی باتیں زیادہ کرے لیکن آپ کی تقریر میں ایسی کوئی بات نہ ہوتی ۔ جو بات کہنا چاہتے ڈنکے کی چوٹ اور برملا کہتے ۔ کسی ڈر خوف یا لامۃ لائم کی پرواہ کئے بغیر سیدھے سادے انداز میں بات کرنے کے عادی تھے ۔

حضرت مفتی محمودؒ کی وفات کے بعد جمعیۃ کے ہر دھڑے سے لاتعلق اور باتعلق تھے ۔ لاتعلق یوں کہ اب ان کو سیاست سے دلچسپی نہ تھی اور باتعلق یوں کہ خدام دیوبند سمجھ کر ہر ایک کی عزت کرتے اور یہی تعلق تنظیم اہل سنت کے ہر گروہ سے تھا اور مجموعی طور پر ملت اسلام کے درد مند فرد اور دیوبند سے نسبت رکھنے والے تمام حضرات کی خدمت کرنے کو فخر سمجھتے تھے اور یوں سب کے مخدوم بن گئے تھے ۔

تین سال قبل دیوبندی مکتب فکر کے حضرات کا کنونشن بلایا ۔ کراچی سے لیکر خیبر تک کا نمائندہ اجتماع تھا اور میرا خیال ہے کہ اول دن سے لیکر ان کے مسلک کی غیر مشروط مساعی مشکورہ کا یہ نتیجہ تھا کہ ہر ایک ان کا احترام کرتا تھا جیسا کہ گذرا ـــــــ ناموس ختم نبوت کی حفاظت اور مسلک دیوبند کی خدمت و اشاعت ان کے خمیر میں شامل تھی ۔ ماہنامہ "الرشید" کے دیوبند نمبر نکالنے کی تحریک انہی کی تھی ۔ گو ان کا خیال تھا کہ تین ساڑھے تین صد صفحات تک ضخیم ہو جائے لیکن میں مصر رہا کہ اب جب ارادہ کیا ہے تو پھر ضخیم اور بہت جامع ہونا چاہیئے ۔ حوصلہ افزائی فرماتے رہے اور پھر آٹھ صد صفحات پر مشتمل یہ نمبر نکلا تو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے لاہور اس کی تقریب رونمائی پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ

> "ارشد نے ایک نمبر نکال کر پورے علماء ، پوری اُمت مسلمہ اور پوری جماعت پر ایک عظیم احسان کیا ہے جو دارالعلوم کے تاریخی ، دینی ، مذہبی ، علمی ، سیاسی اور روحانی گوشوں پر حاوی ہے ۔
>
> ؎ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند
>
> ہم لوگ برس ہا برس سے خواب دیکھتے رہے اور ارشد نے اس کی تعبیر مجسم کر کے سامنے رکھدی ۔ انہوں نے اس نمبر کو شائع کر کے ساری جماعت پر احسان عظیم کیا ـــــ مزید فرمایا کہ عنقریب دارالعلوم کے صد سالہ جشن منانے کا فیصلہ کیا گیا ہے جس کے لئے ہم دارالعلوم کے ہمہ جہت کارناموں پر علمی اور کتابی کام بھی کرنا چاہتے تھے ۔ آپ نے ایک نقش قدم بنا یا جس پر آئندہ تعمیر ہوگی ۔ بنیاد پاکستان نے رکھدی ہندوستان اسپر عمارت بنائیگا تو ایسی عمارت بڑی شاندار ہوگی ۔ اسی بنیاد پر دارالعلوم کی لمبی چوڑی تاریخیں مرتب ہوں گی ۔ مخصوص حکیمانہ انداز میں فرمایا کہ پہلے میں دارالعلوم کی خبر بن کر آتا تھا اور اب یہ نمبر "خبر واقعہ" ہے تو لے دارالعلوم لیکر جاؤں گا تو دارالعلوم میرے دامن میں ہوگا اور یہ خبر میرے اندر ہوگی ۔"

افتتاحی تقریب منعقدہ ۲۰ مارچ ۱۹۷۶ء جامعہ اشرفیہ لاہور بصدارت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ
(ناقل مولانا سمیع الحق صاحب اکوڑہ خٹک)

تمام اکابر کی خدمت میں مضامین کے متعلق گذارش کی گئی تھی الحمد للہ ۱۹۷۶ء میں زندہ تمام اکابر حضرات کے مضامین شامل اشاعت ہوئے اور یوں شاید برصغیر کی تاریخ میں کسی تعلیمی ادارے کی خدمات پر مشتمل ایسا عظیم نمبر نکالنے کی سعادت "الرشید" اور جامعہ رشیدیہ کو حاصل ہوئی۔ یہ نمبر جامعہ رشیدیہ جیسے صدقہ جاریہ کے ساتھ ساتھ ان کی لگن اور تڑپ کا ایسا علمی کارنامہ ہے جو انشاء اللہ ہمیشہ کے لئے اردو زبان میں دار العلوم کی یاد کو تازہ رکھے گا۔ اس نمبر کی حیثیت پر ایک تبصرہ تو حضرت قاری صاحبؒ کا آپ اوپر ملاحظہ فرما چکے ۔ حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ کا تاثر نہیں آیا تھا جبکہ سب حضرات کے آگئے اور شائع بھی ہوگئے۔ ایک دن میں پرانی ڈاک دیکھ رہا تھا کہ ایک کارڈ پر آخر میں شمس الحق افغانی لکھا دیکھا۔ حیرت سے اٹھایا کہ یہ کہاں گم رہا۔ پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ "آپ نے یہ نمبر نکال کر دار العلوم کو زندہ جاوید کر دیا ہے"۔ اور بھی کچھ باتیں تھیں۔ ہوا یہ کہ میں نے یہ فقرہ پڑھ کر اسی وقت کارڈ کو ایک طرف کر دیا کہ یہ کیا تبصرہ ہے۔ دار العلوم زندہ جاوید تو اول دن سے ہی ہے عجیب خط ہے۔ ہم نے آٹھ صد صفحات سیاہ کر کے اُس بڑھیا کا کردار ادا کیا ہے جو اٹی لیکر یوسفؑ کی خریداری کے لئے آئی تھی ——
لیکن اب جب خط دوبارہ پڑھا اور آخر میں حضرت افغانی کا نام دیکھا تو مزید تعجب ہوا اور میں سوچنے لگا کہ جو بزرگ دار العلوم میں شیخ التفسیر کے منصب پر فائز رہے ہیں اور معقول و منقول کے علامہ ہیں اُن کا یہ کہنا کوئی معنی ضرور رکھتا ہے۔ غور و فکر کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ دار العلوم نمبر میں حضرت شیخ الہندؒ سے لیکر حضرت علامہ انور شاہ محدث کشمیریؒ۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ و حکیم الامۃ حضرت تھانویؒ کے تلامذہ و خلفاء اور محدث سہارنپوری کے جانشین شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کی تحریریں دار العلوم کی خدمات کے متعلق یکجا جمع ہوگئی ہیں اور یہ ذخیرہ ایسا جامع اور پُر از معلومات ہے کہ نہ اس سے پہلے ایسا مواد جمع ہوا اور نہ بعد میں ہوگا۔ اگر ہوگا تو اسی نمبر سے ماخوذ ہوگا۔ لہٰذا حضرت افغانیؒ کی بات اپنی جگہ وقیع اور درست ہے اور اس کا کریڈٹ حضرت ناظم صاحبؒ کو جاتا ہے۔ اور اس کا اظہار یوں بھی ہوا کہ انڈیا میں اسی نمبر کا بعینہٖ عکس لیکر تین چار ناشروں نے شائع کیا اور پھر حضرت قاری صاحبؒ نے جو اظہار خیال فرمایا وہ بھی اسی کی مانند ہے۔ دار العلوم کے متعلق ناظم صاحبؒ کی یہی لگن اور والہانہ لگاؤ تھا کہ جس کے ثمرہ میں دار العلوم کے جشن صد سالہ میں آپ کو خطاب کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔

یہ متفرق اور پراگندہ خیالات راقم الحروف اپنی بیماری اور ضعف کی حالت میں رقم کر رہا ہے۔ میں اپنی بیماری کی وجہ سے آپ کے جنازہ میں شمولیت بھی نہ کر سکا جس کا تا زندگی افسوس رہے گا۔ آپ گیارہ ربیع الاول کو لاہور تشریف لائے ریواز گارڈن کی جامع بیت الکرم میں رات کو سیرت النبیؐ کے موضوع پر سوا ڈیڑھ گھنٹہ خطاب کیا۔ میں دو فرلانگ پر ہونے کے باوجود حاضر نہ ہو سکا البتہ اپنے بیٹے حماد ارشد کے ہاتھ عریضہ بھیجا کہ صبح غریب خانہ پر قدم رنجہ فرما کر ناشتہ فرمائیں۔ آپ مولانا عبید اللہ رشیدی (خطیب ریواز گارڈن) اور قاری عبد الہادی (علی الترتیب بھتیجے اور بھانجے) کے ساتھ تشریف لائے۔ تقریباً دو گھنٹہ نشست رہی ہمیشہ کی طرح گفتگو فرما رہے تھے البتہ جب چلنے لگے تو معلوم ہوا کہ خاصا ضعف ہے۔ غلطی کی کہ گھر پر رکشہ نہ بلایا۔ میں اور مولانا عبید اللہ رکشہ لینے گئے لیکن انہیں کوئی اور رکشہ مل گیا اور ریلوے اسٹیشن چلے گئے۔ ۱۲ ربیع الاول کی صبح یہ میری ان سے آخری ملاقات

تھی لیکن افسوس کہ وقتِ رخصت مصافحہ بھی نہ ہو سکا۔ ساہیوال جا کر ۱۴ ربیع الاول کو مکتوب تحریر فرمایا اور یہ ان کا بندہ کے نام آخری گرامی نامہ ہے جو مندرجہ ذیل ہے:

"اخونا الرشید المحترم سلمہ الرشید!

سلام مسنون خیر بخیر۔ عافیت طرفین مطلوب۔ ہمارے دوست میاں محمد رفیق صاحب پروفیسر امامیہ کالج ساہیوال (حضرت رائپوریؒ کے خصوصی مرید) نے حضرتؒ کے وصال پر کافی اشعار، تاریخ وفات، مضمون لکھے۔ اور "الرشید" میں بھی شائع ہوئے۔ حضرت نفیس شاہ صاحب اور اکثر احباب کا خیال ہے کہ حضرت رائپوری (حضرت مولانا عبدالعزیزؒ) کی سوانح حیات ترتیب دینا چاہیئے۔ میری نظر آپ پر ہے آپ کسی ایک دن کے لئے ساہیوال تشریف لائیں۔ محترم میاں صاحب اور دیگر احباب عزیزیہ بھی شامل ہوں گے ہم باہم مل کر خاکہ وغیرہ ترتیب دے کر کام تقسیم کریں گے اس سلسلہ میں ڈاکٹر رشید صاحب (ڈاکٹر رشید احمد جالندھری) کی بھی ضرورت ہے اگر وہ مکلف کئے جائیں تو بہت غنیمت ہے۔ تاہم آپ ضرور وقت معین فرمودہ قبل دوپہر یا پھر ایک رات مقرر فرما کر مطلع و مطمئن فرمائیں۔ نہایت ضروری جواب باصواب سے مطلع فرمائیں مجھے نسبتاً افاقہ ہے۔" والسلام

مخلص فاضل رشیدی

خط کی عبارت ملاحظہ فرمائیں۔ یہ اس بندہ کمینہ کے نام ہے جو جامعہ کے ادنیٰ ترین شاگردوں میں سب سے کمترین ہے اپنے مربی و مشفق استاد کے سوانح ترتیب دینے اور دیگر بہت سے عزائم رکھنے والے اس بے قرار انسان کو اپنے آخری وقت یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ "اب آپ حیات سے وضو کریں گے۔

؎ موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

آپ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ کی زوجہ محترمہ انتہائی پاکیزہ اور متقی خاتون ہیں۔ جامعہ رشیدیہ اور اس سے تعلیم حاصل کرنیوالے ہزاروں حفاظ و علماء آپ کا صدقہ جاریہ ہیں جو اطراف عالم میں دینی تبلیغی سرگرمیوں میں مشغول ہیں۔ انشاء اللہ آپ کے تفصیلی حالات عنقریب شائع ہوں گے۔ اللھم اغفرلہٗ وارحمہ

ہماری نئی حکومت کو اگر یہ دعوے ہے کہ وہ پاکستان کی بانی جماعت ہے، تو پھر اس کو بہت محنت اور جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اور اگر اب بھی وہ اپنی حکومت یا وزارتوں کے استحکام یا زمینداروں۔ جاگیرداروں اور بڑے بڑے لوگوں کے مفادات کے تحفظ میں لگی رہی اور اسلام اور عوام کے لئے خاطر خواہ کام نہ کیا، تو پھر شاید یہ اس کا آخری امتحان ہو

اللہ تعالیٰ اسے خوش اسلوبی۔ نیک نیتی۔ ایمانداری اور محنت سے قیام پاکستان کی اغراض و مقاصد کو پورا کرنے کی توفیق دے۔

گزرا سال

گذشتہ سال سوا سال میں بہت سی اہم شخصیات ہم سے جدا ہوگئیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد عبد اللہ صاحب ملتانی، حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ، حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن ندوۃ المصنفین دہلی، حضرت مولانا عبید اللہ صاحب انورؒ، حضرت مولانا محمد ازھر شاہ قیصر دیوبند، حضرت مولانا محمد عثمان صاحب ناظم دار العلوم دیوبند، حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب رائے پوری، حضرت ناظم صاحب، حضرت مولانا غلام محمد صاحب لائل پور، حضرت مولانا صاحبزادہ محمد جان صاحب سرحد اور اب آخر میں حضرت ماسٹر منظور احمد صاحبؒ خلیفہ ارشد حضرت اقدس رائے پوری، اور اس ۲۸ جنوری ۱۹۹۶ کو میرے والد ماجد حاجی تاج محمد صاحب ہری پوری ——— اوپر کی تمام شخصیات کا ذکر "الرشید" میں اور ملک کے جرائد و اخبارات میں آچکا ہے۔ حضرت ماسٹر منظور احمد صاحب کا اجمالی تذکرہ اس شمارہ کے دوسرے صفحات میں موجود ہے۔ حضرت ماسٹر صاحب گو باقاعدہ عالم نہ تھے، لیکن حضرت اقدس مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری قدس سرہ سے بیعت ہوکر اپنے آپ کو اپنے شیخ سے اس طرح وابستہ کرلیا کہ اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ اور پھر ایسے مقام پر پہنچے کہ ان کو جاننے والے جانتے ہیں کہ اپنے شیخ کی نظر میں بھی ان کا مقام بہت بلند اور رفیع تھا۔ حضرت قدس سرہ ان کا ذکر ایسے انداز میں فرمایا کرتے کہ سننے والے علماء و صلحاء کو اس پر رشک آتا۔

میرے والد ماجد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خلیفہ ارشد حضرت حافظ محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ رشیدیہ رائے پور سے بیعت تھے۔ گو پڑھے لکھے نہ تھے، لیکن اپنے شیخ کی صحبت نیز حضرت منشی رحمت علی اور حضرات رائے پوری (ضلع جالندھر) کی صحبت و استفادہ سے اونچی اونچی کتب جیسے التکشف عن مہمات التصوف (حضرت تھانویؒ) البوادر النوادر اور ایسی دوسری ہی کتب کا مطالعہ کرتے رہتے۔ اوائل عمر تقریباً چودہ سال سے رائے پور آنا جانا شروع ہوگیا تھا۔ اور تقریباً ۲۵ سال کی عمر میں افریقہ گئے، وہاں چار پانچ سال رہے۔ اور پھر سنہ ۱۹۳۶ء میں برطانیہ چلے گئے، لیکن ہر جگہ متشرع اور پابند صوم و صلوٰۃ اور تبلیغی امور میں منسلک رہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ کسی شرعی عذر کے بغیر نماز تو کیا تہجد بھی قضا نہیں کی۔ برطانیہ میں ان دنوں خال خال لوگ تھے لیکن نہایت استقامت سے دین پر عمل پیرا رہے۔ برطانیہ کی اولین دینی تنظیم جمعیۃ المسلمین برمنگھم کے برسوں صدر رہے۔ اس کے علاوہ لندن، مانچسٹر اور گلاسگو کی دینی تنظیموں میں بھی حصہ لیتے رہے۔ آپ ہی کی

باقی صفحہ (۲۲) پر

از جانشین امیر شریعت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری مدیر الاحرار

افسوس! مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدیؒ بھی رخصت ہو گئے

ہمارے قارئین ملک کے اکثر اخبارات اور "الاحرار" سمیت کئی دینی رسائل کے ذریعہ پاکستان میں بقیۃ الاکابر علمائے کرام اور فعال دینی و مجاہد اور قومی کارکن اصحاب کے مسلسل حوادثاتِ وفاۃ کی خبریں پڑھتے رہتے ہیں جن کے انفرادی اور اجتماعی ماتم سے کسی دور میں کوئی بھی نسل فطری قانون کے مطابق کبھی بھی نہ تو فارغ ہو سکتی ہے اور نہ ہی مستغنی!

ابھی پونے چھ ماہ پہلے ہم ملک کے متعدد علماء و مشائخ کے سفرِ آخرت کی اطلاعات سے دلگیر ہی تھے جن میں رئیس العلماء والاحناف حضرت الاستاذ و استاذ الاساتذہ مولانا "خیر محمد" جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد راقم مدیر "الاحرار" کے دوسرے اہم ترین مشفق و کرم فرما استاذ حضرۃ شیخ الحدیث مولانا "محمد عبداللہ" رائپوری جالندھری رحمۃ اللہ علیہ امیر الجامعہ کا نام نامی سرفہرست ہے کہ ان کے بعد ان کے برادرِ اوسط ملک کے بہترین فعال و متحرک مجاہد دینی و قومی کارکن اور مدارس دینیہ کے نظام تعلیم و اہتمام کے سلسلہ میں مشہور و معتمد، لائق و فائق قابل و سلیقہ مند مخلص مومن کے ایک شدید و جان لیوا دورہ کی زد میں آئے اور ہفتہ کا دن گزار کر مورخہ ۲۳ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ ۸ دسمبر ۱۹۸۵ء شب یکشنبہ (اتوار کی رات) بعد عشاء آٹھ بجے بہ قیام ہوش و حواس کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے جان جان آفرین کے سپرد کر کے دارِ فناء سے عالمِ بقاء کو سدھار گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط

مولانا فاضل حبیب اللہ صاحب رشیدیؒ پنجاب کے مایہ ناز عالم اور فقیہ اور مثالی تقویٰ شعار بزرگ تلمیذِ شیخ الہندؒ حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ رائپوری جالندھریؒ کے منجھلے فرزندِ ارجمند تھے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ رشیدیہ رائپور جالندھر میں اپنے والد ماجد اور دوسرے اساتذہ سے حاصل کی۔ دورہ حدیث دار العلوم دیوبند میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے پڑھا۔ بعد فراغت اپنی آزاد فطرت اور مزاج کے مطابق مجلسِ احرارِ اسلام اور جمعیۃ علمائے ہند سے وابستہ رہے۔ کچھ عرصہ چنیوٹ وغیرہ میں ملک کے مشہور عالم انشاء پرداز اور شاعر علامہ طالوتؒ ملتانی کے ہمراہ سکول میں تدریس کا کام بھی کیا پھر چھوڑ دیا۔ تقسیم ملک کے بعد راقم کا موصوف کے ساتھ گہرا تعلق و رابطہ رہا اور استاذ کے بھائی ہونے کی بناء پر میرے نزدیک وہ بھی استاد ہی کا درجہ رکھتے تھے

اردو علم و ادب اور ذوق شعر میں دوسرے بھائیوں سے زیادہ درک و شغف رکھتے تھے اور اسی قدرِ مشترک کی بناء پر راقم کے ساتھ زیادہ توجہ اور محبت آمیز سلوک رکھتے اور میرے اتفاقی یا دعوتی یا ارادی سفر ساہیوال کے موقعہ پر کبھی فرمائش کر کے اور گاہے میری خواہش پر محفلِ سخن منعقد کرتے جس میں دیر تک گہری مشغولیت رہتی تو بے حد محظوظ ہوتے اور آئندہ ملاقات تک۔۔۔

والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا۔ پھر تین چار سال پہلے حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ کی اہلیہ ثانیہ نے رحلت کی، پھر چھ ماہ پہلے حضرۃ شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ رخصت ہوئے اور چھ ماہ بعد آپ کے منجھلے بھائی ان سب کے بعد اور آخر میں مسافر آخرت بنے! ولکل اجل مسمّٰی۔ ۸ر دسمبر اتوار کو ایک عزیز کارکن اتفاقاً توائے وقت "ملتان کا پرچہ دفتر میں لے آیا تو پڑھتے ہوئے اچانک فاضل رشیدیؒ کی وفات کی خبر زیر نظر آگئی پڑھ کر سنت دھچکا لگا۔ فوراً ساہیوال کے سفر کا اہتمام کر لیا۔ گھر جا کر سب کو خبر سنائی پھر چند لقمہ سے ناشتہ کیا کہ اتنے میں دروازہ پر دستک ہوئی پتا کیا تو معلوم ہوا کہ ملک کے مایہ ناز امام فن کتابت —— سید الکاتبین برادر عزیز سید نفیس الحسینی صاحب خان گڑھ کے تبلیغی دورہ سے واپسی پر ملاقات کے لئے تشریف لائے ہیں۔ ان کے دفتر میں بٹھانے کے لئے کہلا بھیجا اور خیال ہوا کہ موصوف یہی خبر سُن کر کسی نزدیکی علاقے سے یہاں آ گئے ہیں تاکہ ساہیوال اکٹھے جایا جا سکے لیکن فارغ ہو کر مصافحہ و معانقہ کے بعد پرسش احوال پر انہوں نے بتایا کہ مجھے معلوم نہیں تھا یہیں آکر خبر معلوم ہوئی ہے اور ساہیوال کا عزم ہے تاکہ نماز جنازہ میں شرکت ہو جائے۔ تو میں نے کہا کہ اب ویگن یا بس پر نکلتا ہوں امید کہ جنازہ پر پہنچ جاؤں گا۔" تو بولے گاڑی میرے پاس ہے یہ میرے ساتھی لاہور سے لائے ہیں اسی پر چلتے ہیں۔ ان کے ہاں وہاڑی سے آگے ایک چک میں جانا ہے اور اب یہ کہتے ہیں کہ ساہیوال کا چکر لگا کر پھر واپس چک چلیں گے۔ لہٰذا جلدی نکلیں۔ میں نے کہا میں بالکل تیار ہوں۔ چنانچہ ایک کارکن رفیق سفر اور سید نفیس صاحب کے ایک شاگرد عزیزی "جمیل حسن" خطاط اور مینر بان مُرید مولانا محمد علی لدھیانوی کی معیت میں روانہ ہوئے اور پھر عین عصر کے وقت جامعہ رشیدیہ پہنچے۔ بعد نماز عصر مدرسہ کے مشرقی جانب اسی مدرسہ کی منصوبہ جگہ میں قائم شدہ سکول کے گراؤنڈ میں جہاں مولاناؒ کا جنازہ رکھا ہوا تھا راقم کی خصوصی فرمائش پر جامعہ اشرفیہ والے مولانا عبدالرحمٰن صاحب اور مرحوم کے بعض اعزہ نے کفن کھول کر مجھے ان کے آخری دیدار کا موقع فراہم کیا۔ بحمداللہ ان کا چہرہ فطری ساخت زندگی بھر کے انداز و معمول اور ایمان ویقین اور حسن خاتمہ کی علامت کے طور پر بالکل ہشاش بشاش، مطمئن اور متبسم تھا دیکھ کر دل کو سکون ہوا۔ میں نے آگے بڑھ کر مصافحہ اور معانقہ کے دیرینہ معمول کا سلسلہ منقطع ہونے کی بناء پر خود اُن کا ماتھا چوم لیا اور کئی بار تبرّکاً ان کے سر اور پیشانی چہرہ پر ہاتھ پھیرا۔ اتنے میں بقیہ نماز اور آخری گھڑی تک نزدیک و دُور سے آنیوالے پرہجوم مسلمانوں کے لئے کافی انتظار کیا گیا اور آخر کار جنازہ کا وقت ہو گیا۔ ان کے عزیز قریب بہنوئی محترم مولانا حافظ ولی محمد صاحب رائپوری (موجودہ امیر الجامعہ) نے ہزارہا فرزندانِ توحید پیروان مسلک اکابر دیوبند، علماء و مشائخ اور احرار و جمعیت کے کارکنوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے جمّ غفیر اور حد نگاہ تک پھیلے ہوئے ہجوم مومنین کی امامت کرتے ہوئے جنازہ پڑھایا اور قریب مغرب ملحقہ قبرستان "پیر بخاری" میں ان کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ کے پائنتی میں ہی سپرد خاک کر دیا گیا۔ بعد مغرب وعشاء اور پھر بعد چاشت تک مختلف علماء واحباب اور کارکنان کیساتھ تعزیت مسنونہ ہوتی رہی اور پھر ضروری کام کی وجہ سے دوپہر کے قریب راقم ملتان کے لئے روانہ ہوا۔ فاضل مرحوم نسبی اولاد سے محروم تھے لیکن ملک بھر کے مدارس دینیہ میں مثالی، ممتاز ومنفرد، منظم وضابطہ بند مدرسہ جامعہ رشیدیہ" اس کی آباد و معمورہ

رطب اللسان رہتے ۔ جامعہ کے ترجمان ماہنامہ "الرشید" میں اکثر و بیشتر مختصر تحریرات کے ذریعے "مرزائیت" کے خلاف ہمہ وقت چوکس بیدار، متحرک، مجسم احتجاج اور سراپا ایثار و جہاد بنے ہوئے دینی اور قومی مجاہد کا کردار ادا کرنے میں اپنی مثال آپ تھے اور جامعہ رشیدیہ کے ذریعے ہر دینی اور قومی تحریک میں ہراول دستہ کا سپاہی ثابت ہوتے رہے اور آزمائش کے ہر موقع پر قید و بند اور نظر بندی و زباں بندی کی سزائیں بھگتتے رہے جس کی بناء پر بدترین مخالف بھی ان کے عزم و عمل میں یکسانی اور ان کے خلوص و ایثار کے اعتراف پر مجبور تھا۔

گذشتہ سال ان کے بھانجا داماد عزیزی قاری بشیر احمد حبیبؒ امیر مجلس احرار اسلام ساہیوال اور عزیزی اظہر رفیق، مرزائی جماعت کے پیشہ ور بدمعاش غنڈوں اور قاتلوں کی گولیوں سے شہید ہو گئے تو مولانا نے کارکنان مجلس احرار اسلام کے شانہ بشانہ دن رات محنت کر کے ان شہداء مظلومین کا مقدمہ لڑا۔ اب خدا خدا کر کے اس کے فیصلہ کا وقت کچھ قریب آیا تھا اور وہ ظالموں کے کیفر کردار تک پہنچنے کی خبر سننے کے متمنی تھے لیکن حکمۃ الٰہیہ کے مطابق ان کے دیرینہ مرض کا شدید دورہ ان کے لئے پیغام اجل بن گیا۔ اور وہ تمام کاروبار مدرسہ و جماعت اپنے نائبین کے سپرد کر کے راہی عالم آخرت ہو گئے۔ ان کے دم سے پُرانے مجاہدین کی یاد قائم تھی وہ خود معتقد و خادم اکابر اور اکابر شناس نیز طبعاً فہیم و زیرک معاملہ آشناء و سلیقہ شعار اور منتظم و مدبر عالم اور سیاستہ کے شناور تھے تعلیمی و انتظامی اُمور میں ان کی بصیرۃ، تجربہ، مہارۃ اور حسن تدبیر سے متاثر ہو کر حضرت الاستاذ مولانا خیر محمد جالندھری قدس اللہ سرہٗ اپنے معروف تدین تقویٰ اور حزم و احتیاط کی روشنی میں خیر المدارس ملتان کی کئی مجالس و تقریبات میں میرے سامنے بارہا آپ کو حسن و اعتراف کے ساتھ یاد کرتے ہوئے فرمایا کہ مولوی حبیب اللہ کو ماشاء اللہ کام کرنے کا ڈھنگ آتا ہے اس نے جامعہ رشیدیہ کو بڑے سلیقہ سے چلایا ہے اور چلا رہا ہے اس کے کام سے جی بہت خوش ہے کام کرنے کا سلیقہ و طریقہ اس سے سیکھنا چاہیئے۔

راقم نے جب گھر میں ضعیفہ والدہ مدظلہا کو اُن کی خبر وفاۃ سنائی تو فوراً فرمایا " اُن کے جانے سے مدرسہ (جامعہ رشیدیہ) اُجڑ گیا"۔ ان کے برادر اکبر راقم کے استاذ ثانی حضرت مولانا محمد عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعزیت کے موقع پر موصوف سے آخری ملاقات ہوئی۔ اب سوچ رہا تھا کہ جنوری یا فروری میں طباعت کتب کے سلسلہ میں لاہور سے واپسی پر ملوں لیکن موت کی سنگین اور اٹل دیوار نے اب قیامت تک کے لئے تمام رخصت شدہ اکابر و اسلاف اور ہم عصر علماء و احباب کی طرح ان کا منہ دیکھنے سے بھی محروم کر دیا۔ ؎ "اب ان کے دیکھنے کو اکھیاں ترستیاں ہیں"!

ان کے رخصت ہونے میں ایک عجیب اتفاق یہ ظاہر ہوا کہ بھائیوں میں حضرت الاستاذ مولانا محمد عبد اللہ سب سے بڑے فاضل رشیدی نکلے اور مولانا قاری لطف اللہ سب سے چھوٹے بھائی تھے۔ قاری لطف اللہ صاحب تردید مرزائیت کے سلسلہ میں واپس جاتے ہوئے بس میں آگ لگ جانے سے حادثۃً شہید ہو کر رخصت ہوئے۔ پھر کچھ عرصہ بعد ان کے والد ماجد حضرت مفتی فقیر اللہؒ نے وفاۃ پائی۔ پھر آج سے چند برس بیشتر حضرۃ مفتی صاحبؒ کی اہلیہ محترمہ اور ان برادران گرامی قدر کی

مساجد، علاقہ میں پھیلی ہوئی اس کی معروف تعلیم و تبلیغ میں سرگرم شاخیں مرحوم کی حقیقی اور پائیدار نشانیاں اور سچی یادگاریں ہیں۔ اور ان سب کے ساتھ وابستہ ہزارہا طلبہ و تلامذہ جوان کے زیر سرپرستی زیور علم و روحانیت سے آراستہ و پیراستہ ہو کر اطراف ملک میں مصروف تعلیم و تبلیغ ہیں وہ ان کی روحانی اولاد اور دعاء خیر اور اعمال حسنہ کے ذریعے ان کی صحیح یادگار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ ان کے حقیقی جانشین، صحیح وارث، باقیات صالحات اور صدقات جاریہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا فاضل رشیدؒ کی قبر کو باغ جنت کا ٹکڑا بنائیں اور ان کے تابعین کو جامعہ رشیدیہ کی حفاظت و بقاء کے لئے موصوف جیسا خلوص و ایثار، فہم و شعور، سلیقہ، حلم و تدبر اور استقلال نصیب فرمائیں تاکہ بانی و قدیم معاونین و اساتذہ خصوصاً موصوف کے والد ماجد اور برادر گرامی کی ارواح عالیہ کو دائمی سکون و راحت نصیب رہے۔ آمین ثم آمین۔ (ماخوذ پندرہ روزہ "الاحرار")

بقیہ: غم کا سال

صدارت میں جمعیتہ المسلمین برمنگھم کی ایک میٹنگ میں برطانیہ کی سب سے بڑی مسجد کا چار لاکھ پونڈ کا منصوبہ بنایا گیا اور بلگیریو روڈ (برمنگھم کی مشہور روڈ) پر کئی ایکڑ جگہ حاصل کر کے عمل درآمد شروع کیا جو بعد میں کئی لاکھ پونڈ کے صرفہ سے ایک ٹرسٹ کے زیر اہتمام تکمیل کو پہنچی۔ یہی وہ مسجد ہے کہ جس کے مینار پر سپیکر لگا کر اذان دینے کی اجازت ملی ہے اور اس مسجد میں کسی بھی دینی جماعت کو کانفرنس یا جلسہ کرنے کی اجازت ہے

برطانیہ میں تبلیغی جماعت کے قائم کرنے اور پاکستان سے جانیوالی جماعتوں کی نصرت میں آپ کا بڑا ہاتھ رہا۔ برطانیہ میں تبلیغی جماعت کے تمام پرانے ساتھی آپ کو خوب جانتے پہچانتے ہیں۔ اور اکثر کو آپ نے دعوت دی۔ پہلی پہلی جماعتوں میں جو برطانیہ گئیں ـــــ ایک جماعت میں قاضی عبدالقادر صاحب، جنرل حق نواز صاحب اور بھائی محمد افضل صاحب ـــــ شریک تھے جنرل صاحب واپس تشریف لائے تو انہوں نے مجھے ایک خط میں لکھا کہ "آپ کے والد صاحب صحیح معنوں میں مرد مومن ہیں"۔ ہم دونوں بھائیوں راقم الحروف اور حکیم محمد اسلم میاں چنیوں کو برطانیہ سے خط لکھا کہ سرکاری سکولوں سے ہٹ کر قرآن پاک حفظ کر کے دینی تعلیم حاصل کرو۔ ان دنوں اپنی اولاد کو برطانیہ بلا کر پڑھانا اور اعلیٰ تعلیم دلانا بہت سہل تھا۔ لیکن انہوں نے برطانیہ میں رہنے کے باوجود ہمیں اس طرف لگایا گو میں تو ان کی توقع کے مطابق بالکل نہ اتر سکا۔ جب کہ اُن کے عزائم بہت بلند تھے۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ دامت برکاتہم کے بقول برطانیہ میں ایسے رہے جیسے خانقاہ تھانہ بھون میں۔ گو اب آپ اس دنیا میں نہیں لیکن برطانیہ کی سب سے بڑی مسجد اور تبلیغی جماعت کی برطانیہ میں جد و جہد میں آپ کا حصہ صدقہ جاریہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اب کئی سال سے یہاں میانچنوں میں مقیم تھے۔ عمر تقریباً پچاسی سال تھی۔ چار پانچ دن بیمار رہے۔ غنودگی کی حالت رہتی تھی۔ لیکن نماز کے اوقات میں اور احباب کے آنے پر آنکھ کھولتے اور نماز اشارے سے پڑھتے اور احباب سے مصافحہ کرتے۔ ۲۸ جنوری کو ½ ۶ بجے بہن کچھ کہتے رہے لیکن آواز نہ نکلتی تھی۔ ہم کچھ نہ سمجھے ایک

تذکرہ حبیب

[illegible] عارف

؎ کون للکارے گا باطل کو ترے لہجے میں!

پیکرِ ہمت و جرأت ——— مجاہدِ ختمِ نبوت

مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی رحمۃ اللہ علیہ

موت و زندگی کا سلسلہ ہر جاندار کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ علماء، صلحاء حتیٰ کہ خدا کے پیغمبر بھی اس سے مستثنیٰ نہیں انسان نہ اپنی مرضی سے آتا ہے اور نہ ہی اپنی مرضی سے جاتا ہے۔

؎ لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

جب حکم ہوا آ گئے اور جب وقت ہوا چلے گئے۔ لیکن علماء و صلحاء کے کوچ کا جب وقت آتا ہے تو وہ خود ہی راہئ عالم جاودانی نہیں ہوتے بلکہ اپنے عقیدتمندوں کے دل و دماغ، حواس و جذبات اور سکون و اطمینان کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور بھری محفل آن کی آن میں سونی ہو جاتی ہے ——— گو ان کے بعد دنیا آباد رہتی ہے مگر روح لذتیں برباد اور علم کی محفلیں اجڑ جاتی ہیں۔

؎ فروغِ شمع جواب ہے رہیگا روز محشر تک
مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی بھی اسی قافلہ سے تعلق رکھتے تھے جن کی زندگی کے چراغ گل ہونے سے آج ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے چارسُو تاریکی چھا گئی ہو۔ محراب و منبر کی رونق ہم سے چھن گئی ہو۔ خوبیوں اور محاسن کا مرقع ہم سے کھو گیا جرأت و مردانگی کا پیکر ہم سے روٹھ گیا ہو ———

وہ کیسے عظیم انسان تھے کیا کچھ صلاحیتیں اللہ نے ان میں رکھی تھیں قدرت نے کس قدر حکمت و تدبر سے انکو نوازا تھا۔

؎ اے تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم

وہ شعلہ نوا خطیب ہونے کی حیثیت سے ہی اگر صلہ و داد چاہتے تو شاید سونے چاندی کا محل بنا سکتے تھے لیکن اپنی قیمت وصول کرنے اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے کی بجائے اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مصائب آلام کی پُرخار وادی میں قدم رکھا اور عرصۂ زندگی کو صبر و استقامت سے عبور کرتے ہوئے جادۂ حق سے خار چنتے ہوئے

گوہر مقصود کو جالیا۔

یہ واقعہ ہے کہ جن سے اللہ اپنے دین کی خدمت لیتے ہیں اور مقصد تخلیق کائنات کے سلسلہ میں جن کو قبول فرماتے ہیں ان کو حوادث و مصائب کی آزمائش سے بھی گذارتے ہیں۔ جو شخص انبیاء علیہم السلام کے اسوہ کے جس قدر قریب ہوگا اس کو اسی قدر مصائب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ جس کی زندگی غموں سے خالی ہوتی صحابہ کرام ؓ اس کے ایمان میں شک کرتے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک صحابی نے کہا:

"یارسول اللہ! مجھے آپ سے محبت ہے۔"

فرمایا! "ذرا سنبھل کر بولو" ——— صحابی نے پھر وہی جملہ دہرایا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"پھر اپنے آپ کو حوادث و آلام کے لئے تیار کرلو۔"

آپ نے بھی سنت نبوی پر عمل کرتے ہوئے اس طرح کے حوادث کو خندہ پیشانی سے قبول کیا اور ہمیشہ عسرت کی زندگی بسر کی۔ ہمیشہ کھدر اور کھڈی کا کپڑا پہنا، سادہ کھایا اور سادہ پیا۔ جو شخص اپنی خداداد صلاحیت واستعداد صرف کرکے جامعہ رشیدیہ کو ترقی کے بام عروج تک پہنچا سکتا ہے، جامعہ کی اس قدر عظیم الشان عمارت بنوا سکتا ہے اور جامعہ کو چلانے کے لئے سالانہ بارہ لاکھ روپے مہیا کرسکتا ہے وہ اگر اپنی صلاحیتوں کا رخ موڑ کر اپنے لئے جائیداد بناتا تو بہت کچھ بنا سکتا تھا جیسے کہ گردوپیش میں اس کی نظائر تلاش کی جاسکتی ہیں۔ کتنے ہی وہ لوگ ہیں جو اپنے اوپر تقدس کا خول چڑھا کر تقدس فروشی کرتے ہیں ——— اور اس کے عوض لاکھوں وصول کرتے ہیں!

لیکن حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ صاحب ؒ کا تو ذاتی مکان بھی نہ تھا۔ پوری زندگی مدرسہ کے معمولی سے مکان میں بسر کردی۔ یہ تمام آپ کی عظمت و رفعت کا منہ بولتا ثبوت ہے!

آپ نے ہمیشہ اعلاء کلمۃ الحق کے لئے حکومت وقت سے ٹکر لی۔ کوئی بھی دینی تحریک چلی آپ اس کے سرخیل ثابت ہوئے ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت میں آپ نے نمایاں حصہ لیا۔ اس وقت کی حکومت نے اس پاداش میں آپ کو نہ صرف پابند سلاسل کیا بلکہ مزید "سزا" دینے کے لئے زندگی بھر کا اثاثہ جو کہ جامعہ رشیدیہ کی صورت میں تھا ضبط کرلیا لیکن جرأت و مردانگی کا یہ پیکر نہ مایوس ہوا اور نہ ہی حوصلہ ہارا بلکہ اس سے بھی زیادہ جگہ حاصل کرکے عظیم الشان جامعہ تعمیر کیا جو آج سب کے سامنے ہے اور حضرت مولانا کی زندگی بھر کی کوششوں و کاوشوں کا پیکر محسوس اور زندہ جاوید ثبوت ہے۔

یہ پاکستان کی بدقسمتی رہی ہے کہ قیام پاکستان سے لیکر اب تک حکومت وقت باطل قوتوں اور گمراہ قوتوں کا ساتھ دیتی رہی ہے یا ان کی کسی نہ کسی انداز میں سرپرستی کرتی رہی ہے خصوصاً انگریز کے خود ساختہ پودے "مرزائیت" کی ہر حکومت نے پذیرائی کی۔ یہ تو علماء حق کی کوششوں اور قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ ۱۹۷۴ء میں مرزائیوں کو پارلیمنٹ میں غیر مسلم

اقلیت قرار دیا گیا ــــــ چنانچہ ان کوششوں میں حضرت مولاناؒ کا نام سرفہرست رہا ہے۔ آپ کی حکیمانہ تدبیروں، آتش نوا تقریروں اور شعلہ بار تحریروں سے نہ صرف خرمنِ مرزائیت کو خاکستر کرنے میں مدد ملی بلکہ آپ کی کاوشوں کا یہ ثمرہ ہے کہ فرقۂ مرزائیہ کا بوجہ بجھکڑ سرزمینِ پاک سے دُم دبا کر بھاگنے اور لندن میں اپنے آباؤ اجداد کے زیر سایہ پناہ لینے پر مجبور ہو گیا جہاں اس نے جامعہ رشیدیہ اور اسکے متعلقین کے خلاف زہر اگلا اور بیانات دیئے۔

فرقۂ مرزائیہ کی سرکوبی آپ کے جسم و جاں اور رگ و ریشہ میں اسطرح رچ بس گئی تھی جیسے کہ

ع شاخِ گل میں جس طرح بادِ سحر گاہی کا نم

لیکن آپ کے بعد باطل کو للکارنے کا حوصلہ، دبدبہ و آہنگ، ہمت و جرأت کہاں سے لائیں گے؟

ع کون للکارے گا باطل کو ترے لہجے میں

اور پھر یہ اعزاز و افتخار بھی جامعہ رشیدیہ کو حاصل ہوا کہ اس کے دو سپوت شجر ختم نبوت کی آبیاری کرتے ہوئے خاک و خون میں نہا گئے اور حق ختم المرسلین ادا کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرما گئے۔

یہ رُتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

حضرت مولانا مرحوم کی اپنے اکابر اور مادرِ علمی سے محبت ضرب المثل تھی۔ دار العلوم دیوبند اور حضرۃ مولانا حسین احمد مدنیؒ کے نام پر جان نچھاور کرتے تھے۔ حضرت مدنیؒ کے خلف الرشید جب بھی پاکستان تشریف لائے تو ساہیوال بھی تشریف آوری ہوتی حضرتؒ خصوصی دعوت دیتے۔ جب بھی تشریف آوری ہوتی آپ ان کے لئے پنکھے جاتے اور مولانا اسعد مدنی کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کرتے چنانچہ جب گذشتہ سال حضرت مولانا اسعد مدنی تشریف لائے تو اپنے دوستوں کی طرف سے دار العلوم دیوبند کے لئے اس فقیر بے مایہ نے دس ہزار روپے کی خطیر رقم بطور چندہ پیش کی۔

دار العلوم دیوبند کے اہل حل و عقد بھی آپکے اس تعلق و محبت اور دانائی و حکمت پر پورا اعتماد کرتے۔ پاکستان میں جب بھی دار العلوم کے سلسلہ میں کوئی تنظیم قائم ہوئی تو آپ اس کے روح رواں ہوتے۔ "الرشید" کا دار العلوم نمبر نکلا تو دیوبند سے تعلق رکھنے والے اہل دل نے نہ صرف آپ کے اس بے مثال کام کو سراہا بلکہ حضرت قاری طیب صاحب نے آپ کی اس کوشش کو اس دور کا بہترین کارنامہ قرار دیا۔ دار العلوم کے صدسالہ اجلاس میں پاکستان کے نمائندہ کے طور پر آپ کو خطاب کی دعوت دینا یہ ارباب دار العلوم کا دار العلوم کے سلسلہ میں آپ کی خدمات کا اعتراف ہی تو ہے۔

آپ کی یہ تمنا ہمیشہ رہی کہ پاکستان میں دیوبند سے وابستہ تمام جماعتیں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں۔ مولانا مرحوم کے ولولہ انگیز خطاب آج بھی کانوں میں گونج رہے ہیں اور رہیں اپنے تشنہ تکمیل کاموں کو تکمیل پذیر کرنے کی دعوت دے رہے ہیں!

جس کی آوازوں سے لذت گیر اب تک گوش ہے ؎ وہ جرس کیا اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہے

مجاہدِ ختم نبوت ◎ پاسبانِ ملت
حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا سفر آخرت

از: حبیب عمران [illegible]

بروز ہفتہ ، ردسمبر ۸۵ء رات بعد نماز عشاء مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی رحمہ اللہ داعی اجل کو لبیک کہہ گئے ! اناللہ وانا الیہ راجعون۔ موت نے اس عظیم انسان کے لئے اپنا دامن پھیلا دیا جو اس دَور کا عظیم مجاہد، ہمدردِ ملت فصیح البیان خطیب، ادیب اور نہایت عظیم مسلمان تھا۔

آٹھ بجے شب رحلت کا اعلان ہوا۔ اعلان سنتے ہی تمام شہر نے اشکبار چہروں کے ساتھ مدرسہ میں جمع ہونا شروع کر دیا۔ جہاں لوگوں کی آنکھیں اشکبار تھیں وہاں لوگوں نے اپنے دلوں کے پرچم سرنگوں کر دیئے کہ وقت کا عظیم انسان رحمت خداوندی کی گود میں چلا گیا۔ مدرسہ کا ہر طالب علم اسطرح روتا ہوا دکھائی دیتا تھا گویا آج اس کا حقیقی باپ دنیا سے رحلت کر گیا ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورا مدرسہ غم کدہ بن گیا۔ تین گھنٹے تک مستورات قطار اندر قطار دیدار کرتی رہیں۔ رات گیارہ بجے میّت گھر سے مدرسہ کے دار القرآن میں اس جگہ لاکر رکھی گئی جہاں صرف چھ ماہ قبل حضرتؒ کے بڑے بھائی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد عبد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کا وصال ہوا تھا۔ یہاں لوگ اپنے عظیم محسن کا چہرہ دیکھنے کے لئے بیتاب کھڑے تھے! دار القرآن ہجوم سے بھر گیا۔ ہر طبقہ کے لوگ ابھی دیدار کر رہے تھے کہ فجر کی اذان ہو گئی۔ لوگ میت کے قریب سے گذرتے تو آنکھیں اشکبار ہو جاتیں۔ ایک طرف مدرسہ کا عملہ تصویر ماتم بنا کھڑا تھا کہ جیسے وہ آج جینا نہیں چاہتے دوسری طرف لوگ آنسوؤں کی مالائیں چڑھاتے گزر جاتے۔

حضرت مرحوم تاریخ برصغیر کے ان مسلمانوں میں سے تھے جنہوں نے انگریز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس ملک سے نکالا اور انگریز کے خودکاشتہ پودے مرزا غلام قادیانی کی ذریت کا مقابلہ کیا۔ مولانا مرحوم جابر حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق کہتے ہوئے کوئی باک محسوس نہ کرتے تھے۔ مدرسہ کے درو دیوار گواہ ہیں کہ کبھی ذاتی مفاد کی خاطر ملی مفادات کو تباہ نہ کیا۔

مولانا ولی محمد صاحب مدظلہٗ مولانا مطیع اللہ صاحب، مولانا عبید اللہ صاحب قاری رشد اللہ صاحب و دیگر لواحقین مجسمۂ غم بنے کھڑے تھے کہ ان کا محسن و مربی آج داغ مفارقت دے گیا۔ ۸ ردسمبر کی صبح نماز فجر کی صف بندی ہو رہی تھی کہ تمام نمازیوں کی نگاہیں بے اختیار محراب و منبر کی طرف اُٹھ گئیں جس پر بیٹھ کر تمام زندگی دشمن خدا، دشمن ختم نبوت کے خلاف اعلائے کلمۃ اللہ بلند کیا۔ منبر بھی زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ میرا باوفا رفیق مجھ سے بچھڑ گیا۔ بعد از فجر طلباءِ رشیدیہ اور آنیوالے تمام سوگوار

قرآن خوانی میں مشغول ہو گئے۔

میّت کو جب غسل کے لئے لایا گیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ بستر بھی کھدر کا اور جسم پر لباس بھی کھدر کا پہن رکھا ہے۔ خدا کے دین کا سپاہی مزے کی نیند سو رہا ہے جیسے اس دنیا میں کوئی غم ہی نہ دیکھا ہو۔

مولانا کفایت اللہ صاحب (خادم خاص حضرت شیخ الحدیثؒ) مدرس جامعہ ہذا کی سربراہی میں مولانا فضل احمد صاحب مولانا رشید احمد صاحب رشیدی، حضرت مفتی فقیر اللہ صاحبؒ کے خادم خاص بابا محمد یوسف صاحب حضرت ناظم صاحبؒ مرحوم کے خادم حافظ محمد رمضان جلال اور دیگر مدرسین و عملہ کے علاوہ بہت سے سوگواران کو غسل دینے کی سعادت نصیب ہوئی!

جب کفن پہنایا گیا تو لوگوں نے مشک و عنبر چھڑکنے شروع کر دیئے۔ اس کے بعد چارپائی اٹھا کر حضرتؒ کے والدین کے گھر لائی گئی اور بعد میں شہید فی سبیل اللہ حضرت قاری لطف اللہ مرحوم کے گھر جنازہ رکھ دیا گیا جہاں پر اہل محلہ اور گرد و نواح سے آئی ہوئی مستورات ظہر تک میت کا دیدار کرتی رہیں۔

بعد ظہر میّت کو پھر مدرسہ لایا گیا تو ہزاروں علماء و فضلاء رشیدیہ، شہریان ساہیوال اور حضرت کے سینکڑوں شاگرد، دوست احباب آخری دیدار کے لئے بیقرار کھڑے تھے۔ عصر کے وقت مدرسہ میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی اس دوران عجیب و غریب منظر دیکھنے میں آئے۔ لوگ بلک بلک کر رو رہے تھے کہ ہم آج یتیم ہو گئے!!!

نماز جنازہ حضرت مولانا ولی محمد صاحب فاضل دیوبند و مہتمم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ جو حضرتؒ کے بہنوئی اور ہمارے خاندانِ رشیدی کے سربراہ ہیں نے پڑھائی۔ ساہیوال کی تاریخ میں شہدائے ختم نبوت کے جنازوں کے بعد اتنا بڑا جنازہ کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ ہر مکتبہ فکر کے لوگ جنازہ میں شریک ہوئے۔ مجوزیہ ہائی سکول گراؤنڈ میں تاحد نگاہ سر ہی سر نظر آ رہے تھے۔

جنازہ کے بعد حضرتؒ کی میّت کو پہلا کندھا مدرسہ کے اساتذہ اور طلبہ نے دیا پھر آہستہ آہستہ قبرستان کی طرف چلے تو سینکڑوں شاگرد اور ہزاروں عقیدت مند کندھا دینے کی سعادت حاصل کرنے لگے اور اسطرح میت پیر بخاری قبرستان میں پہنچ گئی۔ جنازہ قبرستان پہنچا تو ہزاروں علماء طلباء اور اکابر مشائخ کی موجودگی اور دعائیں شامل حال تھیں۔ میت لحد کے قریب لائی گئی اور جب لحد میں اتاری جا رہی تھی تو ہر چہرہ اشکبار تھا

انبیاء علیہم السلام قبل از نبوت بھی معصوم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف اپنے بلکہ غیر مسلم بھی اس کی شہادت دیتے ہیں، جو تاریخ کا انصاف سے غور کرتے ہیں اور نبوتوں کی زندگی سے منجملہ کچھ واقفیت رکھتے ہیں انہوں نے شہادتیں دی ہیں کہ دنیا میں ایسا کامل اور مکمل انسان جس کی زندگی پر حرف رکھنے کی گنجائش نہ ہو وہ صرف اور صرف جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے

(از حکیم الاسلام مدظلہ)

دیوبند ٹائمز نے لکھا

حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی کی وفات

دیوبند کا ایک سپوت اٹھ گیا

دیوبند کا ایک عظیم سپوت، بزرگوں کی یادگار، ہمہ تن عمل، ہمہ تن مجاہد ملت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی مہتمم جامعہ رشیدیہ وایڈیٹر "الرشید" پاکستان وفات پاگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ۔

اس دُنیا میں جو بھی آیا ہے اسکو جانا ضرور ہے مگر ایسے شخص کی جُدائی سخت المناک ہوتی ہے جس کی وجہ سے ایک دنیا فیض حاصل کرتی ہے اور جو اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے زندہ رہتا ہے!

حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی انہی بزرگوں میں سے تھے جنہوں نے مدت العمر حق و صداقت اور بیباکی کی راہ سے سرمو انحراف نہ کیا۔ وہ کلمہ حق عند سلطان الجائر کے صحیح مصداق بنے رہے اور اسلام کے لئے کسی بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں اور مالی و جسمانی تکلیفیں بھی اٹھائیں مگر صراط مستقیم سے نہ ہٹے اور امام احمد بن حنبلؒ کی طرح استقامت کا ثبوت پیش کیا اور اکابرین دیوبند کی سنت کو زندہ رکھا ان کی پوری زندگی جہد عمل، اعلاء کلمۃ الحق اور خدمت تعلیم و تعلم سے بھری ہوئی ہے۔ وہ علمائے دیوبند کے سچے جانشین اور دیوبند کے حقیقی ترجمان تھے اور ان کے اٹھ جانے سے دیوبند نے اپنا ایک عظیم سپوت کھو دیا ہے۔

انہوں نے ظاہری و باطنی فیض سے ہزارہا انسانوں کے دلوں کو منور کیا ہے، ان کی زندگی مشعل راہ ہے!

وہ دشمنان اسلام کے لئے شمشیر برہنہ تھے۔ فتنۂ مرزائیت ہو یا اہل بدعت کی ریشہ دانیاں، حکومت کی غلط پالیسیاں ہوں یا مسلمانوں کی بے راہ رویاں ہر برائی کے خلاف نبرد آزما ہونا ان کا فطری ذوق تھا۔ انہوں نے دیوبند کا نام روشن کیا اور اس کا حق ادا کیا۔ مرحوم نے "الرشید" کا دارالعلوم نمبر شائع کر کے دارالعلوم کی تاریخ مرتب کی ہے وہ ایک دستاویز اور انکی یادگار ہے۔ آج تک کسی اخبار یا رسالہ کا ایسا خصوصی شمارہ نہیں آیا ہے۔ مولانا اجلاس صد سالہ میں دیوبند تشریف لائے تھے ان کی مجاہدانہ تقریر آج تک کانوں میں گونج رہی ہے اور ان سے ملاقات کے لمحات یاد آرہے ہیں ۱۹۸۳ء میں نواسۂ شیخ الہند حضرت مولانا محمد عثمان صاحبؒ کی معیت میں پاکستان حاضری کا موقع ملا تو مولانا فاضل کو ہم لوگوں کی آمد کا حال معلوم ہوا۔ وہ لاہور بوجہ سخت علالت تشریف نہ لاسکے انہوں نے مولانا شریف احمد کو لاہور بھیج کر ہمیں ساہیوال کی دعوت دی۔ مگر افسوس کہ تنگئ وقت کے باعث ہم لوگ ساہیوال حاضر نہ ہو سکے۔ اس مجاہد حق کے لئے جس قدر غم ہو وہ کم ہے۔ یہ صدمہ تنہا ان کے پسماندگان کا ہی نہیں بلکہ تمام اہل اسلام خصوصاً دارالعلوم کے لئے شدید غم و الم کا باعث ہے دعا ہے اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے پس ماندگان بیوہ، بھانجے، بھتیجے اور بھائیوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ ادارہ دیوبند ٹائمز ان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

سوگوار: اعجاز احمد قاسمی

بینات نے لکھا

مولانا حافظ حبیب اللہ فاضل رشیدی

۲۳-۲۴ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ ــ ۷/۸ دسمبر ۱۹۸۵ء ہفتہ و اتوار کی درمیانی شب کو قریباً ۸ بجے جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے صدر مہتمم حضرت مولانا الحاج الحافظ حبیب اللہ فاضل رشیدی قریباً ۵۰ سال کی عمر میں رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مرحوم کی بعض خوبیاں لائق رشک تھیں۔ وہ میدانِ خطابت کے شہسوار تھے مجاہدانہ عزیمت اور آہنی عزم کے مالک تھے، عقیدۂ ختم نبوت کے لیے جاں بازی و جانثاری کا جذبہ ان کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھا۔ وہ ہر تحریک، جو احیائے دین کے لیے اٹھی اس کے ہراول دستہ میں شامل رہے۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں انہیں اور ان کے برادرِ اکبر حضرۃ الاستاذ مولانا محمد عبد اللہ رائپوری کو نہ صرف پابندِ سلاسل کیا گیا بلکہ مرحوم کے قائم کردہ ادارہ جامعہ رشیدیہ کی املاک تک ضبط کر لی گئیں۔ جو آج تک واپس نہ ہوئیں۔ اسی طرح تحریک ۱۹۷۴ء اور تحریک نظام مصطفیٰ ۱۹۷۷ء میں بھی ان کو قید و بند کی آزمائشوں سے گذرنا پڑا، ان کی تقریروں پر مقدمات، سزائیں اور زبان بندی تو ان کا گویا لازمۂ حیات بن گئی تھی۔ وہ اپنے خطبات جمعہ میں بڑے جوش اور مجاہدانہ شوکت و صولت کے ساتھ اس آیتِ کریمہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے:

انفروا خفافاً وثقالاً وجاهدوا	نکلو ہلکے اور بوجھل اور لڑو اپنے مال سے
باموالکم وانفسکم فی سبیل	اور جان سے اللہ کی راہ میں۔
اللہ۔ (الآیۃ، توبہ)	(ترجمہ حضرت شیخ الہند)

ان کی زبان سے اس آیت کریمہ کی تلاوت سنتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آیت کریمہ کی دعوت ان کا حال بن چکی ہے ـــــ جہاں باطل کے مقابلہ میں فولاد سے زیادہ سخت تھے، خاموشی و کم گوئی ان کا خاص وصف تھا۔ مزاج میں تواضع ہی نہیں بلکہ مسکنت پائی جاتی تھی، زندگی نہایت سادہ بلکہ فقیرانہ و قلندرانہ تھی۔ بیچ دھج سے کوسوں دور و نفور تھے۔ اکابر کے سامنے ایسے خاموش بیٹھنے کے عادی تھے گویا انہیں بولنا ہی نہیں آتا۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے شاگرد بھی تھے اور مُرید بھی۔ اسی "حسینی نسبت" کا اثر تھا کہ انہیں مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند سے والہانہ عشق اور تاثرِ اکابر کے احیا سے خاص شغف تھا۔ ماہنامہ "الرشید" کے (جو ان کی ادارت میں نکلتا تھا) "دارالعلوم دیوبند نمبر"، "مدنی و اقبال نمبر"، "تاریخ دارالعلوم نمبر" اور "فیضانِ دارالعلوم نمبر" ان کے اسی شغف کے مظہر ہیں۔ حق یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی اس پہلو سے جتنی خدمت ان کے ادارے نے کی ہے، پاکستان میں اور کسی نے نہیں کی۔

پاکستان میں تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند کے وہی علمبردار تھے۔ جمعیت علمائے اسلام کے صفِ اوّل کے قائدین میں سے تھے، وفاق المدارس العربیہ کے رکنِ رکین تھے۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کی مرکزی مجلسِ شوریٰ کے ایک عرصہ تک رکن رہے ــــــ اہلِ حق کی تمام تنظیموں اور جماعتوں سے انہیں تعلقِ خاطر تھا۔ وہ سب کو اپنا سمجھتے تھے۔ سب سے محبت و یگانگت تھی۔ انہیں بَیر تھا تو صرف قادیانیوں سے اور دیگر ملاحدہ سے ــــــــــــــ

حق تعالیٰ شانہٗ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، اور تمام لغزشوں کو معاف فرما کر رحمت و رضوان کے درجاتِ عالیہ نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین ۔

بقیہ: مولانا محمد عبداللہ رائپوریؒ

ہے۔ اپنے علم و فہم اور وسعتِ معلومات کے مقابلہ میں اکابر کے علم و فہم کو ہیچ سمجھا جاتا ہے، اور جو مسائل اکابر کے زمانے میں طے کر دیئے گئے تھے ان پر از سرِ نو طبع آزمائی کی ضرورت سمجھی جاتی ہے، اسی اعجاب بالرائے کے نتیجے میں امت نئے نئے فتنوں اور نئے نئے نظریات کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔ حضرت الاستاذؒ اکابر کے مقابلے میں "جدید تحقیقات" کو خطرۂ ایمان تصور فرماتے تھے، اور تمام امور میں سلف صالحین اور اکابرِ امت کی اتباع و تقلید کو سلامتی کا راستہ سمجھتے تھے۔ حق تعالیٰ شانہ حضرت الاستاذؒ کو رحمت و رضوان کے درجاتِ عالیہ نصیب فرمائیں۔

اللھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ۔ وابدلہ دارا خیرا من دارہ واھلاً خیرا من اھلہ۔ اللھم لا تحرمنا اجرہٗ ولا تفتنا بعدہٗ ــــــ

مولانا محمد یوسف لدھیانوی

حضرت الاستاذ
شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ رائے پوری قدس سرہٗ

۲۹ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۶ جون ۱۹۸۵ء یکشنبہ کا آفتاب غروب ہونے کے ساتھ ہی علم و عمل، زہد و تقویٰ، ورع و احتیاط اور بے نفسی و تواضع کا آفتاب بھی غروب ہوا، یعنی جامعہ رشیدیہ ساہی وال کے شیخ الحدیث سیدی و سندی و استاذی حضرت اقدس مولانا محمد عبداللہ رائے پوری واصل بحق ہوئے ـــــ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس ناکارہ کو جو تعلق حضرت الاستاذ (نور اللہ مرقدہٗ) سے تھا۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ حضرت کی وفات کی خبر سنتے ہی ماہنامہ بینات میں قلم کے دو چار آنسو بہا کر اپنے نیازمندانہ تلمذ کا حق ادا کرتا، لیکن قضا و قدر کے فیصلوں کے آگے انسانی تدبیر سپر انداز ہے۔ رمضان مبارک کے بعد مسلسل عوارض پیش آتے گئے، اور پھر اسفار کا طویل سلسلہ شروع ہوا اس دوران قلم و قرطاس سے ایسی ناآشنائی رہی کہ کسی کو لیلیٰ سے خط لکھنے کا موقع بھی میسر نہ آسکا۔

حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہ سے اس ناکارہ کا پہلا تعارف شوال ۱۳۶۸ھ میں اس وقت ہوا۔ جب میں حضرت مولانا قاری لطف اللہ شہیدؒ سے تلمذ کے شوق میں مدرسہ قاسم العلوم فقیروالی ضلع بہاولنگر پہنچا ـــــ اس کی تقریب یہ ہوئی کہ حضرت قاری صاحب مرحوم تقسیم سے قبل ایک سال مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے مدرسہ انوریہ شاہی مسجد کھیٹی باغ لدھیانہ میں مدرس رہے تھے۔ اور وہاں اس ناکارہ کو ان سے ابتدائی عربی (نحو میر، شرح مأتہ عامل) پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی مگر طرز تفہیم

... کشش تھی کہ میں ان کا گرویدہ ہو کر رہ گیا۔ قیام پاکستان کے بعد میں ان کا متلاشی رہا۔ پہلی بار غالباً رمضان ... میں پتہ چلا کہ وہ مدرسہ قاسم العلوم فقیروالی میں مدرس ہیں وہاں جا کر معلوم ہوا کہ بڑے مولاناؒ حضرت قاری صاحب کے برادر اکبر حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب ہیں۔ اسباق تقسیم ہوئے تو ترجمہ قرآن کریم و مختصر المعانی کے اسباق بڑے مولاناؒ کے پاس گئے۔ ہدایہ اولین میرے محبوب استاذ حضرت قاری صاحب مرحوم کے پاس اور نورالانوار حضرت مولانا مفتی عبداللطیف صاحب مدظلہ العالی کے پاس گئی۔

حضرت الاستاذ نوراللہ مرقدہ واقعۃً استاذ تھے۔ اور تدریس کا حق ادا فرماتے تھے، ترجمہ قرآن، مختصر معانی، شرح جامی اور مشکوٰۃ شریف میں ان کا خاص شہرہ تھا۔ اسی سال مدرسہ کے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری (قدس سرہٗ) تشریف لائے، تو ہم لوگ ان کی خدمت پر مامور ہوئے، حضرت امیر شریعتؒ نے ازراہِ تلطف اسباق دریافت فرمائے تو عرض کیا گیا کہ ترجمہ قرآن کریم اور مختصر معانی حضرت مولانا عبداللہ صاحب کے پاس ہیں۔ شاہ جیؒ نے فرمایا:

”خدا کا شکر کرو کہ تم ترجمہ قرآن مولانا عبداللہ سے پڑھتے ہو“

حضرت کے کمالات کا اندازہ ہم ایسے نوآموز طلبہ کو کیا ہو سکتا تھا، ہم تو بس ان کے لطف و کرم، ان کی شفقت و محبت اور ان کے انداز تدریس پر فریفتہ تھے، لیکن ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس کی وجہ سے حضرت الاستاذ کی عظمت کا نقش میرے دل پر قائم ہوا۔ اور ان شاء اللہ ہمیشہ رہے گا۔ ہوا یہ کہ حضرت مولاناؒ اور ہمارے مدرسہ کے مہتمم حضرت مولانا فضل محمد صاحب مرحوم کے درمیان کچھ رنجش ہو گئی جس سے باہمی تعلقات ناخوشگوار ہو گئے۔ اس ناکارہ کو تو اپنی نوعمری کی وجہ سے اس کا علم بھی نہیں تھا۔ لیکن ایک دن ایسا ہوا کہ میں حضرت مہتمم صاحب رحمہ اللہ کے کمرہ کے سامنے سے گذر رہا تھا، موصوف نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے حاضرین سے فرمایا کہ ”یہ بھی انہی (حضرت مولاناؒ) کی پارٹی کا ہے“ (چونکہ اس ناکارہ کو حضرت الاستاذ سے بہت ہی اخلاص تھا اس لیے حضرت مہتمم صاحب کا یہ کہنا اپنی جگہ بالکل صحیح تھا۔ مگر اس ناکارہ کو نہ ان اکابر کی رنجش کا علم تھا۔ نہ حضرت الاستاذؒ نے اپنی مجلس میں کبھی اس کا تذکرہ فرمایا تھا) اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں مجھے حضرت مہتمم صاحب کے اس فقرہ پر بہت غصہ آیا۔ اور میں نے اپنے کمرہ میں آکر ان کی خدمت میں بہت ہی لمبا خط لکھا۔ اب یاد نہیں کہ اس میں کیا اناپ شناپ لکھا ہوگا۔ مگر خلاصۂ مضمون یہ تھا کہ بڑوں کی لڑائی میں چھوٹوں کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں، اس لیے آپ کا یہ سمجھنا کہ میں حضرت الاستاذ کی پارٹی میں ہوں اور آپ کا مخالف ہوں قطعاً

غلط فہمی ہے۔ میرے نزدیک اس رنجش کے باوجود آپ حضرات دونوں قابل احترام ہیں اور میرے دل میں واقعۃً دونوں کا یکساں احترام ہے۔ مگر چونکہ میں حضرت مولانا کا شاگرد ہوں اس لیے تعلق خود بخود آپ سے زیادہ تعلق ہے اور ان کی خدمت میں حاضری بھی زیادہ ہوتی ہے ____

حق تعالیٰ شانہٗ حضرت مہتمم صاحب کے بہت ہی درجات بلند فرمائیں۔ اور ناکارہ کو کچھ نیک توفیق عطا فرمائیں۔ حضرت مہتمم صاحب یہ خط پڑھ کر بہت ہی خوش ہوئے ____ اور یاد پڑتا ہے کہ مجھے بطور انعام بھی دیا۔ لیکن دن اس ناکارہ نے تنہائی میں حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہ سے عرض کیا کہ آپ کی اور حضرت مہتمم صاحب کی رنجش ہے۔ اور اس سے ہم خوردوں کے لیے بڑی مشکل پڑتی ہے۔ اگر ایک کے پاس جاتے ہیں تو دوسرے کے دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ یہ ان کا ہے۔ ہمارا نہیں ہے۔ حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہ میری اس بات کو سن کر خاموش رہے۔ کچھ نہیں فرمایا۔ لیکن اگلے ہی دن حضرت مہتمم صاحب سے صلح صفائی کر لی۔ یہ ناکارہ حضرت الاستاذ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک صاحب نے کہا کیا مہتمم صاحب سے آپ کی صلح ہو گئی ہے؟ اس کے جواب میں فرمایا:

> "جب دو شخصوں کے درمیان رنجش ہوتی ہے تو ہر فریق یہ سمجھتا ہے کہ میں حق پر ہوں اور دوسرا فریق قصوروار ہے۔ میں نے سوچا کیوں نہ میں خود ہی کو قصوروار سمجھ کر مہتمم صاحب سے معذرت کر لوں"

ترمذی شریف کی یہ حدیث تو ہم نے بہت پہلے میں پڑھی تھی کہ جو شخص حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے اس کے لیے جنت کے وسط میں گھر بنایا جاتا ہے۔ اور جو شخص ناحق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے اس کے لیے جنت کے اطراف میں گھر بنایا جاتا ہے[1]۔ لیکن اس حدیث کا عملی نمونہ پہلی بار حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہ کے یہاں دیکھنے کا موقع ملا۔

نصیر والی میں کسی صاحب کے پاس قادیانیوں کا پرچہ "الفضل" آتا تھا۔ اب یاد نہیں کہ وہ پرچہ میرے ہاتھ کیسے لگ گیا۔ اس میں قادیانیوں کے اس عقیدے پر کہ "نبوت اب بھی جاری ہے" قرآن کریم کی آیت "یا بنی آدم اما یاتینکم رسل منکم" الآیۃ سے استدلال کیا گیا تھا۔ میں اسے پڑھ کر بہت پریشان تھا، وہ پرچہ لے کر حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے سن کر فرمایا کہ یہ قادیانیوں کا مشہور استدلال ہے۔ اور پھر روح المعانی سے نکال کر دکھایا کہ یہ میثاق عالم ارواح میں یا

(۱) ترمذی ... [illegible]

گیا تھا مناسب ہوگا کہ یہاں حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے فوائد کی عبارت نقل کردی جائے وہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"ابن جریر نے ابو یسار سلمی سے نقل کیا ہے کہ یہ خطاب یا بنی آدم اما یأتینکم الخ کل اولاد آدم کو عالم ارواح میں ہوا تھا۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے قلنا اھبطوا منھا جمیعاً فاما یأتینکم منی ھدی الخ اور بعض محققین کے نزدیک جو خطاب ہر زمانہ میں ہر قوم کو ہوتا رہا۔ یہ اس کی حکایت ہے۔ میرے نزدیک دو رکوع پہلے سے جو مضمون چلا آرہا ہے اس کی ترتیب و تنسیق خود ظاہر کرتی ہے کہ جب آدم و حوا اپنے اصلی مسکن (جنت) جہاں ان کو آزادی و فراخی کے ساتھ بلا روک ٹوک زندگی بسر کرنے کا حکم دیا جا چکا تھا۔ عارضی طور پر محروم کر دیئے گئے تو ان کی مخلصانہ توبہ و انابت پر نظر کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوا کہ اس حرمان کی تلافی اور تمام اولاد آدم کو اپنی آبائی میراث واپس دلانے کے لیے کچھ ہدایات کی جائیں۔ چنانچہ ہبوط آدم کا تذکرہ ختم کرنے کے بعد معاً یا بنی آدم قد انزلنا علیکم لباساً الخ سے خطاب شروع فرما کر تین چار رکوع تک ان ہی ہدایات کا مسلسل بیان ہوا ہے۔ ان آیات میں اولاد آدم کو گویا بیک وقت موجود تسلیم کر کے عام خطاب کیا گیا ہے کہ جنت سے نکلنے کے بعد ہم نے بہشتی لباس و طعام کی جگہ تمہارے لیے زمینی لباس و طعام کی تدبیر فرما دی۔ گو جنت کی خوشحالی اور بے فکری یہاں میسر نہیں تاہم ہر قسم کی راحت و آسائش کے سامان سے منتفع ہونے کا تم کو موقع دیا تاکہ تم یہاں رہ کر اطمینان سے اپنا مسکن اصلی اور آبائی ترکہ واپس لینے کی تدبیر کر سکو۔ چاہیئے کہ شیطان لعین کے مکر و فریب سے ہوشیار رہو کہیں ہمیشہ کے لیے تم کو اس میراث سے محروم نہ کر دے۔ بے حیائی اور اثم و عدوان سے بچو۔ اخلاص و عبودیت کا راستہ اختیار کرو خدا کی نعمتوں سے تمتع کرو مگر جو حدود و قیود مالک حقیقی نے عائد کر دی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔ پھر دیکھو ہر قوم اپنی مدت موعودہ پوری کر کے کس طرح اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاتی ہے۔ اس اثنا میں اگر خدا کسی وقت تم ہی میں سے

(حاشیہ صفحہ بقیہ) عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ترک الکذب وھو باطل بنی لہ فی ربض الجنۃ ومن ترک المراء وھو محق بنی لہ فی وسطھا (الحدیث)

قال الترمذی ھذا حدیث حسن لا نعرفہ الا من حدیث سلمۃ بن وردان عن انس۔

(جامع ترمذی ابواب البر والصلۃ، باب ما جاء فی المراء ص ۲۰ ج ۲)

اپنے پیغمبر مبعوث فرمائے جو خدا کی آیات پڑھ کر سنائیں جن سے تم کو اپنے باپ کی اصل میراث (جنت) حاصل کرنے کی ترغیب و تذکیر ہو اور مالک حقیقی کی خوشنودی کی راہیں معلوم ہوں۔ ان کی پیروی اور مدد کرو خدا سے ڈر کر برے کاموں کو چھوڑ دو اور اعمال صالحہ اختیار کرو تو پھر تمہارا مستقبل بے خوف و خطر ہے تم ایسے مقام پر پہنچ جاؤ گے جہاں سکھ اور امن و اطمینان کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں ہاں اگر ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور تکبر کر کے ان پر عمل کرنے سے کترائے تو مسکن اصلی اور آبائی میراث سے دائمی محرومی اور ابدی عذاب و ہلاکت کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ بہرحال جو لوگ اس آیت سے ختم نبوت کی نصوص قطعیہ کے خلاف قیامت تک کے لیے انبیاء و رسل کی آمد کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں ان کے لیے اس جگہ کوئی موقع اپنی مطلب برآری کا نہیں ہے۔" (حاشیہ ترجمہ حضرت شیخ الہند ص ۲۰۰)

نقیر والی کے ایک سالہ قیام کے بعض اور واقعات بھی ابھی تک لوح حافظہ پر ثبت ہیں، لیکن مضمون کی طوالت کے اندیشہ سے ان کو قلم زد کرتا ہوں۔

افسوس ہے کہ حضرت الاستاذ سے تلمذ کا سلسلہ ایک سال سے زیادہ نہ رہ سکا، آئندہ سال یہ حضرات جامعہ رشیدیہ تشریف لے گئے، اور یہ ناکارہ بعض رفقاء درس کی عنایت سے وہاں نہ جا سکا۔ بلکہ مادر علمی خیر المدارس ملتان چلا گیا۔ خیر المدارس کے چار سالہ زمانۂ طالب علمی کے دوران حضرت الاستاذ کی تشریف آوری یہاں کثرت سے ہوتی رہی، اور ہر بار کی زیارت میں ان سے محبت و عقیدت میں اضافہ ہوتا رہا۔ خیر المدارس میں میرا دورۂ حدیث کا سال تھا۔ حضرت الاستاذ ملتان تشریف لائے۔ کسی دوست سے ملاقات کے لیے چوک شہیداں تشریف لے گئے۔ یہ ناکارہ بھی ساتھ تھا۔ راستہ میں مجھ سے فرمایا۔ آئندہ کا کیا ارادہ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ابھی تو کوئی بات ذہن میں نہیں۔ فرمایا مولوی فاضل کر کے کسی اسکول میں ملازمت کر لی جائے، اور یہ نیت کر لی جائے کہ اگر میں اس جگہ کو پُر نہیں کروں گا تو ہو سکتا ہے کہ کوئی ملحد، بے دین، قادیانی اور رافضی اس کو پُر کرے، اُمت کو ایسے لوگوں کے فتنہ سے بچانے کی نیت سے اسکول کی ملازمت کرنا بھی ایک دینی خدمت اور کار ثواب ہے ——— حضرت کی اس گفتگو پر مجھے بہت ہی حیرت ہوئی، کیونکہ میں انہی سے کئی بار نو آموز اہل علم کی شکایت سن چکا تھا کہ لوگ آٹھ دس سال دینی مدارس میں پڑھتے ہیں، پھر مولوی فاضل کر کے سکولوں میں چلے جاتے ہیں اور جو کچھ پڑھا پڑھایا تھا سب غارت کر دیتے ہیں۔ حضرت الاستاذ کی اس بار بار کی تلقین سے مجھے اس لائن سے ایسی نفرت ہو گئی تھی کہ اس

کا امتحان دینا بھی گوارا نہیں تھا۔ مجھے تعجب ہوا کہ حضرت جس چیز کی بڑی شدومد سے مخالفت فرمایا کرتے ہیں آج خود ہی اس کی ترغیب دے رہے ہیں، میں ادباً خاموش رہا۔ صرف اتنا عرض کیا کہ سکول کی ملازمت کا تو خیال نہیں ـــــ مولوی فاضل کے سلسلہ کا ایک لطیفہ یاد آیا۔ دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد ہم خیر المدارس میں تکمیل کے درجہ میں تھے۔ میرے دو تین رفقاء نے اسی سال "مولوی فاضل" کے امتحان کی تیاری شروع کر دی۔ اور وہ بلطائف الحیل مجھے بھی اس کی ترغیب دلاتے اور میں کوئی نہ کوئی عذر کر دیتا۔ ایک دن جب انھوں نے بہت زیادہ اصرار کیا تو میں نے پھر عذر کرتے ہوئے کہا کہ بھائی میں فقیر آدمی ہوں، میرے پاس داخلہ فیس کی رقم کہاں سے آئے گی؟ ان میں سے ایک دوست بولے کہ اگر آپ پر آمادہ ہوں تو آپ کی فیس داخلہ میرے ذمہ رہی۔ میں نے کہا، واقعی آپ فیس ادا کریں گے؟ انھوں نے بڑے وثوق سے اطمینان دلایا کہ تم تیار ہو تو فیس میرے ذمہ ـــــ میں نے کہا اگر یہ بات ہے تو اب اصل عذر عرض کیے دیتا ہوں۔ اگر یونیورسٹی کی طرف سے مجھے یہ خط آئے کہ تم "مولوی فاضل" کے امتحان میں آکر بیٹھ جاؤ۔ اور ایک حرف لکھے بغیر خالی کاغذ چھوڑ کر چلے جاؤ، ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ تمہیں سب سے اول درجہ میں کامیاب قرار دیا جائے گا تب بھی میں "مولوی فاضل" کی امتحان گاہ میں قدم رکھنے پر آمادہ نہیں ہوں گا، کیونکہ میں اس امتحان گاہ میں جانے کو اہل علم کی توہین سمجھتا ہوں۔ یہ سن کر تمام رفقاء خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد انھوں نے مجھے ترغیب دینے کا خیال ترک کر دیا ـــــ "مولوی فاضل" سے یہ انتہا پسندانہ نفرت حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہ کی تعلیم و تلقین کا فیض تھا اسی کا نتیجہ ہے کہ اس ناکارہ کے بہت سے عزیز "مولوی فاضل" کے بعد دنیا نے کیا سے کیا ہو گئے۔ مگر یہ ناکارہ کورے کا کورا ہی رہا ـــــ حق تعالیٰ شانہ حضرت الاستاذ کو بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے کہ "مولوی فاضل" کے بارے میں اس ناکارہ کا فکری ذہن آج تک تو بدلا نہیں، اور شاید مرتے دم تک نہ بدلے۔

روح پدر شاد کہ بگفت با استاد
فرزند مرا عشق بیاموز دگر ہیچ

شوال ۱۳۸۸ھ سے شعبان ۱۳۹۰ھ تک راقم الحروف کو حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہ کے زیر سایہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں تدریسی خدمات کا موقع میسر آیا۔ ان دنوں کلاس کی فضا اور اس کا ماحول حضرت

الاستاذؒ کی برکت سے ایک خاص امتیاز رکھتا تھا۔ ایک دو کے سوا باقی تمام اساتذہ حضرتؒ کے شاگرد تھے۔ سبھی اساتذہ حافظ قرآن تھے۔ باہمی الفت و محبت اور یگانگت کے اعتبار سے یکجان و چند قالب یا حدیث شریف کے الفاظ میں "علیٰ قلب رجل واحد" تھے۔ مدرسہ میں حضرت الاستاذؒ تنہا مولانا کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ لیکن حضرتؒ کی کسی ادا سے مترشح نہیں ہوتا تھا کہ وہ مجھ سے مولانا ہیں۔ اس ناکارہ کا تاثر جب بھی تھا اور اب بھی ہے کہ حضرتؒ کو شفقت و عنایت کا سب سے زیادہ تعلق اس ناکارہ سے تھا، ہمارے دوسرے رفقاء میں سے ہر ایک کا تاثر بھی یقیناً یہی ہوگا۔ یاد نہیں کہ اس پورے ہفت سالہ دور میں کبھی کشاکشی کی نوبت آئی ہو۔ اساتذہ کے درمیان باہمی الفت و محبت کی یہ فضا حضرت الاستاذؒ کے انفاس طیبہ اور توجہات عالیہ کا کرشمہ تھی۔ اور اس کی شاہ کلید حضرتؒ کی تواضع کے ساتھ بے پناہ شفقت تھی۔ اس ماحول کو اب آنکھیں ترسا کرتی ہیں۔ مگر توقع نہیں کہ یہ رنگ پھر دیکھنا نصیب ہو۔

دار بها کنا وکنت نحبها
اذ الناس ناس والزمان زمان

ورع و احتیاط حضرت الاستاذ قدس سرہٗ کا ایسا امتیازی وصف تھا جو دور جدید میں کمیاب بلکہ نایاب ہے (الا ماشاء اللہ) یہ ناکارہ ایسی چھوٹی چھوٹی جزئیات میں بھی حضرتؒ کے شیوۂ احتیاط کا مشاہدہ کرتا تھا جن کی طرف عموماً التفات ہی نہیں ہوتا، یہاں بے ساختہ اس سلسلہ کی چند باتیں یاد آگئیں۔

۱ —— انہیں اپنے اکابر سے والہانہ عشق تھا۔ ان کے حافظہ میں اکابر کے بے شمار حالات و واقعات محفوظ تھے۔ اور ان کی ہر مجلس ان واقعات کے تذکرہ سے معمور ہوتی تھی۔ لیکن جب درخواست کی جاتی کہ ان کو قلمبند کرا دیجئے تو یہ کہہ کر عذر کر دیتے کہ "مبادا حافظہ خطا کر جائے اور کوئی بات خلاف واقعہ نقل ہو جائے۔ اس لیے قلمبند کرنے کی اجازت نہیں۔"

۲ —— ایک بار حافظ ابوبکر ابن العربی کا رسالہ "العواصم من القواصم" کا نیا نسخہ چھپ کر آیا تو راقم الحروف نے حضرت الاستاذ کی مجلس میں اسے پڑھ کر سنانا شروع کیا۔ شروع کے مواضع کو تو بہت پسند فرمایا لیکن جب بات حسینؓ و یزید تک پہنچی تو مسکراتے ہوئے فرمایا: یہ ابن تیمیہ کا لہجہ ہے۔ آگے

مت پڑھو" یہ کہہ کر کتاب بند کرادی۔ بظاہر یہ ایک معمولی بات تھی جس کی طرف ممکن ہے کسی کو التفات بھی نہ ہوا ہو۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس واقعہ میں حضرت الاستاذؒ کی شدت ورع کارفرما تھی۔ حافظ ابو بکر ابن العربی جیسا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ نے تصریح کی ہے۔ ناصبیت کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ اس لیے حضرتؒ کو نہ ایسی تحریر کا سننا گوارا ہوا جو کہ اہل سنت کے مسلک سے ہٹی ہوئی ہو۔ اور نہ حافظ ابو بکر ابن العربی کے اس "علمی شذوذ" اور "زلت" پر کوئی تبصرہ پسند فرمایا۔ بلکہ ان کی شدت ورع واحتیاط کا فتویٰ یہ تھا کہ اس "مزلۃ الاقدام" میں گھسنے ہی سے پرہیز کیا جائے تاکہ اس پر بحث وتمحیص کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ عام طور سے ہوتا یہ ہے کہ ایسے "علمی شذوذ" پر باقاعدہ اکھاڑا جمتا ہے، کوئی مصنف کی طرفداری کرتے ہوئے جمہور اہل سنت کے مسلک پر نکتہ چینی کرتا ہے۔ اور کوئی مصنف کے خلاف زبان طعن دراز کرتا ہے۔ لیکن حضرت الاستاذؒ ایسے "اقوال شاذہ" کو لائق التفات ہی نہیں سمجھتے تھے۔ اور ان سے بحث لانے کو خلاف احتیاط تصور فرماتے تھے۔ کیونکہ اس قسم کی بحثوں سے افراط وتفریط کی راہیں کھلتی ہیں اور راہ اعتدال پر قائم رہنا مشکل ہوجاتا ہے۔ ایسی بحثوں کا نتیجہ امت کے ذہنی انتشار کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

۳ ـــــــ حضرت الاستاذؒ کے ورع واحتیاط کا یہ عالم تھا کہ کسی عامی کی طرف سے کوئی اشکال یا شبہ پیش کیا جاتا تو استاذ الاساتذہ ہونے کے باوجود اس کے حل کی طرف پیش قدمی نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ اگر وہاں ان کا کوئی شاگرد موجود ہوتا تو اسکی طرف محول فرمادیتے تھے۔ بعد میں اگر ضرورت محسوس ہوتی تو کوئی مختصر سی بات خود بھی ارشاد فرمادیتے۔ ایک دفعہ راقم الحروف کی موجودگی میں ایک صاحب نے آیت کریمہ: "وتراهم ينظرون اليك وهم لا يبصرون" کے بارے میں استفسار کیا کہ اس میں "نظر" کا اثبات کیا گیا ہے۔ اور "ابصار" کی نفی کی گئی ہے۔ حالانکہ نظر اور ابصار کا ایک ہی مفہوم ہے۔ حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہٗ نے حسب عادت خود جواب دینے کے بجائے اس ناکارہ کی طرف اشارہ فرمادیا۔ راقم الحروف نے تعمیل ارشاد میں عرض کیا کہ آیت کریمہ میں "وتراهم ينظرون اليك" فرمایا ہے۔ یعنی بادی النظر میں تمہیں ایسا لگتا ہے کہ وہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں۔ حالانکہ ان کو نظر نہیں آتا، کیونکہ ان کی آنکھوں میں بینائی نہیں پس نظر کا اثبات مخاطب کے احساس کے لحاظ سے ہے۔ اور ابصار کی نفی حقیقت الامر کے لحاظ سے ہے، لہٰذا نفی واثبات میں کوئی تعارض نہیں۔ حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہٗ نے سنکر

بس اتنا فرمایا کہ تفسیر کی کوئی کتاب دیکھ لینی چاہیئے[1]۔ یہ ناکارہ حضرتؒ کے اس ارشاد سے ایسا منفعل ہوا کہ آج تک یہ بات نہیں بھولی۔ مجھے حیرت ہوتی کہ ایسی باکمال شخصیت، جن کی ساری عمر ترجمہ و تفسیر کے درس و تدریس اور تفاسیر کے مطالعہ میں گذری وہ ایک معمولی اشکال کے جواب میں بھی کس قدر ورع و احتیاط کا مظاہرہ فرما رہے ہیں کہ مبادا کوئی ایسی بات سرزد ہو جائے جو تفسیر بالرائے کے زمرے میں آتی ہو۔ قرآن کریم کی تشریح و تفسیر میں اس قدر شدید احتیاط کی مثال اپنے اساتذہ و معاصرین میں کسی اور جگہ نہیں دیکھی۔

۴ ——— حضرتؒ کے احتیاط و ورع ہی کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ صحیح بخاری شریف کے درس کے دوران کوئی علمی اشکال سامنے آجاتا تو محض اپنے فہم پر اعتماد کرتے ہوئے اس سے گذرنے کی کوشش نہ کرتے۔ بلکہ دوسرے مدرسین (جو حضرتؒ کے تلامذہ تھے) کے سامنے اس اشکال کو پیش کر کے ان کی رائے معلوم کر کے اطمینان فرماتے۔ جامعہ رشیدیہ کے اس دور کے صدر المدرسین علامہ غلام رسول صاحبؒ اور راقم اس ناکارہ کو متعدد بار اس کا سابقہ پیش آیا۔ حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہٗ کا یہ طرزِ عمل جہاں انکی شدتِ احتیاط اور غایت تواضع کا مظہر تھا، وہاں ہم ایسے نوآموز طلبہ کے لیے درسِ موعظت بھی تھا۔ ورنہ عام طور سے مدرسین حضرات، اپنے شاگردوں سے تو کجا؟ اپنے بڑوں سے بھی کچھ دریافت کرنا موجبِ عار اور کسرِ شان سمجھتے ہیں، اور کسی مقام کو نہ سمجھنے کے باوجود محض سخن سازی کے ذریعہ طلبہ کو چلتا کر دیتے ہیں۔

مالیات کے معاملہ میں حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہٗ کے ورع و احتیاط کی کوئی ریس نہیں تھی۔ مدرسہ کی جانب سے ان کا جو مشاہرہ مقرر تھا اس میں کمی کا مطالبہ تو ان کی طرف سے بارہا ہوتا رہا، لیکن تنخواہ میں ترقی و اضافہ کا خیال بھی ان کے دل میں کبھی نہیں آیا۔ ان کا مشاہرہ قوت لایموت سے زیادہ نہیں تھا۔ اس کے باوجود شاید ہی کوئی مہینہ ایسا گذرا ہو جس میں انہوں نے اپنا پورا مشاہرہ وصول کیا ہو۔ مرض اور سفر کی وجہ سے ان کے جو ناغے ہو جاتے تھے ان کی تنخواہ ہمیشہ کٹوا دیا کرتے تھے، اوقاتِ تعلیم میں واردین و

---

[1] تفسیر نسفی میں ہے: وتراھم ینظرون الیک یشبھون الناظرین الیک لانھم صوروا اصنامھم بصورۃ من قلب حدقتہ الی الشئ ینظر الیہ وھم لایبصرون المرئی (تفسیر مدارک ص ۲۵۹ ج ۲)

ٹھیک یہی عبارت تفسیر کشاف کی ہے۔ اور قریب قریب یہی مضمون دوسری تفاسیر کا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فوائد القرآن میں فرماتے ہیں: "یعنی بظاہر آنکھیں نہ کھلی ہیں پر ان میں بینائی کہاں؟" (ص ۲۲۷)

صاحب کی معرفت کسی وجہ سے بیاض کا جو خرچ ہوجاتا اس کا بھی باقاعدہ حساب رکھتے اور مہینے کے
ختم پر اس کا حساب لگا کر اس کی تنخواہ کٹوا دیا کرتے تھے۔ آخر میں جب اہلیہ محترمہ کا انتقال ہوگیا تو یہ کہہ
کر تنخواہ بند کر دی کہ اب میں اکیلا ہوں تنخواہ لے کر کیا کروں گا اور کون حساب رکھتا پھرے گا۔ بس یہ سلسلہ
ختم کر دو۔ اس کے بعد صرف یہ کہ تنخواہ نہیں لیتے تھے بلکہ مدرسہ کی ٹونٹی اور بجلی وغیرہ کے کرایہ کی مد میں
ایک معتد بہ رقم ہر مہینے جمع کراتے ہیں۔

ع "خدا خود میر سامان است ارباب توکل را"

دینی مدارس کے امتحانات اور جلسوں میں شرکت کا معمول کثرت سے تھا لیکن سفر خرچ کے
طور پر واجبی کرایہ وغیرہ سے زیادہ وصول کرنے کے روادار نہ تھے۔ اگر اہل مدارس کچھ زیادہ پیش کرتے
تو کبھی تو ٹوک دیتے کہ تمہیں مدرسے کے مال میں ضرورت سے زیادہ تصرف کا کیا حق ہے؟ اور کہیں
اس طرح ٹوکنا خلاف مصلحت ہوتا تو مدرسے کے چندے کی مد میں رقم واپس فرما دیتے۔ اسی طرح مدرسے
کے خرچ سے پُر تکلف کھانوں کی تیاری پر ناگواری کا اظہار فرماتے، اور بعض بے تکلف دوستوں سے تو
یہاں تک فرما دیتے کہ آئندہ تمہارے مدرسے کے امتحان کے لیے نہیں آؤں گا کیونکہ تم لوگ کھانے پر مدرسے کا
ضرورت سے زیادہ خرچ کرتے ہو۔ جن احباب کو حضرت کا مزاج معلوم ہو گیا وہ کھانے کا اہتمام اپنے
ذاتی مصارف سے کرتے تھے، مدرسہ کی طرف سے کھانا تیار نہیں کراتے تھے ——— حضرت الاستاذ قدس سرہٗ
کے اس زہد و تقشف اور ورع و احتیاط ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ ان کے گھر کا معیار زندگی بہت سادہ تھا۔ آج
ہمارے گھروں میں بھی جو نئی انواع و اقسام کی اشیاء۔ فرش و فروش اور ظروف وغیرہ پر نظر ڈالیے تو
نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہیں، اور گھر پر نگارخانے یا عجائب خانے کا گمان گزرتا ہے۔ مرزا صائب کے بقول:

حرص قانع نیست صائب ورنہ اسباب معاش
آنچہ ما در کار داریم۔ اکثرے در کار نیست

لیکن حضرت الاستاذ قدس سرہٗ کے گھر پر نظر ڈالتے تو قرون اولیٰ کا نقشہ آنکھوں کے
سامنے گھوم جاتا تھا۔ بس ضرورت کی چند چیزیں اور وہ بھی بہت کم قیمت۔ آرائش و زیبائش کی وہاں گزر
ہی کہاں تھی۔

نگردد اہل باطن در پے آرائش ظاہر
بخط و خال و رنگ و بو چہ حاجت روئے زیبا را

ان کا سفری سامان بھی مرقعِ زہد ہوتا تھا۔ ایک معمولی تھیلا، جس میں لوٹا، مصلّٰی اور طہارت و وضو کا ضروری سامان ہوتا۔ اور چھوٹا سا شکستہ و دریدہ بیگ جس میں ایک آدھ جوڑا کپڑوں کا اور کچھ ذخیرۂ ادویات (جو ایک عرصہ سے گویا لازمۂ حیات بن گیا تھا) بس یہی ان کی کل کائنات۔ گویا حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہٗ کی زندگی، حدیث نبوی ؐ "کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل" کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃً۔

بے نفسی و تواضع میں ان پر اپنے شیخ حضرت قطب العالم شاہ عبد القادر رائے پوری قدس سرہٗ کا رنگ غالب تھا۔ اپنے آپ کو ایسا مٹایا تھا کہ "خبرے نیست کہ ہست" کا مضمون صادق آتا تھا ـــــ وہ رائپوری سلسلہ میں بھی مجاز تھے۔ اور حضرت[1] شیخ نور اللہ مرقدہٗ سے بھی انہیں خلافت و اجازت تھی۔ لیکن ان کے یہاں مشیخت نام کی کوئی چیز سرے سے نہیں تھی بلکہ ان کا مذاق یہ تھا کہ:

احمد تو عاشقی بہ مشیخت ترا چہ کار

دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

ہم ایسے عامی انہیں بس ایک "مولوی" سمجھا کئے۔ تعلق مع اللہ کی جو دولت سینۂ بے کینہ میں چھپائے بیٹھے تھے کسی کو اس کی ہوا بھی نہ لگنے دی۔ تمام ظاہری و باطنی کمالات کے باوجود انہیں اپنی بے کمالی کا ایسا استحضار تھا کہ اپنے آپ کو ہیچ در ہیچ سمجھتے تھے، بے کمالی کا یہی استحضار انکا حقیقی کمال تھا، "تحفۂ[2] سعدیہ" میں

---

[1] سیدی و مرشدی حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی قدس سرہٗ۔

[2] مولانا نذیر احمد عرشی مرحوم، حضرت اقدس مولانا ابوسعد احمد خان نقشبندی مجددی قدس سرہٗ (بانی خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف) کے خلیفہ تھے موصوف نے اپنے شیخ عالی مرتبت کے کچھ حالات "تحفۂ سعدیہ" کے نام سے مرتب کئے تھے۔ حضرت مولانا محبوب الٰہی صاحب نے حضرت مولانا احمد خان صاحب رحمۃ اللہ کے مشائخ و خلفاء کے حالات و سوانح کا اضافہ کرکے اسے شائع کیا ہے۔ حال ہی میں اس ناکارہ کو خانقاہ شریف میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت اقدس مولانا خان محمد صاحب مدظلہ العالی (سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ مجددیہ کندیاں شریف، و امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت) نے طبع دوم کا نسخہ اس ناکارہ کو بھی مرحمت فرمایا۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ کے حالات میں لکھا ہے:

"حضرت رائے پوریؒ سے آپ کا رابطۂ جانی اس قدر مستحکم تھا کہ اگر حضرت رائے پوریؒ خانقاہ شریف سے قریب کسی جگہ قیام فرماتے تو آپ ان سے ملنے کے لیے ضرور تشریف لے جایا کرتے۔ اس قسم کی ایک ملاقات کے دوران حضرت رائے پوریؒ نے اپنے خُدام کو کمرے سے باہر چلے جانے کا اشارہ فرمایا۔ چنانچہ دونوں حضرات کے درمیان خلوت میں فقر و درویشی کے بعض اسرار و رموز پر گفتگو ہوتی رہی۔ جن میں ایک یہ بات تھی کہ حضرت رائے پوریؒ نے آپ سے دریافت فرمایا، مولانا! کمال کسے کہتے ہیں؟ ہمیں تو اس راہ میں تگ و دو کرتے ہوئے اتنا عرصہ گذر چکا ہے، مگر کمال کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔" آپ نے ارشاد فرمایا "حضرت! بس یہی کمال ہے۔ ؎

ولی عارف ز ہر اندیشہ خالی است   کمال عشق اندر بے کمالی است"

اور اس کے حاشیہ میں لکھا ہے: حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا قول ہے: "دریں طریق کمال در بے کمالی است و حاصل در بے حاصلی"۔ (تحفہ سعدیہ ص ۳۱۴)

حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہٗ کو واقعۃً کمال در بے کمالی کا مرتبہ عطا کیا گیا تھا۔

حضرت الاستاذؒ کا ایک امتیازی وصف ان کا ذہنی اعتدال اور ادب مع الاکابر تھا جو درحقیقت ان کے ورع و احتیاط اور فنائیت کا ثمرہ تھا۔ سیاسی ہنگامے بہت سے لوگوں کے لیے ذہنی تموّج و انتشار کا موجب ہوتے ہیں۔ جس فرد یا گروہ کے سیاسی نظریات سے اتفاق نہ ہو اس کی عزت و آبرو کو شیر مادر سمجھ لیا جاتا ہے۔ نجی محفلوں میں اس کی غیبت و بدگوئی تو ایک معمولی بات ہے۔ اخبارات و رسائل تک میں اس کے خلاف غیر ذمہ دارانہ تبصروں اور الزام تراشیوں میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کیا جاتا۔ لیکن حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہٗ کی پوری زندگی میں بھی کبھی کسی نے کسی شخصیت کے بارے میں محض سیاسی اختلاف کی بنا پر ان سے کوئی تنقیدی فقرہ نہیں سنا ہوگا۔ ان کا اپنا سیاسی رجحان خواہ کسی طرف بھی ہو۔ لیکن ان کا قلبِ سلیم تمام اکابر و مشائخ اور تمام اہلِ علم کے لیے یکساں کشادہ تھا۔ وہ ہر ایک کی خوبیوں کے یکساں معترف اور سب کی مدح و ستائش میں رطب اللسان تھے۔ جن دنوں حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی اور حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی نور اللہ مرقدہما کے سیاسی اختلافات

کا گھر گھر چرچا تھا ، بہت سے لوگ ایک طرف کے ہو کر نعوذ باللہ دوسری طرف کی توہین وتنقیص کے وبال میں مبتلا ہو گئے تھے ۔ بہت سے لوگ ایسے تھے جو دوسری طرف کی تنقیص تو نہیں کرتے تھے ، مگر ان سے خوش نہیں تھے ۔ اور ان کی عظمت ان لوگوں کے دلوں سے نکل گئی تھی ۔

سیاست کے اس طوفان میں بہت سے لوگ سفینۂ ادب کو غرق کر بیٹھے ، اور اعتدال کا رستہ ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ۔ ہمارے شیخ حضرت اقدس مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہ نے اسی زمانہ میں "الاعتدال فی مراتب الرجال" لکھ کر دونوں طرف کے اکابر کے ادب واحترام کی تلقین فرمائی ۔ اور حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ اپنی مجالس میں دونوں طرف کے اکابر کی عظمت ورفعت بیان فرماتے ۔ حضرت الاستاذ رحمہ اپنے انہی مشائخ کے مسلک اعتدال پر قائم اور ان کے نقش قدم پر گامزن تھے ۔ انہیں حضرت حکیم الامت تھانوی اور حضرت شیخ الاسلام مدنی (قدس سرھما) دونوں سے بے پناہ محبت وعقیدت تھی ۔ دونوں کے اوصاف وکمالات بڑے ہی والہانہ انداز میں بیان فرمایا کرتے تھے ۔ ان کا یہی طرز عمل بعد کے اکابر کے بارے میں رہا ۔ ان کے دل میں سب کا احترام تھا اور سیاسی نفرت کے کانٹوں سے ان کا ذہن بالکل پاک تھا ۔

آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشتن
کفر است در طریقت ما کینہ داشتن

حضرت الاستاذ کو حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری ؒ ، ان کے قافلۂ حریت اور ان کی جماعت عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سے خاص عقیدت تھی ، شاہ جی کے بہت سے واقعات مزے لے کر سنایا کرتے تھے ۔ فرماتے تھے کہ قادیانیوں کے خلاف مجلس احرار اسلام کے ایک جلسہ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی :

یا ایھا الذین آمنوا من یرتد	اے ایمان والو جو کوئی تم میں سے پھرے گا اپنے
منکم عن دینہ فسوف یأتی	دین سے تو اللہ عنقریب لاویگا ایسی قوم کو کہ
اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ ،	اللہ ان کو چاہتا ہے ، اور وہ اس کو چاہتے ہیں
اذلۃ علی [illegible] اعزۃ علی	نرم دل ہیں مسلمانوں پر زبردست ہیں کافروں
الکافرین یجاھدون فی	پر لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور ڈرتے نہیں

سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ واسع علیم۔ (المائدہ:)

کسی کے الزام سے۔ یہ فضل ہے اللہ کا دیگا جس کو چاہے اور اللہ کشائش والا ہے خبردار۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

حضرت عثمانیؒ نے اس آیت کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ "اس آیت میں مرتدین کے مقابلہ میں جس جماعت کو کھڑا کرنے کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ ہمارے اس دور میں اس کا مصداق سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور ان کی جماعت ہے" ——————

حضرت الاستاذؒ تا صحت مجلس تحفظ ختم نبوت کی مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن رکین رہے، قادیانیوں کے خلاف تحریکات میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اور ان کا مدرسہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال ان تحریکات کا اہم ترین مرکز رہا جس کی وجہ سے مدرسہ اور اہل مدرسہ کو امتحان وابتلا کے بہت سے مراحل سے گذرنا پڑا۔

فجزاھم اللہ عن الاسلام والمسلمین۔

مجدد تبلیغ حضرت اقدس مولانا محمد الیاس کاندھلوی ثم دہلوی قدس سرہٗ کی دینی دعوت سے بھی خصوصی شغف تھا۔ ان کے صاحبزادۂ گرامی قدر حضرت مولانا محمد یوسف دہلوی (قدس سرہٗ) کے بارے میں بہت ہی بلند کلمات ارشاد فرماتے تھے، ایک موقعہ پر فرمایا کہ توکل میں ہم سب کی گاڑی اٹک جاتی ہے۔ مگر ان کی گاڑی نہیں اٹکتی۔

صحت وجوانی کے زمانے میں جماعتوں میں نکلنے کا معمول بھی رہا۔ اس سلسلہ میں بعض دلچسپ قصے بھی سنایا کرتے تھے۔ اب ایک طویل عرصے سے یہ سلسلہ تو متروک تھا تاہم مرکز دعوت وتبلیغ رائے ونڈ اور اکابر تبلیغ سے گہرا ربط وتعلق تھا۔ رائیونڈ کے عربی مدرسہ کے امتحانات میں بڑے التزام سے شریک ہوتے تھے۔

جب سے جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں دورۂ حدیث شریف کا آغاز ہوا تب سے رائے ونڈ کے منتہی طلبہ درس حدیث کے لیے حضرت الاستاذ ہی کی خدمت میں بھیجے جاتے تھے۔ مرض الموت میں طویل طویل وقفوں کے لیے رائے ونڈ ہی میں قیام رہا۔

حضرت الاستاذؒ قرآن کریم کے پختہ حافظ اور جید قاری تھے۔ بہت سے مکاتب قرآنیہ کے مستقل ممتحن رہے، قرأت میں معروف لہجوں کے بجائے ان کا اپنا ایک منفرد لہجہ تھا (جسے میں رائے پوری لہجہ کہا کرتا ہوں) قرآن کریم کی تلاوت ایسے ترنم اور درد سے فرماتے تھے کہ سنکر واقعۃً رونگٹے کھڑے ہوجاتے

تھے۔ سالہا سال تک اپنے شیخ حضرت اقدس رائے پوریؒ کے یہاں تراویح سناتے رہے۔ لیکن آخری سالوں میں غلبۂ ریاح کی وجہ سے امامت نہیں فرماتے تھے۔ ان کی تلاوتِ قرآن کا ایک لطیفہ، جو غالباً خود انہی سے سُنا تھا، یاد آیا۔ ایک زمانے میں حضرت قدس سرہ سیدی و مرشدی مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہٗ غیر مقلدوں سے مقابلے میں مناظرہ کیا کرتے تھے اور حضرت الاستاذؒ معین کی حیثیت سے حضرتؒ کے ساتھ ہوا کرتے تھے۔ کسی مناظرے کے نتیجے میں عدالت میں مقدمہ ہو گیا۔ عدالت کا جج ایک سکھ تھا۔ عدالت میں حضرت الاستاذؒ کا بھی بیان ہوا۔ بیان کے دوران آپؒ نے اپنے مخصوص انداز میں قرآن کریم کی آیت تلاوت فرمائی۔ جج آپ کی تلاوت پر عش عش کرنے لگا۔ اور بولا، مولوی صاحب! مقدمہ تو پھر ہوتا رہے گا۔ آج تو آپ مجھے قرآن کریم سنائیے۔

آپ کی تقریر نہایت عالمانہ و مصلحانہ ہوتی تھی۔ آپ تقریر میں بھی آیات و احادیث اور اشعار اپنے مخصوص انداز میں ترنم کے ساتھ پڑھتے تھے۔ جس سے بہت سے دل گداز اور بہت سی آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں۔

آخر میں حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہٗ کا ایک مکتوب، جو قطب العالم حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی قدس سرہٗ کی خدمت اپنے والد ماجد حضرت اقدس مفتی فقیر اللہ صاحب رحمہ اللہ کے حکم سے تحریر فرمایا تھا۔ درج کرتا ہوں۔ یہ مکتوب جناب صوفی محمد اقبال صاحب مدنی زیدمجدہم نے اپنے رسالہ محبوب العارفین میں شائع کر دیا ہے۔

واقعہ یہ ہوا تھا کہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے ابتدائی سالوں میں مدرسہ کی روئیداد میں مودودی صاحب اور امین احسن اصلاحی کا نام مدرسہ میں تشریف لانے والے علماء کی فہرست میں چھپ گیا تھا۔ اس پر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کی طرف سے عتاب آیا کہ ایسا کیوں کیا گیا؟ حضرت اقدس مفتی صاحب رحمہ اللہ کو اس کا علم ہوا تو بے چین ہو گئے، اور اپنے فرزند اکبر (حضرت الاستاذ مولانا محمد عبد اللہ صاحب رائے پوریؒ) کو حکم فرمایا کہ فوراً حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں معذرت نامہ لکھیں۔ ان کے حکم پر حضرت الاستاذؒ نے یہ عریضہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کی خدمتِ عالیہ میں تحریر فرمایا:

"بخدمت سیدی و مولائی و محترمی! دامت برکاتہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا والانامہ بنام برادر عزیز مولوی حبیب اللہ ناظم مدرسہ پڑھا، اور حضرت والد صاحب کو بھی سنایا، حضرت والد صاحب نے سنتے ہی فرمایا کہ حضرت شیخ کو جلدی جواب لکھو۔

امتثالاً للامر یہ عریضہ لکھ رہا ہوں، مدرسہ کی روداد مرتب کرتے وقت برادر عزیز نے ہم دونوں سے مشورہ نہیں کیا، صفحہ چھیالیس پر مودودی اور امین احسن اصلاحی کا نام شائع کرنے میں ہم نے سخت غلطی کی۔ آپ حضرات کو یقیناً صدمہ ہوا ہوگا، ہم معافی کے طلبگار ہیں۔

ہمارا رشتہ تو آپ حضرات سے ہی ہے۔ ہمارا اسلام، ہمارا مسلک ہمارا اعتقاد تو واللہ العظیم بالکل تقلیدی ہے، آپ حضرات کے مسلک سے الگ ہو کر ہمارا کہاں ٹھکانہ ہوگا، ہم امید کرتے ہیں کہ آئندہ بھی ہماری کوتاہیوں پر ہم کو متنبہ فرماتے رہیں گے"!

(محبوب العارفین ص ۶۳)

(۳۵۶ ص ۳۱)

حضرت الاستاذ کا یہ فقرہ کہ" ہمارا اسلام، ہمارا مسلک ہمارا اعتقاد تو واللہ العظیم بالکل تقلیدی ہے"۔ اس کی شرح ایک مبسوط مقالے کا موضوع ہے۔ مختصر یہ کہ علم کی آفات میں سے ایک مہلک آفت اعجاب بالرائے اور علمی پندار ہے۔ اور اس دور میں نا پختہ علم کے ساتھ خود رائی و خود روی کا جو مرض عام ہوتا جارہا ہے وہ اسی اعجاب بالرائے کی پیداوار ہے۔ جس کے نشہ میں مست ہو کر اپنے اکابر اور سلف صالحین پر تنقید کیجاتی

لقبہ: محمد بن عبداللہ سے محمد رسول اللہ تک

تھے۔ اس لئے انہیں اختیار کرو، تو پہلے عصمت، اس کے بعد اخلاق، پھر اعمال پھر احوال، پھر اقوال پھر پوری زندگی آتی ہے اور انہیں بھی بنیادی درجہ اخلاق ہی کو حاصل ہے (معصومیت کے بعد) ____ انبیاء کے اخلاق وہ ہوتے ہیں کہ دنیا میں ان کی کوئی نظیر اور مثال پیش نہیں کی جاسکتی وہ اخلاق ربانی کا نمونہ ہوتے ہیں۔ حق تعالیٰ پیغمبر کو اپنے اخلاق کا نمونہ بنا کر بھیجتے ہیں تو پیغمبر کا ایک خلق اللہ کے اخلاق کی مانند ہوتا ہے گویا اگر اخلاق ربانی کو مجسم کرنے کی کوئی صورت پیدا کیجائے تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات بن جائے گی وہ اخلاق ربانی کا نمونہ ہوگا۔ علم، صبر، شجاعت، سخاوت اور زہد ایک ایک چیز مثالی ہے ____

از جناب رفیق اذفر صاحب

پروفیسر اسلامیہ کالج ساہیوال

قطعاتِ تاریخ وصال

حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدیؒ

(۱)

کہاں ہے اپنا گرمیٔ محفل — انجمنِ دل کیوں ہے برہم

رطل گراں ہیں پینے والے — چھوڑ گئے ہیں ساغرِ شبنم

آتشِ خونِ دل افسردہ — عالم پر ہے طرفہ عالم

حافظِ تاجِ ختم نبوت — ناشرِ دینِ سرورِ عالم

گلشنِ علم نغمۂ بلبل — بیشۂ عشق میں قسورِ ضیغم

جہد و وغا میں جوشش دریا — مہر و وفا میں خلقِ مجسم

آہ حبیب اللہ مولانا — اہلِ جنوں میں تیرا ماتم

جذب قلم سے آج رقم ہے

موت العالِم موت العالَم

۱۲۳۶

سنہ ۱۴۰۶ھ

(۲)

مہمات گرچہ بہت سی ہیں لیکن — ہے محبوب تر کارِ ختمِ نبوت

ریاضِ شہادت میں نغمہ سرا تھا — ہزارِ چمن زارِ ختمِ نبوت

اسی سوچ میں تھا کہ رحلت پہ لکھوں — میں تاریخ انصارِ ختمِ نبوت

دمِ واپسیں کیا کہا قدسیوں نے — سنوں میں بھی غمخوارِ ختمِ نبوت

پڑی گوشِ شنوا میں آوازِ ہاتف

سلام اے علمدارِ ختمِ نبوت

۱۹۸۵ء

متفرق تواریخ وصال

- قال اللہ ھو؛ فروحٌ و ریحان و جنتُ نعیم — ۱۴۰۶ھ
- فاضل حبیب اللہ القاسمی زود گزشت — ۱۹۸۵ء
- آہ! حسینی حبیب استاذ نبیل نور اللہ مرقدہٗ — ۱۹۸۵ء
- آہ ارحل قدوۃ الاحرار حبیب اللہ حسینی القاسمی — ۱۴۰۶ھ

مکتوباتِ تعزیت

○ مفتی اعظم مولانا ولی حسن صاحب جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

بخدمت جناب مولانا مطیع اللہ صاحب زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مولانا حبیب اللہ صاحب کی وفات حسرت آیات کا علم ہوا بہت ہی افسوس ہوا۔ اللہ سبحانہ مولانا مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور سب گناہوں کو معاف فرمائے۔ آپ حضرات کو صبر جمیل عطا فرمائے اور جامعہ کو برقرار رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

والسلام

○ حضرت مولانا افتخار احمد صاحب فریدی مراد آباد انڈیا۔

برادران محترم قاری مطیع اللہ صاحب و حافظ عبدالرشید صاحب ارشد و جمیع خانوادہ حضرت مفتی فقیر اللہؒ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ابھی مولانا عبداللہ صاحبؒ شیخ الجامعہ کا غمِ جُدائی چھایا ہوا تھا اور اب مولانا فاضل حبیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر دردناک "الرشید" سے معلوم ہوئی۔ بڑا غم و قلق ہے۔ جامعہ رشیدیہ کے لئے یہ سال بڑا المناک ہے۔ حق تعالیٰ شانہ جذبۂ جہاد و شوقِ شہادت سے معمور مجاہدین کے اس ادارے کی غیب سے دستگیری فرمائیں۔ شہداء کرام کا خون اس مدرسہ کو خوب سرسبز و شاداب کرے۔"

والسلام

○ مولانا سید نجم الحسن صاحب تھانوی مدرسہ امدادیہ تھانہ بھون یو۔پی انڈیا۔

مکرم محترم جناب مولانا مطیع اللہ صاحب رشیدی السلام علیکم ورحمۃ اللہ

"الرشید" کے ذریعے مولانا فاضل حبیب اللہ صاحبؒ کے سانحۂ وفات کا علم ہوکر بہت ہی افسوس ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ تعارف اگرچہ غائبانہ سے آگے نہ بڑھ سکا تھا لیکن "الرشید" کے ذریعے ان کی مساعی جمیلہ بالخصوص "تحفظِ ختمِ نبوت" کے سلسلہ میں ان کی مجاہدانہ کوششوں کا علم برابر ہوتا رہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور آپ حضرات کو ان کا صحیح جانشین بنائے۔ مدرسہ میں ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا گیا اور بعد ختم دعاءِ مغفرت کا سلسلہ جاری ہے۔
"الرشید" برابر پہنچ رہا ہے بلکہ پاکستانی پرچوں میں "الرشید" ہی وہ رسالہ ہے جو پابندی سے خانقاہ میں آتا ہے۔"

والسلام

○ انجمن اصلاح اللسان طلبہ غازیپور دارالعلوم دیوبند۔

گرامی قدر ایڈیٹر "الرشید" زیدت معالیکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ماہ جنوری کے شمارے نے ایک عظیم حادثہ کی اطلاع دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم فاضل حبیب اللہ رشیدی کی زندگی پوری قوم اور اسلام کے لئے وقف تھی۔ آپ جذبہ و حوصلہ کے کوہ گراں، خلوص و للہیت کے بحر بے کراں، باطل کے سامنے آہنی دیوار اور تحفظ ختم نبوت کے پاسبان تھے۔ آپ کی زندگی کی جھلکیاں بتاتی ہیں کہ آپ کا مشن "اینقص الدین و انا حی" تھا۔ آپکی حیات کا مقصد "لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا" تھا۔ اور آپ کا نتیجۂ فکر "باطل قوتوں کو مسمار کرکے نورِ حق کی ضیا پاشی کرنا" تھا۔ خلقِ خدا کے ساتھ محبت و رافت کا سلوک آپ کا شیوہ تھا۔ خدا نے اس عظیم انسان کو اپنے دین کی خدمت کے لئے وقف کیا اور اس نے اپنی خدمات سے ایک قوم کو تیار کر دیا۔

آہ! اب وہ شخصیت ہمارے درمیان نہیں رہی، غم و اندوہ کی یلغار یقیناً ہوگی اور یہ غم صرف ایک خاندان یا ایک گھرانے کے لئے ہی نہیں بلکہ پوری اُمت اس درد کی کسک میں مبتلا اور بے چین ہے۔ نوشتِ خداوندی میں جو کچھ ہے ہم اس پر دل سے رضامندی اور ایمان رکھتے ہیں۔ خدا کی جانب سے اگر بلاوا آجائے تو جانے والے کو کون روک سکتا ہے "ان اجل اللہ اذا جاء لا یؤخر" پھر یہاں تو معاملہ ہی اُلٹا ہے مومن کے لئے خوشخبری ہے کہ "الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب" ہاں فرقت و جدائی کے آنسو ٹپکنے کے لئے ضرور بے قرار ہوں گے لیکن اگر مرحوم کی سوانح پیش نظر ہو تو وہ یقیناً آواز دے گی۔

اے کہ نظمِ دہر کا ادراک حاصل ہے تجھے   کیوں نہ آساں ہو غم و اندوہ کی منزل تجھے

"الرشید" ہی نے ہمیں سبق دیا ہے کہ بسا اوقات انسانوں کی عجیب وغریب آزمائشیں ہوتی ہیں جس کے اندر تھوڑی سی غفلت سے کام لینے والے بہت ساری ترقیوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ باطل قوتیں موقع پاکر زہر افشانی میں مشغول ہو جاتی ہیں۔ اس لئے آزمائش کی اس بھٹی میں ہمیں جل کر خاکستر نہیں ہونا ہے بلکہ ہم اس بھٹی سے کندن بن کر نکلیں اور پھر ہمارا طریقہ کار یہ ہو:

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو   خوفِ باطل کیا کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تو

ہم پُر امید اور دل سے دُعا کرتے ہیں کہ "الرشید" اپنی سابقہ روایات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے منزلِ مقصود کی راہ پر پہلے سے زیادہ تیزی کے ساتھ گامزن ہو اور اپنی دینی خدمات میں فاضل مرحوم کے لائحہ عمل کو عملی جامہ سے مزین کرے۔

انجمن اصلاح اللسان طلباء غازیپور اس غم میں برابر کے شریک ہیں اور دل سے دُعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر جمیل اور مرحوم کے درجات بلند اور ان کی قبر کو منور کرے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے   غنچۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

والسلام

○ مدیر دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور

محترم و مکرم مولانا مطیع اللہ صاحب زید مجدکم۔

سلام مسنون! امید کہ مزاج بخیر ہوں گے۔

حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی رحمۃ اللہ علیہ کے حادثہ وفات کی خبر ہفت روزہ "خدام الدین" سے معلوم ہوئی۔ بے حد رنج و قلق ہوا۔ دار العلوم کے اساتذہ و طلبہ کو بھی جب یہ خبر معلوم ہوئی تو رنج و غم کی لہر دوڑ گئی۔ دار الحدیث اور دار الحفظ میں مرحوم کے لئے ایصال ثواب اور مغفرت کی دُعائیں کی گئیں۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ بھی رنجیدہ ہوئے اور مرحوم کی مغفرت کے لئے دُعائیں کرتے رہے۔

مرحوم بہت بڑے عالم، مجاہد، بے باک اور تعلیمات اسلام کے بے لوث خادم تھے۔ مرحوم کی ساری زندگی تحفظ ختم نبوۃ میں گذری، حوادث، مظالم اور آزمائشوں میں گھرے رہے مگر اللہ پاک نے انہیں بڑا سینہ دیا تھا۔ مرحوم کی قدر اور ان کی عظمت کا اندازہ ان لوگوں کو صحیح معلوم ہو سکتا ہے جنہوں نے مرحوم کے ساتھ مل کر کام کیا ہے اتحاد اُمت کے لئے ان کا دل دھڑکتا تھا۔ ماہنامہ "الرشید" کے ذریعے ان کی خدمات ملی تاریخ کا روشن باب ہیں جامعہ رشیدیہ ساہیوال اور اس کی ترقیات علمی و روحانی خدمات ایک لازوال صدقۂ جاریہ ہیں جو مرحوم اپنے پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ ہمیں اخبارات، ریڈیو، ٹی۔وی اور نشریات کے پاکستانی ذرائع کی سرد مہری اور بے اعتنائی پر حیرت ہوئی کہ اس قدر عظیم الشان اور عظیم رہنما کی وفات پر خبر تک شائع نہیں کی گئی۔ مرحوم کے خاندان، متعلقین، اعزہ اور تلامذہ سے فرداً فرداً تعزیت عرض ہے۔ دار العلوم حقانیہ اور ادارہ "الحق" آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔"

والسلام

○ حضرت مولانا مفتی سید سیاح الدین صاحب کاکاخیل مشیر اقتصادیات اسلامی عالمی ادارہ اسلام آباد۔

عزیز محترم مولانا مطیع اللہ صاحب زاد اللہ مجدہم و دام اللہ برکاتہم۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ میں اوائل دسمبر ۸۶ء میں عمرہ ادا کرنے اور زیارت روضۂ مطہرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے ریاض اور پھر وہاں سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ چلا گیا تھا ایک ماہ سے زائد عرصہ اسلام آباد سے باہر رہا اور کل واپس آیا ہوں ایک ماہ سے زائد کی ڈاک پڑی ہوئی تھی جس میں حسب معمول "الرشید" بھی تھا۔ میرا معمول یہ ہے کہ جب "الرشید" آتا ہے کھول کر ایک نشست میں پورا رسالہ پڑھتا ہوں۔ چنانچہ اس دفعہ بھی جب پہلا صفحہ کھولا تو اس میں ایک ایسی خبر پر نظر پڑی جس سے قلب کو سخت صدمہ ہوا اور واقعہ یہ ہے کہ طبیعت ماننے کو تیار نہیں تھی۔ حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی وفات کی یہ خبر اگر کسی اور اخبار میں ہوتی تو شاید جلد تسلیم کرنے کو طبیعت آمادہ نہ ہوتی۔ مگر خبر "الرشید" میں تھی اور باتفصیل تھی اس نے

انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور دعائے مغفرت کی۔ اس کا افسوس رہا کہ میری غیر موجودگی کی وجہ سے مجھے اتنے عظیم حادثہ کی خبر بہت بعد میں ہوئی اور میں بر وقت تعزیت کا خط نہ لکھ سکا۔ حضرت مرحوم نے جامعہ رشیدیہ کے ذریعے علوم دینیہ کی جو خدمات سرانجام دی ہیں یہ ان کی باقیات الصالحات میں سب سے اہم دینی خدمت ہے اور اس کے علاوہ رد قادیانیت کے سلسلہ میں ان کی جو نمایاں خدمات اور جدوجہد وہ مستقل طور سے ذخیرۂ آخرت ہے۔ نہایت خلیق، متواضع، ملنسار اور نہایت شریف النفس ایسے عالم دین تھے کہ اس مزاج اور طبیعت کے اور جامع خصائص انسان بہت کم ملتے ہیں۔ مجھ سے بھی محبت یا قدر نوازی کی یہ علامت ہے کہ انہوں نے سالہا سال سے "الرشید" میرے نام باقاعدہ جاری فرمایا تھا اور یہ رسالہ بلاناغہ مجھے پہنچتا رہا اور اس کے ذریعے جامعہ کے حالات اور مرحوم کے کارناموں اور پروگراموں کا علم مجھے ہو جاتا تھا اور خط و کتابت بھی ہوتی رہتی تھی۔ جامعہ سے متعلق حضرات کی وفات سے باخبر ہو کر تعزیت نامہ بھی ارسال کرتا اور سب کے حق میں دعائے مغفرت بھی۔ یہ باہمی رابطے کا ایک ذریعہ تھا۔ اس سرائے فانی سے کوچ کر کے عالم جاودانی کی طرف جانا ایک اٹل حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ہر شخص کو ایک نہ ایک دن اس سفر پر روانہ ہونا ہے لیکن بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اُن کی رفاقت کا صدمہ طبعاً بہت زیادہ ہوتا ہے اور رنج و غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ مولانا کی وفات کا صدمہ بھی ایسا ہی ہے مگر عقلاً اور شرعاً اس عظیم سانحہ کے صدمہ کو رضا بالقضاء کے ذریعے برداشت کرنا ہوگا۔ میں تہہ دل سے مرحوم کے حق میں دعائے مغفرت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کی تمام دینی خدمات اور اعمالِ صالحہ قبول فرما کر اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے اور ان کی بشری لغزشوں کو اپنی رحمتِ کاملہ سے معاف فرمائے اور اعلیٰ علیین میں ان کو بلند ترین درجات نصیب فرمائے اب آپ ہی دونوں بھائی اس خاندان کے چشم و چراغ اور ان بزرگوں کے جانشین ہیں۔ آپ کے لئے اعماق قلب سے دعا کرتا ہوں کہ ان تمام بزرگوں کی برکات آپ کو حاصل ہوں اور اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ آپ جامعہ رشیدیہ، الرشید اور متعلقہ اداروں کو نہ صرف یہ کہ سنبھالیں بلکہ مزید ترقی دیں اور اپنے اکابر کی طرح دینی خدمات سرانجام دینے میں پیش پیش ہوں۔ دعا کروں گا اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔"

والسلام

○ مولانا حسین احمد صاحب قریشی سیکرٹری جنرل انجمن ربانیہ و سیکرٹری نشر و اشاعت جمعیۃ علماء اسلام ضلع اٹک

جانشین شیخین رحمہما اللہ برادرم مولانا سلیم اللہ صاحب مدظلہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ ہفت روزہ "ختم نبوت" کی وساطت سے حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ صاحب رشیدیؒ کی وفات حسرت آیات کی خبر ملی۔ حضرت مرحوم علم و عمل کے جامع زہد و تقویٰ اخلاص و للہیت کے پیکر اور عظیم مجاہد انسان تھے اہل باطل کے لئے "اشداء علی الکفار" اور اہل حق کے لئے "رحماء بینہم" کا عملی نمونہ تھے۔ راقم نے مولانا کو دیکھنے سے زیادہ ان کو پڑھا ہے حق کہنے میں انتہائی بے باک اور خوف و طمع کا کوئی وسوسہ ان کے دل سے کبھی نہیں گذرا البتہ علاوہ

دیوبند کیلئے مولانا کی وفات بہت بڑا صدمہ ہے۔ انہوں نے بغیر کسی لالچ ناموری یا دولت کمانے کے مسلک دیوبند کے تحفظ کے لئے جدوجہد کی اور تحریر کے میدان میں دارالعلوم دیوبند نمبر، مدنی و اقبال نمبر، تاریخ دارالعلوم نمبر، فیضان دارالعلوم نمبر ان کی عظیم یادگار ہیں۔ اور تعلیمی میدان میں جامعہ رشیدیہ کا قیام اور اس کی یہ عالمی شہرت تعلیمی ترقی اظہر من الشمس ہیں۔

اہل باطل کے تعاقب کے لئے مولانا مرحوم نے مجاہدانہ جدوجہد کی ہے۔ آنیوالی نسلیں اور مستقبل کا مؤرخ ان کی اس جدوجہد کو فراموش نہیں کرسکتا۔ انہوں نے ہمیشہ اور آخری دور میں پوری توجہ سے فتنۂ قادیانیت کے تعاقب کے لئے تحریر و تقریر سے جو کچھ کیا ہے وہ اہل حق کے لئے بہت بڑا سرمایہ ہے۔

مولانا میدانِ خطابت کے بھی شہسوار تھے۔ اللہ نے اپنے نیک بندوں کو جن صفات جمیلہ سے نوازا تھا وہ مولانا مرحوم کو حاصل تھیں اور لاریب مولانا مرحوم "عباد الرحمٰن اور عباد اللہ الصالحین میں شامل نبی آخر الزماں کے صحیح وارث اور ہم طلباء کے ہمدرد خیرخواہ امت مسلمہ کے لئے غم و کرب رکھنے والے اللہ کے نڈر سپاہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے محب تھے۔ ان کی وفات سے دینِ متین سے محبت رکھنے والے لوگ بے حد پریشان اور مضطرب ہیں۔

اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ حضرت ناظم صاحبؒ کی وفات اسی قدر عظیم اور جانکاہ صدمہ ہے جس قدر اہل اسلام کے لئے مولانا مفتی محمودؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا عبیداللہ انورؒ، مولانا نور الحسن شاہ بخاریؒ اور شیخ الجامعہ مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ کی وفیات کا صدمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

آہ! وہ عظیم جماعت جس کا ہر فرد جماعت تھی ایک ایک فرد رخصت ہوگیا

آہ! ہمارے والد مرحوم حضرۃ الاستاذ مولانا الحاج مفتی عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ کے جملہ رفقاء۔ ایک ایک کرکے ہم سے جدا ہو رہے ہیں۔ اللہ ان کی مغفرت اور ان کی آخرت دنیا سے بہتر فرما اور ہم ضعفاء و ناتواں لوگوں کی دستگیری فرما اور ان کی وفات سے پیدا ہونے والے ہر خلاء کو پُر فرما اور ہر پیدا ہونے والے فتنہ کو اپنے فضل سے خاک میں ملا۔ اور ہمیں حضرت مدنیؒ و بخاریؒ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔"

والسلام

○ مولانا محمد اسماعیل صاحب مبلغ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت بہاولپور

حضرت پیرجی قبلہ ———— سلام مسنون

حضرت ناظم صاحبؒ کی وفات کی خبر وحشت اثر رحیم یار خاں نوائے وقت میں پڑھی۔ بدقسمتی سے قلت وقت کے پیش نظر جنازہ کی سعادت سے محروم رہا۔ یکے بعد دیگرے کئی ایک صدمات جامعہ رشیدیہ کے کارکنوں کو برداشت کرنا پڑے ہیں خداوند قدوس ہر قسم کی آفات و بلیات سے محفوظ فرمائے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے اراکین آپ کے اس المناک غم میں برابر کے شریک ہیں۔ آخر میں ایک بار پھر تعزیت مسنونہ قبول فرمائیں۔

والسلام

مولانا سید عبد المجید صاحب ندیم ناظم اعلیٰ مجلس تحفظ حقوق اہلسنت و جماعت پاکستان

محترم و مکرم حضرت پیر جی زید وقارکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مجاہد اسلام مولانا حبیب اللہ مرحوم کے سانحہ ارتحال پر آپ کو کیا تعزیت کروں ہم سب قابل تعزیت ہیں وہ ہم سب کا سرمایہ تھے۔ انہوں نے پوری زندگی صداقتوں کے فروغ و استحکام میں گذاری۔ صرف جامعہ رشیدیہ نہیں بلکہ فکری محاذ پر ان کی مجاہدانہ کارکردگی کا ہر زاویہ انمٹ یادگار رہے۔ تلخ زندگی کے ہر موڑ پر حبیب اللہ کا کردار مثال بنتا رہا۔ زندگی امانت ہے انہوں نے اس کا ہر سانس احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے وقف کئے رکھا۔ وہ تو دنیا فانی سے حیات جاودانی کو چل دیئے مگر ان کی جدائی نے ہمیں مار ڈالا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط

نماز جنازہ میں شرکت کے بعد اشکبار ملتان پہنچا۔ آپ کے مجوزہ تعزیتی اجلاس میں عدم شرکت پر معذرت خواہ ہوں ناگزیر تقاضوں کے پیش نظر رکنا مشکل تھا۔ ادارہ کے ہر فرد تک میری پر خلوص تعزیت عرض کر دیں۔" والسلام

مولانا محمد عبد الشکور صاحب دین پوری صدر مجلس تحفظ حقوق اہلسنت پاکستان

"اک عظیم انسان چل بسا"

حضرت مولانا الحاج فاضل حبیب اللہ صاحبؒ ناظم جامعہ رشیدیہ کی اچانک وفات سے علمی دنیا میں غم و اندوہ کی لہر دوڑ گئی۔ مولانا مرحوم جامع شخصیت تھے ناظم، خطیب، مصنف، امام، مؤلف، مبلغ، عالم، ادیب، شفیق، خلیق اور رفیق انسان تھے۔ نحیف ضعیف ڈھانچہ سراپا اخلاص، محافظ ختم نبوت، مسلک علماء دیوبند کا عاشق، اکابرین کا مداح مہمان نواز ممتاز آدمی تھے۔ خاندان جالندھری کا چراغ بجھ گیا۔ جامعہ رشیدیہ کے طلباء یتیم ہو گئے بقیۃ السلف چلا گیا موت العالم موت العالم کے مصداق تھے دعا ہے کہ رب العزت مغفرت کرے۔ آمین والسلام

دفتر مجلس احرار اسلام پاکستان تلہ گنگ

محترم فرزندان گرامی حضرۃ مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی نور اللہ مرقدہ

السلام علیکم، اخبار میں مجاہد ختم نبوت کی وفات کی اندوہناک خبر پڑھی۔ مرحوم کا یوں اچانک عقبیٰ کو سدھارنا ملک کے لئے باعث حزن و ملال بنا۔ اس دور قحط الرجال میں حضرت ناظم صاحب جیسی شخصیت کا ہم گنہگاروں کے سر سے اٹھ جانا حادثہ عظیم ہے۔ ان جیسی قد آور شخصیت کا پھر اٹھنا محال ہے۔ وہ تو اگلے وقتوں کی اعلیٰ یادگار تھے تحریک ختم نبوت کے لئے ان کی مساعی جمیلہ تاریخ کا درخشاں باب ہے۔ ایسی تو قادیانیت کے تعاقب کے لئے ان کی محنت ضرورت تھی کہ موت کے

سامنے تو ہر جاندار بے بس ہے۔ کاروانِ ختم نبوت تو کبھی نہیں رک سکتا مگران کی رہنمائی کی ضرورت تو ہر موڑ پر محسوس ہوگی لیکن ایک حقیقت تو یہ بھی ہے کہ

مرنے والے مرتے ہیں مگر فنا ہوتے نہیں ۔ یہ حقیقت میں ہم سے جُدا ہوتے نہیں

جَوہرِ انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں ۔ آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں

حضرتؒ مجلس احرار اسلام کے زیر اہتمام ربوہ میں منعقدہ اجلاسوں میں اکثر شرکت فرماتے رہے اور ان سب سے بڑھ کر شہیدانِ ختم نبوت کے کیس میں حضرتؒ کا رول تو تاریخ ختم نبوت کا ایک اہم حصہ بن چکا ہے۔

مت سہل انہیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں ۔ تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے

غم واندوہ کے ان حالات میں ہمیں بھی شریکِ غم کیجئے۔ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس بخشیں

شریکِ غم اراکین مجلس احرار اسلام تلہ گنگ

○ جناب مولانا محمد صدیق صاحب ناظم جامعہ خیر المدارس ملتان

عزیز مکرم مولانا عبیداللہ و حافظ مطیع اللہ صاحبان سلمہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ؛ جناب حضرت الاستاذ مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ کا داغِ مفارقت ابھی زائل نہ ہوا تھا کہ فاضل حبیب اللہ جالندھری بھی ہمیں چھوڑ کر اپنے اسلاف کے ساتھ جاملے۔

مجھے ایک ہفتہ پہلے کچھ محسوس ہوگیا تھا جس کا منشا ایک خواب تھا کہ فاضل حبیب اللہ نے ایک جلسہ کا انتظام کیا ہے سٹیج پر بندہ بھی حاضر ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ سامعین کہاں ہیں تو فرمایا کہ پسِ دیوار ہیں۔ اور فرمایا پسِ دیوار سب اکابر جمع ہیں۔ اس خواب کے بعد بندہ نے ساہیوال کا سفر برائے ملاقات کیا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ فاضل صاحبؒ بیمار ہیں عزیزم قاری عبدالہادی صاحب کی وساطت سے زیارت وعیادت کا شرف حاصل کیا۔ یہ نہ معلوم تھا کہ یہ آخری ملاقات ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کا نگہبان اور کفیل ہو۔ میری طرف سے تمام اہل خانہ کو تعزیت کا پیغام دیں جنازہ میں شرکت کے بعد فوری واپسی کا پروگرام ضروری تھا اس لئے ملاقات نہ کرسکا محسوس نہ فرمائیں۔ قریب ہی حاضر ہو کر غم شریک ہوں گا۔ والسلام

بقیہ: میاں منظور محمد

یارب یہ بستیاں کس دیس بستیاں ہیں ÷ اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

اب تو قحط الرجال ہے۔ خدا کے بندے کا چلے جانا یہ کوئی کم قیامت ہے

ایک جہاں کی موت ہے۔ وہ رحیم وکریم ہم سب کو ایسی زندگی اور ایسی موت نصیب فرمائے۔ اور نیک لوگوں کے ہمراہ حشر ونشر فرمائے۔ اور حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ مالک اعلیٰ درجات سے نوازیں

[illegible]

نمازی کے آگے سے گذرنے کا گناہ

نمازی کے آگے سے گذرنے کا گناہ کس قدر ہے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل روایات سے لگایا جاسکتا ہے:

❖ حضرت عبداللہ بن الحارث بن الصمۃ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"اگر نمازی کے آگے سے گذرنے والے کو یہ معلوم ہوجائے کہ اس پر کتنا گناہ ہے تو چالیس تک کھڑا رہنا اس کے لئے بہتر ہے اس سے کہ وہ نمازی کے آگے سے گذرے (بخاریؒ، مسلمؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ اور موطا وغیرہ) ابوالنضر راوی کہتے ہیں کہ مجھے پتہ نہیں کہ اس چالیس سے کیا مراد ہے چالیس دن، یا چالیس مہینے، یا چالیس سال۔

❖ اور دوسری روایت میں آپ ہی سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"اگر نمازی کے آگے سے گذرنے والے کو یہ معلوم ہوجائے کہ اس پر کتنا گناہ ہے تو اسے چالیس سال تک کھڑا رہنا اس سے بہتر ہے کہ وہ نمازی کے آگے سے گذرے (البذار، اتحاف ابلیب باختصار الترغیب والترھیب ج ۱ ص ۱۳۲)

❖ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"تم میں سے اگر کسی کو سو سال تک بھی کھڑا رہنا پڑے تو یہ اس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنے بھائی کے سامنے سے گذرے جبکہ وہ نماز پڑھ رہا ہو" (ترمذیؒ) اندازہ فرمایئے کہ پیغمبر تو سو سال تک کھڑے رہنے کا فرمائیں اور ہم چند منٹ بھی صبر نہ کرسکیں۔ فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

❖ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت ہے کہ:

"اگر کسی کو راکھ بن کر بکھر جانا پڑے تو بھی وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ جان بوجھ کر کسی آدمی کے آگے سے گذرے جبکہ وہ نماز پڑھ رہا ہو" (ابن عبداللہ، اختصار الترغیب والترھیب)

پس نمازی کے آگے سے گذرنے کے اس قدر بڑے گناہ سے خود بھی بچو اور دوسروں کو بھی بچانے کی کوشش کرو، اللہ پاک ہم سب کا حامی و ناصر ہو اور ہمیں حق بات سمجھنے یاد رکھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق بخشے، آمین۔ اِنَّہٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ۔

محتاج دعاء، آپ کا مخلص:

محمد اسحاق خان (عفا اللہ عنہ وعافاہ)

فون نمبر ۲۲۲۷۹۲ ص۔ب ۵۱۵۲۔ دبئی متحدہ عرب امارات

تحریر: ۲۸ محرم الحرام ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۸۵ء

مولانا قاری محمد طیب قاسمی

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریب سعید پر بے مثال خطاب عام

محمد بن عبداللہ سے محمد رسول اللہ تک

گذشتہ سے پیوستہ

حسن یوسفؑ پر جمالِ محمدی کا تفوق

حضرت عائشہؓ کیا فرماتی ہیں؟ وہ مجھے سنانا ہے یہ اس کے لئے تمہید ہے۔ حضرت عائشہؓ جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ پاک ہیں، وہ فرماتی ہیں کہ بیگمات مصر نے یوسفؑ کو دیکھا تھا تو ہاتھ کاٹ ڈالے اگر میرے محبوب کو دیکھتیں تو دلوں کے ٹکڑے کر ڈالتیں ـــــــ یہ گویا صدیقہؓ نے فرق بیان کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جمال حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن وجمال سے زیادہ تھا۔

آپؐ نے جو حدیث میں فرمایا کہ آدھا حسن پوری دنیا کو دیا گیا۔ آدھا یوسف علیہ السلام کو تو خود حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اس سے مستثنیٰ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ساری دنیا کے مجموعے کو حسن دیا گیا وہ تنہا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حسن دیا گیا وہ یوسفؑ سے بھی بڑھ کر ہے۔ عائشہ صدیقہؓ کی کہاوت صحیح ہے کہ بیگمات مصر نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تھا تو انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ میرے محبوب کو دیکھ پاتیں تو دل صحیح سالم نہ رہتے، دلوں کے ٹکڑے کر ڈالتیں۔ اس سے جمال محمدی کا اندازہ ہوا۔

یوسف علیہ السلام کے بارے میں "حسن" کا لفظ استعمال کیا فاذا اقد اعطی شطر الحسن

آدھا حسن پوری دنیا کو دیا گیا۔ آدھا حسن حضرت یوسف علیہ السلام کو دیا گیا ـــــــ

حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے "جمال" کا لفظ استعمال کیا گیا۔ جمال برتر ہوتا ہے حسن پر جسن کہتے

ہیں۔ قدو قامت کی موزونیت کو کہ ہر عضو اور ہر جوڑ بند اپنی جگہ اتنا مکمل ہو کہ نگاہیں نہ پھیری جائیں وہاں سے ہٹنے نہ پائیں مجموعی طور پر قابو پالے، تو حسن کہتے ہیں رنگ کی سفیدی اور ظاہری نقشے کے اچھے ہونے کو اور جمال کہتے ہیں مجموعہ قد کے تناسب کو اعضا کے جوڑ بند کے درست ہونے اور اپنی اپنی جگہ موزوں ہونے کو، ــــــ انگلی دیکھو تو معلوم ہو کہ اس سے بہتر نہیں ہو سکتی ناک دیکھو تو معلوم ہو کہ اس سے بہتر نہیں ہو سکتی ہر ہر عضو اتنا موزوں، اتنا کامل کہ اس سے آگے کمال کا تصور نہیں ہو سکتا اسے کہتے ہیں جمال تو جمال فائق ہے حسن کے اوپر، بڑھا ہوا ہے حسن سے۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالے شانہ، کے لئے جمیل کا لفظ بولا گیا، حسین کا لفظ نہیں بولا گیا ان اللہ جمیل ؐ یحب الجمال اللہ خود بھی جمیل ہے جمال والے کو پسند بھی کرتا ہے یہ نہیں کہا گیا کہ ان اللہ حسین، یحب الحسن اللہ حسن والا ہے حسن والے کو پسند کرتا ہے اس لئے کہ حسن کہتے ہیں حسن صورت کو، اور جمال کہتے ہیں ــــــ جمالِ ذات کو کہ ذات بالکل موزوں اور مناسب ہے اور حسن کے معنی صورت اچھی رنگ اچھا بہر حال نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جمال دیا گیا تھا۔ اس لئے احادیث میں جہاں آپکے جمال کا ذکر ہے تو ان میں آپ کے ایک ایک عضو کی تعریف ہے بال ایسے تھے، دندانِ مبارک ایسے تھے جیسے موتی پروئے ہوئے، بال نہ بالکل لٹکے ہوئے نہ بالکل جعدہ کچھ لٹکے ہوئے کچھ گھنگھریالے، تو لٹکے ہوئے بھی اور چھلے دار بھی، بالکل لٹکے ہوئے بال ہوں تو یہ حسن نہیں سمجھا گیا، اور بالکل لٹکے ہوئے نہ ہوں بلکہ چھلے چھلے پڑے ہوئے ہوں تو یہ بھی حسن نہیں سمجھا گیا۔ گھنگھریالے بھی ہوں اور پھر کچھ لٹکے ہوئے بھی ہوں دونوں چیزیں جمع ہوتی ہیں تو اسے جمال کہتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ صحابہ کرامؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ لینے کے لئے آپ نے دستِ مبارک دراز فرمایا۔ چادر مبارک اتر گئی اور بغلیں کھلیں، تو فرماتے ہیں صحابہ کرامؓ یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے چاندی کی کوئی چیز شفاف رکھی ہوئی ہو کہ اس پر نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی۔

گردن کے متعلق تشبیہ دی گئی ہے کہ جیسے عاج کی ہو یعنی ہاتھی دانت کی بنی ہوئی ہو۔ اس قدر صاف اور ستھرا اس کا رنگ تھا تو جس چیز پر نگاہ پڑجاتی تھی۔ نگاہ ہٹنے کا نام نہ لیتی تھی تو بہر حال سراپا جو ذکر کیا گیا احادیث میں اور شمائل پر مستقل کتابیں لکھی گئیں کہ جس میں حضور صلے اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ زیبا اور آپؐ کے قد و قامت اور سراپا کی تعریف بھی کی گئی ـــــــ امام ترمذیؒ نے ایک مستقل کتاب شمائل ترمذی کے نام سے لکھی ہے اس میں وہی احادیث ذکر کی گئی ہیں جس میں حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال کا، حسن کا، کمال کا ذکر ہے جو مستقل روایتوں کا ذخیرہ ہے۔

سیرۃ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہے؟

تو بہرحال ۱۲ ربیع الاول کو ایک ذات مقدس کو اللہ نے نمایاں کیا کہ اس سے زیادہ حسین و جمیل نہ پہلے عالم میں پیدا ہوئی تھی نہ بعد میں پیدا ہوگی، ایک کامل نقشہ انسانیت کا ایسا پیش کیا گیا کہ اس سے زیادہ حسین و جمیل نقشہ دوسرا نہیں ہے اور یہ تو قاعدہ کی بات ہے کہ جیسا سانچہ ہوتا ہے ویسی ہی اس میں چیز ڈھلی ہوتی ہے، سانچہ مکمل ہے تو جو چیز ڈھلے گی وہ بھی مکمل ہوگی، سانچہ اگر بے ہنگم ہے تو جو اس میں ڈھالو گے وہ بھی بے ہنگم ہوگا تو جب سراپا قد و قامت اور نقشہ و قالب مکمل تھا تو حقیقت بھی تو اتنی ہی مکمل آنی چاہئے تھی اس لئے جیسے جمال بے نظیر تھا، ویسے ہی کمال جو اس میں بھرا ہوا تھا، وہ بھی بے نظیر تھا۔ اس کمال ہی کا نام سیرت نبوی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اسی کمال سے آپؐ کی عادتیں، آپؐ کے افعال، آپؐ کے خصائل پیدا ہوئے تو ایک ہے شمائل، شمائل کہتے ہیں ظاہری خصائل کو، اور خصائل کہتے ہیں، باطنی خصلتوں کو، یعنی اخلاق کو، عادات کو، کمالات کو، تو جب شمائل اعلیٰ ہوگئے تو خصائل بھی اعلیٰ ہوں گے، نقشہ بے نظیر تھا تو جو چیز ڈھلی ہوتی تھی وہ بھی بے نظیر تھی، تو جیسے صورت اعلیٰ تھی، سیرت بھی اعلیٰ تھی ـــــــ اس واسطے میں نے عرض کیا صورت خود مقصود نہیں ہوتی، صورت سیرت کے دکھلانے کا آئینہ ہوتی ہے صورت پہچاننے کا ذریعہ ہوتی ہے کسی شخص کو دیکھ کر جب آپ پہچانتے ہیں تو صورت دیکھ کر ہی پہچانتے ہیں کہ یہ کون شخص ہے یعنی اس کی حقیقت کیسی؟ اس کی عادات کیسی؟ اس کی باتیں کیسی؟ تو پہلا ذریعہ پہچاننے کا صورت ہے تو ذریعہ تعارف ہے صورت، حقیقت میں جو چیز پہچاننے کی ہے، وہ ہے جو صورت کے اندر ڈھلی ہوتی ہے اس کا نام سیرت ہے تو صورت محمدی سیرت محمدی کے پہچاننے کا وسیلہ بنی، دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیئے کہ ولادت جسمانی ذریعہ بنی ولادت روحانی کے پہچاننے کا کہ اس ذات کو ظاہر کیا جائے اس ذات سے

دنیا کے لئے پھر کمالات نمایاں ہوں تا کہ دنیا ان کمالات پر عمل کر کے خود سعادت حاصل کرے تو اصل چیز سیرت ٹھہر جاتی ہے۔

سیرتِ مقدسہ کا جُزو اوّل

سیرت مقدسہ میں سب سے پہلا جز جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک زندگی کا آتا ہے وہ عصمت ہے اہل سنت والجماعت اور مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام نبوت ملنے سے پہلے بھی معصوم ہوتے ہیں، یعنی وہ جو پہلی زندگی ہے اس میں بھی گناہ نہیں کر سکتے اور نبوت ملنے کے بعد تو معصومیت نمایاں ہے پھر تو گناہ کا کوئی سوال ہی نہیں رہتا اس لئے کہ اگر نبی کی زندگی میں کوئی ادنیٰ گناہ کا تصور ہو پھر اس کی زندگی نمونہ نہیں بن سکتی جو لوگ عمل کریں احتمال ہوگا کہ یہ چیز غلطی سے کی ہو، یہ چیز ممکن ہے گناہ ہو، تو نبی کی زندگی قول و فعل میں نمونہ بنتی ہے اسی کے لئے کہ ہر شخص نبی کے قول و فعل پر عمل کر سکے، تو یہ جبھی کر سکتے ہیں کہ جب ہر قول و فعل اتنا پاک اور مقدس ہو کہ اس میں نافرمانی کا شائبہ تک نہ ہو اس کے اندر کسی گناہ کا شائبہ نہ ہو، کسی معصیت کا احتمال نہ ہو، اگر نبی کی زندگی میں گناہ اور معصیت کا احتمال ہو گیا تو زندگی بے اعتبار ہو جائے گی پھر وہ نمونہ اور قابلِ تقلید باقی نہیں رہے گی اس لئے انبیاء علیہم السلام کو حق تعالیٰ معصوم پیدا فرماتے ہیں کہ ان سے گناہ نہیں ہو سکتا۔

اور کیوں نہیں ہو سکتا گناہ؟ —— اس کی وجہ یہ ہے کہ سب سے پہلے تو انبیاء علیہم السلام کی طینت اور مادہ اتنا پاک رکھا جاتا ہے کہ اس کے اندر گناہ کی کھپت نہیں ہوتی حدیث میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انبیاء پیدا تو کئے جاتے ہیں مٹی سے، لیکن ان کی مٹی میں غالب حصہ جنت کی مٹی کا ہوتا ہے تراب جنت سے ان کا بدن بنایا جاتا ہے، اب ظاہر ہے کہ جب جنت کی مٹی کا عنصر شامل کر دیا گیا اور دنیا کی مٹی معمولی درجہ میں ہے، غالب حصہ وہ ہے جو جنت کی مٹی ہے تو جنت کی مٹی سے پاک مٹی دوسری نہیں ہو سکتی اس خاک کے اندر کدورت ہے اور اس خاک کے اندر طہارت اور پاکیزگی ہے، لطافت اور نورانیت ہے تو گویا

انبیاء جنتی الاصل ہوتے ہیں ان کی اصل جنت کی ہے ہماری اصل اس دنیا کی ہے ہم اپنی اصل کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ گناہ کی لذتوں کی طرف بڑھتے ہیں اور انبیاء اپنی اصل کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ پاکی طہارت نیکی اور تقویٰ و تقدس کی طرف بڑھتے ہیں مثل مشہور ہے کل شی ء یرجع الیٰ اصلہ ہر چیز اپنے اصل کی طرف رجوع کرتی ہے جو اصلیت ہوتی ہے اس میں ظاہر ہوتی ہے، تو انبیاء میں اصلیت جنت کی مٹی ہے اس لئے دنیا میں رہ کر بھی ان کا قلب رجوع رہتا ہے جنت کی طرف! دنیا کی طرف مائل نہیں ہوتا اپنی اصل کی طرف جاتے ہیں تو جنت کی مٹی چونکہ پاک ہے اس واسطے نیک طینت ہونے کی بناء پر انبیاء علیہم السلام کے اندر گناہ کا تصور تک نہیں ہوتا ——— جب تصور ہوگا پاکی کا ہوگا، اسی لئے نبی کی طبیعت اتنی پاک بنتی ہے کہ طبیعت کو جب بھی آزاد چھوڑ دیں جب جائے گی خیر کی طرف جائے گی، جب جائے گی صلاح کی طرف جائے گی، جب چلے گی نیکی کی طرف چلے گی۔ کبھی شر کی طرف نہیں جائے گی، نیک عمل کی طرف جائے گی۔

آپ کے عرف میں کہاوت ہے جو آدمی نیک ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ "بہت نیک طینت آدمی ہے"، یعنی معلوم ہوتا ہے مٹی بہت اچھی ہے، کوئی برائی کا کام کرتا ہی نہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ جوہر اگر پاک ہو تو پھر اس سے افعال بھی پاک سرزد ہوں گے اور جوہر میں اگر کدورت ہو تو افعال میں بھی کدورت ہوتی ہے تو چونکہ انبیاء کے جوہر میں جنت کی مٹی شامل ہوتی ہے اور غلبہ اسی کو ہوتا ہے۔ اس واسطے ان کی سیرت اتنی پاک ہے کہ طبیعت پاک بنتی ہے، نبی کی طبیعت کو جب چھوڑا جائے تو خیر کی طرف ہی چلے گی بد عملی کی طرف نہیں جائے گی، رخ ہی طبیعت کا یہ ہے تو انبیاء علیہم السلام چونکہ نیک طینت پاک طینت ہوتے ہیں اس لئے طبیعت بھی پاک ہوتی ہے اس طبیعت سے جو بھی وہ عمل کریں گے، نیک ہی ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت جو اترتی ہے تو نبی کی طبیعت پر اترتی ہے جتنے افعال انبیاء سے صادر ہوتے ہیں وہ افعال ہی شریعت بنتے ہیں۔ نبی کا کہا ہوا اور کیا ہوا ہی تو شریعت ہے آپ نے جو کہہ دیا وہ نمونہ، اور شریعت بن گیا یہ جو کہا جاتا ہے کہ جس طرح حضور بات کریں اس طرح تم بات کرو، جس طرح حضور سوتے تھے اس طرح آپ کو سونا چاہیئے۔ جس طرح آپ کھانا کھاتے تھے اس طرح آپ کو کھانا کھانا چاہیئے۔ جس طرح سے کپڑے پہنتے تھے آپ کو پہننا چاہیئے۔ یہ پہننا بولنا کھانا

پینا طبیعت ہی کے افعال ہیں اور جب یہ سارے افعال نمونہ ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نبی کی طبیعت کے اوپر اترتی ہے جو نبی کہہ دے وہ شریعت جو کر کے دکھلا دے وہ شریعت، تو جب تک طبیعت اتنی مقدس اور پاک نہ ہو کہ اس میں شائبہ نہ ہو برائی کا، شریعت کیسے بنے گی! اس لئے نبی کی طبیعت پر شریعت اترتی ہے اور نبی کی عقل پر علم اترتا ہے کہ اس طبیعت سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں وہ شریعت ہو جاتے ہیں اور اقوال علم کے بارے میں جو کہتے ہیں وہ وحی ہوتے ہیں، کیونکہ عقل کامل پر وحی آتی ہے تو علم بھی انبیاء علیہم السلام کا کامل، عمل بھی کامل ــــ

تو بہرحال جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم ہیں۔ اولاً تو اس لئے کہ طبیعت پاک پیدا کی گئی۔ کیوں پاک پیدا کی گئی؟ اس لئے کہ جوہر پاک رکھا گیا۔ جنت کی پاک مٹی سے انبیاء کے بدن کو بنایا کہ جب بھی چلے گا نیکی کی طرف چلے گا اولاً تو اس وجہ سے معصومیت آتی ہے کہ گناہ کی طرف نبی کی طبیعت رجوع نہیں ہو سکتی۔ فطری بات ہے۔

عصمتِ انبیاء علیہم السلام کا دوسرا جزو

دوسری بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو ہر وقت اللہ کے جلال اور جمال کا مشاہدہ ہوتا ہے ان کا قلب ہر وقت اللہ میں منہمک محبت میں غرق ہوتا ہے اور اتنی کامل محبت کہ گویا ہر وقت وہ حق تعالےٰ کی تجلیات کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ بادشاہ کے دربار میں اگر آپ جائیں اور نگاہوں کے سامنے بادشاہ ہو۔ کیا اس وقت آپ کو تصور آئے گا کہ آپ اس بادشاہ کی خلاف ورزی کریں جب کہ بادشاہ کی عظمت سامنے، اقتدار سامنے، شاہی تخت پر بادشاہ بیٹھا ہوا ہے تو نافرمانی کرنا تو بجائے خود ہے آپ کی یہ بھی جرأت نہ ہوگی کہ نگاہ ادھر ادھر بھی پھیریں ادب کے ساتھ نگاہ نیچی رہے گی، بادشاہ سامنے موجود ہے اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں تو جب ایک معمولی بادشاہ کے مشاہدہ کا اثر انسان پر یہ پڑتا ہے کہ وہ نہ بے ادبی کر سکتا ہے اور نہ ہی شاہی دربار میں گستاخی کر سکتا ہے، نہ نافرمانی کر سکتا ہے تو اللہ تعالےٰ کا مشاہدہ جس ذات کو ہر ہر وقت رہے تو کیسے ممکن ہے کہ اللہ کی نافرمانی پر وہ آمادہ ہو! کس طرح ممکن ہے کہ وہ حق تعالےٰ

کے احکام کی خلاف ورزی کرے یا منشاء حق کے خلاف کرے، اس واسطے انبیاء علیہم السلام مشاہدہ کے سبب سے بھی معصوم ہوتے ہیں ـــــ تو ایک معصومیت آتی ہے جوہر کی پاکی کی وجہ سے، دوسری معصومیت آتی ہے مشاہدۂ حق کی وجہ سے کہ جلال وجمال اللہ کا سامنے ہے، ہر وقت اللہ کے سامنے ہیبت زدہ ہیں کیسے ممکن ہے کہ اس کے احکام کی خلاف ورزی کریں۔

آپ کو یقین ہے کہ سنکھیا سے موت آتی ہے انسان کبھی جرأت نہیں کرسکے گا کہ سنکھیا کھالے۔ جہالت سے کھالے تو کھالے یا لاعلمی سے لیکن اگر علم ہے کہ سنکھیا سے موت آتی ہے اور یہ بھی معلوم ہو کہ یہ سنکھیا ہے تو آدمی اس سے دور چلے گا کہ ایسا نہ ہو کہ اس کا دھواں میرے ناک میں چلا جائے اور موت کے قریب ہو جاؤں اس لئے کہ آپ کو علم ہے کہ سنکھیا موت لانے والا ہے حالانکہ آپ نے تجربہ نہیں کیا کہ سنکھیا کھا کے دیکھا ہو اور آدمی کا انتقال ہوا ہو۔ اس لئے کہ انتقال کے بعد دوبارہ پتہ چل گیا ہو کہ لاؤ تجربہ کر دوں، تو تجربہ عملاً نہیں ہے محض یقین ہے اور دوسروں سے سننے پر یقین ہے تو جب دوسروں کے سننے پر یقین ہو جاتے اور آدمی اس پر بھی کھانے کے لئے آگے نہ بڑھے تو انبیاء علیہم السلام کے لئے تو سنی سنائی نہیں بلکہ اللہ کے جلال وجمال کا آنکھوں دیکھا یقین ہو وہ مشاہدہ کر رہے ہوں، کیسے ممکن ہے کہ وہ خلاف ورزی کریں؟ اور اپنے یقین کے خلاف کریں؟ ـــــ

تو دو باتیں ہوئیں ایک یہ کہ طینت پاک ہے اس کی وجہ سے نبی کی طبیعت کبھی شر کی طرف نہیں جاتی ـــــ دوسرے یہ کہ مشاہدۂ حق ان کے سامنے رہتا ہے ہر وقت اللہ کی عظمت، اس کا قہر، اس کا جلال، اس کی رحمت، اس کی شان جلال وجمال آنکھوں کے سامنے ہوتی ہے گویا نبی ہر وقت دربار خداوندی میں حاضر رہتا ہے تو شاہی دربار میں رہ کر بادشاہ کی خلاف ورزی اور بادشاہ کی نافرمانی کا تصور نہیں آسکتا۔ کیسے ممکن ہے کہ انبیاء علیہم السلام گناہ کی طرف چل پڑیں۔

عصمتِ انبیاء علیہم السلام کا جزوِ سوم

اور تیسری بات یہ ہوتی ہے کہ ـــــ اوّل تو طینت کے پاک، پھر مشاہدۂ حق اور اس کے ساتھ ساتھ حفاظتِ خداوندی بھی شامل ہوتی ہے کہ کہ اگر کسی وقت بشریت کے تقاضے سے طبیعت مائل بھی ہو جائے تو اللہ کی حفاظت ہوتی ہے کہ نبی گناہ کر نہیں سکتا اس کی زندگی پاک رہتی ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا کہ زلیخا نے جب سات کمرے بنوائے اور یوسف علیہ السلام کو اندر بلایا اور تمام کمروں کے تالے لگوا دیے اس کے بعد اپنی بات اور مقصد سامنے رکھا تو قرآن کریم کہتا ہے ولقد همت به وهم بها کہ زلیخا نے بھی ارادہ کیا اور یوسف علیہ السلام نے بھی یعنی بتقاضائے بشریت وسوسے کے درجہ میں ایک چیز آئی ـــــ فرمایا لولا ان رأ برهان ربه ـــــ ہو سکتا تھا کہ یوسف مبتلی ہو جائیں یعنی ارادہ کریں۔ عملاً تو نہیں ہو سکتے تھے مگر ارادۂ اللہ اپنی قدرت کی نشانی دکھلا دیتا کہ خدا نے حفاظت کی کہ وسوسے سے بھی دُور رہے اور یہ کیا حفاظت ہے؟

حدیث میں ہے کہ یوسف علیہ السلام کے دل میں ممکن تھا کہ دل کی خواہش کا وسوسہ پیدا ہو لیکن چھت کی طرف نگاہ اٹھائی تو یعقوب علیہ السلام کا چہرہ مبارک چھت پہ نظر پڑا جو دانتوں میں انگلی دبائے ہوئے ہیں ـــــ اسے دیکھتے ہی یوسف علیہ السلام بھاگے وہاں سات دروازوں پر تالے پڑے ہوئے تھے لیکن یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ جس دروازے پر پہنچے تالا ٹوٹتا گیا، دروازہ کھلا، آگے پہنچے وہ بھی دروازہ کھلا، ساتوں مکانوں سے باہر ہو گئے اس سے معلوم ہوا کہ جیسے انبیاء علیہم السلام کی طینت پاک ہے اور جیسے مشاہدۂ جلال و جمال کی وجہ سے حق تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کر سکتے اسی طرح حفاظت خداوندی بھی شامل ہوتی ہے کہ اگر بتقاضائے بشریت کوئی بات وسوسے کے درجہ میں آئے تو وہ عمل نہیں کر سکتے اللہ ان کو محفوظ رکھتا ہے۔

قبل از نبوت بھی نبی معصوم ہوتا ہے

حدیث میں ہے کہ آپ نے خود اپنا واقعہ بلکہ دو واقعے ارشاد فرمائے جیسے میں نے عرض کیا تھا کہ نبوت سے پہلے بھی نبی معصوم ہوتے ہیں تو حفاظت خداوندی کی مثال دی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ میری عمر چودہ سال کی تھی۔ مکہ میں قریش میں کوئی شادی تھی اور شادی بڑے گھرانے میں تھی تو ناچ گانے کے لئے بھی کچھ سامان تھے ——— جب دولت بڑھتی ہے تو اسی قسم کی خرافات لوگوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ کچھ مفلسی رہے، کچھ دولت کم ہو تو سیدھا سادھا شادی بیاہ کا معاملہ ہو جاتا ہے لیکن دولت بڑھتی رہے تو طغیانی اور سرکشی بڑھتی ہے اگر حق تعالےٰ حفاظت نہ فرمائیں اور کسی کے دل میں صلاحیت نہ ہو تو دولت آدمی کو تباہ کر دیتی ہے ——— تو وہاں بھی یہ ہوا کہ دولت مند گھرانہ تھا۔ بظاہر یہ کہ رونق کی سوجھتی ہو جبھی یہ کہ شادی میں کچھ رنگ ہو، کچھ ناچ ہو، کچھ تعیش ہو، کچھ کھیل تماشے ہوں، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ قریش کے ہم عمر نوجوان کچھ لڑکے تھے انہوں نے مجھ سے کہا چلو وہاں شادی ہے اور قریش کی برادری ہے ہم بھی شادی میں چلیں ——— یہ تفصیلات تو آپ کے سامنے نہیں تھیں کہ وہاں ناچ رنگ ہوگا بلکہ یہ تھا کہ بہر حال کچھ رنگ رلیاں تھوڑی بہت ہوں گی تو لڑکپن کے زمانے میں اس طرف طبیعت کا میلان ہو جانا، کوئی عجب بات نہیں ہے۔ دس بارہ برس کے بچوں نے کہا کہ ہم بھی شادی میں شریک ہوں اور وہاں کھیل تماشے بھی ہوں گے ——— آپ فرماتے ہیں کہ میں بھی ساتھ چلا گیا کھیل تماشے شروع ہونے کا وقت رات تھا جیسے ہمارے ہاں عشاء کے بعد رات کا وقت ہوتا ہے اس کے بعد ناچ رنگ تھے ——— تو فرماتے ہیں کہ میں جا کے بیٹھا، ابھی شروع نہیں ہوئے تھے کہ مجھ پر اتنی شدید نیند طاری ہوئی کہ میرے قبضہ میں نہ رہا بیٹھنا۔ میں سو گیا، ساری رات سوتا رہا، مجھے خبر نہیں کہ ناچ ہوا یا گانا ہوا۔ رنگ رلیاں منائی گئیں یا کیا قصہ ہوا؟ پوری رات اللہ نے میری حفاظت کی اور جب میں اٹھا ہوں تو سننے میں تو یہ آیا کہ بہت باجے گاجے بجے، بہت باجے بجائے گئے، بہت ناچ رنگ ہوئے

آپؐ فرماتے ہیں کہ مجھے کچھ خبر نہیں، یہ تھی حفاظت خداوندی ـــــــ حالانکہ آپؐ اس ارادے سے بھی نہیں گئے تھے کہ وہاں ناچ رنگ میں شریک ہوں گے، مگر یہ ضرور تھا کہ کچھ کھیل تماشہ ہوگا تو بارہ تیرہ برس کی عمر میں کسی کھیل تماشے کے لئے آدمی جائے یہ کوئی بری چیز نہیں تھی، اتنا قلب مبارک میں آیا کہ کچھ کھیل تماشہ ہے لیکن کھیل ناجائز قسم کا تھا اس لئے کہ اس میں باجے تھے اور حدیث میں مزامیر کی ممانعت فرمائی گئی ہے اگر اجازت دی گئی تو دف کی تو اجازت ہے کہ نکاح ہو اس میں دف بجا دی تو اس میں کچھ تعیش نہیں ہوتا بلکہ کانوں کو اور تکلیف ہوتی ہے راحت اس کے اندر نہیں ہوتی جیسے ستار میں یا ہارمونیم میں تعیش اور غفلت کی بات ہوتی ہے وہ اس کے اندر نہیں ہوتی مگر وہاں مقصود حقیقت میں دف بجانا بھی نہیں وہ تو اعلان مقصود ہوتا ہے کہ نکاح ہو دف بجا دو تاکہ اعلان ہو جائے تو بہر حال دف اور چیز ہے۔ باجے گانے اور چیز ہیں کیونکہ شرعاً ممنوع ہیں اس لئے آپؐ نے فرمایا کہ اللہ نے میری حفاظت کی کہ مجھے کچھ خبر نہ تھی کہ کیا بجا ہے یا ناچ گانا ہوا ہے ـــــــ ایک تو یہ واقعہ ہے جس سے واضح ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی جیسے طینت پاک ہے جس کی وجہ سے وہ گناہ نہیں کرتے اور جیسے انہیں مشاہدہ ہوتا ہے۔ اللہ کے جلال و جمال کا جس کی وجہ سے گناہ نہیں کرتے، ویسے ہی اللہ کی حفاظت بھی شامل حال ہوتی ہے اگر کبھی بشری تقاضے سے وسوسہ بھی قلب میں آئے تو اللہ کی حفاظت گناہ ہونے نہیں دیتی اس کی نظیر ایک تو یہ نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے۔

دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر شریف غالباً ۲۵ برس کی تھی مکہ مکرمہ میں ایک سیلاب آیا اور مکہ چونکہ نشیب میں ہے چاروں طرف پہاڑ ہیں بارشیں تو بہت کم ہوتی ہیں مگر جب زیادہ ہوتی ہیں تو سارا پانی حرم میں آ جاتا ہے اور بیت اللہ بالکل بیچ میں ہے گہرائی میں تو سیلاب آیا اور بیت اللہ کے اندر داخل ہو گیا جس کی وجہ سے دیواروں کے اندر کا چونا بھی نکل گیا دیواریں بگڑ گئیں ایسا ہو گیا کہ پتھر اوپر نیچے رکھے ہوئے تھے مصالحہ باقی نہیں رہا، اندیشہ تھا کہ دیواریں گر جائیں ـــــــ تو قریش نے ارادہ کیا کہ بیت اللہ کی از سر نو تعمیر کریں اس کے لئے چندہ جمع ہوا مگر اس زمانے کے قریش باوجودیکہ شرک میں مبتلا تھے اور انتہائی بد عملیوں کا شکار تھے، لیکن اللہ کے گھر میں مشتبہ مال لگانا پسند نہیں کرتے تھے

وہ تو ڈکیتی بھی مارتے تھے۔ سود سٹہ بھی کرتے تھے جائز و ناجائز ہر طرح کی کمائی تھی
لیکن باوجود اس فسق نفس کے ان میں یہ احساس تھا کہ خدا کا گھر پاک کمائی کا مستحق ہے اس میں کوئی
مشتبہ کمائی نہیں آنی چاہیے ——— تو چندے میں یہ عہد کیا گیا کہ ڈکیتی کا نہ ہو، سود اور بیواؤں کا
نہ ہو۔ کمائی وہی ہونی چاہیے جو خالص حلال کے ذریعے ہو جو ہم اپنی تجارت کے ذریعے، زراعت کے
ذریعے کماتے ہیں اس کو لے کر جو چندہ جمع کیا گیا تو وہ اتنا نہیں ہو سکا کہ بیت اللہ کی تعمیر ابراہیمی بنیادوں
کے اوپر کی جائے تو اسے گوارا کیا کہ پوری تعمیر نہ ہو حطیم کا حصہ چھوڑ دو، حطیم کو چھوڑ کر پھر بیت اللہ
کی تعمیر کرو تو چندہ کافی ہو جائے گا، ——— چنانچہ آج بھی وہ حصہ حطیم کا چھٹا ہوا ہے ———
وہ جو بیت اللہ شریف کے متصل جو حج کرکے آئے ہیں۔ انہوں نے دیکھا ہوگا، ——— ایک
گول دائرہ سا بنا ہوا ہے جس میں حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ علیہما السلام کی قبریں ہیں۔ اس کے
درمیان اور بیت اللہ کے درمیان میں تقریباً پونے دو گز کی جگہ چھوٹی ہوئی ہے، وہ بیت اللہ کا
حصہ ہے ابراہیم علیہ السلام نے جو خود بنائی تھی اور تعمیر بنائی تھی اس میں وہ حصہ بھی بیت اللہ کے اندر
شامل تھا لیکن چندہ اتنا نہیں ہو سکا کہ پوری بناء ابراہیمی پر تعمیر کردیں اس لیے اس حصہ کو چھوڑ دیا
اور چھوڑ کر خالص کمائی سے بیت اللہ کو تعمیر کردیا ——— یہ تو تھی نیک بات ——— کہ
پاک کمائی لگنی چاہیے۔ اللہ کے گھر میں مشتبہ کمائی نہ لگے ——— مگر ایک حرکت جہالت کی
بھی تھی ——— آخر تھے تو جہلائے عرب ہی۔ کوئی اسلام کی روشنی تو آئی ہی نہیں تھی یہ سوچا
انہوں نے کہ بیت اللہ کی ہم تعمیر کریں اور ان کپڑوں میں کریں جن میں رات دن گناہ کرتے ہیں
جن میں رات دن معصیتیں کرتے ہیں سیاہ کاریاں کرتے ہیں۔ ان کپڑوں کے اندر ———؟
لہٰذا ننگے ہو کر تعمیر کرو تاکہ بالکل پاکی کے ساتھ تعمیر ہو یہ جہالت کا شوشہ تھا اس واسطے کہ بالکل ننگا ہو
تو بے حیائی کی بات تھی تو حرکت اگر پاک تھی کہ گویا کوئی گناہ کیا ہے تو ننگا ہونا بھی تو گناہ میں شامل
ہے تو ایک گناہ سے بچے تو دوسرے گناہ کی طرف لگ گئے، بقول شخصے کہ "کنوئیں میں سے نکلے تو
کھائی میں جا گرے"۔ یہ انہوں نے نہ سوچا کہ ہم جو گناہ کرتے ہیں تو ان کپڑوں سے تھوڑا ہی کرتے
ہیں اس بدن سے کرتے ہیں تو پھر کھال کو بھی کھینچ دینا چاہیے کہ اس کھال سے کیسے بیت اللہ
کی ہم تعمیر کریں اور اس بدن سے کریں اس بدن سے تو ہم گناہ کرتے ہیں ——— آخر

کپڑوں نے بے چاروں نے کیا قصور کیا تھا کہ بدن تو گناہ کر کے پاک کا پاک اور کپڑے ہوئے ناپاک ؟ اس میں ہم نے چوری کی تھی ڈکیتی ڈالی تھی ہمیں کپڑے کا کیا نقصان ——؟ نقصان تو تمہاری کھال کا تمہارے گوشت پوست کا ہے، اُسے کھینچئے، اُسے بدلئے —— مگر یہ جہالت تھی کہ یہ کہا کہ ننگے ہو جاؤ اس لئے کہ کپڑوں نے گناہ کیا ہے، تو کپڑوں کو پھینک دو ——

چنانچہ برہنہ ہو کر تعمیر شروع کی تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب میں آیا، تو قریش نے کہا اے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم بھی شریک ہو تعمیر میں۔ یہ مقدس کام ہے، آپ نے فرمایا ٹھیک ہے —— مگر کہا دیکھو ننگے ہو جاؤ، برہنہ ہو جاؤ، آپ کی طبیعت نے گوارہ نہ کیا شریعت تو نہیں اتری تھی کہ یہ مسئلہ معلوم ہوتا کہ ستر کہاں تک ہے، کتنے بدن کو چھپانا واجب ہے اور کتنے کو نہیں ؟ مگر نبی کی طبیعت میں ہی فطرت میں ہی پاکی ہوتی ہے سلامتی ہوتی ہے تو آپ کی طبیعت نے گوارہ نہ کیا کہ میں برہنہ ہوں۔ مگر قریش نے زور دیا کہ نہیں، جب تمہارے سارے عزیز بلکہ بزرگ وہ سب برہنہ ہو کر تعمیر میں لگے ہوئے ہیں۔ تمہاری عمر تو چھوٹی ہے، تو کمسن ہو، اپنے بزرگوں کی تعمیل کرو —— فرماتے تھے میں نے کچھ ارادہ بھی کیا کہ جب یہ اس طرح ہیں تو میں بھی برہنہ ہو کر تعمیر کروں۔ میں ارادے اور تخیل ہی میں تھا اور گویا میں نے ابھی ہاتھ ڈالا لنگی پر تو اچانک مجھ پر اس زور کی غشی طاری ہوئی کہ میں زمین پر گرا، جیسے کوئی پٹخ دیتا ہے زمین کے اوپر اور پھر مجھے ہوش نہیں رہا کہ کیا ہوا ؟ افاقہ اس وقت ہوا جب تعمیر مکمل ہو چکی تھی لوگ اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔ حق تعالیٰ نے مجھے برہنہ ہونے سے محفوظ رکھا، تو برہنگی فی الحقیقت ایک معصیت کی شان ہے، ستر کا کھل جانا معصیت کی شان ہے —— اسلام میں مرد کا ستر رکھا گیا ہے ناف سے لے کر گھٹنوں تک۔ اس حصہ بدن کو چھپانا واجب ہے نماز کے اندر اس حصہ میں سے کوئی حصہ کھل جائے گا، نماز نہیں ہو گی، چاہے کوئی دیکھنے والا ہو یا نہ ہو نماز نہ ہو گی اس لئے کہ یہ حصہ بدن واجب الستر ہے —— عورت کا ستر گردن سے ٹخنوں تک ہے اس حصہ بدن سے کوئی حصہ اگر کھل جائے تو اس کی نماز نہ ہو گی۔

تہذیبِ مغرب کی تباہ کاریاں

آج کل تمہاری بہنیں جو لباس پہنتی ہیں، بازو ہیں تو وہ الگ کھلے ہوئے، گلے الگ کھلے ہوئے، سینے کا حصہ الگ کھلا ہوا تو نماز مطلقاً نہیں ہوتی (بشرطیکہ ہماری بہنیں نماز پڑھیں، جو نماز کے قریب ہی نہ جائیں تو......؟) ان کی آرائش زیبائش ممکن ہے، ہو جائے لیکن اللہ کے ہاں کوئی تقرب یا قرب و طاعت، یہ اس میں نہیں ہوتی جب کہ یہ حصۂ بدن کھل جائے۔ حدیث میں فرمایا گیا کہ:

بہت سی عورتیں زمانے میں پیدا ہوں گی جو کاسیات ہوں گی عاریات ہوں گی، لباس پہنے ہوئے ہوں گی اور پھر بھی ننگی ہوں گی، لباس ہوگا بدن پر پھر بھی برہنہ ہوں گی مائلات ممیلات خود بھی مائل ہوں گی اجنبی مردوں پر اور ان کو بھی مائل کریں گی اپنے اوپر۔ فرماتے ہیں کہ یہ عورتیں جنت میں داخل نہیں کی جائیں گی، اس لئے کہ انہوں نے فتنے کا دروازہ کھول دیا، دنیا کو جہنم میں دھکیلنے کا انہوں نے ارادہ کر لیا تو دو لفظ فرمائے گئے کاسیات عاریات لباس پہن کر پھر بھی ننگی ہوں گی۔

اس کی تین صورتیں ہیں کہ لباس پہنے ہوئے بھی ہوں پھر بھی ننگی ہوں۔ پہلی صورت تو یہ ہے کہ لباس ہی نہ ہو یعنی بالکل عریانی ہو ——— یہ بھی آج کل فیشن چلا ہے، یہاں مشرق میں تو نہیں آیا مگر یورپ میں جرمنی میں یہ فیشن آیا تھا ——— اب معلوم نہیں باقی ہے یا نہیں — لیکن آج سے تیس برس کی بات کر رہا ہوں کہ ایک مستقل احاطہ بنوایا گیا جس کا نام "ایوانِ فطرت" رکھا گیا اور اس میں وہ لوگ داخل ہو سکتے تھے جو بالکل برہنہ ہوتے تھے کوئی لباس ان پر نہیں ہوتا تھا وہ کہتے تھے کہ فطرت کا تقاضا ہے کہ ننگے رہو۔ فطرۃً پیدا بھی ننگے ہوئے تو اب کیوں کپڑا پہنتے ہو ——؟ وہاں کی گورنمنٹ نے یہ انتظام کیا کہ ان کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی، یہ عنایت کی گورنمنٹ نے ان کے لئے احاطہ بنوا دیا گیا جو وہاں داخل ہوتا تھا ان کا عہد تھا کہ لباس سے داخل نہ ہوگا تو وہاں تو کاسیات کا کوئی سوال ہی نہیں کہ کس پر لباس ہوگا وہاں تو عاریات

ہی عاریات ہیں عریانی ہی عریانی ہے ـــــ لیکن حدیث جو بیان کر رہی ہے وہ کاسیات عاریات ہیں کہ لباس پہنے ہوئے اور پھر ننگی ـــــ اس کی تین صورتیں ہیں۔ایک تو یہ کہ لباس ناقص اور ناتمام ہو۔یعنی لباس پہنا ہے مگر بازو کھلے ہوئے ہیں۔ لباس پہنے ہوئے ہے مگر سینہ کھلا ہوا ہے۔ لباس پہنے ہوئے ہے مگر کمر کھلی ہوئی ہے، لباس پہنے ہوئے ہے مگر پنڈلی کھلی ہوئی ہے ـــــ تو کاسیات بھی کہا جائے گا کہ لباس پہنے ہوئے ہے مگر پھر بھی ننگی۔ اس لئے کہ ستر کھل گیا۔ تو عاریات بھی کہا جائے گا ـــــ دوسری صورت یہ ہے کہ لباس پہنے ہوئے ہو، وہ گردن سے لے کر ٹخنوں تک پورا ہو مگر وہ اتنا باریک ہو کہ لباس سے سارا بدن نظر آ رہا ہو تو کاسیات بھی ہیں اور عاریات بھی ہیں۔ لباس پہنے ہوئے ہیں مگر پھر بھی برہنگی اور عریانی ہے۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ لباس ہے اور پورے بدن پر ہے اور وہ باریک بھی نہیں ہے موٹا لباس ہے مگر اتنا چست ہے بدن کے اوپر کہ بدن کی حیثیت پوری نمایاں ہو جیسے آج کل کے بعض پہل پاجامے دیکھے گئے جنہیں عورتیں پہنتی ہیں۔ یہاں سے لے کر وہاں تک بالکل بدن کے اوپر لپٹے ہوئے جیسے کہ پوچھڑے کے اوپر کپڑا لپیٹ دیا گیا، یہ طریقہ چلا۔ خدا جانے اس میں کیا حسن و جمال ہے؟ ـــــ جب لباس میں عریانی آگئی تو سارے بدن پر چھا گئی۔ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اصلیت اور اپنی ذات کے لحاظ سے کہ بھلا ہے یا برا ہے اک فیشن ہے بس چلنا چاہیے یعنی دیکھنے کے بارے میں کوئی تقلید کرے تو طعن کرتے ہیں کہ یہ تقلید کر رہا ہے بے شعوری سے عمل کر رہا ہے اور دنیا کے بارے میں رات دن تقلید ہے کہ ایک صدا امریکہ یا برطانیہ سے چلی۔ آنکھ بند کر کے لوگوں نے اس کے اوپر عمل کیا۔ تو کون سی اس میں تحقیق کرتے ہیں؟ کہ اس میں کوئی فائدہ ہے یا کوئی نقصان ہے کچھ نہیں بس فیشن چلنا چاہیے تو یہی لباس چل پڑا کہ یہاں سے لے کر وہاں تک پاجامہ لپٹا ہوا ٹانگوں سے رانوں تک ہو۔ تو کپڑا تو موٹا ہے مگر بدن کی حیثیت نمایاں ہوتی ہے۔

ـــــ غرض تین صورتیں ہوئیں کہ باوجود لباس کے پھر ننگا پن نمایاں ہو ـــــ یا تو لباس ناتمام ہو کہ اس سے بدن کچھ ڈھکا ہوا تھا۔ کچھ کھلا۔ یا لباس پورے بدن پر ہے مگر نہایت باریک کہ جس سے بدن ڈھلک رہا ہو یا لباس پورے بدن پر ہے موٹا بھی ہے مگر چست اتنا ہو کہ بدن کی حیثیت نمایاں ہو ـــــ یہ کاسیات اور عاریات کے حکم میں داخل ہیں۔ تو عورتوں کا لباس

ایسا ہونا چاہیئے یا تو ایسا ہو کہ بدن نہ جھلکے اگر باریک ہی ہو تو کم از کم نیچے کوئی ایسا کپڑا ہو کہ جس سے بدن چھپ جائے پھر اوپر کوئی باریک کپڑا پہن لے ـــــ اور اتنا چست بھی نہ ہونا چاہیئے کہ بدن کی پوری حیثیت نمایاں ہو بلکہ ایسا کچھ فراخ ہو کہ بدن کی حیثیت بھی نمایاں نہ ہو، بدن ڈھلکے بھی نہ ـــــ وجہ اس کی یہ ہے کہ عریانی سے شریعت نے روکا ہے۔ ایک حصہ بدن کھولنے کی اجازت دی ہے اور ایک حصہ کو کسی حالت میں بھی اجازت نہیں ہے جس حصہ کو کھولنے کی اجازت دی ہے۔ اور اس کے کھلے ہونے کی حالت میں نماز ہو جاتی ہے وہ چہرہ ہے ہاتھ پاؤں ہیں نماز میں ہاتھ پیر ڈھانپنا عورت پر ضروری نہیں ہے یہ حصے کھلے رہیں تو نماز ہو جائے گی لیکن گردن سے لے کر ٹخنوں تک کا کوئی حصہ نہیں کھلنا چاہیئے یہ ستر کا حصہ ہے ـــــ جیسے مرد میں ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ یہ نہیں کھلنا چاہیئے یہ ستر کا حصہ ہے ـــــ اب آگے جو عورت کے لئے پردہ ہے وہ حجاب کہلاتا ہے وہ ستر میں داخل نہیں ہے کوئی اجنبی آگیا تو نقاب ڈال لیا۔ ورنہ ضروری نہیں ہے یا دور اور بعید ہے کہ پہچان نہ ہو تو بھی ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے تو حجاب کا تعلق دوسروں سے ہے اور ستر کا تعلق اپنی ذات سے ہے حجاب جب ہوگا جب کوئی اجنبی دیکھنے والا ہوگا اور ستر ہر صورت میں ہوگا کوئی دیکھنے والا ہو یا نہ ہو۔ ہر صورت چھپانا ضروری ہوگا۔ یہ حصہ کھل جائے گا تو نماز نہیں ہوگی ـــــ تو بہرحال عریانی اور ننگے پن کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے تو جس شریعت میں عریانی کو برا کہا گیا اس شریعت کے لانے والے پیغمبر کیسے عریاں ہوتے؟ کیسے بدن کو ننگا کرتے؟ تو آپ کی فطرت کا تقاضا یہ تھا کہ آپ برہنہ نہ ہوں ـــــ تو آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ارادہ نہیں کیا کچھ وسوسے کے درجے میں ایک چیز قلب میں آئی تو حفاظت خداوندی شامل ہوگئی اور اس طرح سے میں گرا۔ ہوں کہ جیسے کسی نے پٹخ دیا ہو یہ تھی حفاظت خداوندی ـــــ

انبیاء میں عصمت جبری نہیں بلکہ ارادی ہے

تو میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نبی کی سیرت میں بنیادی چیز عصمت اور

معصومیت ہے یعنی گناہ سے پاکیزگی ــــــ تو نبوت سے قبل بھی انبیاء علیہم السلام گناہ نہیں کرتے اور نبوت کے بعد بھی اور گناہ نہ کرسکنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حق تعالےٰ مجبور کرتے ہیں کہ وہ نہ کریں اور معاذ اللہ انبیاء میں کوئی ارادہ ہی نہیں ہوتا۔ کمال تو یہ ہے کہ انبیاء اپنے ارادے سے بچیں، یہ کمال ہے۔ مجبور ہو کر بچنا یہ کمال میں شامل نہیں ہے تو اس کی صورت میں نے عرض کی کہ انبیاء اپنے ارادے سے ہی معصیت سے بچتے ہیں مگر معصیت کا ارادہ کر نہیں سکتے۔ کیونکہ ان کے جوہروں میں معصیت کی طلب نہیں ہے۔ جب مٹی پاک رکھدی تو طلب کہاں سے پیدا ہوگی؟ اور اس کے ساتھ ساتھ جب انہیں اللہ کی ذات وصفات کا مشاہدہ ہے گویا ہر وقت دربار خداوندی میں حاضر ہیں تو پھر ہمت کیسے ہوگی؟ معصیت کا ارادہ کیسے کرسکتے ہیں؟ اور تیسری چیز کہ اگر بمقتضائے بشریت کبھی وسوسے کے درجے میں بات دل میں آئے تو حفاظت خداوندی انہیں گناہ کرنے نہیں دیتی۔ اس لئے ان کی زندگی معصوم اور پاک رہتی ہے ــــــ

معصیت کو ذریعۂ تبلیغ بنانا اصولِ تبلیغ کے خلاف ہے

حدیث میں ہے کہ جب آپ کے اوپر وحی آتی ہے تو وحی آنے کے بعد کچھ عرصہ گذرا کہ وحی کا انقطاع ہوگیا اسے "فترت کا زمانہ" کہتے ہیں کہ وحی منقطع ہوگئی اور چند دن وحی آنا بالکل بند ہوگئی۔ اس وقت آپؐ کے قلب مبارک پر ایک انقباض اور قبض طاری ہوا اور طبیعت اس درجے بے چین کہ آپؐ سمجھتے تھے کہ اب زندگی بے کار ہے جب وہ جلال وجمال سامنے آکے چھپ گیا تو اب زندگی بے کار ہے اس کے بغیر زندگی کوئی چیز نہیں ہے تو آپؐ نے خودکشی کا ارادہ کیا کہ میں اپنے کو ختم کرلوں ــــــ حدیث میں ہے کہ آپؐ فرماتے ہیں کہ میں چلا کہ پہاڑ سے اپنے کو گرادوں تو چلنے کے وقت ہی اچانک آواز آئی "یا محمد" ــــــ دیکھتا ہوں تو کہنے والا نظر نہیں آتا۔ اس آواز نے متوجہ کیا تو میں اس فعل (خودکشی) سے رک گیا ــــــ بعد میں پھر ارادہ کیا کہ گرادوں اپنے کو۔ یہ کیا زندگی ہے؟ نہ وہ مشاہدہ نہ وہ جمال نہ

وہ تجلیات سامنے۔ کچھ بھی تو نہیں، کیا فائدہ اس زندگی کا؟ پھر ارادہ کیا کہ اپنے کو گرا دوں
پھر آواز آئی اور کسی نے بازو تھام لیا کہ کیا کرتے ہو ــــــ؟ پھر میں رک گیا مگر نظر کوئی نہیں
آیا اس کے بعد ایک دن پھر ارادہ کیا کہ اپنے کو ختم کر دوں ــــــ تو حضرت جبریل علیہ السلام کی
صورت ظاہر ہوئی اور اصلی صورت میں آپؐ نے انہیں دیکھا۔ یہی ہے وہ حفاظت خداوندی
کہ خودکشی چونکہ اس دین کے اندر ناجائز اور ممنوع تھی اور پیغمبر ہی ارشاد فرمانے والے ہوتے کہ
خودکشی حرام ہے تو خود کیسے اس کا ارتکاب کر سکتے تھے؟ ــــــ یہ تو ایسا ہے جیسے کوئی
داعی، کوئی واعظ، کوئی نصیحت کرنے والا، کوئی نیکی کرانا چاہے مگر یوں سمجھے کہ نیکی کا کام جب
کراؤں گا جب اتنی کچھ برائی کرا دی جائے گی کہ لوگ بغیر برائی کے جمع نہیں ہوں گے ــــــ
جیسے باجے گاجے اور ہارمونیم سے لوگوں کو مناسبت ہے تو کچھ باجے گاجے اور ہارمونیم رکھ لیں
کہ اس حیلے سے لوگ جمع ہو جائیں گے، پھر میں وعظ سناؤں گا تو معصیت کو تبلیغ کا ذریعہ بنانا یہ تو نہایت
ہی مضر چیز ہے اس لئے کہ آپ جب ایک دفعہ باجا بجا چکے اور لوگوں کو جمع کیا۔ کل جو لوگوں
کو منع کیا تو وہ کہیں گے، جناب آپؐ نے کیوں بجایا تھا؟ تو کسی ایسی معصیت کو نیکی کا ذریعہ
بنانا جو ناجائز اور ممنوع ہے یہ تبلیغ کی حکمت کے خلاف ہے یہ تو اپنے ہاتھ پاؤں باندھ لینے
ہیں آج دین کے کسی مسئلہ میں تساہل کیا، ڈھیل دے دی قوم جمع کر لینے دو، کل کو اگر کوئی
فتویٰ پوچھے گا تو ہمارا منہ نہیں ہوگا جواب دینے کا کہ یہ ناجائز ہے وہ تو کہیں گے یہ چیز کل آپؐ
نے بھی کی تھی۔ ــــــ اب آپ کہتے پھریں کہ یہ مصلحت تھی تو مسئلہ کے مقابلہ میں
مصلحت کوئی چیز نہیں ہوتی۔ سیدھا سادھا مسئلہ ہے اس پر عمل کیا جاتے، کاہے کی مصلحت؟
مصلحت یہ ہے کہ اللہ نے یہ حکم دیا ہے اس پر عمل کرو۔

تو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چونکہ آئندہ حکم دینے والے تھے کہ ناچ گانا ممنوع ہے
خودکشی کرنا حرام ہے، تو خود کبھی بھی اس کا ارتکاب نہیں فرما سکتے تھے۔ وسوسے کے درجہ میں ایک
بات آئی (بلکہ خیال گذرا اس کے طور پر........) تو حفاظت خداوندی شامل حال ہو گئی اپنے
نبی کو ایسی چیزوں سے بچایا کہ کل نصیحت کرنے کا منہ نہ رہے ــــــ اس واسطے انبیاء علیہم السلام
معصوم ہوتے ہیں، کوئی گناہ نہ صغیرہ نہ کبیرہ نہیں کر سکتے۔ اگر آدمی درجہ کا گناہ سرزد ہو تو دوسروں کو

نصیحت کرنے کا منہ ہوتا، لوگ کہتے کہ آپ کی پہلی زندگی تو یہ ہے ساری رنگ رلیاں آپ منا چکے ہیں پھر آخر ہمیں کیوں نصیحت کرتے ہو؟ ہم کو بھی تھوڑا بہت گناہ کرنے دیجئے۔ ہم بھی کل کو بچ جائیں گے جیسے آپ بچ گئے ——— یہ تہمت تھی اس تہمت سے بچانے کے لئے اللہ نے اپنے انبیاء کو اتنا مقدس پیدا کیا کہ نبوت سے قبل بھی ان سے گناہ سرزد نہیں ہو سکتا اور بعد از نبوت بھی۔ تو انبیاء کی زندگی کا سب سے بنیادی پتھر اور پہلی اینٹ عصمت اور معصومیت ہے جس سے انکی زندگی مقدس بن جاتی ہے اس کے بعد اب جو کام کریں گے وہ اسوۂ حسنہ ہوگا نمونہ ہوگا امت کو حکم کیا جائے گا تم بھی چلو اس کے اوپر۔ اس لئے نبی کی زندگی میں معصیت کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کا گناہ نہیں ہے تو جناب رسول محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی میلاد مبارک کی بنیادی چیز درحقیقت عصمت ہے جو ولادت سے شروع ہوتی ہے۔ چالیس برس جو نبوت سے قبل کے ہیں وہ بھی معصومیت کے ہیں اور ۲۳ برس جو بعد کے ہیں وہ بھی معصومیت کے ہیں اس طرح سے ۶۳ سال کی عمر میں ادنیٰ درجہ میں کوئی ایک چیز زندگی کے اس طویل عرصہ میں ایسی نہیں ہے جس پر انگلی رکھی جاسکے ———

سیرتِ نبویؐ پر غیر مسلموں کی شہادت

یہی وجہ ہے کہ نہ صرف اپنے بلکہ غیر مسلم بھی اس کی شہادت دیتے ہیں جو تاریخ داں حضرات سے غور کرتے ہیں اور نبوتوں کی زندگی سے منجملہ کچھ واقفیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے شہادتیں دی ہیں کہ دنیا میں ایسا کامل و مکمل انسان جس کی زندگی پر حرف رکھنے کی گنجائش نہ ہو وہ صرف نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔

لکھنؤ میں آج سے چند برس پہلے کا واقعہ ہے ایک جلسہ سیرت ہوا۔ فردوس ادب ایک ادبی انجمن ہے وہ ہر سال لکھنؤ میں جلسہ کرتی ہے۔ سیرت جلسہ سننے کے لئے بڑا اجتماع ہوتا ہے کوئی بیس پچیس ہزار کے لگ بھگ آدمی جمع ہوتے ہیں۔ جہاں تک نگاہ جاتی ہے آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں اکثر بیٹھے ہوتے رہتے ہیں مگر فرصت نہیں ہوتی ———

ایک دفعہ میری شرکت ہوئی۔ آدمیوں کا سمندر معلوم ہوتا تھا ——— تو انہوں نے کے۔ ایم
منشی جو کہ یوپی گورنمنٹ کے گورنر تھے اور ہیں یہ ہندو۔ ان کی بھی دعوت دی اور صدارت بھی انہیں
کی رکھی۔ ہمیں یہ بات پسند نہیں آئی۔ شرکت کی دعوت دینا تو ٹھیک ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کے حالات سنیں۔ لیکن ایک مقدس جلسہ کی صدارت یا ایسی توقیر کسی مقدس جلسے ہونی چاہیے
غیر مسلم کے لئے موزوں نہیں کسی مسلم یا نیک کی ہی ایسی توقیر ہونی چاہیے۔ یہ ایک میلان ہو۔
جھکاؤ بھی ہوتا ہے۔ توقیر بھی کی جائے تو کسی مسلم ہی کی کی جائے۔ اس لئے کہ اسلام پیش کرنا ہے تو اسلام
ہی کی عظمت نمایاں ہونی چاہیے۔ پیش کر رہے ہوں آپ اسلام اور تعظیم نمایاں ہو غیر اسلام یا غیر مسلم
کی؟ یہ اصول کے بھی خلاف ہے اور عقل کے بھی خلاف ہے۔ ہاں سیرت کے جلسوں میں شرکت کی دعوت دی جائے غیر مسلم
بیغمبر کے حالات کو سنیں تاکہ دین کی طرف ان کی توجہ ہو ——— تو انہوں نے دعوت دی مگر کے۔
ایم منشی نے معذرت کی اور کہا مجھے کام زیادہ ہے۔ فرصت نہیں ہے کہ میں آسکوں، باوجودیکہ میرے
دل کا تقاضا تھا کہ اس مقدس جلسے میں شریک ہوں مگر کام اتنا پڑا ہوا ہے کہ مجھے کان کھجانے کی
فرصت نہیں۔ میں پیغام لکھ کر بھیجتا ہوں جو میری طرف سے شریک ہوگا اور پیغام پڑھ کر سنا دیا
جائے۔ پچیس تیس ہزار کے مجمع میں وہ پیغام پڑھ کر سنایا گیا۔ یوپی کا گورنر تھا اور مذہباً ہندو
میں سے تھا ——— اس کے پیغام کے دو جز تھے۔ پہلا جز تو یہ تھا کہ ہم تاریخی اعتبار سے اس
بات کا یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ دنیا میں اتنا کامل اور مکمل انسان کوئی پیدا نہیں ہوا جیسے محمد رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ان کی زندگی پر کہیں انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ حصہ کمزوری کا
ہے جس پہلو کو دیکھو مقدس اور کامل ہے گھریلو زندگی کو دیکھو تو اعلیٰ درجے کی مقدس جماعتی زندگی
کو دیکھو تو خیر خرابی سے مبرا اور منزہ۔ اجتماعی زندگی کو دیکھو تو خیر و برکت کی زندگی تنہائی کی زندگی کو
دیکھو تو خیر و برکت کی زندگی، غرض اجتماعی، انفرادی، سونے کی، جاگنے کی، ہنسنے کی، بولنے کی
کوئی پہلو زندگی کا ایسا نہیں ہے جس میں ادنیٰ درجے میں کوئی طعن دیا جاسکے، یا ادنیٰ درجے
میں کوئی اعتراض کیا جاسکے۔

اور بعض لوگ اگر اعتراض کرتے ہیں تو اعتراض کرنے کو تو خدا پر بھی کر دیتے ہیں بہت
سے دہریئے جو خدا کے وجود ہی کو نہیں مانتے، تو اس بدطینتی کا تو کوئی علاج نہیں لیکن انسان

جب اپنی انسانیت سے غور کرے اور عقل سے غور کرے، تاریخ کو سامنے رکھے تو وہ اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ ایسی کامل اور مکمل ہستی ہے کہ کہیں ادنیٰ درجہ کے طعن و ملامت کی گنجائش نہیں یہ تو پہلا جزء تھا

اور دوسرا جزء پیغام کا یہ تھا کہ ہم فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے ہندوستان کا قانون اسلام کے اصولوں پر بنایا ہے، اسلام کے اصولوں کو سامنے رکھ کر بنایا ہے جس نے اونچ نیچ ختم کر دی۔ چھوت چھات ختم کر دی، نسلی امتیازات ختم کر دیے، رنگ روپ کا کوئی فرق نہیں رکھا ملک والوں کے سب کے حقوق برابر ہیں، راستہ کھلا ہوا ہے جس کا جی چاہے ترقی کرے جس کا جی چاہے آگے بڑھے۔ اب کوئی خود اڑے آگیا وہ بات الگ ہے، یا تعصبات کی وجہ سے کوئی کسی کا راستہ روک دے وہ انفرادی روڑہ ہے وہ اشخاص کی بدطینتی ہوگی۔ قانون کا نقصان نہیں ———— تو دوسرا جزء انہوں نے یہ لکھا کہ ہم فخر کرتے ہیں کہ ہم نے اپنے ملک کا قانون اسلام کو سامنے رکھ کر بنایا ———— گویا مسلمانوں کے لئے بڑی عبرت کا موقع ہے کہ غیر مسلموں کو اپنے قانون بنانے میں اگر بنیاد ہاتھ لگی تو اسلام ہی کی ہاتھ لگی۔ اس زمانے میں انصاف دینے والا اگر کوئی قانون ہے تو وہ اسلامی قانون ہے، دوسرے قوانین اس دور میں نہیں چل سکتے، نجات اسی قانون کے اندر منحصر ہے وہی سامنے آئے گا تو نجات ہوگی۔

اسلام — ابدی اور عالمگیر قانون ہے —

آج اگر ہم چھوت چھات برتنے لگیں، تو دنیا تو بین الاقوامی ہوگئی، کہیں ہوائی جہازوں کا سفر، کہیں ریلوں کا سفر وہاں آپ چھوت چھات کریں گے، دوسرے کے سائے سے بچیں گے تو سوال یہ ہے کہ آپ جہاز میں تشریف کیسے لائے؟ دوسرے ملک میں کیسے جا رہے ہیں؟ وہاں تو لوگوں کے سائے میں بیٹھیں گے، تو اگر بعض اقوام کا سایہ بھی ناپاک ہو تو آپ کو دنیا میں اپنے گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت کیا تھی؟ تو دنیا بین الاقوامی ہوگئی، انٹرنیشنل ہوگئی اس کے اندر آج چھوت چھات چل سکتی ہے نہ نسلی امتیازات چل سکتے ہیں۔ جو چلانے والے ہیں وہ بالآخر

ندامت کے ساتھ اسلام کی طرف رجوع کریں گے۔ آج کی دنیا میں وہ چل نہیں سکتے۔ دنیا کے ساتھ چلنا پڑے گا۔ ـــــــ میں کہتا ہوں کہ ہندوؤں کے مذہب میں بنیادی چیز چھوت چھات تھی، وہاں برہمن پر غیر برہمن کا سایہ تک نہ پڑنا چاہیے ناپاک ہو جائے گا، اس کے ہاتھ کا کھا نہیں سکتا۔ غیر برہمن کا کھانے کو ہاتھ لگ جائے تو برہمن کے لئے وہ نجس ہو گیا۔ دوسرے کھانا دے گا کہ سایہ بھی نہ پڑے۔ ہندو غیر ہندو میں فرق، غیر ہندو کا سایہ پڑ جائے تو چیز ناپاک ہو گئی، وہ دوسرے کھانا دیں گے ہاتھ نہیں لگائیں گے یہ چھوت چھات ہے جس کے چھوڑنے پر آج دنیا مجبور ہے اور وہی لوگ ناکام ہوئے جو بنیادی طور پر اس مذہب کے حامل تھے ـــــــ خود گاندھی جی، جن کے ہاں بھنگی نجس العین کا درجہ رکھتا ہے تو خود انہوں نے بھنگی بستی میں قیام کیا۔ تاکہ دنیا پر یہ واضح ہو کہ اب بھنگی یا غیر بھنگی کا فرق نہیں چل سکتا اب تو دنیا میں اتنے شماری اور فرد شماری ہے ہر عاقل بالغ ملک کے اندر ایک درجہ رکھتا ہے وہاں اونچ نیچ یا امتیازات کی کوئی کھپت نہیں ہے ہمارے ہاں یوپی کے وزیر اعظم تھے گنڈت گلاپنڈستان کا یوپی کا دورہ ہوا، ہمارے دیو بند کے قریب ایک گاؤں رن کھنڈی ہے دورے میں وہ گاؤں بھی شامل تھا تو ان کا پروگرام چھپا، پروگرام یہ تھا کہ رن کھنڈی میں آکے مندر کے ایک چمار کے گھر میں ٹھہریں گے اور اس کے گلاس میں دودھ پئیں گے تاکہ یہ بتلا سکیں کہ آج نسلی امتیازات ختم ہو چکے ہیں آج وہ چلنے والے نہیں ہیں۔

انگریز کے دور میں جب ابتداء میں کانگریس گورنمنٹ قائم ہوئی جو کہ عارضی تھی لیکن بعد میں مستقل ہو گئی، اس وقت گاندھی جی نے ایک مضمون لکھا تھا جو انڈیا کے اخبارات میں چھپا تھا اس میں لکھا تھا کہ اگر ہمارے ہندوستانی وزراء عالمی وقار چاہتے ہیں اور ہمارے منسٹر عالمگیر عظمت چاہتے ہیں تو انہیں صدیق رضؓ و فاروق رضؓ کا نمونہ اپنے سامنے رکھنا چاہیے کہ روم اور شام کی حکومتیں ان کے قدموں میں گریں لیکن ان کے پیوند لگے کپڑے چھوٹے، نہ جو کی روٹی چھوٹی، نہ فقر و فاقہ چھوٹا اور نہ ان کے زہد قناعت میں کوئی فرق آیا تو اگر ہمارے کانگریسی منسٹر چاہتے ہیں کہ دنیا میں وقار حاصل کریں تو صدیق رضؓ و فاروق رضؓ کا نمونہ اختیار کریں ـــــــ تو کتنی عبرت کی چیز ہے کہ آج غیر مسلموں کو نمونہ نہیں ملتا بجز مسلمانوں کی زندگی کے، نمونہ ملا تو وہی صدیق و فاروق تھے کہ اپنی

قوم میں انہیں کوئی ایسا نمونہ نظر نہیں پڑا کہ وہ قوم کو نصیحت کرتے کہ فلاں کی زندگی پر چلو، انہیں کسی اور قوم میں کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں پڑی استند طور پر کہ وہ تاریخی طور پر سامنے آسے جو ان کو مجبور کر سکے ـــــ اگر ہیں بھی تو صدیق اکبرؓ کا نمونہ۔ فاروق اعظمؓ کا نمونہ۔ علی مرتضےٰؓ کا نمونہ عثمان غنیؓ کا نمونہ، جس سے اندازہ ہوا کہ غیر مسلم بھی سمجھتے ہیں کہ یہی شخصیتیں مقدس تھیں جن کی زندگی پر انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ ـــــ

احوالِ صحابیت سے عصمتِ نبویؐ پر استدلال اور درجاتِ عصمت

تو جس ذات بابرکات کے خدام وہ تھے کہ آج دنیا ان کا نام لے کر کہتی ہے کہ ان کا نمونہ اختیار کرو، تو خود ذات بابرکات کا نمونہ کیا ہوگا؟ خود جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات بابرکات کا کیا مقام ہوگا؟ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اگر پھل کڑوا ہے تو کہیں گے درخت بھی خراب ہے اگر پھل کانٹے دار ہے تو کہیں گے درخت بھی بُرا۔ پھل شیریں ہے تو کہیں گے درخت بھی عمدہ۔ تو درخت پہچانا جاتا ہے اپنے پھل سے۔ جس ذات کے پھل ایسے تھے جیسے صدیق اکبرؓ فاروق اعظمؓ اور ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہؓ ان کو اپنے جیسا نمونہ بنا کر پیش کیا جس کے بنائے ہوئے افراد ایسے تھے خود وہ ذات کیسی ہوگی ـــــ؟ جس کے پھل ایسے تھے جو درخت ہے اس کی شاخ کیسی ہوگی ـــــ؟ ـــــ تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات طیبہ میں سب سے پہلے بنیادی چیز جو آتی ہے وہ عصمت اور معصومیت ہے۔ اس کے بعد آگے اسوۂ حسنہ آتا ہے۔

ـــــ اگر معاذ اللہ گناہ کا شائبہ نبی کی زندگی میں پایا جائے تو زندگی امت کے لئے نمونہ نہیں بن سکے گی۔ اس سے واضح ہوگیا کہ گناہ کی کوئی سبیل نہیں۔ ممکن نہیں کہ نبی سے گناہ سرزد ہو جائے تو نبی کی ہر نقل و حرکت پاک ہوگی۔ شریعت بننے کے قابل ہوگی۔ اس کے بعد درجہ آتا ہے اخلاق کا۔ اس کے بعد اعمال کا، پھر احوال کا، یہ معصومیت کے درجے ہیں تاکہ جب اخلاق سامنے آجائیں تو وہ بھی خرابی سے معصوم ہوں، اعمال سامنے آئیں تو ہم کہہ سکیں کہ یہ بھی پاک تھے ان میں بھی عصمت تھی لہٰذا ان کا نمونہ اختیار کرو، احوال سامنے آئیں تو ان میں بھی عصمت تو وہ بھی معصوم

مولانا فتح محمد قاسمی
چک ۱۲۶ میاں چنوں

اک دیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی

حضرت ہیڈ ماسٹر میاں منظور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات

چو عزم سفر کردی و رفتی زبر ما
بستی کمر خویش و شکستی کمر ما

یہ اک خبر بڑے صدمہ اور دلخراش حسرت کے ساتھ سنی جائیگی کہ ماہ جنوری کی ۲۰ تاریخ کو حضرت اقدس میاں منظور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس جہان آب و گل سے رشتہ توڑ کر اپنے خالق حقیقی کے ساتھ جا ملے۔ آپ قطب عالم حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہ کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ عام طور پر آپ ہیڈ ماسٹر کے نام سے مشہور تھے۔ مگر باطن بہت بڑے صاحب معرفت تھے۔ علم و عمل کے مجسمہ پیکر تھے۔ ایمان و یقین کا اعلیٰ درجہ اللہ پاک نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔
اپنے شیخ نور اللہ مرقدہ کا رنگ نمایاں تھا۔ تقسیم ملک سے پہلے آپ مختلف سکولوں میں صدر معلم رہے۔ پاکستان بننے کے بعد تاندلیانوالہ پھر گوجرہ بسلسلہ ملازمت قیام پذیر رہے۔ پھر یہاں کی تدریسی زندگی سے سبکدوش ہوکر جدہ میں سفارتی سکول میں بطور صدر معلم کافی عرصہ رہے۔ وہاں سے فارغ ہوکر کئی سالوں سے اپنے دولت کدہ ڈیرہ میں رہائش پذیر تھے۔ اور دن رات مخلوق خدا کی رشد و ہدایت میں مصروف رہتے۔ حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ کا وجود مسعود اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت تھا۔ سینکڑوں اشخاص نے آپ کے علم و معرفت کے خزانے سے فیض حاصل کیا۔ جن میں وکلاء، پروفیسر، عالم اور دیہاتی لوگ تک تھے۔ علم و معرفت کا جو خزانہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا، وہ بہت کم لوگوں کے حصے میں آیا۔ جس قسم کا سائل آپ کے پاس آتا، اسی رنگ میں جواب شافی پاتا اور مطمئن و مسرور ہوکر لوٹتا۔ آپ کی صحبت میں بیٹھ کر خدا یاد آتا۔ خدا کے ذکر اور دین کی بات کے سوا اور کوئی چیز انہیں پسند نہ تھی۔ انکساری اور خندہ پیشانی مہمان نوازی آپ کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ کافی سے زیادہ دینی کتب اردو۔ انگریزی میں خود لکھ کر ملک اور بیرون میں مفت بھجوائیں۔ حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات سن کر انسان حیران ہوتا تھا کہ یہ باتیں بڑے بڑے

عُلماء کی مجالس میں بھی سنی نہ جاتی تھیں۔ انتقال کے بعد دوسرے لوگ جو تعزیت کے لیے آتے۔ تو دو نیک بخت صلحاء نے بتلایا کہ رات ہم نے خواب میں حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ سفید کپڑا زیب تن ہے اور عمدہ چارپائی پر تشریف فرما ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ میرے گھر والوں کو بتلا دینا کہ میں بہت راحت میں ہوں۔

اللہ تعالےٰ نے علم و یقین کے خزانے سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔

ایک دفعہ یہ عاجز حاضر ہوا تو فرمانے لگے کہ سب چیزوں کی باگ ڈور خدا کے قبضہ میں ہے ساری دنیا کٹ پتلی کا تماشا ہے ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میرا افسر مجھ سے ناراض ہے دعا فرمایئے

جواباً فرمایا کہ وہ افسر تو خود اپنے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہے۔ آپ کو کیونکر نقصان پہنچا سکتا ہے تمہارا تعلق خدا سے کمزور ہو گیا ہے۔ اس وجہ سے اس افسر سے خوف پیدا ہوا اپنے خدائی رشتہ کو مضبوط کرو۔

ایک دفعہ فرمایا کہ ایمان نام ہے یقین کا۔ اور یہ یقین ذوقی اور وجدانی ہے اندر سے پیدا ہوتا ہے۔ باہر سے ٹھونسا نہیں جاتا۔

ایک دفعہ فرمایا کہ ذکر اللہ اور صحبت شیخ انسان کو کندن بناتی ہے جب خدا کا یقین پیدا ہو جاتا ہے تو پھر خدا کا کان اور ناک اور دل بن جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی منع کردہ چیزوں کو تکتا تک نہیں ہے۔

تقوے کا یہ حال تھا کہ ساری عمر سکولوں میں رہے اور اپنے نجی خطوط کے لئے سرکاری کاغذ اور قلم تک کو استعمال نہیں فرمایا۔ ایک دن اپنے صاحبزادہ سے فرمایا کہ ایسے کام کے لئے سرکاری کرسی استعمال کی۔ اس کا افسوس ہے۔

مہمان نوازی اور سخاوت حد سے بڑھی ہوئی تھی محلّے کی بے شمار نادار عورتوں اور لوگوں کی کفالت فرمایا کرتے تھے۔ وفات کے وقت وہی لوگ زار و قطار رو رہے تھے کہ آج ہم یتیم ہو گئے

جس زمانے ہم جدہ میں مقیم تھے۔ اس وقت کے حالات عجیب و غریب تھے۔ اپنی زندگی بڑے محتاط طریقہ سے قرآن و سنت کے مطابق گزار کر تشریف لے گئے۔ تغمد اللہ بغفرانہ العظیم آپ کی صحبت میں بیٹھ کر خُدا یاد آتا تھا۔

اس عاجز و گنہگار کو اکثر حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس میں شریک ہونے کا موقع ملتا رہا۔ گو یہ احقر اپنی کم استعدادی اور پست ہمتی کی وجہ سے کچھ بھی حاصل نہ کر سکا۔ مگر آپ کے ارشادات ابھی تک دل پر ثبت ہیں۔ ایک دفعہ حاضر ہوا تو فرمانے لگے یہ کوئی نماز ہے جو ہم روزانہ پڑھا کرتے ہیں۔ نماز تو یہ ہے کہ جب انسان اللہ اکبر کہے تو یہ فوراً خیال کرے اب تو میں خدا کے رُوبرُو کھڑا ہوں، اور وہ میرے دل کی گہرائی تک کو دیکھ رہا ہے۔ پھر جب سبحان اللہ کہے تو اس کا ہر بال سر سے پاؤں تک سبحان کی پڑھے۔ پھر جب الحمد للہ کہے تو اس کا ہر جوڑ سر سے پاؤں تک الحمد للہ کہے۔

ایسے ایسے باکمال اور ایسی علم و معرفت کی اونچی ہستیاں اب کہاں مل سکتی ہیں۔

باقی صفحہ ۱۳۱ پر

نقد ونظر

نام کتاب : مجموعہ رسائل چاندپوری
صفحات : ۸۰۷ قیمت -/۸۸ روپے
ملنے کا پتہ : مکتبہ مدنیہ ۱۷ اردو بازار لاہور فون نمبر ۶۲۵۲۰

قافلۂ حق اور باطل وطاغوتی طاقتیں روزِ ازل سے برسرِ پیکار ہیں۔ اسلام کے ابتدائی دور میں تو اس مذہبِ حقہ کو بیخ وبن سے اکھاڑنے کے لئے ظاہری واندرونی دشمنانِ دین اپنی پوری قوت داؤ پر لگاتے ہوئے ہیں مگر استدادِ زمانہ کے ساتھ وفاداری کا لبادہ اوڑھنے والوں کی چیرہ دستیوں کی یلغار میں آئے دن اضافہ ہو رہا ہے۔
زیرِ نظر کتاب کے مؤلف مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ اس قافلۂ حق کے فردِ یگانہ ہیں جو اسلام پر رفض وبدعت کے طوفانوں کے سامنے مضبوط چٹان ثابت ہوئے۔ حضرت چاندپوریؒ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خلیفہ مجاز ہیں۔ اس کتاب کے علمی مقام اور اس کی ثقاہت کے اعتراف کے لئے مؤلف کا نام سند اور ضمانت ہے۔ گذشتہ ادوار میں جہالت وبدعات کے خلاف جو مجاہدانہ کام حضرت موصوفؒ نے کئے وہ اپنی نظیر آپ ہیں۔
"انجمن ارشاد المسلمین لاہور" مبارکباد کے مستحق ہیں جنہوں نے تلاش بسیار کے بعد رسائل کو جمع کرکے کچھ عرصہ قبل ان کی جلد اول شائع کی اور اب دوسری جلد طبع کرائی اور ناشرین نے اپنے حسنِ ذوق کا ثبوت دیتے ہوئے کتاب کے علمی ومعنوی مقام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ظاہری اور صوری حُسن وتزئین میں کمی نہیں آنے دی۔
نفیس کتابت۔ عمدہ طباعت۔ آفسٹ پیپر۔ مضبوط ڈائی دار جلد اور دیدہ زیب سرورق سے مزین۔
اہلِ علم اور کسی مسلمان کا گھر، کتب خانہ اور لائبریری اس کتاب سے خالی نہیں ہونی چاہئے۔

(۲)

نام کتاب : مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ اور ان کے خلفاء کرام صفحات : ۶۴۰ قیمت -/۱۲۰ روپے
ملنے کا پتہ : مکتبہ مدنیہ ۱۷ اردو بازار لاہور فون ۶۲۵۲۰ (آفسٹ پیپر۔ ڈائی دار جلد)

حضرت شیخ الاسلام الحجۃ مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ کی قدسی صفات شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ہمارے اس عہد میں شریعت وطریقت کے امام، علماء ومشائخ کے مرجع ومقتدا اور قطب الاقطاب ظاہری وباطنی اوصاف وکمالات کے جامع تھے زندگی دین اور اکابر پر حق تعالیٰ شانہٗ کی عنایات خاصہ ہوتی ہیں۔ حضرت شیخ کے وجودِ مسعود میں اللہ تعالیٰ نے اوصاف وکمالات کی ایسی جامعیت کبریٰ ودیعت فرمائی تھی جس سے ہر صدی میں خاص افراد ہی مشرف ہو سکے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ کا نام نامی بطور مؤلف کے آنا ہی حضرت شیخ کی سیرۃ واحوال کی ثقاہت کی دلیل ہے۔ مؤلف کتاب صد ہزار مبارکباد کے مستحق ہیں جن کی مسلسل محنت وکاوش سے یہ گرانقدر علمی خزانہ قارئین کے ہاتھوں میں ہے اور ساتھ ہی ناشرین بھی مبارکباد کے مستحق ہیں کہ جنہوں نے اس کی عمدہ تزئین وطباعت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ شریف احمد طاہر مدیر معاون الرشید

حضرت رائے پوری اور متوسلین مدرسہ رشیدیہ رائے پور
اور
جامعہ رشیدیہ سے گزارش

ہم نے "الرشید" کا ایک خاص نمبر شائع کرنیکا فیصلہ کیا ہے۔ جس میں :

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ سرپرست مدرسہ رشیدیہ رائے پور

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سرپرست مدرسہ رشیدیہ رائے پور

حضرت مولانا حافظ محمد صالح رائے پوریؒ خلیفہ حضرت گنگوہیؒ و بانی مدرسہ رشیدیہ رائے پور

حضرت مفتی رحمت علی خلیفہ حضرت اقدس رائے پور و سرپرست مدرسہ رشیدیہ

حضرت مولانا فضل احمدؒ مہتمم مدرسہ رشیدیہ رائے پور

حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ تلمیذ شیخ الہند و صدر مدرس مدرسہ رشیدیہ رائے پور

حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوری ابن بانی مدرسہ رشیدیہ

حضرت مولانا محمد ابراہیمؒ سلیم پوری سرپرست جامعہ رشیدیہ

حضرت مولانا احمد علی لاہوری بانی انجمن خدام الدین و سرپرست جامعہ رشیدیہ

حضرت مولانا خیر محمدؒ بانی و مہتمم خیر المدارس سرپرست جامعہ رشیدیہ

حضرت پیر جی عبداللطیف رائپوریؒ سرپرست جامعہ رشیدیہ — ۱۲۔ حضرت مولانا عبدالعزیز ملسیانویؒ امیر جامعہ رشیدیہ

حضرت مولانا محمد عبداللہ شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ — ۱۳۔ حضرت مولانا قاری لطف اللہ شہیدؒ صدر مبلغ جامعہ رشیدیہ

حضرت مولانا حبیب اللہؒ ناظم و بانی جامعہ رشیدیہ — حضرت مولانا حبیب الرحمٰنؒ لدھیانوی بانی مجلس احرار اسلام

حضرت مولانا عبدالجبار ابوہریؒ صدر المبلغین دارالعلوم دیوبند — حضرت مولانا محمد انوریؒ خلیفہ ارشد حضرت رائے پوریؒ

اور دیگر نامور تلامذہ و مشاہیر کے حالات پر مشتمل ہوگا۔

جن احباب کو ان حضرات کے متعلق کوئی واقعہ، حکایت یا معتبر روایات معلوم ہوں یا ان کے پاس ان حضرات میں سے کسی کے [خطوط] ہوں وہ ازراہ کرم مستعار روانہ فرمائیں خطوط فوٹوسٹیٹ کرا کر بعد شکریہ واپس کر دیئے جائیں گے۔ اس طرح کی خط و کتابت [فرم]ائیں۔

عبدالرشید ارشد مدیر مسئول ماہنامہ الرشید ۳۲۔ اے شاہ عالم لاہور

از: قاری محمد اسحاق حافظ سہارنپوری		ایڈیٹر نوائے وطن انبالہ انڈیا

حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدیؒ

پاکستان میں مکتبۂ دیوبند کے جلیل القدر عالم شیخ الاسلام حضرۃ مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے سچے عاشق امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کے خصوصی عقیدت مند جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے ناظمِ اعلیٰ و مہتمم، ماہنامہ الرشید لاہور کے مدیر اعلیٰ، جنگ آزادی ہند کے نامور جانباز سپاہی فدائے ختمِ نبوت حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدیؒ، ۲ دسمبر ۱۹۸۵ء کو انتقال فرماگئے۔ ان کی وفات پر ہفت روزہ "خبردار" سہارنپور مورخہ ۱۸ جنوری ۸۶ء میں ان کے دیرینہ نیازمند اور ہندوستان کے مشہور صحافی برادرِ عزیز وشوا ناتھ طاؤس کا درد کرب میں ڈوبا ہوا تعزیتی مضمون بعنوان "علم کی روشنی بجھ گئی" جو وقت نظر سے گذرا اسی وقت حسبِ ذیل تعزیتی نظم موزوں ہوگئی جسے طاؤس صاحب اور جملہ قارئین خبردار نیز خبردار ہی کے توسط سے مرحوم کے تمام پسماندگان و متوسلین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں! آہ

؎ جو بادہ کش تھے پرانے وہ اُٹھتے جاتے ہیں		کہیں سے آبِ بقائے دوام لے ساقی

◉

کر لیا حق نے طلب فاضل حبیب اللہؒ کو		عالمِ دینِ محمدؐ مردِ حق آگاہ کو
ہاں وہی فاضل حبیب اللہ حق گو حق فکر		جو رہا تا زندگی حق کے لئے سینہ سپر
جو "جہادِ حریّت کا" اک بڑا جانباز تھا		جس پہ آزادی کے متوالوں کو بیحد ناز تھا
ظالمانِ وقت سے جو خوف کھاتا ہی نہ تھا		قوّتِ باطل کو جو خاطر میں لاتا ہی نہ تھا
دیوِ استبداد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر		شیر کی مانند غُرّاتا رہا جو عمر بھر
جس سے اک جھوٹی نبوّت لرزہ براندام تھی		اہلِ باطل کے دلوں پر جس کی ہیبت عام تھی
جس کے دل میں تھے قیامت خیز دینی ولولے		تھے ہمالہ کوہ سے بھی اونچے جس کے حوصلے
وقفِ ناموسِ رسالت جس نے کی تھی زندگی		حق نے بخشی تھی جسے ایمان کی تابندگی
ارضِ ساہیوال میں وہ ضیغمِ حق سو گیا		عالمانِ دینِ حق کا شہر سُونا ہو گیا
اس کی تُربت پر رہے گی رحمتِ باری مدام		اہلِ جنت میں بہت مشہور ہو گا اس کا نام
کیونکہ وہ اللہ کے محبوبؐ کا دیوانہ تھا		اس کا دل عشقِ نبیؐ کی مے کا اِک خمخانہ تھا

روزِ محشر ہادیٔ عالم بلائیں گے اُسے
جامِ کوثر اپنے ہاتھوں سے پلائیں گے اُسے

موتمرابنائے دارالعلوم واخوانِ دیوبند پاکستان کا ترجمان

بیاد: تحریک ریشمی رومال کے گمنام فقیر حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ رحمۃ اللہ رائپوری

بانی: فاضل حبیب اللہ رشیدی

نگرانِ اعلیٰ
حضرت مولانا پیرجی عبدالعلیم رائپوری مدظلہ

صدر مجلس ادارت
حضرت سید انور حسین نفیس رقم مدظلہ

حافظ عبدالرشید ارشد
قاری مطیع اللہ رشیدی
عبداللطیف خالد چیمہ
مفتی محمد اشرف عاطف

ترتیب

جلد ۱۴ — اپریل ۱۹۸۶ء — شمارہ ۷

مقام اشاعت: ۳۲ اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور
دفتر جامعہ رشیدیہ ساہیوال

الطابع: منہاج الدین اصلاحی
شرکت پرنٹنگ پریس لاہور

جملہ مراسلات بنام: عبدالعلیم رائپوری۔ ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ ساہیوال

راشدات

مفتی محمد اشرف عاطف

بالآخر فیصلہ ہو گیا.....

فرقۂ مرزائیہ ملک پاکستان کے لئے ایک ایسا ناسور ہے جو مسلسل ہمارے جسد ملی کو مذہبی، سیاسی اور سماجی اعتبار سے گھلائے اور کمزور کئے جا رہا ہے۔ انگریز کا یہ خود کاشتہ پودا ظاہر ہے وہی "گل" کھلائے گا جس پر روز اول سے اس کا خمیر اٹھایا گیا ہے۔

چنانچہ جس تشتت وافتراق اور مسلمانوں کے دینی و ملی وجود کو پارہ پارہ کرنے کی بنیاد پر اس "شجرِ خبیثہ" کی آبیاری ہوئی تھی وہ اسی نوعیت کے برگ و بار کے ساتھ پروان چڑھ رہا ہے۔ اپنے آقا و مربی سامراج کے اشارے پر منظم و خطرناک طریق پر مسلمانوں کی وحدت کو نقصان پہنچانے اور ملک خداداد کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں جو اس فرقۂ باطلہ کا کردار ہے وہ باشعور اہل وطن پر مخفی نہیں ——— اور اب تو وہ ایک عرصے سے پورے ملک میں نہایت دیدہ دلیری اور ڈھٹائی سے ہر اس آواز کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش کرنے کی کوشش میں ہیں جو حق ختم المرسلین کی ادائیگی میں گویا ہے ——— ہر اس ہاتھ کو دبوچنے کے لئے سرگرم عمل ہیں جو ردائے ختم نبوت کی حفاظت کے لئے اٹھتا ہے ——— ہر اس قدم کو پا بجولاں کرنے کی فکر میں ہیں جو "مسیلمہ پنجاب" کے نام لیواؤں کے تعاقب میں بڑھتا ہے ——— ہر اس شخصیت و وجود کو راستے سے ہٹانے کی تگ و دو میں ہیں جو ان کے ناپاک عزائم اور جھوٹی نبوت کی ترویج و اشاعت میں سنگ گراں کی حیثیت رکھتا ہے۔

گزشتہ سال اسی ساہیوال شہر میں غداران ختم نبوت کی مکروہ سرگرمیوں کا پردہ چاک کرنے کی پاداش میں دو ہنستے مسلمان نوجوانوں الحاج حافظ قاری بشیر احمد صاحب حبیب اور اظہر رفیق طالب علم رہنما کو شہید کر دیا گیا جنہوں نے "اپنی حکومت" سے اس کے اپنے ہی جاری کردہ "امتناع مرزائیت آرڈیننس" پر عمل درآمد کرانے کو کہا کہ مرزائی اپنے معبد خانوں میں بدستور اذانیں دے رہے ہیں ان کو روکا جائے۔ کیونکہ کلمہ و اذان اسلام کے شعائر ہیں اور کسی کافر کو یہ حق نہیں کہ اسلام کے شعائر کو تلبیس کی خاطر اپنائے ———

لیکن افسر شاہی نے ہر صحیح اور بروقت کئے جانے والے کام کو معرض التواء میں ڈالنے اور مؤخر کرنے کی روش خاص پر عمل کرتے ہوئے اس اہم اور حساس دینی معاملے کو بھی ٹالنے کی کوشش کی اور کہا کہ تم ہمیں شہادتیں فراہم کر دو کہ واقعی مرزائی اپنے معبد خانوں میں اذانیں دیتے ہیں تو ہم فوراً کارروائی کریں گے!

چنانچہ حافظ قاری بشیر احمد حبیب اور نوجوان طالب علم اظہر رفیق مرحوم اس غرض سے ان کے معبد خانے کے قریب پہنچتے ہیں جہاں مرزائی باقاعدہ مسلح ہو کر پہرہ دے رہے تھے۔ ان مجاہدوں کو دیکھتے ہی مرزائی غنڈوں نے نہایت ہی دیدہ دلیری سے دن کے تڑکے میں ان دو نوجوانوں کو سٹین گن اور پستولوں کے فائروں سے خاک و خون میں نہلا دیا۔

اس واقعہ کی اطلاع ملتے ہی پورے شہر۔ بلکہ پورے ملک میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی مجلس عمل ختم نبوت کے امیر مولانا خان محمد صاحب مدظلہٗ اور دیگر مقتدر رہنما فوراً ساہیوال پہنچے ۔ شہداء کے جنازوں پر انسانوں کا ایک سیل رواں تھا ہر طرف سے انتقام انتقام کی آوازیں تھیں لیکن مجلس عمل کے رہنما اور مولانا فاضل حبیب اللہ مرحوم نے نہایت حکمت و تدبر اور حوصلہ مندی سے عوام کے مشتعل ہجوم کو قانون شکنی سے روکا اور قانونی راستہ اختیار کیا اور اس واقعہ میں ملوث گیارہ افراد پر مقدمہ دائر کرایا گیا جن میں سے سات مجرم فوری طور پر گرفتار کر لئے گئے اور چار مجرم جو کہ اس ظالمانہ کاروائی کے سرغنہ تھے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

سات مجرموں پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلا۔ گو مرزائیوں نے اپنے آدمیوں کو بچانے کے لئے دولت کے دھانے کھول دیئے اور ہر طرح کے تعلقات استعمال کئے تاہم ہمارے وکلاء نے بڑی محنت و تندھی سے مقدمے کی پیروی کی۔ بے سروسامانی کے باوجود مخلصین و معاونین کا اخلاص اور مجاہد ختم نبوۃ مولانا فاضل حبیب اللہ رحمہ اللہ کی دعائے سحر گاہی ضرور شامل حال رہی اور ——— بالآخر شہیدوں کا خون رنگ لایا۔ نالہ ہائے نیم شبی نے اثر دکھایا۔ ایک سال سے زائد عرصہ کی طویل کٹھن اور صبر آزما جدوجہد کے بعد سپیشل ملٹری کورٹ سے دو مجرموں کو سزائے موت اور دس دس ہزار روپیہ جرمانہ اور چار مجرموں کو عمر قید اور پانچ پانچ ہزار روپے جرمانہ کی سزا سنائی گئی اور جبکہ ایک ملزم کو بری کر دیا گیا۔

لیکن اس دوران مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدیؒ اللہ کو پیارے ہو گئے اور فیصلہ سننے کی حسرت اپنے ساتھ لے گئے کاش وہ اس فیصلے تک زندہ ہوتے اور فیصلہ سن کر ان کے کلیجے کو ٹھنڈک پہنچتی۔ تاہم ہمیں یقین ہے کہ ان کی روح پر فتوح یقیناً خوش ہوگی۔

دو مجرموں کو سزائے موت اور دس دس ہزار روپے جرمانہ۔ چار مجرموں کو عمر قید اور پانچ پانچ ہزار روپے جرمانہ ایک کو بری کر دیا گیا

ادارہ ان تمام احباب و معاونین اور وکلاء خصوصاً اس مقدمے کے مُدعی اور سانحے کے عینی شاہد جناب عبداللطیف خالد چیمہ مجاہد ختم نبوت برادرم عبدالرزاق رشیدی عبدالمتین چوہدری ایڈووکیٹ، ملک فضل کریم سینئر ایڈووکیٹ سابق سیشن جج، خواجہ ضیاء اللہ ٹائیک ایڈووکیٹ، احمد سعید خاں بلوچ ایڈووکیٹ، محمد اسلم برق ایڈووکیٹ اور رانا فرزند علی خاں وکیل سرکار کا شکر گزار ہے جنہوں نے اس مقدس کام میں معاونت کی اور بھرپور ساتھ دیا۔

اہم گذارش

موجودہ حکومت نے جسطرح مجرموں کو ان کے جرم کی پاداش میں پھانسی کا فیصلہ سنایا ہے ہم حکومت سے پُر زور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس فیصلہ پر بلا تاخیر عملدرآمد کرائے۔ تاہم اگر قانونی موشگافیوں کی آڑ لیکر ان سزاؤں

کے نفاذ میں تاخیر و تردّد سے کام لیا گیا تو پھر سنگینیٔ حالات کی ذمہ دار خود حکومت ہوگی ______
ان تاخیری حربوں کے ردِّ عمل میں کہیں ایسا نہ ہو کہ ملت کا ہر فرد کفن بردوش ہو کر سڑکوں پر نکل آئے اور صدائے احتجاج بن کر ایک لاوے کی طرح پھٹ پڑے ______ کیونکہ ختم نبوت کا مسئلہ مسلمانوں کے لئے ایک حساس نوعیت کا دینی مسئلہ ہے اس لئے حکومت کو چاہیئے کہ اپنی دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے مجرموں کو فوراً بلا تاخیر تختہ دار پر لٹکائے اور امتناعِ مرزائیت آرڈیننس پر مؤثر عملدر آمد کرائے۔ بصورت دیگر سیلِ رواں کا روکنا مشکل ہوگا اور حالات ہولناک سے ہولناک ہوسکتے ہیں۔ پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی۔

نیز اس ظالمانہ کارروائی میں ملوث جو لوگ ملک سے فرار ہیں اور پوری ملتِ اسلامیہ کے مجرم ہیں ان کو حکومت اپنے اثر و رسوخ اور بین الاقوامی تعلقات و معاہدات کے ذریعے گرفتار کرے اور ان پر مقدمہ چلائے تاکہ وہ لوگ بھی جلد اپنے کیفرِ کردار کو پہنچیں۔

مستحسن اقدام

جامعہ رشیدیہ کا رائپور ضلع جالندھر میں سنگ تاسیس حضرت عالی شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھا اور آپ ہی کو جامعہ کا سرپرستِ اول مقرر کیا گیا۔ آپ کے بعد آپ ہی کے خلیفہ خاص و جانشین حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوریؒ اور پھر منشی رحمت علیؒ جامعہ کے سرپرست بنائے گئے۔

اس رائپوری سلسلہ کی آخری کڑی حضرت مولانا عبدالعزیز رائپوریؒ جامعہ کے آخری سرپرست جب اللہ کو پیارے ہوگئے تو جامعہ کے ناظمِ اعلیٰ و بانی نشاۃ ثانیہ مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی مرحوم کی نظرِ انتخاب خانقاہِ رائپور کے صدر نشین اور جامعہ کے سرپرستِ اول کے نواسے قطب الوقت حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہٗ (سرگودھا) پر تھی۔ چنانچہ گذشتہ سال جب حضرت اقدس جامعہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ کی تیمارداری کے لئے تشریف لائے تو حضرت ناظم صاحب کے یہ الفاظ تھے؛

"حضرت اب تو آپ ہی ہمارے سرپرست و مربی ہیں۔ رائپور سے لیکر ساہیوال تک اس جامعہ کی تمام تعلیمی و تبلیغی سرگرمیاں اسی خانقاہ سے وابستہ ہیں"

کئی دفعہ مولانا منظور احسن صاحب کو حضرت ناظم صاحبؒ نے حضرتِ اقدس کی خدمت میں یہ درخواست پیش کرنے کے لئے فرمایا لیکن ناظم صاحب کی بیماری اور دیگر حوادث نے یہ مہلت ہی نہ دی اور معاملہ التوا میں پڑتا گیا۔

بالآخر ۲۶ فروری ۸۶ء کو جامعہ کی مجلسِ شوریٰ کے اجلاس میں حضرت اقدس رائپوری کو باضابطہ سرپرست اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ اور اسطرح سابقہ روایات کے مطابق جامعہ اور اس کی انتظامیہ کو پھر خانقاہ رائپور کی دعاؤں اور زیر سرپرستی کام کرنے کا اعزاز و افتخار حاصل ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جامعہ اور اس کے حلقۂ [illegible] گزارت ہوگئی

ترقیات نصیب فرمائے۔ آخر میں ہم حضرت اقدس کی صحت کے بارے میں تمام قارئین الرشید سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ حضرت اقدس کی صحت کے لئے خصوصی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کا سایہ خیر و برکت ہمارے سروں پر قائم رکھے۔

انشورنس کا موجودہ نظام۔؟

پچھلے دنوں ایک انشورنس کمپنی کے صدر نے ایک ریڈیائی انٹرویو میں موجودہ انشورنس کے نظام کو اسلام کے مطابق قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ شکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی تھی۔

یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں معاشی نظام اسلام کے سنہری اصولوں کے مطابق تھا جس کی بنیاد خدا خوفی اور اخوت وایثار پر تھی جس کا لازمی نتیجہ تعاون و امداد باہمی اور مشکل وقت میں ایک دوسرے کے کام آنا ہے۔ جبکہ انشورنس کا موجودہ نظام ظلم واستحصال پر مبنی معاشی نظام کی وجہ سے ربٰو، قمار، دھوکہ دہی اور مذموم سرمایہ داری کا مجموعہ ہے۔ تمام علماءِ امت کا اس پر اتفاق ہے کہ موجودہ انشورنس و بیمہ کے نظام میں مذکورہ قباحتیں اور خرابیاں موجود ہیں۔

کون نہیں جانتا کہ ہمارے ملک کا معاشی نظام استحصال ولوٹ کھسوٹ کا نظام ہے جس کی بنیادی خصوصیت خود غرضی ہے جس سے تنگ نظری، بداندیشی، بخل وحرص اور تکاثر ایسے مہلک امراض پیدا ہوتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ راگ و رنگ، شراب و قمار، دھوکہ دہی وعیاری، بیجا تفریح و آسائش پر بے دریغ دولت کا خرچ کرنا قوم کا مزاج بن جاتا ہے۔ اسکو ثقافت سمجھا جاتا ہے اور یہ چیزیں عزت ووقار کا معیار قرار پاتی ہیں۔

مگر یہ بات حقیقت ہے کہ انشورنس و بیمہ جس کی اصلیت تعاونِ محض پر تھی اس کے بانی عرب کے مسلمان تھے جنہوں نے انشورنس کی موجودہ خرابیوں اور قباحتوں سے پاک محض باہمی ہمدردی، مستقبل کے خطرات کے تحفظ اور نقصانات کی تلافی پر رکھی تھی بحری تجارت میں حصہ لینے والے حقیقت شناس اُندلس کے مسلمانوں نے بحری تجارت کے تحفظ اور ارتقاء کے لئے تجارتی بیمہ کی بنیاد ڈالی جو اسوقت "ضمانیہ" کے نام سے متعارف تھا۔

لیکن جب یہ نظام بلقان کے یہودیوں کے ہاتھ آیا اور جنوبی یورپ سے شمالی یورپ تک پہنچا تو وہاں کے سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے وہ تمام خرابیاں جو آج ہمیں نظر آرہی ہیں وہ تمام اس میں در آئیں جن کو آج اسلام کا لبادہ پہنایا جارہا ہے۔ سود، قمار اور دھوکہ دہی کو اسلام کے مطابق قرار دینا اور انشورنس کی موجودہ صورتوں کو خیر القرون کے دور میں رائج بتلانا کس قدر دیدہ دلیری ہے۔ ؎ برعکس نہند نام زنگی کافور

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک اسلام کا صحیح معاشی نظام قائم نہیں ہوگا اسوقت تک امدادِ باہمی تعاون اور مستقبل کے خطرات سے تحفظ کے نام سے انشورنس کی رائج سکیمیں حقیقت میں چند افراد کو کروڑپتی بنانے کے طریقے ہیں جس سے مذموم سرمایہ داری کو فروغ حاصل ہوگا اور طبقات پیدا ہوں گے اس لئے "انما البیع مثل الربٰو" کی زبان میں بات کرنے والے کو اپنی ذاتی نفع مندی کے لئے اسلام کو کم از کم معاف رکھنا چاہیئے!

از: جناب وشوا ناتھ طاؤس جرنلسٹ فاضلکا (انڈیا)

علم کی روشنی بجھ گئی!

ماہنامہ "الرشید" جنوری ۸۶ء کے شمارہ میں یہ خبر پڑھ کر دل ڈوب گیا کہ اقلیم علم کے تاجدار، حق و صداقت کے پاسبان ہزاروں علماء و فضلاء کے استاذِ معظم جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے ناظم و مہتمم اور پاکستان میں مؤتمر ابنائے دارالعلوم و اخوانِ دیوبند کے منتظم حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی الحسینی ۷ دسمبر ۱۹۸۵ء دارِ فنا سے دارالبقاء کی جانب روانہ ہوگئے۔ آہ

چاندنی افسردہ، گُل بے رنگ و بُو نغمے اُداس
اِک تیرے جانے سے کیا بتلاؤں کیا کیا ہوگیا

قاصدِ اجل نے انہیں جس طرح ہنگامۂ عالم سے جُدا کیا وہ ایک پُراثر واقعہ ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ انہیں ایک سچے مسلمان کی موت نصیب ہوئی۔ موت کی شام وہ اپنے گھر میں دیوار کے ساتھ تکیہ لگائے بیٹھے تھے کہ اچانک آنکھیں کھول کر دروازے کی جانب دیکھا اور فرمایا وعلیکم السلام، تم آگئے ہو۔ پھر بچوں کے سر پر ہاتھ پھیر کر لو ہم چلے اور کلمہ پڑھنے لگے! بچوں نے پوچھا کہاں چلے آپ نے تو چند لمحے قبل فرمایا تھا وضو کرنا ہے۔ آخری سانس لیتے ہوئے مسکرا کر فرمایا "اب آبِ حیات سے وضو کریں گے"۔

ایک عزیز نے جلدی سے آبِ زمزم ان کے منہ کو لگایا اور سیدھے کر کے لٹایا تو گردن خود بخود قبلہ کی جانب ڈھلک گئی ——— اور وہ روشنی بجھ گئی جو نصف صدی تک اس ظلمت کدۂ دہر میں علم کا اُجالا پھیلاتی رہی ——— ادب و صحافت کی محفلیں سوگوار اور مکتب و مدرسے نوحہ کناں ہوئے۔ شدّتِ غم کے باعث دیر تک آنکھیں بھیگی رہیں اور پھر ماضی کی یادوں میں کھو گیا ———

۱۹۴۵ء کے وسط میں دوسری جنگِ عظیم ختم ہوگئی تھی ہندوستان آزادی کی منزل کے قریب پہنچ چکا تھا لیکن پورے ملک میں فرقہ واریت کا زہر پھیل چکا تھا۔ میں ان دنوں اردو کے نوعمر ادیبوں کی انجمن "حریم ادب" کی فاضلکا شاخ کا ناظم تھا میری عمر صرف بارہ برس تھی اور میں گورنمنٹ ہائی اسکول فاضلکا میں ساتویں جماعت کا طالب علم تھا۔ انجمن حریم ادب کا مقصد طلباء میں اردو لکھنے پڑھنے کا شوق پیدا کرنا اور اس زبان کی خدمت کا جذبہ پیدا کرنا تھا۔ اردو بولو، اردو پڑھو اردو لکھو یہ ہماری تنظیم کے ماٹو تھے اور ہم اپنے اجلاسوں میں اردو زندہ باد اردو پائندہ باد اور اردو درخشندہ باد کے فلک شگاف نعرے لگایا کرتے تھے۔ میری خواہش تھی کہ مقامی اسلامیہ ہائی سکول میں بھی انجمن کی شاخ قائم ہو۔ ایک روز میں انجمن کا لٹریچر اور ممبر شپ فارم لیکر اسلامیہ ہائی سکول پہنچا اور اس کے ہیڈ ماسٹر چوہدری عطاء اللہ صاحب ایم اے سے ملا۔ انہیں انجمن کے اغراض و مقاصد سے آگاہ کیا اور التجا کی کہ اپنے سکول میں شاخ قائم کرنے کی اجازت فرمائیں

وہ بخوشی راضی ہوگئے اور اپنے چپڑاسی کے ہمراہ مولانا فاضل حبیب اللہؒ کے پاس بھیجا جو اس وقت سکول میں اسلامیات اور علوم شرقیہ کے استاذ تھے۔ مولانا دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے اور مولانا حسین احمد مدنیؒ کے شیدائی و فدائی اور مولانا ابوالکلام آزادؒ کے عقیدت مند تھے۔ پورے سکول پر مسلم لیگی رنگ چڑھا ہوا تھا۔ ہیڈ ماسٹر چوہدری عطاء اللہ صاحب علیگڑھ یونیورسٹی کے پڑھے ہوئے تھے انتہائی قابل اور بے حد شریف تھے۔ ان دنوں مسلم لیگ شباب پر تھی ایک ایسے سکول میں جہاں کا پورا عملہ مسلم لیگی تھا اور طلبہ بھی دو قومی نظریہ کے حامی تھے دیوبند مکتب فکر کے استاذ کو دیکھ کر حیرت اور خوشی بھی ہوئی۔ پتہ چلا کہ مولانا کی علمیت، متانت اور سنجیدگی اور مدرجہ شرافت کے باعث پورا عملہ اور تمام طلبہ ان کا بیحد احترام کرتے ہیں اور کسی کو جرأت نہیں کہ ان کی طرف کوئی انگلی اٹھا سکے۔ یقیناً یہ قدرت کا کرشمہ تھا ورنہ دیوبندی مکتب فکر کے علماء اور حضرت مدنیؒ کے مرید والا تو مسلم لیگیوں نے جینا حرام کر رکھا تھا۔

مولانا مرحوم کا ان دنوں ملکی سیاست سے کوئی عملی تعلق نہیں تھا لیکن ان کا ذہنی جھکاؤ جمعیۃ علماء ہند کی جانب ضرور تھا۔ فرقہ واریت کے پراگندہ ماحول میں بھی مولانا موصوف کی عزت محفوظ تھی تو یہ سب اللہ کا بے پناہ فضل و کرم تھا۔

مولانا فاضل حبیب اللہ کی نگرانی میں اسلامیہ ہائی سکول میں "انجمن حریم ادب" کی شاخ تقسیم وطن تک نمایاں کام کرتی رہی اور گاہے گاہے مولانا سے ملتا رہا۔ اسکول کے قریب ہی ایک گلی میں ان کا مکان تھا جہاں ان کے پاس دینی اور علمی کتب کا کافی ذخیرہ موجود تھا۔ وہ اکثر مجھے جمعیۃ علماء ہند کی جانب سے شائع ہونے والی کتابیں پڑھنے کے لئے دیا کرتے تھے مولانا محمد میاںؒ کی کتاب "علماء حق اور ان کے کارنامے" دو حصوں میں ان سے لیکر ہی میں نے پڑھی تھی اور مجھ پر یہ حقیقت واضح ہوئی تھی کہ علماء حق نے ہی ہندوستان میں تحریک آزادی کا آغاز کیا تھا۔

بجنور کا اخبار "مدینہ" میرے والد صاحب کے پاس ڈاک میں آیا کرتا تھا جسے میں باقاعدگی سے پڑھا کرتا تھا اور اسطرح میں شروع ہی سے علماء دیوبند کی وطن کے لئے قربانیوں کا قائل تھا اور حضرت مدنیؒ اور ان کے رفقاء کا خاص طور سے مداح تھا کہ وہ بڑے صبر سکون کے ساتھ مسلم لیگیوں کی غنڈہ بازی کا سامنا کر رہے تھے مولانا

از: جناب محمد زاھد زبیر خطیب چک ۱۰ ایل

آہ! مولانا فاضل حبیب اللہ رحمہ اللہ

ادب شناس فقیہوں مفسروں کی طرح
جو بات تول کے دیتا تھا گوہروں کی طرح
نبیؐ کے نام کا عاشق نبیؐ کا پروانہ
چہار یار بلالوں ابوذروں کی طرح
حکومتوں سے لڑا آمروں سے بھڑ کے جیا
تیرے گدا نے بتائی سکندروں کی طرح
وہ کیا جنوں تھا کہ قرآں کی آیتیں لیکر
وہ شہر شہر پھرا ہے مسافروں کی طرح
وہ برق بن کے گرا بدعتوں کے خرمن پر
پڑا ہے جھوٹی نبوت پہ پتھروں کی طرح
گلی گلی میں دیا درس لاشریک لہٗ
تمام عمر گذاری پیمبروں کی طرح
حضورؐ داعیٔ رحمت کی چاندنی میں زبیر
اسے بلا کے بٹھائیں گے دلبروں کی طرح

فاضل حبیب اللہؒ کی صحبت نے مجھے علماء دیوبند کا اور بھی گرویدہ بنا دیا۔

اگست ۴۷ء میں جب ملک تقسیم ہوا اور پنجاب کو آگ اور خون کے دریا میں سے گذرنا پڑا تو ان دنوں اسکولوں میں گرمیوں کی چھٹیاں تھیں اور مولانا جالندھر میں تھے وہیں سے ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے۔ چند ماہ بعد ان کا مجھے خط ملا کہ میں فاضلکا میں ان کے اس مکان میں جاؤں اور ان کی کتابیں اگر بچ گئی ہوں تو انہیں بھجوانے کا انتظام کروں۔ انہوں نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ حضرۃ مدنیؒ اور مولانا آزادؒ کے چند خطوط بھی ان کی الماری میں رہ گئے تھے انہیں بھی تلاش کر دوں۔ میں ان کے مکان پر گیا مگر اب وہاں کیا دھرا تھا ایک ان پڑھ اور جاہل شخص نے مکان پر قبضہ کر رکھا تھا جس نے وہ کتابیں اور خطوط یا تو جلا دیئے تھے یا کبھی ردی میں بیچ ڈالے تھے۔ میں نے کئی ماہ تک مولاناؒ کو جواب نہ لکھا تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ میرے جواب سے انہیں بہت صدمہ ہوگا۔

ہندوستان میں اردو کا مستقبل تاریک ہوگیا اور پاکستان میں بھی اردو کو ابھی تک صحیح مقام نہ مل سکا جبکہ قائداعظم نے اردو زبان کو پاکستان کے ساتھ نتھی کر دیا تھا۔ پرانے دوست بچھڑ گئے نئے ساتھی ملے مگر میں نے اردو کا دامن نہیں چھوڑا۔ ۴۸ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا تو دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ مزید تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کروں دارالعلوم دیوبند کے دفتر کو پراسپکٹس بھیجنے کے لئے لکھا تو عربی زبان میں ایک چارٹ میرے پاس پہنچا جسے میں پڑھ نہ سکا اور یوں دارالعلوم میں تعلیم پانے کی تمنا دل ہی دل میں رہ گئی۔ اسی سال ایک غلط اطلاع کی بناء پر جب دارالعلوم پر پولیس کا چھاپہ پڑا اور اخبار "ریاست" میں سردار دیوان سنگھ مفتوں کے ایک نوٹ کے ذریعے مجھے اس کا علم ہوا تو میرا ایک احتجاجی مراسلہ ایک روزنامہ میں شائع ہوا کہ دارالعلوم کی تلاشی لیکر حکومت نے ایک بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے اور اس واقعہ سے حضرت مولانا حسین احمد مدنی کو جو روحانی اذیت پہنچی ہوگی اس کا تو اندازہ کرنا بھی محال ہے۔ میرا یہ مراسلہ مولانا فاضل مرحوم کی نظر سے بھی گذرا اور انہوں نے مجھے ایک دردانگیز خط تحریر کیا کہ برصغیر میں ایک ایسا غیر مسلم تو ہے جس کی آنکھ مسلمانوں کیساتھ نم ہوئی ہے!

ماہ و سال گذرتے گئے فاضل صاحب کی یاد دل میں تازہ رہی لیکن اس کے ساتھ ہی یہ خیال دل میں جاگزیں رہا کہ اب زندگی میں ان سے ملاقات ممکن نہیں مگر اللہ بڑا بے نیاز ہے جو بچھڑوں کو ملا دیتا ہے۔ ۱۹۸۰ء میں صدسالہ جشن دارالعلوم کے موقع پر لاکھوں کی بھیڑ میں اچانک اپنے دیرینہ مرشد سے میری ملاقات ہوگئی جس کا احوال حضرت فاضل مرحوم نے اپنے رسالہ "الرشید" میں یوں کیا؛

"مدیرہ الرشید" ناظم الجامعہ کے ایک سابق رفیق عزیز بلیز جناب وشوا ناتھ طاؤس ہند میں اردو زبان کے فعال رضاکار اور سماجی کارکن ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صدسالہ میں بحیثیت مبصر اور نمائندہ اخبارات شریک ہوئے اور ایسے پُرہجوم اجتماع میں طاؤس صاحب اپنے دیرینہ حبیب کی تلاش

اس واقعہ سے حضرت مدنی کو
جو روحانی اذیت پہنچی ہوگی
اس کا تو اندازہ کرنا بھی محال
ہوگا

کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ملتے ہی قدم بوسی کے لئے جھکے مگر صاحب نے اپنے رفیق کو گلے لگا لیا۔ دیر تک روتے رہے پرانی یادیں تازہ ہو گئیں۔ اسلامیہ ہائی سکول فاضلکا کی ۲۳ سالہ قیاس وگمان میں نہ آنے والی باتیں دارالعلوم دیوبند نے زندہ و تابندہ کر دیں۔ یہ بھی دارالعلوم کی کرامت ہے۔ وہاں سے واپسی پر دیوبند حاضری ہوئی تو طاؤس صاحب شاہ منزل میں دوبارہ ملاقات ہوئی۔ سید ازہر شاہ صاحب قیصر مدیر دارالعلوم سے نامکمل اور ادھوری زیارت ہوئی طاؤس صاحب سے علمی و قلمی ملاقات جاری ہے۔

مولانا فاضل رشیدیؒ تواضع و انکسار کا مجسمہ تھے اور ہمیشہ خاص وضع کا کھدر کا لباس زیب تن رکھتے تھے طبیعت میں مروت اور شرافت کا جوہر بطور خاص ودیعت ہوا تھا جرم حق کی پاداش میں بارہا اسیرِ زنداں ہوئے لیکن ان کے عزم و حوصلہ میں کمی نہ آئی۔ خطوط کے ذریعے گاہے گاہے ناچیز کو یاد فرماتے رہے۔ بڑی حسرت تھی کہ ساہیوال جاؤں گا اور مولانا کی خاکِ پا کو سر آنکھوں پر لگاؤں گا جامعہ رشیدیہ کی زیارت کی تمنا بھی تھی کہ وہ دارالعلوم دیوبند کی طرح میرے لئے عقیدت کا مرکز ہے۔ مگر انسان کی تمام حسرتیں کہاں پوری ہوتی ہیں

بیاد فاضل حبیب اللہ رشیدی رحمۃ اللہ علیہ

وہ اک مردِ درویش باطل شکن — روانہ ہوا سوئے روضِ عدن

تو ہر سو اندھیرا سا ہے چھا گیا — کہ بدلی میں مہرِ منیر آ گیا

شیوخِ طریقت پریشان ہیں — عزیز و اقارب بھی حیران ہیں

خطابت کے میدان کا شہ سوار — وہ ختمِ نبوت کا اک جاں نثار

ہمیں چھوڑ کر کیوں روانہ ہوا — چمن زارِ خُلد آشیانہ ہوا

حبیبِ خدا ہم پریشان ہیں — گلستاں کی کلیاں بھی ویران ہیں

یہ عام الحزن ہے ہمارے لئے — فراق و جدائی کے صدمے لئے

ابھی یاد تھے ہم کو شیخ الحدیثؒ — کہ وارد ہوئی موت فاضل حبیبؒ

اٹھا کر وہ ان کو روانہ ہوئی — ظلامِ چمن کا بہانہ ہوئی

جانشینانِ فاضلؒ کو توفیق دے — خدمتِ دیں کے جذبہ کی تخلیق دے

کریں گلشنِ دیں کو شاداب وہ — بڑھائیں مدرسہ کی آب و تاب وہ

"خلوصِ حبیبی" عطا کر انہیں — چلا شاہراہ پر علانیہ انہیں

خدایا! بفیضِ محمد رسولؐ
دعا افضلِ زار کی کر قبول

از: مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب
جسٹس شرعی عدالت پاکستان

بے پردگی کا سیلاب

کچھ عرصہ سے علماء مسلمان اہل فکر اور دینی جماعتوں کی بیشتر توجہ ملک کے سیاسی اور قانونی مسائل کی طرف اس شدت کے ساتھ مبذول رہی ہے کہ بہت سے اہم معاشرتی مسائل پیچھے چلے گئے ہیں اور ان کی طرف توجہ یا تو بالکل نہیں رہی یا بہت کم رہی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک طرف جس سست رفتاری سے سیاست اور قانون میں دین کا عمل دخل شروع ہوا ہے دوسری طرف اس سے کہیں زیادہ تیز رفتاری کیساتھ معاشرت بالکل الٹی سمت میں بے دینی کی طرف دوڑ رہی ہے۔ بے پردگی اور بے حیائی گھر گھر پھیل چکی ہے عریانی اور فحاشی نے حیاء و عفت کا مفہوم تک ذہنوں سے محو کر دیا ہے بڑوں کا احترام اور خاندانی رشتوں کے اسلامی آداب قصّہ پارینہ بن چکے ہیں۔ دفتروں میں رشوت اور بازاروں میں سُود، قمار اور دھوکہ و فریب کو شیرِ مادر سمجھ لیا گیا ہے اور اب ان برائیوں کی قباحت بھی دلوں سے مٹ چکی ہے۔

ان بہت سے مسائل میں سے آج کی نشست میں بے پردگی اور بے حیائی کے مسئلہ پر چند درد مندانہ گذارشات قارئین کی خدمت میں پیش کرنی ہیں جن کا تعلق عام مسلمانوں سے بھی ہے علماء اور اہل علم سے بھی اور حکومت سے بھی!

اسلام نے خواتین کو عزت و حرمت کا جو مقام بخشا ہے اور اس کے تقدس کی حفاظت کے لئے جو تعلیمات دی ہیں وہ دنیا بھر کے مذاہب اور اقوام میں ایک منفرد حیثیت کی حامل ہیں۔ اسلام نے ایک طرف عورت کی حرمت اور دوسری طرف اس کے جائز تمدنی اور معاشرتی حقوق کا تحفظ کرنے کے لئے جو احکام عطا فرمائے ہیں ان کی حکمتوں کا احاطہ انسانی عقل کے ادراک سے بالاتر ہے۔ مسلمان عورت اپنی عزت کے تحفظ کے ساتھ تمام ضروری تمدنی حقوق رکھنے کے باوجود تلاشِ معاش میں ماری ماری پھرنے کے لئے نہیں بلکہ گھر کی ملکہ بننے کے لئے پیدا ہوئی ہے اسی لئے شریعت نے اس کی عمر کے کسی مرحلہ میں فکرِ معاش کا بوجھ اس کی گردن پر نہیں ڈالا۔ خال خال صورتیں تو مستثنیٰ ہیں۔ لیکن عام حالات میں شادی سے پہلے اس کے معاش کی ذمہ داری باپ پر اور شادی کے بعد شوہر یا اولاد پر ڈالی گئی ہے لہٰذا ناگزیر ضرورتوں کو چھوڑ کر عام طور پر اسے معاش کے لئے سڑکیں چھاننے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ اس کی عزت و آبرو اور اس کی حرمت و تقدس کو سلامت رکھنے کے لئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ: وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولىٰ۔ (سورہ احزاب ۳۳)

> اسلام نے خواتین کو عزت و حرمت کا جو مقام بخشا ہے وہ دنیا بھر کے مذاہب اور اقوام میں ایک منفرد حیثیت کا حامل ہے

ترجمہ : اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور پچھلی جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار کرکے باہر نہ پھرا کرو۔"

ضرورت کے موقع پر عورت کو گھر سے باہر جانے کی اجازت بھی اسلام نے دی ہے لیکن اس طرح کہ وہ پردے کے آداب شرائط کو ملحوظ رکھ کر بقدر ضرورت باہر نکلے اور اپنے آپ کو ہوسناک نگاہوں کا نشانہ بننے سے بچائے اسی غرض کے لئے مرد و عورت کے درمیان فطری تقسیم کار رکھی گئی ہے کہ مرد کمائے اور عورت گھر کا انتظام کرے اور مرد کا اس کے لئے کما کر لانا عورت پر اس کا کوئی احسان نہیں اس کا لازمی فریضہ ہے۔ بلکہ اس معاملے میں اسلام نے عورت کو یہ فضیلت اور امتیاز بخشا ہے کہ گھر کا انتظام بھی قانونی طور پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ اخلاقی طور پر اسکو اس بات کی ترغیب ضرور دی گئی ہے کہ وہ شوہر کے گھر کی دیکھ بھال کرے لیکن اگر کوئی عورت اپنی اس اخلاقی ذمہ داری کو پورا نہ کرے تو مرد اس کو بزور قانون اسپر مجبور نہیں کرسکتا۔ اس کے برخلاف مرد پر عورت کے لئے کمانے کی ذمہ داری اخلاقی بھی ہے اور قانونی بھی۔ اور اگر کوئی مرد اس میں کوتاہی کرے تو عورت بزور قانون اسے اس ذمہ داری کی ادائیگی پر مجبور کرسکتی ہے۔

اسلام نے عورت کو یہ امتیاز اس لئے عطا فرمایا ہے تاکہ وہ کسب معاش کی الجھنوں میں پڑکر معاشرتی برائیوں کا سبب بننے کی بجائے گھر میں رہ کر قوم کی تعمیر کی خدمت انجام دے۔ گھر کا ماحول معاشرے کی وہ بنیاد ہے جس پر تمدن کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ اگر یہ بنیاد خراب ہو تو اس کا فساد پورے معاشرے میں سرایت کرجاتا ہے اس کے برعکس اگر ایک مسلمان خاتون اپنے گھر کے ماحول کو سنوار کر ان نونہالوں کی تربیت صحیح کرے جنہیں آگے چل کر قوم و ملک کا بوجھ اٹھانا ہے تو ساری قوم خودکار طریقے پر سنور سکتی ہے اور اسطرح مرد و عورت کی عزت و آبرو کا پورا تحفظ ہوتا ہے! اور دوسری طرف ایک ایسا مستحکم گھریلو نظام وجود میں آتا ہے جو مآل کار پورے معاشرے کی پاکیزگی کا ضامن بن سکتا ہے۔

لیکن جس ماحول میں معاشرے کی پاکیزگی کوئی قیمت ہی نہ رکھتی ہو اور جہاں عفت و عصمت کے بجائے اخلاق باختگی اور حیا سوزی کو منتہائے مقصود سمجھا جاتا ہو ظاہر ہے کہ وہاں اس تقسیم کار اور پردہ اور حیاء کو نہ صرف غیر ضروری بلکہ راستے کی رکاوٹ سمجھا جائے گا۔ چنانچہ جب مغرب میں تمام اخلاقی اقدار سے آزادی کی ہوا چلی تو مرد نے عورت کے گھر میں رہنے کو اپنے لئے دوہری مصیبت سمجھا۔ ایک طرف تو اس کی ہوس ناک طبیعت عورت کی کوئی ذمہ داری قبول کئے بغیر قدم قدم پر اس سے لطف اندوز ہونا چاہتی تھی اور دوسری طرف وہ اپنی قانونی بیوی کی معاشی کفالت کو بھی ایک بوجھ تصور کرتا تھا چنانچہ اس نے دونوں مشکلات کا جو عیارانہ حل نکالا اس کا خوبصورت اور معصوم نام "تحریک آزادی نسواں" ہے۔

عورت کو یہ پڑھایا گیا کہ تم اب تک گھر کی چار دیواری میں قید رہی ہو اب آزادی کا دور ہے اور تمہیں اس قید سے باہر آکر مردوں کے شانہ بشانہ زندگی کے ہر کام میں حصہ لینا چاہیئے۔ اب تک تمہیں حکومت و سیاست کے ایوانوں سے بھی محروم رکھا گیا ہے اب تم باہر آکر زندگی کی جدوجہد میں برابر کا حصہ لو تو دنیا بھر کے اعزازات اور اونچے اونچے منصب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔

عورت بیچاری ان دلفریب نعروں سے متاثر ہو کر گھر سے باہر آگئی اور پروپیگنڈے کے تمام وسائل کے ذریعے شور مچا مچا کر اسے یہ باور کرا دیا گیا کہ اسے صدیوں کی غلامی کے بعد آج آزادی ملی ہے اور اب اس کے رنج و محن کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ ان دلفریب نعروں کی آڑ میں عورت کو گھسیٹ کر سڑکوں پر لایا گیا۔ اسے دفتروں میں کلرکی عطا کی گئی، اسے اجنبی مردوں کے "پرائیویٹ سیکرٹری کا منصب" بخشا گیا۔ اسے "اسٹینو ٹائپسٹ" بننے کا اعزاز دیا گیا، اسے سینکڑوں انسانوں کی حکم برداری کے لئے "ایر ہوسٹس" کا عہدہ عنایت کیا گیا، اسے تجارت چمکانے کے لئے "سیلز گرل" اور "ماڈل گرل" بننے کا شرف بخشا، اور اس کے ایک ایک عضو کو برسر بازار رسوا کر کے گاہکوں کو دعوت دی گئی کہ آؤ اور ہم سے مال خریدو! یہاں تک کہ وہ عورت جس کے سر پر دینِ فطرت نے عزت و آبرو کا تاج رکھا تھا اور جس کے گلے میں عفت و عصمت کے ہار ڈالے تھے تجارتی اداروں کے لئے ایک شو پیس اور مرد کی تھکن دور کرنے کے لئے ایک تفریح کا سامان بن کر رہ گئی۔

نام یہ لیا گیا تھا کہ عورت کو آزادی دیکر سیاست و حکومت کے ایوان اس کے لئے کھولے جا رہے ہیں۔ لیکن ذرا جائزہ لے کر تو دیکھئے کہ اس عرصے میں خود مغربی ممالک کی کتنی عورتیں صدر وزیر اعظم یا وزیر بن گئیں؟ کتنی خواتین کو جج بنایا گیا؟ کتنی عورتوں کو دوسرے بلند مناصب کا اعزاز نصیب ہوا؟ اعداد و شمار جمع کئے جائیں تو ایسی عورتوں کا تناسب بمشکل چند فی لاکھ ہوگا۔ ان گنی چنی خواتین کو کچھ مناصب دینے کے نام پر باقی لاکھوں عورتوں کو جس بے دردی کے ساتھ سڑکوں اور بازاروں میں گھسیٹ لایا گیا ہے وہ "آزادی نسواں" کے فراڈ کا المناک ترین پہلو ہے!

آج یورپ اور امریکہ میں جا کر دیکھئے تو دنیا بھر کے تمام نچلے درجے کے کام عورت کے سپرد ہیں۔ ریستورانوں میں کوئی مرد ویٹر شاذ و نادر ہی کہیں نظر آئے گا ورنہ یہ خدمات تمام تر عورتیں انجام دے رہی ہیں۔ ہوٹلوں میں مسافروں کے کمرے صاف کرنے اور ان کے بستر کی چادریں بدلنے اور "روم اٹنڈنٹ" کی خدمات تمام تر عورتوں کے سپرد ہیں اسی طرح دکانوں پر مال بیچنے کے لئے مرد خال خال نظر آئیں گے یہ کام بھی عورتوں ہی سے لیا جاتا ہے دفاتر کے استقبالیوں پر عام طور سے عورتیں ہی تعینات ہیں اور بیرے سے لیکر کلرک تک تمام مناصب زیادہ تر اسی صنفِ نازک کے حصہ میں آئے ہیں جسے گھر کی قید سے آزادی عطا کی گئی ہے!

پروپیگنڈے کی قوتوں نے یہ عجیب و غریب فلسفہ ذہنوں پر مسلط کر دیا ہے کہ عورت اگر اپنے گھر میں اپنے اور اپنے شوہر اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں اور اولاد کے لئے خانہ داری کا انتظام کرے تو یہ قید اور ذلت ہے لیکن وہی عورت اجنبی مردوں کے لئے کھانا پکائے ان کے کمروں کی صفائی کرے ہوٹلوں اور جہازوں میں ان کی میزبانی کرے دکانوں پر اپنی مسکراہٹوں سے گاہکوں کو متوجہ کرے اور دفاتر میں اپنے افسروں کی نازبرداری کرے

عورت اگر اپنے گھر میں اپنے ماں باپ شوہر اور اولاد کے لئے خانہ داری کرے تو یہ قید ہے لیکن اگر اجنبی مردوں کی میزبانی کرے تو یہ آزادی اور اعزاز ہے!

تو یہ آزادی اور اعزاز ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پھر ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ عورت کسب معاش کے لئے آٹھ آٹھ گھنٹے کی یہ محنت اور ذلت آمیز ڈیوٹیاں ادا کرنے کے باوجود اپنے گھر کے کام دھندوں سے اب بھی فارغ نہیں ہوئی۔ گھر کی تمام خدمات آج بھی پہلے کی طرح اسی کے ذمہ ہیں اور یورپ و امریکہ میں اکثریت ان عورتوں کے ذمہ ہے جن کو آٹھ گھنٹے ڈیوٹی دینے کے بعد اپنے گھر پہنچ کر کھانا پکانے برتن دھونے اور گھر کی صفائی کا کام اب بھی کرنا پڑتا ہے۔

یہ تو اس نام نہاد آزادی کے وہ نتائج ہیں جو خود عورت اپنی ذاتی زندگی میں بھگت رہی ہے اور مرد و زن کے ان بے محابا اختلاط سے پورے معاشرے میں بداخلاقی، جنسی جرائم، بے راہروی اور آوارگی کی جو تباہ کن وبائیں وہاں پھوٹی ہیں وہ کسی بھی باخبر انسان سے پوشیدہ نہیں۔ عائلی نظام کی اینٹ سے اینٹ بج گئی ہے حسب و نسب کا کوئی تصور باقی نہیں رہا عفت و عصمت داستان پارینہ بن چکی ہے طلاقوں کی کثرت نے گھر کے گھر اجاڑ دیئے ہیں جنسی جنون تصور کی خیالی سرحدیں بھی پار کر چکا ہے اور فحاشی کے عفریت نے انسانی قدروں کو جھنجوڑ کر رکھ دیا ہے۔

یہ خیالات کسی خیالی دنیا کے نہیں، یہ مغربی دنیا کے وہ ناقابل انکار حالات ہیں جن کا ہر شخص وہاں جاکر مشاہدہ کر سکتا ہے اور جو لوگ وہاں نہیں جا سکتے ان حالات کی خبر لازماً ان تک بھی پہنچتی رہتی ہے۔ تقلید مغرب کے جو شائقین شروع میں وہاں جاکر آباد ہوئے کچھ عرصہ تک وہاں کی چمک دمک کی سیر کرنے کے بعد جب خود صاحب اولاد ہوئے اور اپنی بچیوں کا مسئلہ سامنے آیا تو ان کی پریشانی اور بے چینی کا یہاں رہ کر اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا ——— سوال یہ ہے کہ کیا کوئی مسلمان جس کے دل میں ایمان کی کوئی رمق موجود ہو یہ پسند کر سکتا ہے کہ خدانخواستہ یہ گھناؤنے حالات ہمارے اپنے ملک اور اپنے معاشرے میں بھی دہرائے جائیں ؟

اگر نہیں! اور یقیناً نہیں تو یہ کیا ستم ہے کہ ہم بھی رفتہ رفتہ بے پردگی اور بے حجابی کے اسی راستے پر چل رہے ہیں جس نے مغرب کو معاشرتی تباہی اور اخلاقی دیوالیہ پن کے آخری سرے تک پہنچا دیا ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ مسلمان خاندان کی خواتین کی سواریوں پر پردے بندھے ہوتے تھے اور پردہ شرافت و عالی نسبی کا نشان سمجھا جاتا لیکن آج انہیں شریف گھرانوں کی بیٹیاں بازاروں میں برہنہ سر گھوم رہی ہیں۔ بڑے شہروں میں تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ شہر میں برقعے کی شکل خال خال ہی کہیں نظر آتی ہے۔ بے پردگی کے سیلاب نے حیا و غیرت کا جنازہ نکال کر رکھ دیا ہے اور دیندار گھرانوں میں بھی پردے کی اہمیت کا احساس روز بروز گھٹ رہا ہے۔

بعض لوگ بے پردگی کی حمایت میں کہتے نظر آتے ہیں کہ ہماری بے پردگی کو یورپ اور امریکہ کی بے پردگی پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اور یہاں کی بے پردگی وہ نتائج پیدا نہیں کرے گی جو مغرب میں پیدا ہو چکے ہیں لیکن خوب سمجھ لیجئے کہ جو کچھ مغرب میں ہوا یا ہو رہا ہے وہ فطرت کے ساتھ بغاوت کا لازمی

ایک زمانہ تھا جب پردہ
شرافت و عالی نسبی کا نشان
سمجھا جاتا تھا

اور منطقی نتائج ہیں۔ یہ بغاوت جہاں کہیں ہوگی اپنے انہی منطقی نتائج تک پہنچ کر رہے گی۔ ان نتائج کو کھوکھلے فلسفوں سے نہیں روکا جاسکتا اور جو لوگ بے پردگی کو فروغ دینے کے بعد معاشرے میں عفت و عصمت باقی رکھنے کے دعوے کرتے پھرتے ہیں یا تو خود احمقوں کی جنت میں بستے ہیں یا دوسروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتے ہیں۔ واقعات اس بات کے گواہ ہیں کہ جب سے ہمارے معاشرے میں بے پردگی کا رواج بڑھا ہے اسوقت سے اغواء زنا اور جرائم کی شرح کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے اور اس طرح جس مقدار میں ہم بے پردگی کی طرف بڑھے اسی تناسب سے مغربی معاشرے کی لعنتیں بھی ہمارے یہاں سرایت کر گئی ہیں۔

ان لعنتوں کے سدباب کا اگر کوئی راستہ ہے تو صرف یہ کہ ہم پردے کے سلسلے میں اپنے طرز عمل کو بدل کر دین فطرت کی انہی تعلیمات کی طرف لوٹیں جنہوں نے ہمیں پاکیزہ زندگی گزارنے کا طریقہ سکھایا ہے۔

ہمارے خطباء اور واعظ حضرات نے بھی ایک مدت سے اس مسئلے کی وضاحت چھوڑ رکھی ہے اور اس اسلامی حکم کی تعلیم و تبلیغ میں بھی بہت سستی آگئی ہے شاید یہ خیال ہونے لگا ہے کہ اس معاملے میں وعظ و نصیحت بے اثر ہو چکی ہے لیکن خوب سمجھ لینا چاہئیے کہ داعی حق کا کام یہ ہے وہ تھکنے اور مایوس ہونے کی بجائے اپنے حصے کا کام انجام دیتا رہے نتائج تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں لیکن داعی کا کام یہ ہے کہ وہ دعوت کو سست نہ پڑنے دے تجربہ اس بات کا شاہد ہے کہ اخلاص کے ساتھ جو بات کہی جاتی رہے وہ ایک نہ ایک دن اپنا اثر ضرور دکھاتی ہے۔

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ۔ (سورہ الذاریات)

ترجمہ: اور نصیحت کرو کہ بلاشبہ نصیحت مومنوں کو فائدہ پہنچاتی ہے۔

حالات بلاشبہ تشویشناک ہیں لیکن بفضلہ تعالیٰ ابھی ہمارا معاشرہ اس مقام پر نہیں پہنچا جہاں اصلاح کی کوئی اُمید باقی نہیں رہتی ہزار غفلتوں، کوتاہیوں کے باوجود بحمداللہ ابھی دلوں میں اللہ تعالیٰ پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اور یوم آخرت پر ایمان موجود ہے اور اسی دولت ایمان کی وجہ سے ابھی دعوت و تبلیغ کے لئے لوگوں کے کان بالکل بند نہیں ہوئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اخلاص اور حکمت کے ساتھ مؤثر انداز میں حق کی دعوت متواتر پہنچتی رہے۔

اگر خدانخواستہ اس مرحلہ پر اس فریضے میں کوتاہی جاری رہی تو اصلاح کی کوششیں روز بروز مشکل تر ہوتی جائیں گی۔ اور خدا نہ کرے کہ ہمارے معاشرے میں وہ صورت حال پیدا ہو جس سے آج مغربی ممالک دوچار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں وہ روز بد نہ دکھائے اور اصلاح حال کے لئے اپنے حصے کا کام صدق و اخلاص اور لگن کیساتھ کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

عظمت کے مینار

از: مولانا مفتی محمد اشرف عاطف

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

بیرونی ماحول میں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس خوش نصیب شخص کو دعوتِ اسلام دی وہ آپ کا بچپن کا دوست ہمدم وندیم، ہمراز و ہم مشرب جو شروع ہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق وحق گوئی، عدل واحسان اور محبتِ انسانی کا معترف و مدّاح ہے۔ آپ کے عقائد و نظریات، جذبات واحساسات، امیال وعواطف اور اقوال وافعال سے خوب واقف ہے۔

ادھر زبانِ نبوت سے اعلانِ نبوت ہوا اور ادھر بیساختہ زبان سے نکلا "اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ"۔۔۔۔۔۔ یہ تصدیق اسقدر بیساختہ تھی کہ قلبِ نبوت مسرت بے پایاں سے جگمگا اٹھا بصیرتِ نبوت پر اسی لمحے اس تصدیق کرنیوالے کا صدقِ دل منکشف ہوگیا۔۔۔۔۔۔ قدرت نے اس تصدیقِ بے ساختہ کا یہ انعام دیا کہ اس کو رہتی دنیا تک صدیق کے لقب سے ملقب کر دیا اور تاریخ نے اس لقب کو اپنی لوحِ محفوظ میں رقم کرکے زندہ وجاوید بنا دیا۔

جی ہاں! یہ لقب ہے انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے افضل ترین شخصیت کا، جانشین خاتم النبیین کا جن کو اہل ایمان ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جن کا اسم گرامی عبداللہ ہے ابوبکر کنیت اور صدیق لقب ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق کی شخصیت میں شروع سے ہی توازن واعتدال تھا۔ ان کی عظمتِ کردار کے سب معترف تھے حسنِ معاملہ حسنِ خلق اور صدق وتقویٰ کے باعث جاہلی معاشرہ میں بھی انہیں عزت واحترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔

استحصالی معاشرے میں چونکہ مال و دولت کے ذریعے حیثیت متعین کی جاتی ہے۔ اس اعتبار سے بھی آپ کا شمار معتبر و محترم اور ذی وقار شخصیتوں میں ہوتا تھا حضرت عمر فرماتے ہیں کہ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو اسبابِ تجارت کے علاوہ آپ کے پاس چالیس ہزار درہم سے کچھ زیادہ نقد موجود تھا۔

عوامی احترام کا یہ عالم تھا کہ مکے اور اس کے قرب وجوار کے لوگ آپ کی بے حد عزت کرتے تھے۔ عدل وانصاف کی شہرت اس حد تک تھی کہ لوگ اہم مقدمات آپ کے پاس لاتے تھے اور جو فیصلہ آپ کرتے اسے فریقین بلا چون وچراں تسلیم کر لیتے تھے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ:

"حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ زمانۂ جاہلیت میں قریش کے سربرآوردہ اور رئیس تھے۔ قومی معاملات میں قریش

آپ سے مشورہ لیتے تھے۔"

جس طرح آپ بزمِ نبوت کے رفیق و ہمراز تھے اسی طرح ازم اور اسلام کے بھی دوست و رفیق ثابت ہوئے۔ وہ اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے ہی اسلام کے سرگرم مبلغ اور جاں نثار نقیب بن گئے حسن و حق کو چونکہ صدق سے اعتبار ملتا ہے اس لئے صدیقِ اکبرؓ کی انقلابی تبلیغی سرگرمیاں فوراً رنگ لائیں اور چند ایسی ہستیاں جنہوں نے اکابر صحابہ کا مرتبہ حاصل کرنا تھا مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو گئیں۔

یوں تو حضرت صدیقِ اکبرؓ کے فضائل اور خدماتِ جلیلہ بے شمار ہیں لیکن بعض ایسے کارنامے بھی ہیں جنہوں نے تاریخ کے دھارے کا رُخ موڑ دیا مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے پر سنگین صورتحال کو سنبھالنا اور اس موقع پر تاریخی خطبہ ارشاد فرمانا وہ آپ ہی کی امتیازی شان تھی جس کے یہ دو جملے آپ کی عظمت و صلاحیت اور حوصلے کے آئینہ دار ہیں۔ حضرت صدیقِ اکبرؓ نے فرمایا:

"جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا اس کا معبود تو وفات پا گیا لیکن جو اللہ کی عبادت کرتا ہے اس کا معبود زندہ ہے اور اُسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ اسلام دنیا میں مٹ جانے کے لئے نہیں آیا باقی رہنے کے لئے آیا ہے اور باقی رہے گا۔"

جی ہاں! یہ الفاظ اس کی مبارک زبان سے ادا ہو رہے تھے جس نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں اپنا گھر بار چھوڑا، دولت کو قربان کر دیا خوشحالی و آسائش کو تیاگ دیا۔ اپنی پوری زندگی اس رفیق مقدس صلعم کی رفاقت میں بسر کر دی آج اس کا وہی رفیق جس کے لئے سب کچھ قربان کر دیا اس سے جُدا ہو گیا۔ اس صورتحال میں ایک کمزور بوڑھے کے دل پر کیا گذر رہی ہوگی۔ مقدس و محترم ہستی کے چھن جانے پر ان کے کلیجے پر کیسی چھریاں چل رہی ہوں گی؟

لیکن ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں اس وفادار پر جو یاس و غم کے اس ہجوم بے کراں میں بھی متزلزل نہیں ہوا اس کے ایمانِ کامل اور یقینِ محکم میں ذرا سی کمزوری بھی رونما نہیں ہوئی۔

آپ کی زندگی نہایت سادہ اور معمولی تھی۔ لباس و خوراک اور مکان وغیرہ میں آپ کا معیارِ زندگی ایک عام آدمی کے معیار سے بڑھا ہوا نہیں تھا۔ حتیٰ کہ جب آپ خلیفہ بنے اور آجکل کی زبان میں گویا صدر بنے تو اسوقت بھی معیارِ

باقی ص ۴۰ پر

شانِ صدیقِ اکبرؓ

از عبدالرحمٰن انجم — ساہیوال

محمدؐ کا ہمدم ہے صدیقِ اکبرؓ
صحابہؓ میں اعظم ہے صدیقِ اکبرؓ

درِ مصطفےٰ صلعم سے شہادت ملے گی
رفیقِ معظم ہے صدیقِ اکبرؓ

جو تھی غار میں ساتھ تنہا نبیؐ کے
وہ ذاتِ مکرم ہے صدیقِ اکبرؓ

محمدؐ ہیں جس کی رفاقت پہ نازاں
وہ ہمدم وہ محرم ہے صدیقِ اکبرؓ

نبیؐ پر جو ایمان لائے تھے یکدم
وہی حق مجسم ہے صدیقِ اکبرؓ

نبوت کی ہیں کہکشائیں فلک پر
نما اس میں انجم ہے صدیقِ اکبرؓ

○

نسیم اختر شاہ قیصر
مُدیر ماہنامہ طیب دیوبند

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ
بحیثیت
شاگرد علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

دل کو روؤں یا جگر کو میترؔ — میری دونوں سے آشنائی ہے

انسانی زندگی رشتوں کے درمیان بٹی ہوئی ہے۔ ماں باپ اور اولاد کا رشتہ، بھائی بہن کا رشتہ، شوہر بیوی کا رشتہ یہ تمام رشتے محترم بھی ہیں اور قابلِ عزت بھی۔ ان رشتوں کے سرے انسان کو ڈھونڈھنے اور تلاش کرنے سے مل جاتے ہیں مگر دنیا کا ایک رشتہ ایسا بھی ہے جس کا چلن عام ہے اور جس کو استاد اور شاگرد کا رشتہ کہا جاتا ہے لیکن تلاش بسیار کے بعد بھی اس کا سرا ہاتھ نہیں آتا۔ دنیا کے اس کونے سے لیکر اس کونے تک زندگی کے ہر شعبے اور ہر میدان میں استاد اور شاگرد کا یہ تعلق قائم ہے اور جب سے انسان نے اس دنیا میں قدم رکھا اسی وقت سے اس رشتے کی ابتداء ہوئی اور دنیا کے اختتام تک اسی کا سلسلہ چلتا رہے گا۔ ہم بہت تلاش کرنے اور تحقیق کی وادیوں میں کچھ حاصل کرنے کے لئے نکلتے ہیں تو کتابِ برحق قرآن کریم میں انسان کے اوّل استاذ کی حیثیت سے ہمیں یہ نام ملتا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ

"وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا" — "اور سکھلا دیئے اللہ نے آدم کو نام سب چیزوں کے"

قرآن کے اس اعلان کے بعد خالقِ کائنات کی ذات اقدس انسان کے اوّل استاد کی حیثیت سے سامنے آتی ہے تخلیقِ آدم کے مرحلے سے فارغ ہونے کے بعد ربّ العالمین نے فرشتوں کی موجودگی میں آدم کی خلافت کو صحیح ثابت کرنے کے لئے ان کو ایک امتحان سے گذارا اور اسی کے درمیان آدم کو نام سکھانے کا اعلان فرمایا۔ اس طرح حضرت حق جل مجدہ کی ذاتِ اقدس کے ذریعے یہ مرحلہ تکمیل کو پہنچا۔ پھر خلافتِ انسانی کا دور شروع ہوا تو استادی اور شاگردی کا یہ تعلق اسقدر مضبوط، مستحکم اور وسیع ہوتا چلا گیا کہ آج زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جہاں یہ عمل کارفرما نہ ہو۔ ایک ڈاکٹر ایک وکیل ایک جج ایک آفیسر سے لیکر ایک چپڑاسی ایک بڑھئی ایک معمار تک سب اس رشتے کی مضبوط زنجیروں میں بندھے ہوئے ہیں۔ ایسا نہیں ہوا کہ کوئی آدمی ماں کے پیٹ سے تعمیر کا فن سیکھا سکھایا ہوا ہو یا کوئی بچہ وکالت پر مکمل عبور کے ساتھ اس دنیا میں آیا ہو بلکہ ایک ماہر معمار کی سرپرستی سے ہی اس بچے کی تعمیری صلاحیتیں کھل کر سامنے آئیں اور وہ کچھ سیکھ سکا۔ ایک ماہر اور کامیاب وکیل کی نگرانی اور توجہ سے ہی ایک کم عقل اور کم فہم بچہ وکالت کی باریکیوں اور نکتوں کو مرحلہ وار سمجھنے کے قابل ہو سکا۔ اگر خود کسی شخص کو آپ کسی میدان اور کسی فن پر خود بخود کچھ کرتے اور بناتے دیکھتے ہیں تو لازمی طور پر اس شخص کی کاوشوں میں کوئی نقص، کوئی بھول ضرور ہوگا جس پر ممکن ہے اس کے ہمعصروں کی نظر نہ پہنچے

لیکن اسکے بعد آنے والی نسلیں اسکی خرابیوں اور نقائص پر ضرور مطلع ہو جائیں گی۔ ثابت ہوا کہ صدیوں سے انسانی سانسوں کیساتھ ساتھ اور قدم سے قدم ملا کر استاذ اور شاگرد کا یہ سلسلہ چل رہا ہے۔

صدیوں سے انسانی سانسوں کیساتھ ساتھ اور قدم سے قدم ملا کر استاد اور شاگرد کا یہ سلسلہ چل رھا ہے!

اب آئیے ایک دوسری دنیا کی طرف نظر ڈالیں جسے علم کی دنیا کہا جاتا ہے اس دنیا میں استاد اور شاگرد کا جو رشتہ ہے اس کی اپنی ایک شان ہے ایک عظمت ہے اور اپنا جُداگانہ انداز ہے۔ دنیا کے کسی فن کو سیکھنے یا جاننے کے لئے رات دن کی شدید محنت، خلوص استاذ کا احترام اور دشواریاں اور پیچیدگیاں اس راہ کا اصل سامان ہیں جوان پر قابو پالیتا ہے کامیاب ہو جاتا ہے۔ علمِ دین کی طلب اور اسکے حصول کی خواہش جن دلوں میں پیدا ہوتی ہے ان کے جذبات دوسرے ہوتے ہیں۔ ان کے خیالات میں فرق ہوتا ہے اور ان کے فرائض کا دائرہ یکسر مختلف ہو جاتا ہے۔ اس میدان میں عقیدت و محبت احترام و ادب اور تقدس و پاکیزگی کا وہ شدید جذبہ درکار ہوتا ہے جس سے واقعی کچھ پایا اور حاصل کیا جا سکے۔ یہاں لاپرواہی سے اجتناب اور استاذ کی عظمت کو ہر وقت سامنے رکھنا ضروری ہوتا ہے اگر ایسا نہیں ہوتا یا کچھ لوگ اپنے آپ کو اس قابل نہیں بنا پاتے تو وہ علم سے یکسر محروم رہ جاتے ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان پھیلے ہوئے ہزاروں انسانوں میں ایسے لوگوں کا مل جانا مشکل نہیں ہے۔

علم کی عظمت کا اندازہ آپ حضرت امام اعظمؒ کے اس مشہور واقعہ سے لگا سکتے ہیں کہ ایک بار کسی مسئلہ کے سلسلہ میں آپ نے کسی جبشی سے کچھ دریافت فرمایا جبشی کے جواب پر آپ ہمیشہ اس کی عزت کرتے رہے۔ وہ اس لئے کہ ایک مسئلہ کو حل کرنے اور سلجھانے میں آپ کو اس کا تعاون حاصل ہوا تھا۔

پھر تاریخ انسانی میں ایسے شاگردوں کی بھی کمی نہیں جنہوں نے عمر بھر اس جانب اپنے پاؤں نہیں کئے جدھر ان کے استاد کا مکان یا رہائش گاہ تھی۔ عقیدت و احترام کے ان ہی پاکیزہ جذبات کی بنا پر اسلامی تاریخ میں ایسی نادرۂ روزگار شخصیتیں ملتی ہیں جن کا بدل یہ دنیا پیش کرنے سے عاجز ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قابلِ فخر شاگرد حضرت امام محمدؒ اور حضرت امام یوسفؒ کا جواب کون پیش کر سکتا ہے یا ابنِ تیمیہ کے شاگرد ابنِ قیم کا بدل کون لا سکتا ہے۔ خود ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے شاگرد مولانا عاشق الٰہیؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ کی مثال کہاں مل سکتی ہے یا ماضی قریب میں بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے شاگرد مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ، شیخ الہندؒ، مولانا عبدالرب بانی مدرسہ عبدالرب دہلی کے علوم و کمالات کو چیلنج کرنے کی ہمت کس میں ہے۔ غرضیکہ ہر دور اور ہر زمانے میں

دارالعلوم دیوبند گذشتہ ایک صدی سے زائد عرصے سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا فرض انجام دے رھا ہے!

ایسی صاحبِ کمال اور صاحبِ علم ہستیاں موجود رہیں جو خود بھی بلند مراتب پر فائز تھیں اور جن کے شاگردوں نے بھی علم کے میدان میں نمایاں اور گرانقدر خدمات انجام دیں۔

دارالعلوم دیوبند ہندوستان میں گذشتہ ایک صدی زائد سے اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ اس ادارے نے اپنی زندگی میں جو عظیم افراد پیدا کئے ہندوستان کی تاریخ میں اس کی مثال کسی دور میں نہیں ملتی۔ ایک سے ایک بڑھ کر عظیم ہستی اور صاحبِ علم یہاں ملتا اور نظر آتا ہے لیکن آج اس عظیم علمی مجلس میں مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ دارالعلوم دیوبند نے اپنے دور کی ایک ایسی شخصیت کو جنم دیا کہ جس پر وہ اپنی زندگی کے آخری سانسوں تک بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔ امام العصر حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ کی شخصیت کمالات علمی اور خدمات کا ہر طبقہ معترف ہے۔ آپ اپنی علمی عظمت کی بنا پر جو مقام رکھتے ہیں وہ تو ظاہر ہے مگر ایک وصف آپ کو اکابر دارالعلوم میں بہت ممتاز اور نمایاں کرتا ہے کہ آپ کے حلقۂ درس اور آغوشِ علم سے ایسے افراد اور شاگرد سامنے آئے جنہوں نے دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ کر علم کے چھوٹے بڑے ہزاروں چراغ روشن کئے۔ بلاشبہ گذشتہ ۲۵ رہم سال کے عرصہ میں علماء کا جو طبقہ ہندوستان اور دیگر ممالک میں نمایاں اور ممتاز رہا اسکو حضرت کشمیریؒ کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، مجاہد ملت مولانا

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ قاسمی بلاشبہ ان عرفانی اور آفاقی شخصیات میں سے تھے جو چرخ کی ہزاروں گردشوں کے بعد جنم لیتی ہیں۔ !

حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمان لدھیانویؒ، مفکر ملت مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ، مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ، مولانا حامد الانصاری غازی، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا منظور نعمانی، مولانا محمد میاں دیوبندیؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا سید احمد رضا، مولانا محمد انوریؒ فیصل آباد، مولانا غلام اللہ خانؒ مفسر قرآن، مولانا محمد چراغ گوجرانوالہ، مولانا قاضی شمس الدین، مولانا قاضی زین العابدین، مولانا شمس الحق افغانی، علامہ محمد شریف کشمیری اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ وغیرہم ایسے آفتاب و ماہتاب ہیں جن کو حضرت امام العصرؒ کے شاگرد ہونے کا فخر حاصل ہے۔ میرے مقالے کا عنوان ہے "حکیم الاسلامؒ بحیثیت شاگرد علامہ انور شاہ کشمیریؒ" اسی عنوان کی مناسبت سے اتنی لمبی چوڑی تمہید باندھی گئی اور اسی کے تحت آپ کے سامنے کچھ عرض کرنا ہے۔

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب نور اللہ مرقدہ مہتمم دارالعلوم دیوبند بلاشبہ ان عرفانی اور آفاقی شخصیات میں سے تھے جو چرخ کی ہزاروں گردشوں کے بعد جنم لیتی ہیں اور چشم فلک جن کا صدیوں اور سالوں انتظار کرتی ہے۔ وقت قدم قدم پرکھ کر اور سنبھل کر ایسے افراد کو بناتا ہے، سنوارتا ہے اور تراشتا ہے۔ تب کہیں جا کر ایک گوہر نایاب، ایک مرد کامل، ایک مرد باصفا کا جنم ہو پاتا ہے۔

حضرت حکیم الاسلامؒ کی شخصیت کے گو مختلف پہلو ہیں اور ہر پہلو کا تقاضا ہے کہ اس پر لکھا جائے۔ ارباب علم کا یہ مجمع یقیناً طور پر حضرتؒ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اچھے انداز میں روشنی ڈال سکے گا۔

یہ سب اہلِ علم ایک جگہ جمع تھے اور اپنے فکر و نظر سے قومی اور علمی مسائل کی گتھیاں سلجھا رہے تھے

حضرت علامہ کشمیریؒ اور حضرت حکیم الاسلامؒ کے ایک استاذ اور ایک شاگرد کی حیثیت سے تعلقات کو جاننے کیلئے ہمیں بہت دور تک جانا ہوگا۔

حضرت کشمیریؒ اپنے بچپن میں دیوبند آئے تو سب سے پہلا واسطہ ان کا خاندان قاسمی سے پڑا۔ خاندانِ قاسمی کے سربراہ حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند اور ان کی والدہ ماجدہ یعنی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دار العلوم دیوبند کی اہلیہ محترمہ نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کی تعلیم و تربیت اور پرورش کا بہتر سے بہتر انتظام کیا۔

اس پُرمسرت ماحول میں حضرت علامہؒ کو اپنی ذہانت و ذکاوت کے جوہر دکھانے اور مختلف علوم و فنون پر کامل دسترس حاصل کرنے کا موقع ملا۔ اس وقت مشاہیر علم و ادب کا ایک گروہ تھا جس میں حافظ محمد احمدؒ، مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ، مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ، مولانا عبید اللہ سندھیؒ، مولانا محمد میاں منصور انصاریؒ، مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ۔ یہ سب اہل علم ایک جگہ جمع تھے اور اپنے فکر و نظر سے قومی اور علمی مسائل کی گتھیاں سلجھا رہے تھے۔ یہ حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کی تعلیم کا زمانہ تھا۔ انہوں نے حضرت علامہ کشمیریؒ سے بیحد علمی استفادہ کیا۔ ان کی رہنمائی میں بڑے بڑے علمی مسائل کی تہہ تک پہنچے۔

حضرت قاری محمد طیب قاسمیؒ نے نہ صرف خارج میں حضرت کشمیریؒ سے مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھیں بلکہ دو سال ان کے سامنے دورہ حدیث کی سماعت کی۔ سفر و حضر میں حضرت کشمیریؒ کے ساتھ رہے اور اپنی تحریر و تقریر پر حضرت علامہ کشمیریؒ سے اصلاح لیتے رہے۔ چنانچہ حضرت علامہؒ کی سوانح عمری "حیاتِ انور" میں جابجا حکیم الاسلامؒ نے اپنے استفادات کا ذکر کیا ہے۔ حضرت علامہ کشمیریؒ بلامبالغہ دس سال حضرت حافظ محمد احمد صاحبؒ کے مکان پر مقیم رہے۔ ان کے دسترخوان پر کھانا کھایا اور علمی منزلیں طے کیں۔

علامہ کشمیریؒ کے حکیم الاسلامؒ کے بزرگوں اور بڑوں سے جو تعلقات رہے اور جس محبت و خلوص کا خاندانِ قاسمی کے سرپرستوں نے آپ کے ساتھ معاملہ فرمایا اس کا اثر فطری طور پر حضرت حکیم الاسلامؒ اور حضرت کشمیریؒ کے دلوں پر بھی پڑا اور استاد و شاگرد کا رشتہ جو آگے چل کر قائم ہوا اس میں ایک خلوص اور قدیم تعلق بھی شامل ہوگیا اور اس طرح حضرت حکیم الاسلام حضرت علامہ کشمیریؒ کے قابلِ فخر شاگرد بنے اور آپ نے علمی مسائل اور علمی گتھیوں کو سمجھنے اور سلجھانے میں علامہ کشمیریؒ سے کافی رہنمائی حاصل کی۔

حضرت حکیم الاسلامؒ نے دورانِ تعلیم علامہ کشمیریؒ کی تقریر و درس کو منضبطِ قلم کرنے کا بھی اہتمام فرمایا اور اس پر کافی محنت کی۔ خود تحریر فرماتے ہیں کہ:

"میں نے ان مختلف الانواع تحقیقات کو دیکھ کر ایک

میں نے ان مختلف الانواع تحقیقات کو دیکھ کر ایک املائی کاپی تیار کی جس کے لمبے چوڑے اوراق میں چھ سات کالم بنائے

املائی کاپی تیار کی جس کے لمبے چوڑے اوراق میں چھ سات کالم بنائے اور ہر کالم کے اوپر والے سرے پر فنون کے عنوان ڈال دیئے یعنی مباحث حدیث، مباحث تفسیر مباحث عربیت (نحو و صرف) مباحث فلسفہ و منطق مباحثِ ادبیات، مباحثِ تاریخ وغیرہ۔

> ان فنی مباحث کے کالموں کے بعد کاپی کے کنارے کا کالم حضرت ممدوح کی رائے اور محاکمہ کا تھا

پھر علوم عصریہ کے لئے ایک کالم رکھا کیونکہ موجودہ دور کے فنون جیسے سائنس، فلسفہ جدید، ہیئت جدید وغیرہ کے مباحث بھی بذیل بحث حدیث درس میں آتے تھے میں کالم وار ان مباحث کو املا کرتا جاتا تھا۔

ان فنی مباحث کے کالموں کے بعد کاپی کے کنارے کا کالم حضرت ممدوح کی رائے اور محاکمہ کا تھا جس کے سرنامہ پر عنوان تھا " مآل الاستاذ " اس میں وہ فیصلے درج کر لیا کرتا تھا جو مسائل کی تدقیق و تنقیح کے بعد بطور آخری تبصرہ کے حضرتؒ یہ کہہ کر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں کہتا ہوں۔

افسوس کہ یہ بیاض جو تقریباً چار پانچ صد صفحات پر مشتمل تھی ایک کرم فرما طالب علم نے مستعار مانگی اور میں نے اپنی طالبعلمانہ ناتجربہ کاری سے چند روز کے لئے ان کے حوالے کر دی۔ انہوں نے وہی کیا جو کتاب کو عاریۃً مانگنے والے طلباء کرتے ہیں۔ چند دن بعد میرے مطالبہ پر فرمایا کہ میں تو دے چکا ہوں آپ کو یاد نہیں رہا نتیجہ یہ ہوا کہ ان مغالطوں سے عاجز آ کر میں نے اس ذخیرے سے صبر کر لیا جس کو کافی عرق ریزی اور محنت سے تیار کیا تھا۔

(حیاتِ انور صفحہ ۲۱۵)

حضرت علامہ کشمیریؒ کا یہ علمی ذخیرہ جو حضرت حکیم الاسلامؒ نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے جمع کیا تھا اگر محفوظ رہ جاتا اور چھپ کر سامنے آجاتا تو اندازہ ہوتا کہ حضرت حکیم الاسلامؒ نے کس جانفشانی کا مظاہرہ کیا تھا اور ان کو اپنے استاد کے علوم سے کس درجہ مناسبت تھی۔ حضرت حکیم الاسلامؒ نے بحیثیت شاگرد علامہ کشمیریؒ دورانِ درس علمی مجلس نجی ملاقاتوں سے بہت کچھ حاصل کیا جہاں کہیں الجھے، شبہ ہوا یا مسائل کی گہرائی تک نہیں پہنچ پائے وہاں حضرت علامہؒ سے رجوع کیا۔ جس زمانے میں حضرت حکیم الاسلامؒ نے "تزنیۃ الآحاد" نامی کتاب تصنیف فرمائی اس زمانے میں آپ کو اپنی کتاب کے سلسلہ میں ابوالحسن کذاب کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی ضرورت پیش آئی تو آپ علامہ کشمیریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اپنی اس ملاقات کا ذکر اسطرح کرتے ہیں:

"میں نے عرض کیا حضرت! ابوالحسن کذاب کا ترجمہ نہیں ملتا اس کے بارے میں نشان معلوم کرنے حاضر ہوا ہوں؟ فرمایا ادب و تاریخ کی کتابوں میں فلاں فلاں مواقع کا مطالعہ کیجئے۔ تقریباً آٹھ دس کتابوں کے نام دیئے۔ میں نے عرض کیا حضرت مجھے اس شخص کی پوری تاریخ نہیں معلوم کرنی صرف اس کی صنعت کذب و دروغ گوئی کے حالات معلوم کرنے ہیں مگر ان کا کوئی عنوان کسی کتاب میں نہیں ملتا کہ اس کے نیچے ان خاص واقعات کا مطالعہ کر لوں۔ فرمایا مولوی صاحب آپ نے بھی کمال کیا صنعتِ کذب کونسی مدح ہے کہ لوگ پھر

عنوانات قائم کر کے اس کے واقعات دکھلائیں ایسی مذموم صفات و افعال کا تذکرہ ضمناً اور استطراداً آجاتا ہے عنوان ہمیشہ کمالات پر قائم کئے جاتے ہیں نہ کہ نقائص و عیوب پر۔ ان کتابوں میں فلاں فلاں مقام دیکھ لیجئے ضمناً اس کا صفت کذب کا بھی تذکرہ کہیں نہ کہیں مل جائے گا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے تو کتابوں کے اتنے اسماء بھی یاد نہ رہیں گے۔ چہ جائیکہ ان کے یہ مظان اور مواقع محفوظ رہیں نیز انتظامی مہمات کے بکھیڑوں میں اتنی فرصت بھی نہیں کہ چند جزوی مثالوں کے لئے اتنا طویل و عریض مطالعہ کروں بس آپ ہی اس شخص کے کذبات اور دروغ گوئی سے متعلق واقعات کی دو چار مثالیں بیان فرمادیں میں ان ہی کو آپ کے حوالے سے جزو کتاب بنادوں گا۔ اس پر مسکرا کر ابوالحسن کذاب کی تاریخ اس کے سن ولادت سے بیان فرمانی شروع کردی جس میں اس کے جھوٹ کے عجیب و غریب واقعات بیان فرماتے رہے آخر میں سن وفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ شخص مرتے مرتے بھی جھوٹ بول گیا اور پھر اس جھوٹ کی تفصیل بتائی۔ حیرانی یہ تھی کہ یہ بیان ایسے طرز سے ہو رہا تھا کہ گویا حضرت ممدوح نے آج کی شب میں مستقلاً اسی کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے جو اس بسط سے سن وار واقعات بیان فرما رہے ہیں۔" حیات انور صفہ ۲۲۷، ۲۲۸

غرضیکہ حضرت حکیم الاسلام نے اپنے استاذ حضرت علامہ کشمیریؒ سے کافی علمی استفادہ کیا وہ صحیح معنی میں حضرت علامہ کشمیریؒ کے قابل فخر شاگرد تھے۔ حضرت حکیم الاسلامؒ کو اپنے استاذ سے بے پناہ محبت و تعلق رہا جس کا بار بار اظہار بھی ہوا اور ہزار ہا تقریروں اور تحریروں میں آپ نے اپنے استاذ کے تذکرے سے اپنے اس تعلق کو مضبوط اور مستحکم بنایا جہاں کہیں تذکرہ آیا جب کبھی دارالعلوم کی بات چلتی اکابر کی یادیں تازہ کی جاتیں تو کیا مجال کہ حضرت حکیم الاسلام رح حضرت کشمیریؒ کے طویل تذکرے کے بغیر بات مکمل کر دیتے۔ اپنے استاد کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے آپ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں؛

اگر کسی شخص نے کسی کی برائی یا فضول بات شروع کی تو معاً فرماتے کہ بھائی ہمیں اس کی فرصت نہیں ہے کوئی مسئلہ ہو تو پوچھو ورنہ جاؤ ہمارا وقت ایسی باتوں کے لئے فارغ نہیں! حیات انور ص ۲۲۳

اور علامہ کشمیریؒ کی اس حد درجہ احتیاط اور عادت کریمہ کا مشاہدہ خود ہم نے اپنی آنکھوں سے حضرت حکیم الاسلام کی مجلسوں اور نشستوں میں دیکھا جب کبھی حضرتؒ کی مجلس میں اس قسم کی بات کی جاتی جس سے کسی کی تحقیر یا چھوٹا پن ظاہر کرنا مقصود ہوتا تو حضرتؒ ایسی بات کے لئے منع فرما دیتے۔ زندگی کے آخری دو تین سال جو شدید ابتلاء و آزمائش کے تھے ان میں بھی حضرتؒ نے جھوٹی باتوں سے اپنی مجلس کو پاک رکھا جو اس بات کی علامت ہے کہ حکیم الاسلامؒ حضرت کشمیریؒ کے نہ صرف علمی جانشین اور قابل فخر شاگرد ہی تھے بلکہ ان کی اداؤں اور عادات کو بھی اپنے اندر سمو لیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ علامہ کشمیریؒ جیسی نادرۂ روزگار شخصیت روز جنم نہیں لیتی اور نہ حضرت حکیم الاسلامؒ جیسا شاگرد روز پیدا ہوتا ہے۔ اب تو ان نورانی شخصیتوں کے واقعات ہی ہیں جن میں ہمارے لئے ایک سبق عمل موجود ہے

خدا ان دونوں عظیم ہستیوں کو اپنی رحمتوں سے نوازے

(آمین)

از: حافظ لدھیانوی

بیت الادب
۲۴۔ جی راجہ روڈ افغان کالونی فیصل آباد

مُدیر محترم حافظ عبدالرشید صاحب ارشد

السلام علیکم! سیدی فاضل حبیب اللہ نوراللہ مرقدہٗ کے سانحۂ ارتحال نے علماء کے طبقہ کو خصوصاً اور عوام الناس کو عموماً ایسا شدید صدمہ پہنچایا ہے کہ جس کی تلافی ممکن نہیں۔ ایسے مجاھد عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مبلغِ دین، معلمِ اخلاق و حکمت، مفسرِ دینِ متین، شارحِ حدیثِ نبویؐ، بے غرض انسان، بے لوث شخصیت، عالمِ باعمل، زہد و تقویٰ کے پیکر، صاحبِ کردار، خوش گفتار، عالی ظرف، مستقل مزاج، عزم کا کہسار، سادگی کا مرقع مشفق و محترم کہاں ملے گا۔ یہ قحط الرجال کا دور ہے جب کوئی محبوب شخصیت اس دارِ فانی سے اُٹھ جاتی ہے تو نعم البدل تو کجا اس کا بدل ممکن نہیں۔ خوش قسمت ہیں وہ افراد جنہوں نے سیدی فاضل حبیب اللہ رشیدی رحمۃ اللہ کی صحبت سے استفادہ کیا۔ ان کے ارشادات عالیہ سُنے۔ ان کے افکار و خیالات سے مستفیض ہوئے۔

ان کی دین کے لئے سچی لگن کا مشاھدہ کیا۔ ان کی استقامت اور عزم کو دیکھا۔ قادیانیت کے فتنے کے رد کے لئے ان کی علمی قلمی اور تقریری خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ وہ ہمہ جہت شخصیت تھے۔ تبلیغی سلسلہ میں انہوں نے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جس کی مشکل سے نظیر ملے گی۔

مجھ گنہگار کو ان سے قلبی تعلق تھا۔ ساہیوال ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ کسی حدیث سنانے کی فرمائش کرتا وہ مجھے سرفراز فرماتے۔ اپنے مخصوص عالمانہ انداز میں حدیث مبارکہ کی تشریح و تفسیر فرماتے۔ اتباعِ سُنت کا بے مثال پیکر، علم و فضل میں یکتائے روزگار، جہدِ مسلسل کی مثالی شخصیت ہم سے جُدا ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو عنبریں اور کشادہ کرے ان کے درجات بلند فرمائے ان کی دینی خدمات کا ان کو اجرِ عظیم عطا فرمائے جو انہوں نے جامعہ رشیدیہ کی صورت میں کیں

مسجد نبوی میں مرحوم اور راقم الحروف اعتکاف میں بیٹھے تھے۔ ان دنوں ان کے علم و فضل سے بھرپور استفادہ کرنے کے مواقع میسر آئے۔ ان کی زندگی کے مختلف رُخ سامنے آئے جو سراسر دینی اور روحانی تھے۔

میں نے اپنے سفرنامے "منزلِ سعادت" میں ان مجالس کا ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اس دینی مرکز رشد و ہدایت کے مدرسے کو انہی خطوط پر چلانے اور مرحوم کے نظریات کو اپنانے بلکہ آگے بڑھانے کی توفیق ارزانی کرے آمین۔ اللہ کرے یہ صدقہ جاریہ تا حشر قائم و دائم رہے۔

از: جناب حافظ لدھیانوی

بیاد سیدی فاضل حبیب اللہ نور اللہ مرقدہٗ

نغمۂ حسن وفا فاضل حبیب اللہ تھے — شمعِ بزمِ اتقیا فاضل حبیب اللہؒ تھے
ان کی سادہ زندگی تھی مستقل درسِ عمل — بے نواؤں کی نوا فاضل حبیب اللہؒ تھے
اِک زمانہ معترف تھا انکے حسنِ خلق کا — خُلق کی ایسی ادا فاضل حبیب اللہؒ تھے
دردمندی ان کا شیوہ، دلدہی ان کا شعار — پیکرِ صدق وصفا فاضل حبیب اللہؒ تھے
جامعہ کے مہتمم تھے اور مُدیرِ "الرشید" — رشد کا اک سلسلا فاضل حبیب اللہؒ تھے
تھی ہر اک تحریر ان کی علم وحکمت کا چراغ — علم وحکمت کی ضیاء فاضل حبیب اللہؒ تھے
ان کا کردار و عمل تھا مظہرِ حسنِ نیت — روح و ایمان کی جِلا فاضل حبیب اللہؒ تھے
وقف ساری زندگی کی دین کی خدمت کیلئے — دین پر ایسے فدا فاضل حبیب اللہؒ تھے
ان سے اک گونہ محبت تھی ہر اک دیندار کو — اہلِ دل کا مدعا فاضل حبیب اللہؒ تھے
ان کا نصب العین تھا احکامِ قرآں کا فروغ — دینِ محکم کی صدا فاضل حبیب اللہؒ تھے
منزلِ راہِ عمل میں تھے امیرِ کارواں — گویا اک بانگِ درا فاضل حبیب اللہؒ تھے
جب کوئی افتاد پڑتی تھی تو یاد آتے تھے آپ — ہر قدم پر رہنما فاضل حبیب اللہؒ تھے
سربلندی دین کی تھی ہر گھڑی پیشِ نظر — وہ صدائے حق نما فاضل حبیب اللہؒ تھے
وہ تھے پروانہ صفت شمعِ رسالتؐ پر نثار — سوزِ جاں سے آشنا فاضل حبیب اللہؒ تھے
فتنۂ مرزائیت کی رد میں تھے سینہ سپر — قلعہ ایسا دین کا فاضل حبیب اللہؒ تھے
اور ہی عالم تھا ان کا، منفرد تھی انکی ذات — سب میں رہ کر بھی جُدا فاضل حبیب اللہؒ تھے
معتکف تھے ساتھ میرے بارگاہِ قدس میں — خوش مزاج و خوش ادا فاضل حبیب اللہؒ تھے
ان کو تھا "سید حسین احمدؒ" سے بیعت کا شرف — سربسر بخت رسا فاضل حبیب اللہؒ تھے
موت عالم کی ہوا کرتی ہے اک عالم کی موت — جس نے ثابت کردیا فاضل حبیب اللہؒ تھے
قبر ہو ان کی کشادہ سحد پُر انوار ہو — جاں نثارِ مصطفےٰؐ فاضل حبیب اللہؒ تھے

چند شعروں میں بیاں کیسے ہوں انکی خوبیاں
کیا کہے حافظؔ کہ کیا فاضل حبیب اللہؒ تھے

○

مولانا قاری محمد طیب قاسمی

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریب سعید پر بے مثال خطاب عام

محمد بن عبداللہ سے محمد رسول اللہ تک

گذشتہ سے پیوستہ

اخلاق نبوی کی ادنیٰ سی جھلک

حدیث میں ہے کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجود ریحا مرسلۃ۔ عام حالات میں تو سخاوت تھی ہی۔ لیکن رمضان شریف کے بارے میں تو کہا گیا کہ آپ کی سخاوت ایسی ہوتی تھی جیسے نسیم صبح چلتی ہے۔ صبح کی ٹھنڈک اور ہوا ہر گھر میں، قلب میں، ہر دماغ میں پہنچتی ہے اس سے فرحت پیدا ہوتی ہے تو کوئی گھرانہ خالی نہیں ہوتا تھا کہ آپ کی سخاوت کے آثار اس گھر تک پہنچتے ہوں داد و دہش عام ہوتی تھی، ہر جگہ آپ روپیہ تقسیم فرماتے، اشیاء تقسیم فرماتے اجود ریحا مرسلۃ چھوٹی ہوئی ہوا سے زیادہ آپ کی سخاوت تھی۔ ہوائیں اتنی نہیں پھیلتی تھیں جتنی آپ کی سخاوت پھیلتی تھی

اور سخاوت اس وقت کامل ہو گی جب زہد کامل ہو گا اگر دنیا کے ساتھ دل اٹکا ہوا ہو تو دوسرے کو دینا طبیعت گوارا نہیں کرے گی۔ اس لئے ایسا آدمی دنیا کی ہر چیز سے شریعت کے لئے بالاتر ہو گیا کہ سارا مال نکل جائے تب بھی پرواہ نہ ہو گی، جب ہی تو زہد کامل ہو گا۔

تو انبیاء علیہم السلام کے زہد سے بڑھ کر کس کا زہد و قناعت ہو سکتا ہے؟ اور ان میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زہد و قناعت اس کی تو کوئی حد و نہایت ہی نہیں ہو سکتی

حدیث میں فرمایا گیا کہ آپ مغرب کی نماز پڑھانے کے لئے تشریف لے گئے۔ اذان

چکی تھی صفیں درست ہو چکی تھیں۔ آپ مصلّے پر تشریف لائے، تکبیر بھی ہو چکی تھی، قریب تھا کہ نیت باندھ لیں۔ ایک دم گھبرا کر گھر تشریف لے گئے اور کچھ منٹ وقفہ کرنے کے بعد واپس تشریف لائے اور پھر آپؐ نے نماز پڑھائی ۔۔۔۔۔ نماز پوری ہونے کے بعد حضرات صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ، خلاف معمول تکبیر ہو جانے کے بعد گھر میں تشریف لے گئے، کیا بات تھی ۔۔۔۔۔؟ کچھ دیر لگی اور بعد میں تشریف لائے کیا بات تھی؟ ۔۔۔۔ فرمایا مجھے یاد آیا کہ میرے گھر میں ایک دینار رکھا ہوا ہے (اس زمانے کی اشرفی، جو ہمارے ہندوستانی سکے کی قیمت میں اڑھائی روپے سمجھ لیجئے)، تو گھر کے طاق میں دینار رکھا ہوا تھا جب میں نیت باندھنے لگا تو مجھے یاد آیا ۔۔۔۔۔ تو نبی کے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ رات گذر جائے اور اس کے گھر میں سونا چاندی ہو۔ اسی لئے میں گھبرا کر گھر گیا اس کو صدقہ کیا اور گھر کو پاک کیا پھر آکر تمہیں نماز پڑھائی۔ ظاہر ہے کہ یہ زہد و قناعت تو انبیاءؑ ہی برت سکتے ہیں ۔۔۔۔

سیرتِ نبویؐ کو اپنانا ہر کسی کا بس نہیں

آج لوگ کہتے ہیں کہ سیرت کا جلسہ کرو۔ سیرت کہتے ہیں عادت و خصلت کو، تو کس کی جرأت ہے کہ انبیاء کی ان عادات کی پیروی کرے تو سیرت نبی کی ذاتی زندگی کا نام ہے، ہر ایک کا بس نہیں ہے کہ وہ انبیاء کی زندگی پر چل سکے، صحابہؓ کے بس میں نہیں ہوا کہ ہر ایک ذاتی زندگی پر چل سکیں۔ ایک دو چل سکے ہیں ورنہ عام قانون شریعت پر چلتے رہے اسی میں ہماری سعادت ہے یہ حوصلہ کرنا کہ ہم ہو بہو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کریں اور قدم بہ قدم چلیں یہ مجال نہیں ہے خاص اولیاء اللہ میں سے تو چل سکتے ہیں ہم اگر شریعت کے دائرے میں رہیں تو یہی ہمارے لئے بڑی سعادت ہے۔

میں تو کہا کرتا ہوں کہ اگر آدمی حرام سے بچ جائے فرائض ادا کرتا ہے یہ اس زمانے کا جنید و شبلی ہے آج کا جنید و شبلی وہ نہیں ہے جو پہلے کا تھا کہ ایک مستحب کا ترک نہ ہو اور ایک مکروہ کا ارتکاب نہ ہو۔ آج کا بڑا مقدس وہی ہے جو فرائض ادا کرتا رہا اور حرام سے بچ جائے۔ بس اس سے زیادہ کوئی کمال نہیں قوتیں اتنی ڈھے چکی ہیں کہ اس زمانے میں آدمی یوں چاہے کہ میں بھی صدیقؓ و فاروقؓ کی

طرح گذاروں تو یہ ممکن نہیں ہے۔ نہ زمانے کے حالات ہیں نہ ہمارے اندر طاقت ہے نہ ہمیں حوصلہ
کرنا چاہیے۔ بس حوصلہ یہ ہے کہ شریعت کے دائرے سے باہر نہ نکلے، ناجائز چیزوں کا ارتکاب کرے
جائز چیزوں کی حدود کے اندر رہے مشتبہ اور حرام سے بچ جائے بس اتنا کافی ہے ورنہ انبیاء کی زندگی
پر تو اکابر اولیاء اللہ بھی نہ چل سکے۔

تاریخ میں ہے کہ سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہٗ کے دس دس ہزار مریدین ایک وقت
میں جمع رہتے تھے اور لنگر سے کھانا تقسیم ہوتا تھا۔ ایک دن تشریف لائے اور باورچی خانے کو دیکھا،
جہاں ان دس ہزار کا کھانا پکتا تھا۔ فرمایا کیا کھانا ملتا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ گوشت روٹی، کبھی
دال بھی ہوتی ہے کبھی چاول بھی۔ فرمایا، اللہ اکبر! ہم یہاں اس لئے بیٹھے ہیں کہ نبی کی سنتوں کو رائج
کریں تو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کی روٹی کے سوا کوئی چیز نہیں کھائی اور ہم یہ گوشت
روٹی اور دال کھا رہے ہیں۔ حکم دیا بند کر دو یہ سب چیزیں اور وہی جو کی روٹی کھلاؤ ——
اور جو کی روٹی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہوتی تھی، تو وہ جو کی کا پسا ہوا نہیں ہوتا تھا،
حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کھاتے تھے، وہ تو پتھر کی رکابی میں جو ڈال کے اسے پتھر سے کوٹ لیا،
وہ ٹکڑے ہو گئے۔ پھونک ماری تو بھوسا اڑ گیا —— (اسی سے کھایا کرتے تھے جناب نبی کریم صلے اللہ
علیہ وآلہ وسلم) اور یہ بھی مہینے میں دو تین مرتبہ نصیب ہوتی تھی، ورنہ فاقے، ایک ایک مہینہ گذر
جاتا تھا کہ بیت نبوت میں دھواں بھی نہیں اٹھتا تھا تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہٗ
نے فرمایا کہ ہم یہاں نیابت کے لئے بیٹھے ہیں۔ گویا نائب رسول اللہ کی گدی ہے اور ہم یہ
مزے اڑائیں؟ سب کو جو کی روٹی دی جائے چنانچہ یہ سب چیزیں بند کر دی گئیں، گوشت دال
چاول سب ختم ہو گئے۔ جو کی روٹی اور زیتون کا تیل دیے جانے لگا —— ظاہر بات ہے کہ
روحانیت تو الگ چیز ہے لیکن معدہ بھی تو جو کی روٹی کا تحمل نہیں کر سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب کے
ہاضمے خراب ہو گئے، کسی کو دست آنے لگے۔ کسی کو بخار آیا تو آدھے سے زیادہ لوگ بیمار ہو گئے
ذکر اللہ کی جو محفلیں تھیں وہ سونی ہونے لگیں کوئی ہائے ہائے کر رہا ہے کوئی بخار میں تپ رہا ہے
خانقاہ بالکل ٹھنڈی پڑ گئی —— حضرت شیخ نے تین دن کے بعد فرمایا کہ ذکر اللہ کی آواز
کیوں نہیں آتی؟ عرض کیا گیا کہ حضرت نے حکم دیا تھا کہ گندم کی روٹی بند کر دی جائے جو دیئے

جائیں، گوشت دال بند کر دی جائے، زیتون کا تیل کافی ہے اس سنت کے مطابق چلو اس پر عمل کیا گیا لوگ اس روٹی کو ہضم نہیں کر سکے برداشت نہیں کر سکے سب کے سب بیمار ہو گئے سارے حجروں میں بیمار پڑے ہوئے ہائے ہائے کر رہے ہیں ذکر اللہ ختم ہو گیا تو کانوں پر ہاتھ رکھ کے فرمایا کہ ہم نے گستاخی کی کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی زندگی کی پیروی کا حوصلہ کیا، یہ ہمارا کام نہیں ہے۔ یہ انبیاء ہی کے ظرف تھے وہ اس چیز کو برداشت کرتے تھے۔ ہمارا کام اتنا ہی ہے کہ جائز کے دائرے میں رہیں نا جائز سے بچیں حکم دیا کہ گوشت روٹی پکے وہی جو چیزیں پکتی تھیں پکائی جائیں۔ ہمارے پیٹ اس قابل نہیں ہیں کہ وہ جو کی روٹی برداشت کریں تو حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کی ذاتی زندگی جس کا نام سیرت ہے اس پر عمل کرنا یہ ہمارے آپ کے بس کی بات نہیں، میں تو بعض اوقات کہا کرتا ہوں کہ سیرت کے نام سے جلسہ کرنا بعض دفعہ تو ڈر لگتا ہے کہ یہ بے ادبی کی بات نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سیرت کا جلسہ ہو گا، سیرت بیان ہو گی۔ کیوں ہو گی؟ تاکہ ہم سیرت پر عمل کریں ہم لوگ کہاں اس قابل ہیں کہ سیرت پر چلیں؟ کیا آپ میں اور ہم میں اور سب کے ساتھ میں اپنے کو بھی کہتا ہوں کہ ہم میں یہ جرأت ہے کہ گھر میں جتنا سونا چاندی ہو بیوی سمیت سب صدقہ کر دو کہ میرا گھر پاک ہو جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلے پر نماز نہیں پڑھی جب تک گھر کو سونے سے پاک نہیں کیا، کیا کسی میں جرأت ہے؟ کوئی نہیں کر سکتا۔ کیا کسی میں یہ جرأت ہے کہ آج سے جو کی روٹی شروع کر دے؟ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نہیں کر سکے۔ ہماری اور آپ کی کیا مجال ہے؟ تو بہرحال سیرت کا نام لے کر جلسے کرنا بعض اوقات یوں معلوم ہوتا ہے کہ کہیں بے ادبی میں تو داخل نہ ہو ——— ؟

جلسہ ہونا چاہیے، اصلاحی جلسہ؟ وعظ و تقریر کا جلسہ؟ سیرت کے جلسے کے معنی ہیں کہ ہم سیرت پر عمل کریں گے تو شریعت تو ہم سے چھٹتی نہیں نا جائز چیزوں میں تو ہم مبتلا ہیں۔ ہم عمل کریں گے سیرت کے اوپر ——— ؟ ——— آرزو تو کر و مگر اپنی بساط کو دیکھ کر آرزو کرو یہ کہ ہم بالکل قدم بقدم سیرت پہ چلیں گے۔ یہ کسی کے بس کی بات نہیں ——— تو بہرحال میں عرض یہ کر رہا تھا کہ انبیاء علیہم السلام کا زہد و قناعت اور سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ جسے کہ دنیا برداشت نہیں کر سکتی۔ صحابہ تک برداشت نہ کر سکے ایک آدھ گنے چنے ہیں جنہوں نے

ٹھیک ذاتی زندگی پر عمل کیا جیسے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ان کا مذہب یہ تھا کہ اس وقت کا
کھانا ہے تو شام کا کھانا جمع کرنا جائز نہیں کہ یہ ذخیرہ ہے اور کنز میں داخل ہے۔ یہ تو خزانہ ہو گیا جس
کی قرآن میں مذمت کی گئی ہے کہ اگر کنز اور خزانہ بنایا تو جہنم میں اس سونے چاندی کے داغ گھلا کے لگا
دیا جائے گا تو یہ ان کا ذاتی مذہب تھا کہ اس وقت کا کھانا ہے تو رات کے کھانے کی فکر جائز نہیں
ہے یہ توکل کے خلاف ہے۔ اگر ایک لباس بدن پر ہے تو دوسرا لباس رکھنا جائز نہیں ہے یہ بھی توکل
کے خلاف ہے تو صحابہؓ میں ایک نمونہ ہے دوسرے برداشت نہیں کر سکے چنانچہ ملک شام میں امیر
معاویہؓ کی حکومت تھی اور شام کا ملک متمول ــــ تو حضرات صحابہؓ کے دسترخوان پر کئی کئی کھانے
ہوتے تھے۔ لباس میں بھی عمدگی اور ایک لطافت پیدا ہوئی۔ مکان بھی ذرا اچھے بنے اور یہ کوئی
ناجائز بات نہیں تھی۔ حدیث میں فرمایا گیا ان اللہ یحب ان یری اثر نعمتہ علی عبدہ
اللہ اپنے جس بندے کو نعمت دے، دولت دے اللہ کو یہ پسند ہے کہ اس کے اثرات بھی اس کے
اوپر آئیں۔ ڈھنگ کا کھانا ڈھنگ کا پہننا، پھٹے حال سے نہ رہے، خراب خستہ حال نہ رہے تو منشاء
خداوندی یہ ہے کہ نعمت دی جائے اس کا اثر بھی بدن کے اوپر آنا چاہیئے، تو صحابہ نے اگر اچھا
لباس پہنا، اچھی غذائیں کھائیں تو معاذ اللہ کوئی ناجائز کام نہیں تھا۔ ان سے زیادہ متقی کون ہے؟
مگر ابوذر غفاریؓ کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی کے گھر پہنچے اور دیکھا کہ دسترخوان بچھ رہا ہے اور دو کھانے
رکھے ہیں بس لاٹھی لے کے کھڑے ہو گئے کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دسترخوان پر کب دو کھانے
تھے؟ تم نے یہ کیسے رکھے ہٹاؤ، تو یہ نہیں تھا کہ فقط نصیحت کر دیتے، لاٹھی لے کے لڑنا ہی
شروع کر دیتے تھے کہ اس کھانے کو ہٹاؤ، کسی کے گھر اگر دو چار کپڑے لٹکے ہوئے ہیں، لاٹھی لے
کے پہنچ گئے کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں کب کپڑے تھے جو تم نے رکھے ہوئے ہیں۔
صرف وہ پہننے چاہیئے جو بدن کے اوپر ہیں۔ یہ صندوق میں کیوں جوڑے رکھے ہیں۔ پھر لاٹھی لے
کے کھڑے ہو جاتے تھے کہ نکالو ان کو صدقہ کرو لوگ تنگ آ گئے آخر میں حضرت عثمان غنیؓ کو کہا گیا کہ
انہوں نے تو سب کی زندگی تلخ کر دی ہے سب تنگ ہیں کہ اس کا انتظام کیجیئے جنہیں
حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام تھا۔ اور کس طرح لوگ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی
زندگی کی پیروی کر سکیں؟ آپ انہیں حکم دیجیئے کہ یہ شہر میں نہ رہیں۔ شریعت کی وسعات ہیں مگر

کوئی مالدار ہے، زکوٰۃ دے دے گا تو مال پاک ہو گیا۔ یہ نہیں ہے کہ وہ سارا مال جا کے سمندر میں بہا دے تو پاک ہو گا، کسی کے پاس پانچ جوڑے کپڑے ہیں پرانے ہوئے بانٹنے بنا لئے۔ فقیروں کو بھی دے دیے خود بھی پہنے بس پاک ہو گئے اب یہ کہ نئی اچھا کپڑا پہننے ہی نہ پائے یہ تو شریعت کا معارضہ ہے۔ شریعت تو گنجائش دے اور یہ گنجائش نہیں دیتے۔ آخر حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ آپ شہر چھوڑ دیں جنگل میں قیام کریں ؎

آپؐ فقط نبی نہیں بلکہ خاتم النبیین بھی ہیں — !

تو اسلام خلق عظیم سے پھیلا ہے نہ کہ تلوار کے زور سے۔ آپؐ کا صبر، آپؐ کا تحمل، آپؐ کی رحمت، آپؐ کی شجاعت، آپؐ کی سخاوت یہ اخلاق ربانی تھے کہ جنہوں نے واضح کیا کہ آپؐ اللہ کے پیغمبر اور اس کے رسول ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ معجزات پھر وحی کے ذریعہ علوم یہ سب چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے ذریعے قلوب کے اندر ایمان پیدا ہوتا ہے، لوگ دین کی طرف آتے تھے، آپؐ فرماتے ہیں۔ کسی نبی کو وہ اذیتیں نہیں اٹھانی پڑیں کسی قوم سے جتنی سختیاں مجھے جھیلنی پڑیں جتنی تکلیف مجھے پہنچی حالانکہ بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ نوح علیہ السلام کو زیادہ تکلیف پہنچائی گئی۔ ساڑھے نو سو برس تبلیغ فرمائی اور قوم ان کا مذاق اڑاتی رہی۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے تکلیفیں پہنچیں۔ آپؐ کو اتنی نہیں پہنچیں۔ پھر کیوں فرمایا ہے کہ جتنی اذیتیں مجھے پہنچیں، وہ کسی کو نہیں پہنچیں؟

اس کی بنا یہ ہے کہ اذیت جب زیادہ پہنچتی ہے جب شفقت زیادہ ہوتی ہے۔ جتنی آپ کو کسی سے محبت ہو گی، اس سے اگر آپ کو تھوڑی بھی تکلیف پہنچے گی تو زیادہ محسوس ہو گی کہ اسے تکلیف پہنچانے کا حق نہیں تھا۔ میں تو اتنی محبت کروں اور یہ ایذا پہنچائے؟ اگر دشمن آپ کو گالیاں بھی دے آپ خیال بھی نہیں کرتے، لیکن اگر آپ کا بیٹا ترچھی نگاہ سے

؎ اس سے آگے تقریر کا کچھ حصہ ریکارڈ نہ ہو سکا ۱۲ منہ

دیکھ لے تو گھر سے نکال دیں گے، انتہائی صدمہ پہنچے گا، کیونکہ اس سے یہ توقع نہیں تھی کہ جس پر اتنی شفقت اور رحمت ہو، وہ تکلیف پہنچائے، تو آپؐ کو چونکہ امت کے حق میں بے حد شفقت تھی، بے حد رحمت تھی، اس لئے ان کی اذیت دگنی اور تگنی ہو کر آپؐ کو لگتی تھی ـــــ کہ میں تو اتنا شفیق اور یہ میرے ساتھ یہ برتاؤ کریں؛ تو شدۃِ شفقت کی وجہ سے اذیت زیادہ محسوس ہوتی تھی۔ اسی لئے حق تعالٰی کو روکنا پڑا کہ ذرا اس شفقت میں کمی کریں۔ اتنی زیادہ شفقت نہ کریں کہ اخیر میں خود آپؐ کو ہی بھگتنا پڑے، فرمایا:۔

لعلك باخع نفسك ان لا يكونوا مؤمنين   شاید آپ اپنے آپ کو اس غم میں ہلاک کر ڈالیں گے کہ یہ کیوں نہ مسلمان بن جائیں، آپ ان کو چھوڑیئے، تبلیغ کر دیجئے، نہیں مانتے تو جائیں جہنم میں۔ آپؐ ان کا کیوں دکھ اٹھاتے ہیں؟ لیکن غایت رحمت کی وجہ سے دکھ اٹھاتے تھے انتہائی شفقت اور خلق عظیم کی وجہ سے اس درجہ رحیمانہ اخلاق تھے کہ حق تعالٰی کو روکنا پڑا کہ اتنی شفقت بھی نہ کریں کہ خود آپ کو تکلیف پہنچے تو حاصل یہ نکلا کہ صبر ہو، سخاوت ہو، شجاعت ہو۔ چونکہ آپ خاتم الانبیاء ہیں اس واسطے اخلاق بھی خاتم الاخلاق ہیں کہ اخلاق کا وہ درجہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کو نہیں دیا گیا جو آپؐ کو دیا گیا۔ علم کا جو درجہ انبیاء کو دیا گیا اس سے دو گنا چوگنا آپؐ کو دیا گیا۔ آپؐ کا جو مقام علم ہے وہ مقام دوسرے انبیاء علیہم السلام کو نہیں دیا گیا جو مقام آپؐ کے احوال کا ہے وہ دوسرے انبیاء کو نہیں دیا گیا۔ اس لئے اور انبیاءؑ نبی تھے، آپؐ فقط نبی نہیں تھے بلکہ خاتم النبیین تھے۔

خاتم النبیین کا مطلب

اور خاتم النبیین کا مطلب یہ ہے کہ نبوت، علم اور اخلاق کے جتنے مراتب ہیں وہ آپ کی ذات بابرکات کے اوپر ختم ہو چکے ہیں۔ آپؐ سارے کمالات کے منتہی ہیں۔ سب کمالات کی انتہاء آپؐ کی ذات پر آکر ہو گئی تھی۔ گویا اب کوئی درجہ نبوت کا باقی نہیں رہا تھا کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی آئے اور اس درجہ کو لے کر چلائے اور تبلیغ کرے۔ آپ کی ذات بابرکات کے اوپر

سارے مراتب ختم کر دیے گئے اس لئے آگے نہ نبوت کی ضرورت تھی، نہ شریعت کی ضرورت تھی تو آپ کا دین خاتم الادیان تھا آپ کی لائی ہوئی کتاب خاتم الکتب تھی آپ کی لائی ہوئی شریعت خاتم الشرائع تھی آپ کی ذات خاتم الانبیاء تھی تو ہر چیز کا انتہائی مقام آپ کو عطا کیا گیا تھا۔ علم کا، اخلاق کا، کمالات کا، ختم نبوت کی وجہ سے، کیوں کہ نبوت ختم ہو چکی تھی آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں تھا ـــــ

ممکن ہے کوئی شخص یہاں شبہ کرے کہ ختم نبوت ؟ ـــــ نبوت ختم ہو چکی آپ کے بعد آگے کوئی نبی نہیں تو نبوت تو سب سے بڑی رحمت ہے آپ کو رحمت بنا کر بھیجا گیا تھا تو ہزاروں نبی آپ کے بعد آنے چاہیے تھے مگر معاذ اللہ آپ تو رحمت نہیں، زحمت بن گئے کہ نبوت جیسی رحمت کا دروازہ ہی بند ہو گیا کہ نبی آنے ختم ہو گئے۔ تو یہ رحمت کہاں ہوئی۔ معاذ اللہ یہ تو زحمت ہو گئی۔ اس لئے آپ کے رحیم ہونے کا تقاضا ہے کہ نبوت کا دروازہ کھلا رہے۔ اور آپ کے بعد ہزاروں نبی آنے چاہیے ـــــ بعض ایسے لوگوں نے جو خود چاہتے تھے کہ ہم نبی بن جائیں مگر بن نہیں سکے اتفاق سے دعوے بھی بہت کچھ کئے مگر نبوت پھبی نہیں قطع نظر اس کے کہ ختم ہو چکی تھی۔ مل نہیں سکتی تھی۔ وہ ان کی ذات پہ پھبتی ہی نہیں ـــــ جیسے بعض لوگ ٹوپی یا ڈاڑھی لیتے ہیں اور ان کو اچھی نہیں لگتی تو بعض چہرہ تو اتنا خوبصورت ہوتا ہے کہ کوئی لباس پہن لیں پھب جاتا ہے اور بعض ایسا بھدہ ہو کہ لباس بھی اس کے اوپر بھدہ ہو جاتا ہے تو قطع نظر ختم ہونے یا نہ ہونے کے ان کی ذات پر پھبتی نہیں اور چسپاں نہ ہو سکی، ـــــ مگر انہوں نے نبوت کے دعوے کرنے کے لئے یہ شبہ پیدا کیا کہ نبوت عظیم رحمت ہے اور جو نبوت کا دروازہ بند کرے وہ رحمت کہاں رہا؟ وہ تو زحمت بن گیا تو دروازہ کھلا رہنا چاہیے۔ نبی آتے رہنے چاہیئے۔ یہ شبہ ممکن ہے کسی کے ذہن میں ہو یا ڈالا جائے اس کے لئے جواب عرض کرتا ہوں ـــــ

جواب کا حاصل یہ ہے کہ ختم نبوت کا معنیٰ قطع نبوت کا نہیں کہ نبوت قطع ہو گئی دنیا سے منقطع ہو گئی، ختم نبوت کے معنی تکمیل نبوت کے ہیں یعنی نبوت کامل ہو گئی اور چیز کے کامل ہونے کے بعد کوئی درجہ باقی نہیں رہتا ہے کہ وہ آئے ـــــ

اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے رات کا وقت ہے اور ستارے چمکنے شروع ہوئے غروب کے بعد ایک چمکا، دوسرا، تیسرا، ہزار، لاکھ، کروڑ، دس کروڑ، سارا آسمان جگمگا اٹھا، آسمان ستاروں سے بھرا ہوا ہے اور چاند بھی نکلا ہوا ہے تو چاند ستارے نور پھیلا رہے ہیں لیکن رات نہیں جاتی۔ دن نہیں ہوتا۔ ہے رات کی رات، سب نے مل کر کتنی روشنی دی مگر رات موجود ہے، رات نہیں جاتی۔

آفتاب کے آنے کا جب وقت ہوا تو نکلا نہیں۔ پو پھٹی تھی بس صبح صادق نے اطلاع دی کہ آفتاب آ رہا ہے بس خبر آئی تھی کہ اندھیرا غائب ہونا شروع ہوا اور دنیا میں چاندنا ہوا ایک ستارے نے آ کے سارے جہاں کو چمکا دیا، ——— یعنی وہ تو لاکھوں کروڑوں مل کر روشنی ڈال رہے تھے مگر رات کو زائل نہیں کر سکے، دھکا نہیں دے سکے رہی رات کی رات ——— اور ایک ستارہ نکلا اس نے آ کے ساری رات کو دھکیل دیا پورے عالم میں چاندنا ہو گیا، ——— اگر آفتاب یوں کہے کہ انا خاتم الانوار میں نے سارے انوار کو ختم کر دیا، سارے انوار میری ذات پر ختم ہیں۔ میرے آنے کے بعد اب کسی ستارے کی ضرورت نہیں اور نہ اب کوئی نیا ستارہ آنے والا ہے اس لئے کہ میں اتنا کامل نور لے کے آیا ہوں اب کسی ستارے کی حاجت نہیں، جو موجود تھے بھی ان کا نور بھی ماند پڑ گیا، ان کے نور بھی غائب ہو گئے۔ اب وہ نمایاں ہونے کے قابل نہیں ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آفتاب نے ستاروں کا نور چھین لیا ہے، وہ تو منور ہیں مگر آفتاب کی تیزی اور چمک کے سامنے ان کی چمک ماند ہے، وہ نظر بھی نہیں آتے، ایسے وقت میں آفتاب یوں کہے کہ انا خاتم الانوار، میں ہوں خاتم انوار سارے انوار اور چمکیں مجھ پر ختم ہو گئیں اس کے معنی یہ ہوں گے اب نور کا کوئی ایسا درجہ باقی نہیں ہے کہ اب کوئی اور ستارہ آئے اور نور پھیلائے، اب مغرب کے وقت تک میں اکیلا ہی کافی ہوں کسی ستارے کے آنے کی ضرورت نہیں ہے ——— ہاں یہ دن ہی ختم ہو جائے یہ جہاں ہی ختم ہو جائے یہ بات الگ ہے ——— لیکن جب تک یہ دن موجود ہے کسی ستارے کی حاجت نہیں ہے اس لئے کہ انوار میری ذات کے اوپر ختم ہو گئے، تو کیا آفتاب کے " خاتم الانوار" کہنے کا یہ مطلب ہوگا کہ نور ختم ہو گیا، نور مٹ گیا دنیا سے اندھیرا چھا گیا، یا یہ

مطلب ہوگا نور کے ختم ہونے کا کہ نور کے مراتب ختم ہوئے۔ کامل ہوئے اب کسی دوسرے ستارے کے آنے کی ضرورت نہیں، دوسری چمک کی حاجت نہیں ہے تو ختم انوار کے معنی قطع انوار کے نہیں بلکہ تکمیل انوار کے ہیں کہ نور کامل ہوگیا اب کسی اور نور کی ضرورت نہیں ہے۔

آفتابِ نبوّت کا طلوع

اسی طرح سمجھ لیجئے کہ نبوت ایک آسمان ہے۔ سب سے پہلے نور کا ستارہ حضرت آدم علیہ السلام کا چمکا اور اس نے آ کے نور پھیلایا، اس کے بعد نوح علیہ السلام کے نور کا ستارہ چمکا، پھر حضرت ہود علیہ السلام کا، پھر حضرت صالح علیہ السلام کا اور ثم ارسلنا رسلنا تترا پھر پے بر پے انبیاء علیہم السلام آنے شروع ہوئے۔ ابراہیم علیہ السلام آرہے ہیں، موسےٰ علیہ السلام آرہے ہیں پھر موسےٰ علیہ السلام کے بعد ہزاروں پیغمبر بنی اسرائیل میں سے آرہے ہیں، گویا آسمانِ نبوت ستاروں سے بھر گیا مگر دنیا میں چاندنا نہ ہوا، یعنی دن نہ نکلا۔ رہی رات کی رات ——— پھر فاران کی چوٹیوں سے صبح صادق علیہ السلام کا طلوع ہوا اس نے خبر دی کہ آفتاب نبوت آنے والا ہے ابھی آیا نہیں تھا، خبر آئی تھی کہ دنیا میں چاندنا پھیلنا شروع ہوا۔ ستارے گل ہونا شروع ہو گئے اور آفتاب نے نکلتے ہی اعلان کیا کہ اب میں آچکا ہوں۔ اب کسی ستارے کی حاجت نہیں ہے میرا نکلنا ہی کافی ہوگا، پوری دنیا کے لئے اب میں کافی ہوں، نبوت ختم ہوگئی یعنی مراتب نبوت میری ذات پر منتہی ہوگئے، کامل ہوگئے۔ اس کو پھیلانے کی اب کوئی وجہ باقی نہیں، اب کسی کو نبی بنا کر نہیں لایا جائے گا اب میری نبوت عرض آفتاب ——— کام کرے گی یہاں تک کہ صبح قیامت کا طلوع ہو جائے اور یہ دن ختم ہو جائے ——— اس کے بعد اللہ کو اختیار ہے دنیا بنائے یا نہ بنائے یا سب کو جنت میں رکھے، مگر جب تک یہ دنیا قائم ہے میں آفتاب ہوں میرا نور کافی ہے میرے بعد بڑے بڑے لوگ آئیں گے مگر میری نبوت کا ہی نور ان کے راستے سے چلے گا۔

انوارِ نبوی کے ظہور کی صورتیں

محدثین آئیں گے تو ان کے راستہ سے میری نبوت کا نور ظاہر ہوگا، فقہا آئیں گے، ابو حنیفہؒ مالکؒ، شافعیؒ ان کے اندر سے میرے انوار ظاہر ہوں گے خود ان کا کوئی نور نہیں ہوگا صوفیائے کرام آئیں گے، جنید، شبلی اور بایزید بسطامی ـــــ ان کی ذات کا کوئی نور نہیں ہوگا میری ہی نبوت کا نور چمکے گا کسی طبقے سے میرے علم کا نور نمایاں ہوگا، کسی طبقے سے میرے اخلاق کا نور نمایاں ہوگا، کسی طبقے سے میرے زہد و قناعت کا نور نمایاں ہوگا، سب میرے انوار کو ظاہر کریں گے اور ایک میری نبوت قیامت تک کافی ہوگی، اس کے لئے آئینے آتے رہیں گے، اس میں سے وہ نور چھنتا رہے گا چمکتا رہے گا، دنیا کو روشنی ملتی رہے گی۔ نبوت کی اس لئے ضرورت نہیں کہ نبوۃ کے سارے درجات میرے اوپر ختم ہوگئے تو یہاں ختم نبوت کا یہ معنی لینا کہ نبوت کا دروازہ بند ہوگیا یہ دنیا کو دھوکہ دینا ہے نبوت مکمل ہوگئی، وہی کام دے گی قیامت تک نہ یہ کہ منقطع ہوگئی، دنیا میں اندھیرا پھیل گیا، نہ علم رہا، نہ اخلاق رہے تو یہ معنی نہیں کیا، اس لئے دھوکے میں نہ پڑا جائے۔ ختم نبوت کے معنی قطع نبوت کے نہیں بلکہ کمال نبوت اور تکمیل نبوت کے ہیں آپ خاتم النبیین ہیں یعنی آپ پر مراتب نبوت ختم ہوگئے، اب جتنے بھی مجدد آئیں گے محدث آئیں گے، ائمہ آئیں گے، صلحاء و شہداء آئیں گے، مجاہدین آئیں گے۔ سب کے اندر ایک ہی نور کام کرے گا، سب پیکر ہوں گے۔ ان پیکروں سے نور ظاہر ہوگا، ہوا گے وہ کمالات نبوت۔ تو گویا "ایک ذات" اللہ نے ایسی پیدا کی کہ اس کے انوار و برکات سے پچھلوں کو نبوتیں ملتی چلی گئیں۔ اگلوں کو ولائتیں ملتی چلی گئیں۔ پہلے نبی بنتے گئے، بعد والے ولی بنتے چلے گئے تو ولایت بھی وہیں سے چلی، نبوت بھی وہیں سے چلی تو اللہ کی طرف سے آپ ایک نکتہ تغیر ہیں کہ پچھلے انبیاء کی نبوتیں درحقیقت آپ کی نبوت سے مستفیض ہیں آپ کی نبوت سے فائدہ اٹھاتے رہے اور اگلے آنے والے لوگ ولی، مجدد اور محدث آپ کے کمالات سے بنتے گئے ـــــ

آپ کی نبوت میں درجۂ کمال کیوں ہے؟

یہ کیسے؟ فلاسفہ کہتے ہیں کہ آفتاب کا ہی نور در حقیقت ستاروں میں کام کرتا ہے، چاند میں اپنا ذاتی نور نہیں ہے۔ ستاروں میں اپنا نور نہیں ہے ان کا کمال یہ ہے کہ وہ اس ذات سے صیقل شدہ ہیں، آفتاب کا جہاں مقابلہ ہوا ان میں چمک پیدا ہو گئی تو در حقیقت اولیائے اللہ اور صحابہؓ آئینوں کی مانند تھے وہ چمک لیتے ہیں حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کی ——— نبوت آج بھی آپؐ کی ہی کام کر رہی ہے۔ کوئی اور نبوت نہیں ہے وہی نبوت ہے جو چل رہی ہے تو حاصل یہ نکلا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فقط نبی نہیں بلکہ خاتم النبیین ہیں اور ختم نبوت کے معنی کمالات نبوت کی انتہاء اور تکمیل نبوت کے ہیں۔ تو آپؐ کی ذات کو لاکر نبوت کے تمام مراتب ختم کر دیے گئے۔

اور نبوت کی دو ہی بنیادیں ہیں۔ ایک کمالِ علم ایک کمالِ اخلاق تو علم بھی آپؐ کا اعلےٰ اور اخلاق بھی اعلےٰ ——— علم تو وہ کہ جس کو آپؐ فرماتے ہیں اوتیت علم الاولین والاخرین اگلوں اور پچھلوں کے تمام علوم مجھے عطا کر دیے گئے ہیں۔ میرے سینے میں بھر دیے گئے ہیں۔ جس کو قرآن کریم نے فرمایا ہے وعلمك مالم تكن تعلم۔ وكان فضل الله عليك عظيما .... اے نبی! ہم نے آپ کو ان چیزوں کی تعلیم دی جو آپ پہلے سے نہیں جانتے تھے اور آپؐ پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔

اور اخلاق کے بارے میں فرمایا وانك لعلیٰ خُلُقٍ عظیم ، آپ خلق عظیم کے اوپر ہیں جو انتہائی مرتبہ ہے اخلاق کا وہ آپ کو دیا گیا۔ تو جب علم بھی انتہائی اور اخلاق بھی انتہائی۔ بس یہی دو بنیادیں ہیں نبوت کی، تو نبوت بھی انتہائی، آپ خاتم النبیین ہیں، تو ختم نبوت میں ہی آپؐ کی سیرت پوشیدہ ہے۔

ابتدائی درجہ عصمت اور معصومیت کا ہے اس کے بعد اخلاق کا ہے، اس کے بعد اعمال کا ہے اور اس کے بعد احوال کا ہے ——— تو میں نے کچھ روشنی ڈالی عصمت کے

اوپر کچھ روشنی ڈالی اخلاق کے اوپر۔ اعمال اور احوال کا باب بہت وسیع ہے اس کے لئے وقت درکار ہے۔ اتنا وقت نہیں ہے۔ وقت تنگ ہوگیا ہے اخیر ہوگیا ہے۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ اب اس تقریر کو ختم کیا جائے۔ اور کون ہے جو وہ سیرت کی ساری چیزیں بیان کرسکے۔

سیرت نبوی کیا ہے؟

اس واسطے کہ سیرت کے بارے میں صدیقہ عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ آپ کے اخلاق کیا تھے؟ تو فرماتی ہیں کہ جو قرآن ہے یہ آپ کا اخلاق ہے جسے اخلاق دیکھنے ہوں قرآن دیکھ لے تو قرآن کے عجائبات قیامت تک تمام نہیں ہوں گے تو سیرت کے عجائبات کہاں سے تمام ہوسکتے ہیں؟ قیامت تک لاکھوں بیان کرنے والے بیان کئے جائیں پھر بھی سیرت مکمل بیان نہیں ہوسکتی؟

اختتامِ تقریر

اس واسطے میں چاہتا ہوں کہ اب ختم کروں میں نے یہ آیت پڑھی تھی کہ ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔
محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تم میں سے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں یعنی نسبی رشتہ نہیں ہے لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں یعنی روحانی رشتہ کے باپ ہیں۔ مادی اور نسبی رشتے کے باپ نہیں ہیں جیسے آپ فرماتے ہیں حدیث میں انما لکم بمنزلۃ والد۔ میں تمہارے حق میں بمنزلہ باپ کے ہوں یعنی روحانی باپ تو جیسے اولاد ماں باپ سے تربیت پاتی ہے، تو روحانی اولاد روحانی ماں باپ سے تربیت پاتی ہے تو میں روحانی باپ ہوں اور سارا عالم میرے زیر تربیت ہے اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ روحانی باپ ہو یا مادی۔ وہ ایک ہی ہوسکتا ہے۔ دو دو باپ کسی کے نہیں ہوا کرتے۔ تو میں چونکہ روحانی باپ ہوں اس لئے ایک

ہوں ۔ تو میرے بعد کوئی اور باپ آنے والا نہیں ہے ۔ میری ابوت آخری مکمل ہے کہ وہ تربیت کے لئے کافی ہے ۔ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین آپ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اب نبوت کا باپ ہونے کا کوئی درجہ باقی نہیں ہے کہ نبوت کے درجہ میں کوئی روحانی باپ بن جائے ، نبوت ختم ہو چکی جس کو آپ فرماتے ہیں کہ نبوت کو ایک محل سمجھو جس کی تعمیر ہو رہی تھی جس کی آخری اینٹ میں ہوں ۔ میں نے قصر نبوت کو مکمل کر دیا ۔ اب کوئی انتظار کی حالت باقی نہیں ہے اب نہ باہر سے کوئی چیز آئے گی نہ اندر سے باہر جائے گی ۔

خلاصۂ بیان ،

بہر حال چونکہ جلسہ کا موضوع نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میلاد مبارک تھا ، تو ایک میلاد جسمانی کا ذکر کیا اور زیادہ تفصیل میلاد روحانی کی کی ۔ کیونکہ ہماری سعادت کا تعلق میلاد روحانی سے ہے ۔ آپ کی نبوت و رسالت اور رسالت کے اخلاق ، اعمال اور احوال سے ہے ۔ اس لئے اس کی تفصیل میں نے زیادہ کی اور اسی لئے یہ آیت پڑھی تھی کہ وہ ساری تفصیلات اس میں تھیں جو چھپی ہوئی تھیں ۔ ختم نبوت کے اندر تو آپ کے انتہائی کمالات اسلئے ہیں کہ آپ کی نبوت انتہائی تھی تو نبوت انتہائی تھی اس واسطے علم و اخلاق کا ذکر آیا اور وہ چونکہ انتہائی تھے اس لئے ختم نبوت کا ذکر آیا اور چونکہ ختم نبوت کا ذکر کرنا تھا تو آیت وہ پڑھی جس میں ختم نبوت کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اسی سے یہ سیرت شروع کی ۔ اب وقت زیادہ ہو گیا ہے دعا کیجئے کہ اللہ تعالے ہم کو اس پاک اور عظیم الشان پیغمبر کی زندگی اور نقش قدم پر چلنا نصیب فرمائے اور اللہ تعالے ہم کو اپنی مرضیات پر چلائے اور اپنے نبی پاک کی سنتوں پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے اور ہم کو سچا اور سیدھا مسلمان بنائے ۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ،

جامعہ کے شب و روز

بانی نشأۃ ثانیہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال حضرت مولانا الحاج فاضل حبیب اللہ رشیدیؒ کے سانحہ ارتحال پر تعزیت کے سلسلہ میں شام کے ایک مشہور عالم دین الشیخ احمد زبیری مولانا عبدالقادر آزاد خطیب شاہی مسجد لاہور کی معیت میں جامعہ رشیدیہ تشریف لائے۔ جامعہ میں ان کے اعزاز میں ایک تقریب منعقد ہوئی جس میں طلبہ و اساتذہ کے علاوہ معززینِ شہر کی کثیر تعداد نے شرکت فرمائی۔

مولانا مطیع اللہ صاحب رشیدی ناظمِ جامعہ نے ان کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کرتے ہوئے جامعہ کا مختصر تعارف کرایا گیا اور جامعہ میں معزز مہمان کی تشریف آوری پر ان کو خوش آمدید کہا گیا۔

شام کے شیخ احمد زبیری نے علم کی فضیلت و اہمیت اور علماء کے مقام پر نہایت بلیغ انداز میں خطاب فرمایا اور بانیٔ جامعہ کی وفات کو نہ صرف جامعہ رشیدیہ بلکہ پوری اہلِ علم برادری کے لئے ایک عظیم سانحہ قرار دیا۔ بعد میں حضرت مولانا عبدالقادر آزاد نے مرحوم کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے دعائے مغفرت فرمائی۔

جامعہ کی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس

جامعہ کے لئے یہ سال عام الحزن تھا۔ سب سے پہلے جامعہ کے سرپرست حضرت مولانا عبدالعزیز رائپوریؒ اس دنیا سے رخصت ہوئے متعلقین جامعہ کے لئے یہ حادثہ قیامتِ صغریٰ سے کم نہ تھا۔ ابھی یہ زخم مندمل نہ ہونے پایا تھا کہ جامعہ کے امیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ صاحب رائپوریؒ اللہ کو پیارے ہو گئے ——

اور پھر ان کی وفات کو ابھی چھ ماہ بھی نہ گذرے تھے کہ جامعہ کے بانی' روحِ رواں اور ناظم اعلیٰ مولانا فاضل حبیب اللہ صاحب رشیدیؒ بھی داغِ مفارقت دے گئے۔ ان اہم اور مقتدر شخصیات کے اُٹھ جانے سے جامعہ کی سطح پر خلا کا محسوس کیا جانا ایک قدرتی امر تھا چنانچہ گذشتہ اجلاس میں حضرت مولانا پیرجی عبدالعلیم رائپوری کو نظامتِ علیا کی ذمہ داری سونپی گئی اور حضرت مولانا الحاج ولی محمد صاحب کو امیر الجامعہ مقرر کیا گیا اور شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ۲۶ ر فروری میں ان دونوں حضرات کی کارگردگی پر اظہارِ اطمینان کیا گیا۔

دوسرا اہم فیصلہ جو اس اجلاس میں کیا گیا وہ جامعہ کی سرپرستی کا فیصلہ تھا خانقاہ رائپور کے مسندنشین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائپوری مدظلہٗ کو جامعہ کا سرپرست اعلیٰ اور حضرت سید نفیس رقم و مولانا ولی محمد دلھوت والے) اور ساہیوال کی معزز شخصیت میاں نذیر احمد صاحبان کو بالترتیب جامعہ کا سرپرست بنایا گیا۔ اراکین شوریٰ نے فیصلہ کیا کہ جامعہ کی کسی بھی تقریب یا جلسہ میں کوئی سیاسی بات نہ ہوگی اور جامعہ کو ہر سطح پر سیاسی آلائش سے محفوظ رکھا جائے گا۔

دعائے ختم قرآن مجید

۱۹ جمادی الاخریٰ کو فجر کی نماز کے بعد جامعہ سے دو سری سہ ماہی میں قرآن مجید حفظ کرنیوالے طلباء کی دعائے ختم قرآن پاک کے سلسلہ میں ایک پُر وقار تقریب منعقد ہوئی جس میں مولانا فضل احمد صاحب نے فضائل قرآن کے موضوع پر مختصر سی تقریر فرمائی ——— امام اہل سُنت حضرت سید انور حسین شاہ صاحب نفیس رقم مدظلہ خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری نے آخر میں ان بچوں کے لئے دُعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس عظیم نعمت کے حامل ہونے پر اس کی قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے۔

وفیات

- پچھلے دنوں جامعہ کے بعض مخلصین اور بعض احباب کے رشتہ دار و متعلقین اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان میں
- جامعہ کے پڑوسی نمازی الحاج محمد شفیع صاحب مرحوم
- جامعہ کے مدرس مولانا رشید احمد صاحب رشیدی کے ماموں حافظ عبدالکریم صاحب
- مولانا محمد حسین رشیدی (ہارفوالہ) کے پوتے طاہر نفاس
- حاجی لال دین صاحب مرحوم (بروکر غلہ منڈی)
- اور جامعہ کے پڑوسی نمازی نقش خاں سپاہی کے جواں سال لڑکے عبدالقیوم سپاہی جو ایک حادثے میں جاں بحق ہوگئے۔

جامعہ میں حسبِ معمول ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی اور مرحومین کے لئے دُعائے مغفرت کی گئی۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں اطمینان و سکون نصیب فرمائے۔

جامعہ کے تمام اساتذہ وطلبہ اور ناظمِ اعلیٰ مرحومین کے لواحقین سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے دُعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس حادثہ پر صبر جمیل عطا فرمائے۔

بقیہ: عظمت کے مینار

زندگی رعایا کے ایک عام فرد سے بڑھنے نہ پایا۔ معاش نہ دریات کے لئے معمولی سا روزینہ بیت المال سے لیتے تھے۔ اتنا کہ جس سے سادہ طریقہ پر بمشکل گزارہ ہو سکے وہ بھی بعد میں سب کا سب بیت المال کو واپس کر دیا۔

اسطرح آپ نے آنیوالے مسلم حکمرانوں کے لئے ایک مثال قائم کر دی آج کل نام نہاد حکمران بھی اس آئینے میں اپنی صورت دیکھیں جن کی شامیں عظیم الشان محلات اور قصرِ صدارت میں داد عیش دیتے ہوئے کٹتی ہیں اور جسمیں عوام پر جبر و ظلم اور اپنے اقتدار کو طویل تر کرنے کے لئے مشوروں میں بسر ہوتی ہیں۔ یہ تھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی کی ایک جھلک جس کا نقش رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔

هرگز نمیرد آنکه دلش زنده شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام

از: جناب محمد طاہر مصطفےٰ صاحب
ابن مولانا عبدالمجید صاحب عارف

اعترافِ حقیقت

جو تھا حق و صداقت کی صدا فاضل حبیب اللہؒ
وہ آخر ہوگیا ہم سے جُدا فاضل حبیب اللہؒ

نجانے زندگی بھر اس نے کتنی سختیاں جھیلیں
مگر باطل کے آگے نہ جُھکا فاضل حبیب اللہؒ

نہ سُولی کا اُسے ڈر تھا نہ قید و بند کا خطرہ
رہا ختمِ نبوّت پر فدا فاضل حبیب اللہؒ

خودی کا ایک پیکر تھا غنیٰ کا ایک مظہر تھا
یقیناً تھا فقیرِ بے ریا فاضل حبیب اللہؒ

بہار افزا کیا تھا خونِ دل دیکر جسے تُو نے
وہ اب گلشن ہے مُرجھایا ہوا فاضل حبیب اللہؒ

تیری خدمات نے ایسے درخشاں نقش چھوڑے ہیں
سب عالم تیرا مدحت سرا فاضل حبیب اللہؒ

لحد سے حشر تک تجھ پہ خدا کی رحمتیں برسیں
یہی طاہر کی ہے دل سے دُعا فاضل حبیب اللہؒ

○

Phone REGD. L NO. 8054

جریدہ اسلامیہ

MONTHLY. AL-RASHID. LAHORE [PAKISTAN]

از دفتر جامعہ رشیدیہ (رجسٹرڈ) ساہیوال

محترم المقام جناب محترم ....

سلام مسنون - نیاز مقرون - آداب مشحون -

آنجناب قدیم سے جامعہ رشیدیہ کے ساتھ ہر طرح کی معاونت اور مخلصانہ تعلق رکھتے ہیں جس پر یہ خادم اور کارکنان جامعہ آپ کے تہہ دل سے شکر گزار و ممنون ہیں۔

ان مخلصانہ تعلقات کی بناء پر خدمت عالیہ میں عرض ہے کہ آپ کا یہ ادارہ اپنے اکابر بزرگوں مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدیؒ و مولانا محمد عبداللہ رائپوریؒ کے قائم و جاری کردہ اصولوں کی روشنی میں معیار تعلیم اور حسن انتظام کے لحاظ سے بحمد اللہ ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے۔

جامعہ کے تمام شعبوں میں حسب سابق پورے نظم و ضبط کے ساتھ کام ہو رہا ہے۔ جامعہ کے اساتذہ کرام اور دیگر خدام و کارکنان اپنے فرائض منصبی میں بہتر کارکردگی کے لئے شب و روز مصروف ہیں۔

آنمحترم سے گذارش اور قوی امید ہے کہ حسب معمول اپنی توجہات تامہ جامعہ پر مبذول کئے رکھیں گے اور اپنے احباب و متعلقین کو بھی اس کار خیر کی طرف متوجہ فرماتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ دارین میں عافیت و سعادت نصیب فرمائیں۔

○ جامعہ کی طرف سے کوئی سفیر یا محصل نہیں امانت جامعہ کے سلسلہ میں براہ راست رابطہ فرمائیں!

أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں (حدیث نبویؐ)

أَنَا آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ وَأَنْتُمْ آخِرُ الْأُمَمِ

میں آخری نبی ہوں، اور تم آخری امت (حدیث نبویؐ)

ماہنامہ

الرشید

منظر

بیادگار

فاضل حبیب اللہ

صدر مہتمم و ناظم اعلیٰ
جامعہ رشیدیہ

M. Hussain Chaudhury & Co.

CHARTERED ACCOUNTANTS

1404 Rs.	PAYMENTS	AMOUNT Rs.	TOTAL Rs.
	Loan paid to Mr. Fazal Ahmed	101.72	
184 332.09	Students' Mess expenses	177,573.77	
395,740.30	Salaries of teachers, mosque and other staff	400,115.24	
86,099.83	Stipend and other expenses	73,523.69	
36,041.67	Electricity expenses	28,665.20	
2,256.75	Stationery and Newspaper	5,571.25	
8,338.84	Travelling and Conveyance	17,958.25	
15,686.50	Tabligh and annual meetings	259,070.60	
26,199.15	Postage telegram and telephone	17,666.32	
5,651.00	Mosque expenses	9,081.75	
7,181.70	Guest expenses	16,210.65	
1,670.00	Annual subscription & legal exp.	1,200.00	
600.00	Audit fee	600.00	
1,038.17	Miscellaneous expenses	864.95	
41,285.75	Al-Rashid expenses (Monthly journal)	58,663.22	1,066,866.61
	CAPITAL EXPENDITURE		
86,271.74	Building construction	145,906.55	
8,369.50	Books for Library	4,701.50	150,608.05
	CLOSING BALANCES		
150,000.00	U.B.L. C/A 394	266,894.00	
100,000.00	P.L.S. term deposit	100,000.00	
153,395.00	P.L.S. A/c 830	106,126.00	
23.00	National Bank of Pakistan	23.00	
1,636.00	M.C.B. 176	1,668.00	
-	U.B.L. PLS 330	23,696.92	498,407.92
[illegible] 16.19	MOHTASIB / KHAZIN		1,715,882.58

JAMIA RASHIDIA (REGD), SAHIWAL for the year ended 30th Zilhaj, 1405 Hijri and given to us, we have found the statement of accounts referred to above true

(M. Hussain Chaudhury & Co.)
CHARTERED ACCOUNTANTS.

مؤتمر ابنائے دار العلوم و اخوان دیوبند پاکستان کا ترجمان

بیاد: تحریک ریشمی رومال کے گمنام فقیر، حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ رحمہ اللہ رائپوری

ماہنامہ • جریدہ

الرشید لاہور

جلد نمبر ۱۴ — مئی ۱۹۸۶ء

شمارہ نمبر ۸ — شعبان ۱۴۰۶ھ

عنوانات و معنون

عملہ الرشید

بانی
فاضل حبیب اللہ رشیدی

مدیر مسئول و ناشر
حافظ عبد الرشید ارشد

مدیر اعلیٰ
(پیرجی) عبد العلیم رائپوری

ناظر اعلیٰ
قاری مطیع اللہ رشیدی

مدیر معاون
شریف احمد طاہر

خطاط: حزب اللہ خالد

مقام اشاعت:
○ ۳۲۔ اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور
○ دفتر جامعہ رشیدیہ ساہیوال

الطبع: [illegible]

نذر اعانت: محسنین الرشید تبلیغی فنڈ ۵۰ روپے
غیر ممالک سے یکصد روپے مع محصول ڈاک
الرشید تبلیغی مجلہ ہے
عام خریداری: سالانہ ۳۶ روپے

(پیرجی) عبد العلیم رائپوری ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ ساہیوال

راشدات

عبدالعلیم رائے پوری

شریعت بل

دین و شریعت نام ہے اس عالمگیر نظامِ انسانیت کا جس میں تکمیلِ انسانیت کے کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ خالق سے رشتہ ہو یا مخلوق سے تعلق، شخصی زندگی سے واسطہ ہو یا اجتماعی زندگی سے رابطہ عبادات ہوں یا معاملات، معیشت ہو یا معاشرت، احوال و اخلاق ہوں یا اعمال و افعال ان تمام امور میں رہنمائی کے لئے اسلام نے ہمیں ایک دستور اور ضابطہ عطا کیا ہے۔ اسی ضابطہ کا نام شریعت ہے۔ چنانچہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین و احکام کی اطاعت کرے اور خدا و رسولؐ کے فیصلوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے۔

وما ارسلنا من رسول الا ليطاع باذن الله (الآیہ)

اپنے ارادہ و اختیار سے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ حکمِ خداوندی سے سرِ مو بھی انحراف نہ کرے

وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله امرا ان يكون لهم الخيرة من امرهم ومن يعص الله ورسوله لقد ضل ضلالا مبينا۔

اگرچہ بندۂ مومن کی سعادت اسی میں ہے کہ بغیر کسی جبر و اکراہ کے خود ہی تسلیم و انقیاد کا راستہ اختیار کرے تاہم اجتماعی طور پر احکامِ شریعت نافذ کرنا اور ان پر عمل کرانا حکومت کے فرائض میں سے ہے اور حکومت ہی اس پر قادر ہو سکتی ہے اور پھر خوش قسمتی سے یہ ملک بھی نفاذِ اسلام کے نام پر وجود میں آیا ہے۔ ہونا تو یوں چاہیئے تھا کہ روزِ اول سے ملک خداداد میں اسلام کا قانون فوراً نافذ ہوتا لیکن افسوس کہ ان تمام توقعات کی حقیقت ایک سراب سے زیادہ نہ ثابت ہوئی اور نہ صرف یہ کہ اسلامی قانون کے نفاذ کی کوئی کوشش ہوتی بلکہ مخالفِ اسلام کوششیں جاری رہیں۔ نہایت تیزی کیساتھ اسلام کے نام پر غیر اسلامی معاشرہ کی ترویج ہوئی اسلام کے نام کو اقتدار کے حصول اور کرسی کی حفاظت کے لئے اور وزارتوں اور عہدوں کے حصول کے لئے نہایت گھناؤنے انداز میں استعمال کیا گیا۔ اگر نہیں ہوا تو خود اسلام کا نفاذ نہیں ہوا۔

ہر آنیوالے حکمران نے قوانینِ اسلامی پر تنقید کی قدرت کے باوجود طرح طرح کے بہانوں اور روایتی حیلہ طرازیوں سے کام لیکر شریعت کے نفاذ سے پہلو تہی کی اور اس طرح یہ نہ صرف ملک خداداد کے معرضِ وجود میں آنے کے اساسی اصولوں سے انحراف ہے بلکہ اسلامی قوانین سے سرتابی کی ایک منافقانہ چال ہے —— اس کی تازہ ترین مثال سینٹ میں پیش کیا جانیوالا شریعت بل ہے جسے عوام کی رائے معلوم کرنے کے لئے اخبارات میں مشتہر کیا گیا ہے تاکہ لادین عناصر اس میں میں میخ نکالیں اور پھر اس کے عدمِ نفاذ کا بزعمِ خویش ایک جواز فراہم ہو جائے۔

موت العالِم موت العالَم

حضرت مولانا قاضی عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ

عالم اگر روشنی ہے تو اب ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے۔ علماء نورِ نبوت کی قندیلیں ہیں جس تیزی سے یہ قندیلیں بجھ رہی ہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ وقت قریب ہے کہ وجود کائنات تاریکیٔ عدم میں ڈوب کر نہ رہ جائے ـــــ علماء کے ہی وجود سے یہ کائناتِ رنگ و بُو کا وجود ہے ورنہ پھر قیامت ہے!

حدیث شریف میں آتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"قیامت کے قریب قرآن شریف اٹھا لیا جائے گا"

صحابہ کرامؓ کے استفسار پر فرمایا کہ یہ مطلب نہیں کہ صفحات سے حروف غائب ہو جائیں گے بلکہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ اٹھا لیں گے جن کے سینہ میں قرآن کریم موجود ہوگا۔ (اور پھر اس کے بعد اسکی جگہ جاہل پُر کرے گا جو کہ خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔ اور آج اس کی مثال ملک بھر کی مساجد میں ذرا تھوڑا سا غور کرنے سے آپ کو پتہ چل جائے گا کہ اس مسندِ محراب و منبر پر کتنے فضلاء براجمان ہیں)

یہ کائنات ممکن الوجود ہے جو کہ اپنے دونوں طرف عدم رکھتی ہے۔ اس کی بقاء کا کوئی ذریعہ اور سبب ہونا چاہیئے جیسے کہ ہم بہت جلد سڑ گل جانے والی چیز کو ایسی چیز سے وابستہ کرتے ہیں جو کہ نہ سڑتی گلتی ہو۔ جیسے برف یا پہلے زمانہ میں شہد ہوتا تھا۔ گذشتہ زمانہ میں جو ممی تیار کی جاتی تھی جس سے مُردے ہزاروں سال تک بھی خراب نہیں ہوتے تھے وہ یہی شہد سے تیار کی جاتی تھی۔

تو ایسے ہی اس عالمِ فانی کی بقاء کا اللہ تعالیٰ نے یہ غیب سے سامان پیدا کیا کہ اپنے وجود کا جو کہ واجب الوجود ہے پرتَو ڈالے ـــــ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنا علم اور کلام بذریعہ وحی اس دنیا پر بھیج کر یہ سامان مہیا کیا بقائے کائنات کا اور علماء مرکز ہیں اسی کلام اور علمِ الٰہی کے۔ جب علماء فوت ہوں گے تو بقائے کائنات کا سبب اعظم گویا فوت ہو گیا۔ موت العالم: موت العالم کہ عالم کا فوت ہونا گویا کہ عالم کائنات کا موت کی آغوش میں اتر جانا ہے۔

پاکستان بنا تو برصغیر وجودِ علماء سے جگمگا رہا تھا۔ اس تھوڑی سی مدت میں ایک ایک قندیل بجھتی چلی گئی ان میں سے ایک یہی حضرت مولانا قاضی عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

آپ کا انتقال

قاضی صاحب مرحوم کے اسلاف سرزمین عرب سے خراساں ہوتے ہوئے سندھ پہنچے

اور وہاں سے ان کے جدِ اعلیٰ شیخ عبدالرحمٰن آٹھویں صدی ہجری میں سندھ سے پنجاب تشریف لائے۔ آپ کا سلسلۂ نسب بیس واسطوں سے حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل سے ملتا ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت جولائی ۱۹۱۶ء میں حضرت نور الدین کے ہاں ہوئی آپ کے دادا کا نام قاضی غلام محمد تھا جو بڑے فاضل اور صاحبِ نسب بزرگ تھے آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے ہی علاقے بھادریاں میں حافظ قائم الدین سے شروع کی وہیں آپ نے ناظرہ قرآن مجید پڑھا اور مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ پھر آپ نے حضرت مولانا محمد رفیقؒ سے فارسی، منطق، اصول فقہ اور حدیث و تفسیر پر بھی عبور حاصل کیا۔ جب حضرت مولانا بہت کمزور ہو گئے تو جامع مسجد کے مدرسہ عزیزیہ میں داخلہ لیا جہاں اسوقت مولانا غلام اللہ خاں صاحبؒ علم کا بازار گرم کئے ہوئے تھے۔ اسی سال مولانا محمد رفیقؒ کا انتقال ہو گیا اور آپ مدرسہ امینیہ دہلی تشریف لے گئے جہاں آپ درسِ حدیث لے رہے تھے۔ اسی زمانے میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ بانی تبلیغ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ پہلے آپ حضرت باوا جی موہری شریف والوں سے بیعت تھے آپ نے خلافت سے نوازا۔ آپ کے وصال کے بعد ۱۹۴۳ء میں حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائپوریؒ سے منسلک ہو گئے اور اپنے لئے تبلیغ کا راستہ اختیار کیا۔ ایک دفعہ دہلی سے پشاور پیدل جماعت کے ہمراہ چلہ لگایا۔ تبلیغ کے لئے زندگی وقف کر رکھی تھی آپ کبھی کبھی گھر تشریف لے جایا کرتے۔ حضرت مولانا محمد یوسف دہلویؒ کو آپ پر بڑا اعتماد تھا۔ آپ کی کارکردگی اور کاموں کو خوش اسلوبی سے سرانجام دینا آپ ہی کا حصہ تھا۔ مثلاً لنگر، عمارت اور تعلیم کا نظم آپ ہی کے پاس ہوتا تھا

۱۹۵۶ء میں حضرت اقدس رائپوریؒ نے اجازت سے مشرف فرمایا پھر حضرتؒ کے وصال کے بعد ۱۳۸۲ھ میں حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے منسلک ہو گئے۔ پھر حضرت شیخ نے خلافت سے مشرف فرمایا۔ حضرتؒ کو بھی آپ پر بہت اعتماد تھا۔ اکثر سفر و حضر میں ساتھ رہے۔

کئی سالوں سے ہر سال حج پر تشریف لیجاتے اور کئی کئی ماہ حضرتؒ کے ساتھ رہتے تبلیغ کیساتھ ساتھ ارشاد و تلقین کا کام بھی جاری تھا۔ آپ کا حلقۂ ارادت پاکستان و بیرون پاکستان تک پھیلا ہوا ہے۔

آپ کے فرزند حضرت مولانا قاضی محمود الحسن مدظلہٗ عالم فاضل اور حضرت شیخ الحدیثؒ سے مشرف بیعت ہیں جو آپ کے جانشین ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قاضی صاحبؒ کے درجات بلند فرمائے۔

انتقال سے ایک دن پہلے حضرت مولانا عبدالعزیز رائپوری مدظلہٗ کی عیادت کے لئے لاہور تشریف لائے اور وعدہ کر کے گئے کہ انشاء اللہ صبح پھر حاضری ہو گی کیا معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ صبح کو اپنے دربار میں حاضر کر لیں گے۔

گئے عشاق وعدۂ فردا دے کر
اب انہیں ڈھونڈو چراغِ رُخِ زیبا لے کر

چنانچہ دوسرے روز انتقال ہوا۔ اور آپ نے تقریباً ستر برس عمر پائی۔

آپ کی نماز جنازہ رائیونڈ میں مولانا مفتی زین العابدین مدظلہٗ نے پڑھائی۔ دوسری نماز جنازہ بھادریاں میں مفتی زین العابدین نے پڑھائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

پروفیسر ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری

حضرت شیخ الہندؒ کی عظمت کے عناصر ترکیبی پر ایک معروضی نظر

گذشتہ دنوں جمعیۃ علمائے ہند کے زیر اہتمام دہلی میں منعقدہ شیخ الہند سیمینار میں ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری کا ایک گرانقدر علمی مقالہ پڑھا گیا۔ ڈاکٹر صاحب کے شکریے کے ساتھ یہ مقالہ ہدیۂ قارئین الرشید ہے! (ادارہ)

تاریخ عالم میں بہت سی ایسی شخصیتیں گزری ہیں جنہیں بڑا کہا جاتا ہے۔ یہ شخصیتیں علم و عمل کے مختلف میدانوں میں اپنے خصائص و خدمات کی بناء پر بڑی کہلاتی ہیں۔ ملت اسلامیہ پاک و ہند کی تاریخ بھی بڑے بڑے علماء دین صوفیائے کرام، مشائخ عظام اور ادیبوں، مصنفوں، مدبروں، مفکروں اور قومی خدمت گذاروں کے ذکر سے خالی نہیں ان کے نام ہماری زبان پر اور ان کے تراجم و تذکار زیر تحریر و مطالعہ آتے ہیں تو ہمارا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے۔

یہ صورت تو اس وقت ہوتی ہے جب ہمارے ہاتھ میں ایک حقیقت پسند اور مؤرخ کا قلم ہوتا ہے اور ہمارا ذہن تعصب سے اور زبان مبالغہ سے قطعاً ناآشنا ہوتے ہیں۔ مجرد و منفرد عظمتوں کا یہی ذکر جب نیاز مند زبان پر آتا ہے تو قلب عقیدت سے جھوم جھوم اٹھتا ہے۔ اگر درد مندی پہلو میں ہو اور ارادت سے قلم کا سر جھک جائے تو ممدوح کے محاسن کی ایک ایک خوبی کو سو سو انداز سے بیان کرنے کو جی چاہتا ہے۔

لیکن جب حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے بارے میں ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ اس عہد کی عظیم اور نادر روزگار شخصیت اور مذہب و سیاست میں سلطان وقت و سکندر عظم تھے تو یہ ایک معاملہ قلم کی تحریر اور عقیدت مند قلب کا فیصلہ نہیں ہوتا، نہ یہ بات تحریر کرتے ہوئے ان کی کوئی مجرد خوبی ہی کی بناء پر کسی شخص عظمت کے تاج کا مستحق قرار دئیے جانے کی بات ہے۔ تاریخ ملت اسلامیہ پاک و ہند میں ایسے بے شمار علماء کے نام ملتے ہیں جن کے علمی و تصنیفی کارنامے بے حد و حساب ہیں، ایسے صوفیاء و مشائخ ہیں جن کے مریدوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ شعلہ بیان و آتش نوا خطیبوں کی بھی تاریخ میں کمی نہیں، فلسفہ و کلام کے ایسے ماہر ہیں جن کی نکتہ آفرینیوں کا کوئی جواب نہیں، ایسے محقق

میں ایک ایسی انسانی سیرت کا جویا ہوں
جسے فکر وعمل کے حسن و توازن اور جامعیت
نے عظیم بنایا ہو

ہیں جن کی حکمت و دانائی نے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے، بے مثال شاعر، لاجواب ادیب اور ایسے صاحبِ طرز انشاء پرداز ہیں جن کے کلام وانشاء کی دلربائیوں نے لاکھوں قارئین ادب کے الگ الگ حلقے اور مستقل مکاتبِ فکر وفن پیدا کر دیئے ہیں کتنے ہی مدبر اور مفکر ہیں جن کے افکار نے زندگی کی تعمیر میں حصہ لیا ہے۔ مختلف علوم و فنون کی تاریخ میں ان کے نام عزت واحترام سے جگہ پانے کے مستحق ہیں۔ لیکن علم و فکر اور فلسفہ وعمل کے تمام اعتراف کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ شیخ الہندؒ ان میں کوئی نہیں!

اگر ہم انسانی عظمت کی بجائے علم وعمل کی کسی ایک خوبی اور فکر و سیرت کے کسی ایک خاص حسن کے شیدائی ہوتے تو ہمارا مرجع اور مرکزِ عقیدت کوئی اور شخصیت بھی ہو سکتی تھی اور تعجب نہ ہوتا کہ ہم حضرتؒ ہی کے حلقے کے کسی صاحبِ علم وفن کو اپنی نیازمندی کے اظہار کے لئے منتخب کر لیتے کہ اس حلقے میں بے مثال ادیب وخطیب، محدث ومفسر، شیخ وصوفی، مدرس ومعلم اور صحافی ومصنف سے لیکر حکیم الامت تک موجود تھے۔ یہ نہ سمجھ لیجئے کہ میں ان خصائص ومحاسن کا منکر ہوں لیکن مجھے ایک جامع صفات عظیم انسان کی تلاش ہے۔ کسی ایسی عمارت کی ضرورت نہیں جو اپنی تاریخ رکھتی ہو لیکن فیضانِ الٰہی کی بخششوں سے مالا مال نہ ہو اور اپنے حسنِ تعمیر میں آگرے کے تاج اور نظارۂ جمال میں لاہور کے شالامار کی طرح کسی آمر کے حکم اور کسی سرمایہ دار کی دولت کی رہینِ منت ہو۔ میں کسی ایسی عورت کے حسن کا متلاشی نہیں جسے قیمتی پتھروں کے استعمال سے رنگین وسنگین بنایا گیا ہو۔ میں ایک ایسی انسانی سیرت کا جویا ہوں جسے فکر وعمل کے حسن و توازن اور جامعیت نے عظیم بنایا ہو جس کا تعلق اسی عہد سے ہو اور جس کا نام ہماری سماعت اور فہم کے لئے مانوس ہو۔ جس کا فکر بلند، قلب فراخ اور نظر وسیع ہو جو اپنے مذہبی عقائد میں محکم اور سیرت اسلامی میں پختہ ہو۔ جو مسلمانوں کے لئے ایک آبرومندانہ زندگی کا خواہاں ہو لیکن جس کی نظر میں تمام خلقِ انسانی خدا کا گھرانہ ہو اور وہ پورے اس گھرانے کی فلاح و بہبود کے لئے فکرمند ہو۔ جس کی ملت پروری کا یہ عالم ہو کہ بلقان کی جنگ اور سمرنا و تھریس اور طرابلس کے میدانوں میں کسی مسلمان کے پیر میں کانٹا چبھے تو وہ دیوبند کی مسندِ رشد وہدایت اور مجلسِ درس و تدریس میں تڑپ اٹھے لیکن اس کی انسانی ہمدردی وغمگساری کا یہ عالم ہو کہ اپنے غلام ملک میں ایک ایک برادرِ وطن کی آزادی کے لئے اپنی زندگی کی راحتوں کو قربان کر دے جس نے میدانِ جنگ میں خدا اور اس کی بخشی ہوئی آزادی کے دشمنوں سے نفرت کرنا سیکھا ہو لیکن جو مخلوقِ خدا سے محبت کرنے اور انہیں ان کی چھینی ہوئی آزادی دلانے کے لئے پیدا ہوا ہو۔ مجھے ایک ایسے وجود گرامی کی تلاش ہے جس کا تعلق سہارنپور کے کسی قریبی قریے سے ہو لیکن وہ پورے ملک کا افتخار ہو۔ اس کے نام کے ساتھ خواہ دیوبندی لکھا جائے لیکن اس کی سیرت تمام مکاتبِ فکر کے لئے محفوظ ہو۔ اس کا تعلق اگرچہ برصغیر پاک و ہند سے ہو لیکن اس کا قلب پورے ایشیا میں استعمار کے استحصال پر خون کے آنسو روتا ہو۔ اور اگرچہ وہ خود ایشیائی ہو لیکن اس کی نظر

میں تمام روئے زمین پر بسنے والے انسان آزادی و امن میں برابر ہوں اور دنیا کا ہر مظلوم خواہ اس کا تعلق کسی قوم و طبقہ سے ہو وہ یکساں ہمدردی و حمایت کا مستحق ہو۔

دنیا میں بہت سے خصائص و فضائل کی پرستش کی جاتی ہے۔ اس میں طاقت و قوت، مال و دولت، حسن و جمال حکومت و اقتدار بھی شامل ہیں۔ پس اگر کوئی شخص انہیں چیزوں کا پرستار ہے تو اسے کون روک سکتا ہے وہ اپنے معبود کے حضور اپنی جبین عجز و نیاز جھکا دے۔ دنیا کی تاریخ عبودیت و نیاز کے حسین مناظر اور حیرت زا نظارہ ہائے جمال سے بھری پڑی ہے۔ آپ کے گردوپیش کی دنیا میں نہ طاقت و قوت کے معبودانِ باطل کی کمی ہے جو "انا ربکم الاعلیٰ" کے نعرہ زن ہیں نہ مال و دولت کے ایسے حسین مناظر کی جن کی دلفریبیوں نے ایک عالم کو اپنا گرویدہ بنالیا ہے اور نہ حکومت و اقتدار کی بجلیوں کی چمک اور حکم و صدائے انا ولاغیری کی کڑک نے عقلوں کو ماؤف اور ذہنوں کو کور رکھا ہے۔ ان کے علاوہ دنیا میں مٹ جانے والی قوت و طاقت متزلزل ہو جانے والے اقتدار اور فانی حسن و جمال کے آگے جھکے ہوئے سروں کی بھی کمی نہیں۔ خدا کی پھیلی ہوئی زمین پر کسی بھی ملک میں انسانی شرف کی پامالی کا یہ اندوہناک نظارہ کیا جا سکتا ہے۔

لیکن آپ مجھے کسی ایسی شخصیت کا پتہ اور ایسی عظمت کا نشان بتائیں جو خصائصِ سیرت و فضائلِ علمی کی جامع ہو جس کے افکار کی روشنی نے غلامی کی ذلت و نکبت سے آزادی کی عزت اور آبرومندانہ زندگی کی طرف رہنمائی کی ہو۔ جس کے پاس حکومت کا اقتدار نہ ہو لیکن وہ دلوں پر حکمران ہو۔ اس کے پاس مال و دولت نہ ہو لیکن اس کے سرمایہ ذوقِ عمل سے ایک دنیا اس کی گرویدہ ہو گئی ہو۔ وہ حسنِ جمال ظاہری کا مالک نہ ہو لیکن وقت کے تمام سلاطینِ عشق و شفتگانِ حریت اس کی زلف کے اسیر ہوں اور اس کے ایک ادنیٰ اشارے پر وطن میں اپنی زندگی راحتوں کو ترک کر غربت اور جلاوطنی کی زندگی کی صعوبتوں کو اپنے لئے سرمایۂ راحتِ جاں سمجھ کر اپنے سینے سے لگائیں اور اس کو اپنے ہاتھوں سے اپنے پیروں کی زنجیر کی کڑیاں ڈھلنے کا کام انجام دیں اپنی پیٹھ اپنے کندھے پر اٹھائیں اور آزاد زندگی کی سیر و گردش کی جگہ اسارت کے حبس اور زندان کے سیہ خانہ و قید کو قبول کریں جس نے زبان سے کبھی حکم نہ چلایا ہو لیکن دنیا نے اس کے نطق و بیان کے موتی چن لینے کے لئے اپنے دامن پھیلا دیئے ہوں جس نے دنیا کو اپنی پرستش کے لئے نہ پکارا ہو کہ اس کے عقیدے میں یہ کفر تھا کہ انسانی شرف کو پامال کیا جائے لیکن دنیا نے عقیدت و نیاز کا سر اس کے سامنے جھکا دیا۔

حضرات! میرا ذوق ایک ایسی سیرت کے پاک باز حامل کے نظارہ جمال ہی سے تسکین پا سکتا ہے جو اپنی زندگی کے تمام اعمال روز و شب کے معمولات، اپنی شکل و صورت اور وضع قطع میں ایک مذہبی زندگی اور شخصیت کا حامل ہو لیکن وہ ملکی زندگی کے تقاضوں کو بھی سمجھتا ہو اور قومی فرائض کی بجا آوری میں وہ کسی قوم پرست سے پیچھے نہ ہو اور ایک مذہبی عالم ہونے کے ساتھ کر وہ اسلامی زندگی میں راہنمائی کا سب سے بڑا مستحق ہو سکتا ہے۔ وقت کی سیاست اور اس کا انداز کا اندازہ شناس بھی ہو۔ مذہب و سیاست کے بام سنداں ہے جس کی گرفت سخت ہو اور دونوں کو باہم ضم کر کے ان کے دائرہ و حدود کی نزاکت پر نظر رکھ سکے اور شریعت کے خصائص کو عشق کے سلطین اور تقاضوں

پامال نہ ہونے دیتا اور جس کی سیرت کی یہ خوبی ہو کہ سیاست کے دریا میں اپنی کشتی کی تختہ بندی کر لے اور دریا کے چھینٹوں سے اپنی زندگی کے دامن کو تر بھی نہ ہونے دے۔

حضرات! اس تمہید لطیف کو کہاں تک طویل اور اس حکایتِ لذیذ کو کب تک دراز کیا جائے میرے لئے اس حکایت میں خواہ کتنی ہی دلفریبی کا سامان ہو لیکن یہ بات کسی طرح مناسب نہیں کہ آپ کی طلب کو اپنے ذوقِ بیان و داستان سرائی کا پابند کر دوں۔ میں صاف الفاظ میں اپنے اس عقیدے کا اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ ان تمام فضائل و محامدِ علم و عمل اور خصائص و محاسنِ فکر و سیرت اور ایثارِ وقت و جان اور جہادِ ملی و قومی کی جامع کوئی شخصیت اگر ہے تو وہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ (اسیرِ مالٹا) کی ہے!

حضرت کی زندگی پر نظر ڈالنے اور آپ کے افکار و خدمات کے بیان و تجزیہ کے کئی انداز ہو سکتے ہیں ان میں سے ایک انداز یہ ہوگا ——— اور عام طور پر اہلِ قلم اور اصحابِ نظر اسی کو اختیار فرمائیں گے کہ علم و عمل کے مختلف میدانوں میں آپ کے افکار و خدمات کا جائزہ لیا جائے لیکن ان معنوں میں آپ کی ذاتِ گرامی ایک ذات تھی کہاں؟ آپ کا وجودِ مقدس و گرامی مرتبت علم و ادب، فکر و نظر، مذہب و سیاست ایثار و عمل، اخلاق و سیرت اور مذہبی علوم و فنون کے مختلف دبستانوں کا ایک دبستان اور سینکڑوں انجمنوں کی ایک انجمن تھا۔ آپ کے وجودِ مقدس سے فیضانِ الٰہی کے سینکڑوں چشمے پھوٹے تھے آپ کی ذاتِ گرامی کا ایک خاص دور میں ایک محور ضرور تھا لیکن اپنے دور میں آپ خود ایک نظامِ رشد و ہدایت اور مذہب و سیاست کے مرکز و محور تھے۔ آپ کی خدمات کا جائزہ اس طرح بھی لیا جا سکتا ہے کہ آپ کی دعوت جو تعمیرِ نو سے لیکر انقلاب تک مسندِ درس و تعلیم اور ذوقِ عمل کی تربیت سے لیکر میدانِ جہاد و عمل تک تالیف و تدوینِ افکار سے لیکر جہادِ لسانی کی ملی و قومی میدانوں تک مسلمانوں کی عام اجتماعی زندگی سے لیکر بین الملی سطح تک اور مسلمانوں سے لیکر برادرانِ وطن تک ملکی حالات سے لیکر بین الاقوامی مسائل تک اور اسلامی دینی دائرے سے لیکر قومی سیاست کے تمام گوشوں تک پھیلی ہوئی ہے اس پر بھی من حیث القوم نظر ڈالی جائے۔ دینی و ملی۔ ملکی و قومی اور بین الاقوامی سیاست میں دارالعلوم دیوبند کی مسندِ درس تعلیم و تدریس اصحابِ عمل اور مردانِ کار کی تعلیم و تربیت۔ جمعیۃ الانصار۔ اور نظارۃ المعارف القرآن کا قیام۔ ترکی کے لئے ایثارِ وقت و مال۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا سفرِ کابل۔ خود حضرتؒ کا سفرِ حجاز و اسارتِ مالٹا، ریشمی رومال کی تحریک۔ خلافت کی تحریک۔ ترکِ موالات، ہندو مسلم اتحاد، دارالعلوم دیوبند اور علی گڑھ کالج کا ربط و اتصال، حضرتؒ کی دعوت و رہنمائی کے خاص عنوانات ہیں۔

حضرات فرصت کے ان چند لمحات میں ان تمام دائروں میں حضرت علیہ الرحمہ کی رہنمائی اور سیرت و افکار کے خصائص کا ذکر اجمال سے بھی ممکن نہیں۔ اب اس صحبت کو ختم کرتا ہوں اور صرف اتنا عرض کروں گا۔

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد نے خانوادہ ولی اللہی میں شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کو خود شاہ صاحبؒ سے بھی اونچا مقام عطا فرمایا تھا اور یہاں تک لکھ دیا تھا کہ اگر ان کے عہد میں شاہ صاحب بھی ہوتے تو خود انہی کے جھنڈے کے نیچے ہوتے میں پوری علمی بصیرت کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ پورے علمی خانوادہ قاسمی میں بلکہ برصغیر کی تاریخ میں دوسرا

باقی صفحہ ۲۹ پر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہندوستان میں فقہِ اسلامی کا ارتقاء

حافظ مہر محمد گوجرانوالہ

فقہ کے لغوی معنی ۔ سمجھ ۔ دانش اور مغز کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں وہ مقدس علم ہے جس میں ایک مسلمان کے تمام وہ اعمال زیر بحث آتے ہیں جو دنیا و آخرت میں سرخروئی کے لئے اُسے کرنے پڑتے ہیں اور ان کا جائز و ناجائز ہونا اسی علم سے معلوم ہوتا ہے ۔ اس علم کا ماخذ براہِ راست کتاب اللہ، سنت نبوی ، اجماعِ اُمت ، اقوالِ صحابۂ کرام اور قرآن و سنت میں غیر مذکورہ و بے تصریح نئے پیش آمدہ مسائل میں شرائطِ اجتہاد سے بہرہ ور فقہاء مجتہدین کے استنباطات اور آراء ہوتی ہیں ۔

یہ علم مسلمانوں کی تہذیب و ارتقاء اور تمدنی معاشرتی مسائل کا لازمی نتیجہ اور ان کا بہترین حل ہے ۔ قرآن پاک نے تفقہ فی الدین ۔ تدبر فی القرآن پر زور دیا ہے ۔ مثلاً

① وما كان المؤمنون لينفروا كافة ۔ فلولا نفر من كل فرقة طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم (پ ۱۱ ع ۴)

سب مسلمانوں کو جہاد کے لئے کوچ کرنا مناسب نہیں ہر جماعت سے کچھ لوگ جائیں (باقی) دین میں سمجھ اور تعلیم حاصل کریں تاکہ وہ اپنی قوم کو ڈرائیں جب وہ واپس آئیں ۔

② افلا يتدبرون القرآن ام على قلوب اقفالها (پ ۲۶ ع ۸)

یہ قرآن میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں ۔

چونکہ اہل علم قرآن و سنت سے مسائل نکالنے میں دلچسپی لیتے اور اجتہاد کا فریضہ شرعی سر انجام دیتے ہیں خدا نے ان کی مدح سرائی کی ہے اور عوام الناس کو پابند بنایا کہ وہ قرآن و سنت اور علماء مجتہدین کے فتاویٰ کی طرف رجوع کریں ان پر اعتماد کریں کہ ان کی پیروی کریں ۔ اسے ہی مذہب عرف میں تقلید ائمہ مجتہدین کہا جاتا ہے ۔

ارشاد ہے

ولو ردوه الى الرسول والى اولى الامر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم (پ ۵ ع ۸)

اگر وہ اس معاملہ کو رسول اور [illegible] کی طرف لوٹاتے تو [illegible]

ارشاداتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بھی تفقہ و استنباط کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ مثلاً فرمایا ہے۔

فَقِیْہٌ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد (ترمذی۔ ابن ماجہ۔ مشکوٰۃ ص) کہ ایک سمجھ دار عالم ہزار عابدوں سے بڑھ کر شیطان پر سخت غالب ہے۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ "جس شخص سے اللہ بھلائی کرنا چاہتا ہے اُسے دین میں سمجھ عطا فرما دیتا ہے"۔ (بخاری ج ۱ ص) اجتماعی مشورہ کے لئے اگر یہ فرمایا ہے۔ "جب تمہیں کوئی مسئلہ درپیش آئے تو عبادت گذار اہلِ علماء کو جمع کر دا ن سے مشورہ کرو پھر اس پر عمل کرو کسی رائے پر فیصلہ نہ دو۔ تو جن لوگوں تک تمام اہلِ علم کی تمام آراء نہ پہنچ سکیں اُن کو اتباع کے طور پر کسی خاص صحابی و مجتہد کی رائے پر عمل کرنے کا حضور علیہ السلام نے پابند فرمایا ہے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب آپؐ نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو قرآن و سنّت کے بعد تیسری دفعہ یہ سوال کیا۔ کہ اگر آپ کو درپیش مسئلہ قرآن و سنّت میں نہ ملے تو کیسے فیصلہ کرو گے۔ فرمایا۔ اَجْتَہِدُ رَأیِی (مشکوٰۃ ص۳۲۴) میں اپنی رائے اور اجتہاد سے فیصلہ کروں گا۔ کوتاہی نہ کروں گا"

ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ یمن کو شخصی رائے و اجتہاد پر مبنی فیصلہ ماننے کا پابند بنا دیا۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ "میرے بعد میرے صحابہؓ میں سے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کی پیروی کرنا۔ عمارؓ کی سیرت کو اپنانا اور ابن ام عبدؓ (عبداللہ بن مسعودؓ) کے عہد (وصیت و راہنمائی) کو مضبوط پکڑنا۔ (ترمذی۔ مشکوٰۃ) ص ۵۷۸۔

اِس تمہید کا خلاصہ یہ ہے کہ فقہ اسلامی، قرآن و سنّت کے مجموعی واجب العمل احکام کی ہی تیار شدہ شکل کا نام ہے۔ اور یہ دینِ اسلام کا اسی طرح مغز اور خلاصہ ہے جیسے دُودھ سے مکھن اور گھی آخر میں نکالا جاتا ہے اور یہ کوئی جنس کہہ سکتا کہ محض شکل و صورت میں فرق کے باوجود دُودھ سے مکھن اور گھی جُدا اور مخالف چیز ہے۔ اسلام جہاں جہاں پھیلتا گیا فقہ اسلامی بھی شانہ بشانہ ترقی میں رہی۔ دورِ صحابہ کرامؓ کے تابعین اور تبع تابعین کے زمانوں میں کئی فقہی مذاہب مدون ہو گئے۔ مگر اُمّت کی یکجہتی اور اتحاد و سہولت کے لئے علماء کرام نے تیسری اور چوتھی صدی میں قدیم مسائل میں اجتہاد محدود کر کے ان چاروں ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک کی تقلید و پیروی کو اپنا لیا جن کی کتب مدون ہیں۔ احکام و فتاویٰ پر اُمّت کی بڑی اکثریت حاصل ہے۔ اور فقہی اصول و ضوابط باقاعدہ منقح اور منضبط ہیں اور ہر مسئلے کا حل اُن میں پایا جاتا ہے۔ اُمّت کا یہ تعامل عنداللہ چاروں ائمہ کے مقبول و برحق ہونے کی دلیل ظاہر ہے کیونکہ بحکم فرمانِ نبوی کے مطابق اُمّت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔ ائمہ اربعہ کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱۔ امام الائمہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؓ تابعی (بقول ابن حبان ولادت ۸۰ھ وفات ۱۵۰ھ) علامہ زاہد الکوثری مصری کے بقول ہر دور میں امت کی دو تہائی اکثریت نے تنہا آپ کی فقہ حنفی کی پیروی کی ہے۔

۲۔ امام دارالہجرۃ مالک بن انس مدنیؒ (۹۳ھ — ۱۷۹ھ)

۳۔ ... امام احمد بن حنبل بغدادی (۱۶۴ھ — ۲۴۱ھ) ...

فیلسوفِ ہند حضرت شاہ ولی اللہ المتوفی ۱۱۷۶ھ (عقد الجید فی احکام التقلید) میں لکھتے ہیں۔

"بھائی اگر تم قرآن و سنت پر عمل کرنا چاہتے ہو تو تجھ پر لازم ہے کہ ان مدون مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرے جسے بھی قرآن و حدیث کے قریب سمجھے۔ اگر تو ان میں سے کسی کی پابندی نہ کرے گا۔ تو خطرہ ہے کہ تو رخصتوں کا طالب بن جائے اور تجھے دین میں متہم کیا جائے۔" (ایضاً)

ہندوستان کی اسلامی تاریخ

ہندوستان میں اسلام، پہلی صدی بنو امیہ کے دور ہی میں پہنچ گیا تھا۔ محمد بن قاسمؒ نے باب الاسلام۔ سندھ اور دیبل (کراچی) کو جب فتح کیا۔ تو عرب کے تجارتی قافلوں اور مبلغوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی اور یہیں سے آگے بنگال، برما، انڈونیشیا وغیرہ تک اسلام پہنچا۔ پھر محمود غزنوی کے فتح ہند کے بعد خاندان غلاماں، خاندان خلجی، خاندان تغلق، خاندان لودھی کے مسلمان حکمران برسر اقتدار آتے رہے۔ پھر خاندان مغلیہ برسر اقتدار آیا۔ جسکا پہلا بادشاہ ظہیر الدین بابر تھا اگرچہ اس کے بیٹے ہمایوں کو شیر شاہ سوری نے شکست دیکر اپنی سلطنت قائم کی۔ مگر مغلوں نے پھر حکومت پر قبضہ کرلیا۔ اور چھ پشتوں تک مغلیہ دورِ حکومت اپنے استحکام اور ملکی امن و ترقی میں سب سے زیادہ کامیاب رہا۔ ہندوستان میں علم فقہ کی تاریخ دراصل اسی دور سے شروع ہوتی ہے۔ اس سے پہلے ہند کے خاص فقہاء اور اُن کی فقہی تصانیف کی چنداں شہرت نہیں ہے۔ سلاطینِ مغلیہ میں جلال الدین اکبر کا دور جتنا پُرامن اور ترقی یافتہ نظر آتا ہے۔ اکبر نے دین الٰہی کے نام سے ہندومت اور اسلام کو گڈمڈ کر دیا۔ اور اسے اوہام و خرافات کا مجموعہ بنا دیا۔ درباری ملّاں اس پر خوش رہے مگر اہل اللہ اس پر کڑھتے رہے جن میں نمایاں ہستی سید احمد سرہندی المعروف بہ حضرت مجدد الف ثانی کی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی کا جہاد

آپ نے اکبر سے مایوس ہو کر ولی عہد جہانگیر پر محنت کی اور اس کے وزراء، فوجی و سول افسران، تاجروں، بااثر ہمدردیوں سے بذریعہ خط و کتابت رابطہ قائم کیا اور اصلاح و احیاءِ دین کی تحریک چلائی اور ہندوانہ رسوم و تہذیب اور ملحدانہ افکار سے اعیانِ قوم کو متنفر کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عہدِ جہانگیری میں حالات میں خاصہ انقلاب آگیا۔ اور مسلم معاشرہ راہِ راست پر گامزن ہو گیا۔ آپ کی یہ قلمی کاوشات مکتوباتِ مجدد الف ثانی، کے نام سے، مستقل اور ضخیم جلدوں میں موجود ہیں۔ جو بیک وقت عقائد، سنت کے مطابق اعمال اور فقہی احکام کا مجموعہ ہیں۔

ہندوستان میں بیشتر اسلام کی اشاعت اگرچہ صوفیاء کرامؒ کی خدمات کا نتیجہ ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیمات کے بجائے ہندوانہ رسوم کو سادہ لوح مسلمانوں نے اپنا لیا۔ پکی قبور و مزارات بنا کر خلاف شریعِ تصوف نے شریعت کی جگہ لے لی۔ اور شرک و بدعت کا بازار گرم ہو گیا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مردانہ وار اس گمراہی کا بھی مقابلہ کیا۔ حضرت مجددؒ نے اس حقیقت پر زور دیا کہ باری تعالیٰ اپنی ذات سے موجود اور بالطبع ثابت ہے۔ اس کی تمام کائنات اسی کی ملکیت و مخلوق ہے۔ وہی اسے رزق دیتا ہے، سنبھالتا اور اُن کی دعائیں سن کر مشکلات و مصائب دور کرتا ہے۔ اختیارات کل اسی کے ہیں۔ ہر جگہ حاضر و ناظر، علم غیب، ہر چیز پر قادر ہونا اسی کے خاصے ہیں۔ نجات خلاصہ [illegible]

پیدا کرنے کے باطنی طریقوں کی بجائے شریعت کی پیروی سے حاصل ہوتی ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ شریعت سے عام بے اعتنائی اور روگردانی علماء کی چشم پوشی اور غفلت کا نتیجہ ہے۔ ان کے ایمان اور راستبازی میں زور اور ہمت نہیں ہے۔ اور اپنے سیاسی آقاؤں کو ان معاملات میں جن میں ان کی ذاتی راحت و عافیت ہے بہت کچھ ڈھیل اور آزادی دے رکھی ہے اور یہ فعل قرآن و حدیث کے الفاظ کو نئے معنی پہنا کر اور بدعت حسنہ کے نام سے نئی قسم کی بدعات جاری کر کے ممکن بنا دیا گیا ہے۔ جو بدعت ہوتے ہوئے بھی لوگوں کے خیال میں گناہ نہیں۔ اس لئے جائز قرار دی گئیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی نظر میں بدعت بدعت ہی ہے اس میں مدارج قائم کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ حضرت مجددؒ اس معاملہ میں بہت متشدد تھے۔ قوالی، میلاد اور عرس وغیرہ پر بھی سخت تنقید کی ہے۔ اور ان کے مکتوبات میں اس کا بہت ذکر ہے۔

ہندوستان کے مسلم فقہا و علماء میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا نام بھی بہت مشہور ہے۔ آپ پہلے عالم ہیں جس نے باقاعدہ علم حدیث ہندوستان میں پھیلایا۔ اشعۃ اللمعات کے نام سے فارسی میں مشکوٰۃ شریف کا ترجمہ کیا۔ اور شرح لکھی۔ حنفی فقہ پر بہت سے استفسارات کا جواب دیا۔ عقائد و اعمال کی بھی بہت اصلاح کی تاہم بدعات کا اتنا زور تھا کہ ان چیزوں کی مفصل تردید نہ کر سکے۔ اور پچھلوں کے لئے اس نہج پر کام کرنا باقی چھوڑا۔

شاہ ولی اللہ کی تحریکات

جو باقاعدہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور آپ کے مبارک خاندان نے کیا اور توحید و شرک، سنت و بدعت، حق و باطل اور دودھ و پانی میں فرق و امتیاز اس طور پر کیا کہ کسی عقلمند طالب سنت کو شک و شبہ نہیں رہتا۔ ہند میں سب سے پہلے آپ نے قرآن کریم کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ فتح الرحمن نام رکھا۔ المسوّی کے نام سے مؤطا امام مالک کی شرح لکھی۔ اسلام کے علم الاسرار و فلسفہ پر حجۃ اللہ البالغہ جیسی نادر و بے نظیر کتاب لکھی۔ رد بدعت و اثبات خلافت میں ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء جیسی ضخیم کتاب لکھی۔ فقہی اور صوفیانہ مسائل پر بہت سے علمی رسائل و کتب تالیف کیں۔ شرک و بدعت کے رد میں البلاغ المبین رقم فرمائی۔ غرضیکہ پاک و ہند میں اصلاح عقائد اور احیاء سنت اور تحریک آزادی کی جتنی مساعی ہوئیں اور جتنے سلسلے اب پائے جاتے ہیں سب کا سلسلہ و ماخذ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور آپکی زریں تالیفات ہیں۔

ہندوستان کی ان اصلاحی تحریکوں اور آزادی کے جہاد و جنگوں کے لئے شاہ ولی اللہؒ کی تعلیمات نے مشعل راہ کا کام دیا۔ احمد شاہ ابدالی آپ کی دعوت پر ۲۰ ہزار افغانوں کو ساتھ لایا اور پانی پت کے میدان میں دو لاکھ مرہٹوں کو تباہ کر کے مسلمانوں کی امداد کی۔ میر قاسم اور ٹیپو سلطان نے اس جذبے سے انگریز کے ساتھ جنگ کی مگر اپنوں کی غداری سے کامیابی نہ ہوئی۔

میر جعفر از بنگال و صادق از دکن ۔۔۔ ننگِ ملت، ننگِ دین، ننگِ وطن

آپ کے پوتے سید اسماعیل شہید اور آپ کے مرشد سید احمد شہید رائے بریلی نے تحریکِ جہاد اٹھائی۔ پنجاب میں سکھوں کی حکومت ختم کر کے چھ ماہ تک صوبہ سرحد میں اسلامی حکومت قائم کی۔ اور حدود شرعیہ جاری کیں۔ سرحد میں سکھوں سے جہاد میں مصروف تھے مگر شرک و بدعت کے مریض اپنے مسلمانوں نے بالاکوٹ کے مقام پر غداری کی اور [illegible]

کو سولہ ہزار سکھوں سے اچانک حملہ کرا کے شہید کرا دیا۔ سیدین شہیدین کے مزارات زائرین کو یہ سبق دے رہے ہیں۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن — خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ نے ۱۹۱۲ء میں انگریزوں کو وطن سے نکالنے کے لئے تحریک چلائی۔ اور حکومت افغانستان سے ایک ریشمی رومال پر محفوظ عبارت کے ذریعے امداد چاہی۔ مگر راز فاش ہو گیا۔ آپ تمام کارکنوں سمیت گرفتار ہو گئے اور مالٹا کے جزیرہ میں آپ کو قید کر دیا گیا۔ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جیل میں آپ کے رفیق اور خادم خاص تھے۔ روزانہ سلاخوں سے آپ کی گردن داغی جاتی۔ تختۂ غسل پر یہ راز حضرت مدنیؒ کو بتانا پڑا۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی زیر قیادت حضرت مولانا محمد ضامنؒ شہید۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جیسے سینکڑوں علماء نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء دہلی۔ دیوبند۔ پانی پت۔ شاملی وغیرہ میں انگریزوں کے خلاف زبردست جنگ لڑی۔ مگر خانوں، وڈیروں کی غداری سے ہزاروں علماء کی سولیوں اور لاشیں جلانے پر منتج ہوئی۔ بقیہ علماء ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ اس لئے حضرت حاجی امداد اللہؒ مہاجر مکیؒ کہا جاتا ہے۔ یہ سب فیض وجذبہ ولی اللہ تحریک کا تھا۔ ہندوستان میں فقہ اسلامی کے ارتقاء کی تحریک قلمبند کرتے ہوئے ان مجاہدین کی مساعی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ ان شہیدوں کے خون کی سیاہی سے بڑے بڑے فتاوے لکھے گئے۔

برصغیر میں فقہی خدمات اور فتاوی جات کا مختصر تذکرہ

(۱) فتاوی عالمگیری: یہ دنیائے عرب واسلام میں فتاوی الھندیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور دس جلدوں میں فقہ حنفیہ کا خلاصہ ہے۔ اور اسے ۵۰۰ علماء کرام کی جماعت نے درج ذیل بیسیوں کتب فتاوی سے تحقیق وابحاث کے بعد مرتب کیا ہے۔

مبسوط سرخسی - ظہیریہ - قاضی خان - فتح القدیر شرح ہدایہ - ہدایہ - بحر الرائق شرح کنز الدقائق - خلاصۃ الفتاوی - وجیز الکردری - تبیین - شرح طحاوی - کافی - منیہ - تتارخانیہ - بدائع صنائع - کفایہ - ذخیرہ - جوہرہ منیرہ - زاہدی - سراج وہاج - سراجیہ - نہر فائق - قدوری - شرح نقایہ - اختیار شرح مختار - غیاثیہ - شرح درر الحکام - غایۃ البیان - مضمرات وغیرہ۔

فقہ حنفی کا یہ ایک بہت بڑا فقہی ذخیرہ، تجربہ شدہ مجموعہ قوانین اور پاک وہند کے مزاج کے مطابق ہے۔ اگر اسے پاکستان میں نافذ کر دیا جائے تو معاشرہ درست ہو جائے گا۔ بالفرض کچھ جزئیات سے اگر ایک طبقہ کو اختلاف ہو تو مکاتب فکر کی مدد سے اسے قابل عمل بنایا جا سکتا ہے۔ یہ کوئی معقول بات نہیں کہ ترجمہ اور ہر کتاب کا انکار کیا جائے۔ اور قرآن و سنت سے ہی مجوزہ قوانین کی تفصیل پیش کی جائے۔ جیسے کوئی شخص دنیا کے [illegible] [illegible] پر [illegible] ہونا چاہیے اور کہتا ہے میں تیرکر دریا پار کروں گا۔ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کا انکار کر [illegible] [illegible] [illegible]

(۲) فتاویٰ عزیزی: یہ مولانا عبدالعزیز محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ بن شاہ ولی اللہؒ کے مختلف مضامین اور فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ اس میں فقہ، عقائد، تصوف اور کلام کے مضامین شامل ہیں۔ سرور عزیزی کے نام سے اس کا فارسی سے اردو ترجمہ مولانا عبدالواجد غازی پوری نے کیا۔ اور مطبع مجیدی کانپور نے ۱۳۲۲ھ میں شائع کیا تھا۔ پھر ابواب و عنوانات اور قدرے تسہیل و تشریح کے ساتھ ۱۳۹۶ھ میں ایچ۔ ایم سعید کمپنی کراچی نے شائع کیا۔

(۳) فتاویٰ مولانا عبدالحی: یو۔ پی میں لکھنؤ بہر خصوصی فرنگی محلہ علم دین کا مرکز رہا ہے۔ مولانا ابو الحسنات عبدالحی اور آپ کے والد مولانا عبدالحلیم صاحب جلیل القدر علماء میں سے تھے فتاویٰ عبدالحی کے نام سے تین جلدوں میں یہ علمی کتاب ہے۔ پہلی جلد ۳۲۶۔ استفسارات اور دوسری ۲۷۵۔ استفسارات اور تیسری جلد نامعلوم تعداد کے سوالات کے جوابات پر مشتمل کتاب ہے۔ مسائل اعتقادیہ مانی ہیں جو دیوبندی بریلوی مکاتب فکر سے پہلے کے ہیں۔ اس فتاویٰ سے دونوں کے اختلافات کو کم کیا جا سکتا ہے۔ مولانا عبدالحی کا سن وفات ۱۳۰۴ھ ہے۔

(۴) فتاویٰ خلیلیہ: حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ مصنف بذل المجہود شرح ابی داؤد کا ہے۔

(۵) امداد الفتاویٰ: حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خانقاہ کے سجادہ نشین۔ ہزار کتب سے زائد کے مصنف حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ المتوفی ۱۳۶۲ھ بہت بڑے فقیہ النفس مفتی تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے بھی زیادہ فتاویٰ آپ کے پاس آتے تھے۔ آپ بڑی تحقیق سے جواب لکھتے تھے۔ اپنے شیخ کے نام پر امداد الفتاویٰ نام رکھا۔ جو چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اگر کسی فتویٰ سے رجوع کرتے تو اپنے رسالے النور میں چھپواتے اور ترجیح الراجح کے عنوان سے ایسے مسائل کی فہرست ہر جلد میں درج ہے۔ جدید مسائل کا نام حوادث الفتاوی ہے۔ یہ پہلے مطبع مجتبائی دہلی سے چھپا تھا۔ پھر حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع نور اللہ مرقدہٗ کی نئی ترتیب سے مکتبہ دارالعلوم کراچی نے شائع کیا۔

(۶) امداد الاحکام: از مولانا ظفر احمد عثمانی و مولانا عبدالکریم گمتھلوی مرتبہ کئی جلدوں میں دارالعلوم کراچی سے چھپ کر آ رہا ہے۔

(۷) بہشتی زیور: یہ بھی علم فقہ میں مولانا تھانویؒ کی لطیف و مقبول تصنیف ہے۔ جس کے لاکھوں نسخے چھپ چکے ہیں۔ بظاہر عورتوں کی اصلاح ہے۔ لیکن کوئی دارالافتاء اس سے خالی نہیں ہے۔ معمار پاکستان مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا اطہر علی سلہٹی۔ مولانا ظفر احمد عثمانی آپ ہی کے حلقہ کے شاگرد اور مرید ہیں۔ جن کی تحریک پاکستان میں خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ اوّل الذکر دو بزرگوں نے مشرقی اور مغربی پاکستان میں پاکستان کی پرچم کشائی کی تھی۔

(۸) فتاویٰ رشیدیہ: یہ قطب العالم فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہ کا ہے۔ گو مختصر ایک ہی جلد میں ہے مگر مسائل کی تحقیق [illegible] استنباط مجتہدانہ شان ہے۔ [illegible]

(۹) نظام الفتاویٰ: ابھی تک ایک جلد دیوبند سے چھپی ہے۔ جدید مسائل میں خاص چیز ہے

(۱۰) فتاویٰ رحیمیہ: از مولانا عبدالرحیم گجراتی (ہند) تاہنوز ۴ جلدوں میں چھپا ہے۔

(۱۱) علم الفقہ: ۴ ضخیم جلدوں میں فقہ کا یہ مجموعہ امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی مدیر النجم کی تالیف ہے جو آپ کے تبحر علمی کی یادگار ہے۔ اگرچہ آپ کا اصل موضوع مدح صحابہ کرام اور دفاع اہلسنت ہے۔

(۱۲) کفایۃ المفتی: حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی کی ۱۱ جلدوں میں بے نظیر کتاب ہے۔ ۹ جلدیں پاکستان میں چھپی ہیں۔ سیاسی، جدید اور ہر قسم کے احکام پر مشتمل ہے۔

(۱۳) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۸۵۷ء کے بعد جب علماء اور دین دار مسلمانوں پر انگریز فسرانگیز نے قیامت توڑی اور اسلام کو مٹانے کی کوشش کی۔ اور مغلیہ عہد والا انتظام قضاء اور تعلیم اسلامیات کا نصاب مدارس سے ختم کر دیا۔ تو علماء اسلام نے درختوں اور دیواروں کے سائے میں حسبۃً للہ رضاکارانہ مدارس کی بنیاد ڈالی اور اسلام کو بچانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ ان مدارس میں شاہی مدرسہ مراد آباد۔ مظاہر علوم سہارنپور۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ وغیرہ۔ دارالعلوم دیوبند سر فہرست ہیں۔ لیکن دارالعلوم دیوبند کو اللہ تعالیٰ نے پورے ایشیاء میں ایک عظیم اسلامی یونیورسٹی میں تبدیل کر دیا۔ ہزاروں فضلاء سند فراغت پا کر دنیا کے چپے چپے میں تعلیمی اور تبلیغی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

والفضل ما شھدت بہ الاعداء: دارالعلوم سے لاکھوں فتاویٰ جاری ہوئے لیکن اشاعت ۱۳۲۹ھ کے بعد والوں کی ہوئی۔ دراصل مجموعہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند دو مستقل سلسلوں پر مشتمل ہے۔

(۱) عزیز الفتاویٰ جو مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن صاحب سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کے ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ جو ۱۳۲۹ھ سے ۱۳۴۴ھ تک تحریر فرمائے۔ اور پہلی مرتبہ ۱۳۵۳ھ میں اس کی اشاعت آٹھ مختصر جلدوں میں دارالاشاعت دیوبند سے ہوئی

(۲) امداد المفتین۔ جو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو مفتی صاحب موصوف نے ۱۳۴۹ھ سے ۱۳۶۲ھ تک دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی کی حیثیت سے تقریباً ۴۰ ہزار فتاویٰ تحریر فرمائے تھے۔ اس کا ایک مختصر حصہ جلدوں میں دارالاشاعت دیوبند سے شائع ہوا تھا۔ اب یہ مجموعہ دارالاشاعت کراچی نے شائع کیا ہے۔

(۱۴) جدید مسائل پر محققانہ کام: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان نے جدید مسائل پر بہت سی کتب تالیف کی ہیں جن میں چند کے نام یہ ہیں۔ آلات جدیدہ کے شرعی احکام۔ اسلام کا نظام اراضی۔ پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ [illegible]۔ تصویر کے شرعی احکام۔ قرآن میں نظام زکوٰۃ۔ [illegible] [illegible] مسائل [illegible]۔ اسلامی [illegible] [illegible]۔ [illegible] مجموعہ۔ [illegible] اسلام [illegible]۔ اسلام کا قانون [illegible]۔ [illegible]

از مولانا بشیر احمد۔ اسلامی قوانین پر نئی کتابیں مارکیٹ میں آئی ہیں ۔ سوشلزم کے توڑ اور سرمایہ داری کیخلاف اسلام کے معاشی نظام پر ۔ اسلام کا اقتصادی نظام از مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی اور اسلام کا نظام معیشت از مولانا مناظر احسن گیلانی۔ اسلام کا نظام تقسیم دولت از مفتی محمد شفیعؒ بہترین تالیفات ہیں۔

(۱۶) احسن الفتاویٰ : یہ مولانا رشید احمد سابق مفتی دارالعلوم کراچی کا کئی جلدوں میں فتاویٰ ہے۔ جدید مسائل میں مفصل تحقیق اور جامعیت ہے۔ فرق باطلہ بھی خوب ہے۔

(۱۷) مجموعہ قوانین اسلام : مصنفہ ڈاکٹر تنزیل الرحمن صاحب ایم اے ۔ ایل ایل۔ بی اعزازی مشیر قانون ادارہ تحقیقات اسلامی و سابق صدر اسلامی نظریاتی کونسل ۔ (شائع کردہ ادارہ تحقیقات اسلامی پاکستان) اس کی پانچ جلدیں ہم نے دیکھی ہیں ۔ ان میں نکاح ۔ نفقہ زوجہ ۔ مہر ۔ طلاق ۔ عدالتی تفریق ۔ خلع ۔ عبارات ظہار و ایلاء لعان ۔ عدت ۔ نسب اولاد ۔ حضانت ۔ نفقہ اولاد و آباء و اجداد ۔ ہبہ ۔ وقف ۔ وصیت ۔ وراثت کے تفصیلی احکام پر مشتمل ہیں۔ اور قوانین کو دفعہ وار شکل میں مرتب کر کے مختلف مذاہب فقہ ۔ حنفیہ ۔ مالکیہ ۔ شافعیہ حنبلیہ ۔ امامیہ اور ظاہریہ کے نقطہ ہائے نظر کی تشریح کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں ۔ ساتھ ہی ممالک اسلامیہ میں رائج الوقت متعلقہ قوانین کے تفصیلی حوالے بھی شامل ہیں ۔ آخر میں پاکستانی عدالتوں کے فیصلے ذکر کر کے ان میں کسی نقص اور شرعی خلاف ورزی کی بھی نشاندہی کی گئی ہے ۔ لیکن فنی اعتبار سے اس کی کئی اپنی ابحاث محل نظر ہیں۔ اور اختلاف رائے کا حق موجود ہے ۔

(۱۷) فتاویٰ رضویہ : بریلوی مکتب فکر کے بانی مولانا احمد رضا خاں کے فتاویٰ کا ضخیم مجموعہ ہے ۔ اپنے عقائد کے علاوہ فقہی مسائل میں فقہ حنفی کے حوالہ جات بھی ہیں۔

(۱۸) بہار شریعت : بہشتی زیور کے طرز پر یہ بھی ایک کتاب ہے ۔

(۱۹) فتاویٰ نذیریہ : شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلوی کے فتووں اور مضامین کا مجموعہ ہے ۔

(۲۰) فتاویٰ علماء اہلحدیث اور (۲۱) فتاویٰ ثنائیہ بھی اسی مسلک کی اہم کتابیں ہیں ۔

(۲۲) رسائل و مسائل و تفہیمات : یہ جماعت اسلامی کے بانی سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کے جوابی مضامین ہیں جو ان سے وقتاً فوقتاً پوچھے گئے تھے۔ مؤخرالذکر کے کئی مسائل جمہور اہل اسلام یا فقہ حنفی کے مطابق نہیں۔ ایک فقہی کاوش ہونیکی وجہ سے ذکر مناسب سمجھا گیا۔

بقیہ: شریعت بل

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حکومت کے یہ اقدامات شریعت بل کو ٹالنے کی ایک مذموم کوشش ہے جس سے اجتناب ضروری ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ فی الفور شریعت بل کو نافذ کرے تاکہ اس ملک کے وجود میں آنے کے مقاصد پورے ہوں۔

احکام رمضان المبارک

از: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ

رمضان المبارک کے روزے رکھنا اسلام کا تیسرا فرض ہے۔ جو اس کے فرض ہونے کا انکار کرے مسلمان نہیں رہتا۔ اور جو اس فرض کو ادا نہ کرے وہ سخت گناہگار فاسق ہے۔

روزہ کی نیت

نیت کہتے ہیں دل کے قصد و ارادہ کو۔ زبان سے کچھ کہے یا نہ کہے۔ روزہ کے لئے نیت شرط ہے۔ اگر روزہ کا ارادہ نہ کیا اور تمام دن کچھ کھایا پیا نہیں تو روزہ نہ ہوگا۔

مسئلہ: رمضان کے روزے کی نیت رات سے کر لینا بہتر ہے اور رات کو نہ کی ہو تو دن کو بھی زوال سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے تک کر سکتا ہے بشرطیکہ کچھ کھایا پیا نہ ہو۔

جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

۱: کان اور ناک میں دوا ڈالنا۔ ۲: قصداً منہ بھر کے قے کرنا۔ ۳: کلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلا جانا۔ ۴: عورت کو چھونے وغیرہ سے انزال ہو جانا ۵: کوئی ایسی چیز نگل جانا جو عادۃً کھائی نہیں جاتی۔ جیسے لکڑی، لوہا، کچا گیہوں کا دانہ وغیرہ۔ ۶: لوبان یا عود وغیرہ کا دھواں قصداً ناک یا حلق میں پہنچانا۔ ۷: بیڑی، حقہ، سگریٹ پینا اسی حکم میں ہیں۔ ۸: بھول کر کھا پی لیا اور یہ خیال کیا کہ اس سے روزہ ٹوٹ گیا ہوگا۔ پھر قصداً کھا پی لیا۔ ۹: رات سمجھ کر صبح صادق کے بعد سحری کھائی، دن باقی تھا مگر غلطی سے یہ سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہو گیا ہے روزہ افطار کر لیا۔

تنبیہ: ان سب چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے مگر صرف قضا واجب ہوتی ہے کفارہ لازم نہیں ہوتا۔

۱۰: جان بوجھ کر بدون بھولنے کے بی بی سے صحبت کرنے یا کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضاء بھی لازم ہوتی ہے اور کفارہ بھی۔

کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے ورنہ ساٹھ روزے متواتر رکھے بیچ میں ناغہ نہ ہو، ورنہ پھر شروع سے ساٹھ روزے پورے کرنے پڑیں گے اور اگر روزہ کی بھی طاقت نہ ہو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے۔ آج کل شرعی غلام باندی کہیں نہیں ملتے اس لئے آخری دو صورتیں متعین ہیں۔

جن چیزوں سے روزہ ٹوٹتا نہیں مگر مکروہ ہو جاتا ہے!

۱: بلا ضرورت کسی چیز کو چبانا یا نمک وغیرہ چکھ کر تھوک دینا۔ ٹوتھ پیسٹ یا منجن کوئلہ سے دانت صاف کرنا بھی روزہ میں مکروہ ہیں۔ ۲: تمام دن حالتِ جنابت میں بغیر غسل کئے رہنا۔ ۳: فصد کرانا، کسی مریض کے لئے اپنا خون دینا جو آج کل ڈاکٹروں میں رائج ہے یہ بھی اس میں داخل ہے۔ ۴: غیبت یعنی کسی کی پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرنا۔ یہ ہر حال میں حرام ہے روزہ میں اس کا گناہ اور بڑھ جاتا ہے۔ ۵: روزہ میں لڑنا جھگڑنا گالی دینا خواہ انسان کو ہو یا کسی بے جان چیز کو یا جاندار کو اس سے بھی روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔

وہ چیزیں جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور مکروہ بھی نہیں ہوتا ——!

۱: مسواک کرنا۔ ۲: سر یا ڈاڑھی پر تیل لگانا۔ ۳: آنکھوں میں دوا یا سُرمہ ڈالنا۔ ۴: خوشبو سونگھنا۔ ۵: گرمی اور پیاس کی وجہ سے غسل کرنا ۶: کسی قسم کا انجکشن یا ٹیکہ لگوانا۔ ۷: بھول کر کھانا پینا۔ ۸: حلق میں بلا اختیار دھواں یا گرد و غبار یا مکھی وغیرہ کا چلا جانا۔ ۹: کان میں پانی ڈالنا یا بلا قصد چلا جانا۔ ۱۰: خود بخود قے آجانا۔ ۱۱: سوتے ہوئے احتلام (غسل کی حاجت) ہو جانا۔ ۱۲: دانتوں میں خون نکلے مگر حلق میں نہ جائے تو روزہ میں خلل نہیں آیا۔ ۱۳: اگر خواب میں یا صحبت سے غسل کی حاجت ہو گئی اور صبح صادق ہونے سے پہلے غسل نہیں کیا اور اسی حالت میں روزہ کی نیت کر لی تو روزہ میں خلل نہیں آیا۔

وہ عذر جن سے رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہوتی ہے!

بیماری کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو یا مرض بڑھنے کا شدید خطرہ ہو تو روزہ نہ رکھنا جائز ہے مگر بعد رمضان کے اس کی قضا لازم ہے۔

۲: جو عورت حمل سے ہو اور روزہ میں بچہ کو یا اپنی جان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھے بعد میں قضا کرے۔

۳: جو عورت اپنے یا کسی غیر کے بچہ کو دودھ پلاتی ہے اگر روزہ سے بچہ کو دودھ نہیں ملتا تکلیف پہنچتی ہے تو روزہ نہ رکھے۔ پھر قضا کرے۔

۴: مسافر شرعی (جو کم از کم اڑتالیس میل کے سفر کی نیت سے گھر سے نکلا ہو) اس کے لئے اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے پھر اگر کچھ تکلیف و دقت نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ سفر ہی میں روزہ رکھ لے۔ اگر اپنے آپ کو یا ساتھیوں کو اس سے تکلیف ہو تو روزہ نہ رکھنا ہی افضل ہے۔

۵: بحالت روزہ سفر شروع کیا تو اس روزہ کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اور اگر کچھ کھانے پینے کے بعد سفر سے وطن واپس آگیا تو باقی دن کھانے پینے سے احتراز کرے اور اگر ابھی کچھ کھایا پیا نہیں تھا کہ وطن میں ایسے وقت واپس آگیا جبکہ روزہ کی نیت ہو سکتی ہو (یعنی زوال سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل)، تو اس پر لازم ہے کہ روزہ کی نیت کر لے۔

۶: کسی کو قتل کی دھمکی دے کر روزہ توڑنے پر مجبور کیا جائے تو اس کے لئے توڑ دینا جائز ہے پھر قضا کر لے۔

۷: کسی بیماری یا بھوک و پیاس کا اتنا غلبہ ہو جائے کہ کسی مسلمان دیندار ماہر طبیب یا ڈاکٹر کے نزدیک جان کا خطرہ لاحق ہو تو روزہ توڑ دینا جائز بلکہ واجب ہے اور پھر اس کی قضا لازم ہوگی۔

۸: عورت کے لئے ایام حیض میں اور بچہ کی پیدائش کے بعد جو خون آتا ہے یعنی نفاس اس کے دوران میں روزہ رکھنا جائز نہیں۔ ان ایام میں روزہ نہ رکھے بعد میں قضا کرے۔ بیمار، مسافر، حیض و نفاس والی عورت جن کے لئے رمضان میں روزہ نہ رکھنا اور کھانا پینا جائز ہے۔ ان کو بھی لازم ہے کہ رمضان کا احترام کریں۔ سب کے سامنے کھاتے پیتے نہ پھریں۔

روزہ کی قضا

۱: کسی عذر سے روزہ قضا ہوگیا۔ تو جب عذر جاتا رہا جلد ادا کر لینا چاہیئے۔ زندگی اور طاقت کا بھروسہ نہیں۔ قضا روزوں میں اختیار ہے کہ متواتر رکھتے یا ایک ایک دو دو کر کے رکھے۔

۲: اگر مسافر سفر سے لوٹنے کے بعد یا مریض تندرست ہونے کے بعد اتنا وقت نہ پائے کہ جس میں قضا کر جس میں قضا شدہ روزے ادا کرے تو قضا اس کے ذمے لازم نہیں۔ سفر سے لوٹنے اور بیماری سے تندرست ہونے کے بعد جتنے دن ملیں اتنے ہی کی قضا لازم ہوگی۔

سحری

روزہ دار کو آخر رات میں صبح صادق سے پہلے پہلے سحری کھانا مسنون اور باعثِ برکت و ثواب ہے نصف شب کے بعد جس وقت بھی کھائیں سحری کی سُنّت ادا ہو جائے گی۔ لیکن بالکل آخر شب میں کھانا افضل ہے۔ اگر مؤذن نے صبح سے پہلے اذان دیدی تو سحری کھانے کی ممانعت نہیں جب تک صبح صادق نہ ہو جائے سحری سے فارغ ہوکر روزہ کی نیت دل میں کر لینا کافی ہے اور زبان سے بھی یہ الفاظ کہہ لے تو اچھا ہے:

"وَبِصَوْمِ غَدٍ نَّوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ"

اِفطاری

آفتاب کے غروب ہونے کا یقین ہو جانے کے بعد افطار میں دیر کرنا مکروہ ہے۔ ہاں جب ابر وغیرہ کی وجہ سے اشتباہ ہو تو دو چار منٹ انتظار کر لینا بہتر ہے۔ اور تین منٹ کی احتیاط بہر حال کرنا چاہیئے۔ کھجور اور خرما سے افطار کرنا افضل ہے اور کسی دوسری چیز سے افطار کریں تو اس میں بھی کوئی کراہت نہیں۔

افطار کے وقت یہ دعا مسنون ہے:

"اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ"

اور افطار کے بعد یہ دعا پڑھے:

"ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ"

تراویح رمضان المبارک میں عشاء کے فرض اور سُنّت کے بعد بیس رکعت سُنّت مؤکدہ ہے۔

۲: تراویح کی جماعت سُنّت علی الکفایہ ہے۔ محلّہ کی مسجد میں جماعت ہوتی ہو اور کوئی شخص علیحدہ اپنے گھر میں تراویح پڑھ لے تو سُنّت ادا ہو گئی اگرچہ مسجد اور جماعت کے ثواب سے محروم رہا۔ اور اگر محلّہ ہی میں جماعت نہ ہوئی تو سب کے سب ترک سُنّت کے گنہگار رہیں گے۔

۳: تراویح میں پورا قرآن مجید ختم کرنا بھی سُنّت ہے۔ کسی جگہ حافظ قرآن سُنانے والا نہ ملے یا ملے مگر سنانے پر اُجرت و معاوضہ طلب کرے تو چھوٹی سورتوں سے نماز تراویح ادا کریں۔ اُجرت دے کر قرآن نہ سنیں۔ کیونکہ قرآن سنانے پر اُجرت لینا اور دینا حرام ہے۔

۴: اگر ایک حافظ قرآن ایک مسجد میں بیس رکعت پڑھ چکا ہے اس کو دوسری مسجد میں اسی رات تراویح پڑھانا درست نہیں۔

۵: جس شخص کی دو چار رکعت تراویح رہ گئی ہوں تو جب امام وتر کی جماعت کرائے اسکو بھی جماعت میں شامل ہو جانا چاہیئے۔ اپنی باقی ماندہ تراویح بعد میں پوری کرے۔

۶: قرآن کو اسقدر جلد پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں بڑا گناہ ہے۔ اس صورت میں نہ امام کو ثواب ہو گا نہ مقتدی کو۔ جمہور علماء کا فتویٰ یہ ہے کہ نابالغ کو تراویح میں امام بنانا جائز نہیں۔

اعتکاف ۱: اعتکاف اسکو کہتے ہیں کہ اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں رہے اور سوائے ایسی حاجات ضروریہ کے جو مسجد میں پوری نہ ہو سکیں (جیسے پیشاب، پاخانہ کی ضرورت یا غسل واجب اور وضو کی ضرورت کے) مسجد سے باہر نہ جائے۔

۲: رمضان کے عشرۂ اخیر میں اعتکاف کرنا سُنّت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔ یعنی اگر بڑے شہروں کے محلّہ میں اور چھوٹے دیہات کی پوری بستی میں کوئی بھی اعتکاف نہ کرے تو سب کے اوپر ترکِ سُنّت کا وبال رہتا ہے اور کوئی ایک بھی محلہ میں اعتکاف کرے تو سب کی طرف سے سُنّت ادا ہو جاتی ہے۔

۳: بالکل خاموش رہنا اعتکاف میں ضروری نہیں بلکہ مکروہ ہے۔ البتہ نیک کلام کرنا اور لڑائی جھگڑے اور فضول باتوں سے بچنا چاہیئے۔

۴: اعتکاف میں کوئی خاص عبادت شرط نہیں۔ نماز، تلاوت یا دین کی کتابوں کا پڑھنا پڑھانا یا جو عبادت دل چاہے کرتا رہے۔

۵: جس مسجد میں اعتکاف کیا گیا ہے۔ اگر اس میں جمعہ نہیں ہوتا تو نماز جمعہ کے لئے اندازہ کر کے ایسے وقت مسجد سے نکلے جس میں وہاں پہنچ کر سنتیں ادا کرنے کے بعد خطبہ سُن سکے۔ اگر کچھ زیادہ دیر جامع مسجد میں لگ جائے جب بھی اعتکاف میں کوئی خلل نہیں آتا۔

۱۶: اگر بلاضرورت طبعی وشرعی تھوڑی دیر کو بھی مسجد سے باہر چلا جائیگا تو اعتکاف جاتا رہے گا۔ خواہ عمداً نکلے یا بھول کر اس صورت میں اعتکاف کی قضا کرنا چاہیئے۔

۷: اگر آخری عشرہ کا اعتکاف کرنا ہو تو ۲۰ تاریخ کو غروب آفتاب سے پہلے مسجد میں چلا جائے اور جب عید کا چاند نظر آجائے تب اعتکاف سے باہر ہو۔

۸: غسلِ جمعہ یا محض ٹھنڈک کے لئے غسل کے واسطے مسجد سے باہر نکلنا معتکف کو جائز نہیں۔

شب قدر چونکہ اس امت کی عمریں بہ نسبت پہلی امتوں کے چھوٹی ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایک رات ایسی مقرر فرمادی ہے کہ جس میں عبادت کرنے کا ثواب ایک ہزار مہینہ کی عبادت سے بھی زیادہ ہے لیکن اسکو پوشیدہ رکھا۔ تاکہ لوگ اسکی تلاش میں کوشش کریں اور ثواب بے حساب پائیں۔

رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں شب قدر ہونے کا زیادہ احتمال ہے۔ ان راتوں میں بہت محنت سے عبادت اور توبہ و استغفار اور دعا میں مشغول رہنا چاہیئے۔ اگر تمام رات جاگنے کی طاقت یا فرصت نہ ہو تو جسقدر ہو سکے جاگے اور نفل نماز یا تلاوت قرآن یا ذکر و تسبیح میں مشغول رہے۔ اور کچھ نہ ہو سکے تو عشاء اور صبح کی نماز جماعت سے ادا کرنے کا اہتمام ضرور کرے۔ حدیث میں آیا ہے کہ یہ بھی رات بھر جاگنے کے حکم میں آجاتا ہے۔ ان راتوں کو صرف جلسوں تقریروں میں صرف کرکے سو جانا بڑی محرومی ہے۔ تقریریں ہر رات ہو سکتی ہیں عبادت کا یہ وقت پھر ہاتھ نہ آئے گا۔

البتہ جو لوگ رات بھر عبادت میں جاگنے کی ہمت کریں وہ شروع میں وعظ سُن لیں پھر نوافل اور دُعا میں لگ جائیں تو درست ہے۔

ترکیب نماز عید اوّل زبان یا دل سے نیت کرو کہ دو رکعت نماز عید واجب مع چھ زائد تکبیرات پیچھے اس امام کے۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لو اور سبحانک اللھم پڑھو۔ پھر دوسری اور تیسری تکبیر میں ہاتھ کانوں تک اُٹھا کر چھوڑ دو اور چوتھی میں ہاتھ باندھ لو۔ اور جس طرح ہمیشہ نماز پڑھتے ہو پڑھو۔ دوسری رکعت میں سورت کے بعد جب امام تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہہ کر پہلی دوسری اور تیسری دفعہ میں ہاتھ کانوں تک اُٹھا کر چھوڑ دو اور چوتھی تکبیر کہہ کر بلا ہاتھ اُٹھائے رکوع میں چلے جاؤ۔ باقی نماز حسب دستور تمام کرو۔ خطبہ سُن کر واپس جاؤ۔

مسائل صدقۃ الفطر

جو مسلمان استطاعت دار ہو۔ کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو۔ یا اس پر زکوٰۃ تو واجب نہیں۔ لیکن ضروری اسباب سے

کما تد اتنی قیمت کا مال واسباب ہے۔ جتنی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہو تو اس پر عید کے دن صدقہ دینا واجب ہے۔ چاہے وہ سوداگری کا مال ہو۔ یا سوداگری کا نہ ہو۔ اور چاہے سال پورا گزر چکا ہے یا نہ گزرا ہو۔ اور اس صدقہ کو شرع میں صدقہ فطر کہتے ہیں۔

مسئلہ: کسی کے دو گھر ہیں۔ ایک میں خود رہتا ہے۔ اور ایک خالی پڑا ہے۔ یا کرایہ پر دے دیا ہے۔ تو یہ دوسرا مکان ضرورت سے زائد ہے۔ اگر اس کی قیمت اتنی ہو جتنی پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ تو اس پر صدقہ فطر واجب ہے۔ اور ایسے کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا بھی جائز نہیں۔ البتہ اگر اس پر اس کا گزارا ہو تو یہ مکان بھی ضروری اسباب میں داخل ہو جائے گا۔ اُس پر صدقہ فطر واجب نہ ہوگا۔ اور زکوٰۃ کا پیسہ بھی لینا اور دینا درست ہوگا۔

مسئلہ: عید کے دن جس وقت فجر کا وقت آتا ہے۔ اُسی وقت یہ صدقہ واجب ہوتا ہے۔ تو اگر کوئی فجر کا وقت آنے سے پہلے ہی مر گیا۔ اس پر صدقہ واجب نہیں

مسئلہ: بہتر یہ ہے۔ کہ نماز کے لئے عید گاہ میں جانے سے پہلے ہی صدقہ دے دے۔ اگر پہلے نہ دیا گیا۔ تو خیر بعد میں سہی۔

مسئلہ: کسی نے صدقہ فطر عید سے قبل رمضان ہی میں دیدیا۔ تو بھی ادا ہو گیا۔ اور سب سے بہتر یہی ہے۔ کہ غرباء کی عید ہو سکے۔

مسئلہ: اگر کسی نے عید کے دن صدقہ فطر نہ دیا۔ تو معاف نہیں ہوا۔ اب کسی دن دیدینا چاہئے۔

مسئلہ: صدقہ فطر اپنی طرف سے واجب ہے۔ اور نابالغ اولاد کی طرف سے بھی دینا واجب ہے بالغ اولاد کی طرف سے دینا واجب نہیں۔ البتہ اگر کوئی لڑکا مجنون ہو تو اس کی طرف سے بھی دے۔

مسئلہ: جس نے کسی وجہ سے رمضان کے روزے نہیں رکھے۔ اس پر بھی یہ صدقہ واجب ہے۔ اور جس نے روزے رکھے۔ اُس پر واجب ہے۔

مسئلہ: صدقہ فطر میں گندم، جو یا ستو یا آٹا، دو سیر ایک کس یا اُس کی موجودہ قیمت ادا کرنی چاہئے۔

مصارف

صدقہ فطر بھی اُنہی لوگوں کو دینا جائز ہے۔ جن لوگوں کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ صدقات واجبہ یا نافلہ کے اولیں مستحق اور بہترین مصارف مدارس عربیہ کے مہمانانِ رسول ہیں۔ جس میں صدقات ادا کرنے والوں کو دگنا اجر ہوگا ایک تو صدقات کی ادائیگی کا اور دوسرے اشاعتِ اسلام و تبلیغ دین میں معاونت کا۔

مدرسہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال

کے طلبہ علوم دینیہ کی اپنے صدقات و زکوٰۃ و چرم ہائے قربانی وغیرہ سے اعانت فرماتے ہوئے سرپرستی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

مدعیانِ نبوتِ کاذبہ

سجاح بنتِ حارث و مسیلمہ کذاب

بیگم ریحانہ فاروقی

برسات کا موسم شروع ہوتے ہی جس طرح ہزاروں قسم کے کیڑے مکوڑے جھینگر مچھر اور ہزاروں طرح کے حشرات الارض پیدا ہونے لگتے ہیں۔ اسی طرح جب فخرِ موجودات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے آخری قصر کی تعمیر مکمل فرما کر اس دنیا سے رخصت ہوئے تو بہت سے نبوت کے خود ساختہ دعویدار بن گئے اور اپنے چہروں پر جھوٹے تقدس اور مصنوعی پارسائی کی نقابیں ڈال کر خدا کے سادہ لوح بندوں کو اپنی طرف مائل کرنے اور خود کو دنیوی منفعت کے لئے مرجع خلائق بنانے کی لگاتار کوشش کرنے لگے۔ سجاح نام کی عورت بھی نبوّت کا جھوٹا دعویٰ کرنیوالے انہی افراد کے زمرے میں شامل تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ نبوّت مردوں میں ختم ہوگئی لیکن اب عورتوں میں شروع ہوئی ہے۔

سجاح مذہباً عیسائی تھی۔ اس کی گفتگو نہایت ہی فصیح تھی اس کا کلام نہایت ہی بلیغ ہوتا تھا۔ وہ اگرچہ ایک عورت تھی لیکن بڑے حوصلے اور ہمت والی۔ تقریر اور خطابت میں اسے بڑی مہارت حاصل تھی اور جودتِ فہم میں وہ اپنی مثال آپ تھی۔ ان اوصاف کے علاوہ وہ اپنے زمانہ کی مشہور کاہنہ بھی تھی اور عام لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتی تھی کہ وہ اپنی زبان سے جو کچھ کہتی ہے وہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔

خوبصورتی میں بھی سجاح کی کوئی مثال نہ تھی۔ اس کے پیکر نازک میں عراق و ایران کی خوبصورتیاں مشترک ہو کر سمٹ آئی تھیں حسن و وجاہت، شوخیٔ گفتار و شوخیٔ رفتار ایسی پرکشش خوبیاں تھیں کہ سجاح ان کی جھلک دکھا کر اپنے دل کا ہر ارمان پورا کر سکتی تھی اپنا مقصد حاصل کر سکتی تھی۔ اس نے سوچا کہ جب مسیلمہ کذّاب نبوت کا دعویٰ کر کے عروج و اقتدار حاصل کر سکتا ہے تو وہ اپنی ذات اور شخصیت میں کشش اور توجہ کی اتنی خوبیاں رکھنے کے باوجود بلند سے بلند مرتبہ اور اعلیٰ اقتدار کیوں حاصل نہیں کر سکتی۔ چنانچہ اس نے یہ ارادہ اور فیصلہ کیا کہ اسے اپنی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

اس ارادے اور فیصلے کے بعد جیسے ہی سید العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر وفات سُنی ویسے ہی وہ نبوت کی دعویدار بن گئی۔ سب سے پہلے جس قبیلے نے سجاح کی نبوت کو تسلیم کیا وہ بنی تغلب نام کا قبیلہ تھا جس کی وجہ سے سجاح کے ارادوں میں پختگی آگئی اور اسکو اقدام کی نئی طاقت مل گئی۔ ہزیل بن عمران بنی تغلق کا سردار تھا اور عیسائی مذہب کا پیرو، لیکن وہ سجاح کے حسن و شباب سے اسقدر متاثر ہوا کہ اس نے اپنا مذہب ترک کر دیا اور سجاح پر ایمان لے آیا۔ اس

بناء پر سجاح کو اور زیادہ قوت اور حوصلہ ملا اور اس نے تبلیغ و دعوت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ چنانچہ اس نے نہایت فصیح عبارتوں کے خطوط عرب کے تمام قبائل کو بھیجے جن میں اس نے یہ دعوت دی کہ وہ اس کے ہاتھ پر بیعت کریں اور اس کے حلقۂ ارادت میں بے تکلف و تامل فوراً ہی شامل ہو جائیں۔ بہت سے لوگ اس کی خوبصورتی، جوانی اور ذہانت و شوخی گفتار سے اسقدر متأثر ہوئے کہ وہ اسلام کی رحمت و نعمت کو چھوڑ کر سجاح کے گروہ میں شامل ہو گئے۔

سجاح نے بنی تمیم کے سردار مالک بن ہبیرہ کے نام بھی ایک خط لکھا تھا وہ اس کی شوخئ تحریر اور فصاحت و بلاغت دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ جو عورت تحریر کا اتنا دلکش انداز و اسلوب رکھتی ہے وہ خود کتنی خوبصورت اور ذہین ہو گی چنانچہ وہ بھی مرتد ہو گیا۔ بہت سے دوسرے قبائل بھی سجاح کے حلقہ بگوش ہو گئے جن میں احنف بن قیس اور حارث بن بدر ایسے بااثر لوگ بھی شامل تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سجاح کا دائرۂ اقتدار بڑھنے لگا اور کچھ ہی دن بعد اس کے ماننے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کی تدبیریں کرنے لگی۔

اسلام کے ماننے والے اور تعلیمات نبوی پر عمل کرنیوالے عرب قبائل کی حالت یہ تھی کہ وہ وفات نبویؐ کے بعد باہمی انتشار اور اندرونی خلفشار میں مبتلا تھے اور فتنہ و فساد میں اسقدر الجھ گئے تھے کہ انہیں سجاح کی سرگرمیوں کی طرف توجہ کرنے کا ذرا سا موقع بھی نہ ملا۔ جب سجاح نے لڑائی کی پوری تیاری کر لی تو اس نے نبوت کا دعویٰ کرنے کیساتھ ساتھ خروج کیا اور اسلام سے سرکشی اور بغاوت کرنے ایک بڑے لشکر کو لے کر مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے نکل کھڑی ہوئی۔

دوسری طرف مسیلمہ جس نے اپنی نبوت کا دعویٰ سجاح سے پہلے کیا تھا سجاح کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر خوفزدہ تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر سجاح کا دائرۂ اقتدار اسی طرح بڑھتا رہا تو اس کی جھوٹی نبوت کا دعویٰ خطرے میں پڑ جائیگا لیکن اس اندیشے کے باوجود وہ بہت سی وجوہ کی بناء پر سجاح سے برسر پیکار ہونے کو تیار نہ تھا۔ پورے ماحول اور تمام حالات پر اس کی نگاہ تھی۔ چنانچہ اس نے بہت سے تحائف کے ساتھ سجاح کو یہ پیغام بھیجا کہ:

"میں آپ سے ملاقات کا مشتاق ہوں اور آپ کے کارنامے سن کر آپ کا نادیدہ عاشق ہو گیا ہوں کیا ہی اچھا ہو اگر آپ مجھے تنہائی میں شرفِ ملاقات بخشیں۔ آپ کی صلاحیتیں اور حسن کی کشش کے ساتھ جب میرا تجربہ شامل ہو جائے گا تو ہم دونوں باہمی طور پر متحد ہو کر ساری دنیا کو مسخر کرلیں گے۔"

سجاح بہرحال ایک عورت تھی عام عورتوں کی طرح اس کے مزاج میں بھی ایک کمزوری اور لچک تھی وہ پیکر گل کی طرح نازک تھی۔ پتھر کا مجسمہ نہ تھی چنانچہ وہ تنہائی میں مسیلمہ سے ملنے کے لئے تیار ہو گئی۔ یہ مسیلمہ کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ اس نے ایک بہت ہی پرتکلف اور خوشنما خیمہ لگایا جس کی اندرونی فضا جذبات انگیز خوشبوؤں سے مہک رہی تھی یہ خیمہ کیا تھا اپنی آرائش کے اعتبار سے حجلۂ عروسی دکھائی دیتا تھا۔ جب تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں تو اس نے سجاح کو لانے کے لئے اپنے قاصد روانہ کئے۔ سجاح کو اپنی خوبصورتی اور صلاحیتوں پر ناز تھا اسے یہ گمان تھا کہ وہ عام عورتوں کی بہ نسبت زیادہ قوتِ ارادی بھی رکھتی ہے اور قوتِ فیصلہ بھی۔ چنانچہ وہ بے تکلف اور بے دھڑک مسیلمہ کے خیمہ میں

آگئی۔ دوسری طرف مسیلمہ کی پوری کوشش یہ تھی کہ وہ سجاح کی نسوانی کمزوریوں سے فائدہ اٹھائے اس کی ذہانت سے نہیں اس لئے اس نے خیمہ کا اندرونی ماحول نہایت خوبصورت اور رومان انگیز بنادیا تھا۔ خیمہ میں داخل ہوتے ہی سجاح پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی وہ بھول گئی کہ اس نے مرسلہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور اپنے ماننے والوں کو یہ باور کرایا ہے کہ اسپر بھی خدائی وحی نازل ہوتی ہے۔ اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ اسلام کو ختم کرنے کے ارادے سے نکلی ہے۔ اس کے ذہن سے یہ بات بھی فراموش ہوگئی کہ خیمے کے باہر اس کا لشکر اس کے انتظار میں کھڑا ہے اسوقت جو احساس اسپر چھا گیا تھا وہ یہ تھا کہ وہ ایک عورت ہے مسیلمہ اس کے جذبات اور اس کے تنفس کے اتار چڑھاؤ کو خوب اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ بڑی مشکل سے سجاح نے اپنے جذبات کے ہیجان پر قابو پایا اور خود کو سنبھالتے ہوئے مسیلمہ سے کہا کہ اگر آپ پر کوئی وحی نازل ہوئی ہو تو مجھے بتائیے۔ مسیلمہ کی خواہش تھی کہ وہ اسوقت خیمہ کے ماحول اور تنہائی کے اثر کا پورا فائدہ اٹھائے اور سجاح کے جذبات کو جتنا بھڑکا سکتا ہے اتنا بھڑکائے۔ سجاح کے سوال پر وہ مسکرانے لگا، اس نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ ایسے عشقیہ اشعار سنانا شروع کر دیئے جو سجاح کے جذبات میں پیدا ہونیوالے مدوجزر کی رفتار کو اور زیادہ تیز کر دیں۔ سجاح پہلے ہی سے اپنے جذبات کی گرمی سے دہک رہی تھی۔ عشقیہ اشعار نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور وہ خود کو بالکل ہی بے بس محسوس کرنے لگی!

مسیلمہ نے سجاح کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور جب سجاح اشتہا کی انتہا تک پہنچ گئی تو مسیلمہ نے بغیر کسی تامل کے اس کے سامنے شادی کی پیشکش کر دی ——————

"ہم دو قالب ہیں، آؤ ایک روح ہو جائیں۔ باہم عقد کر کے ایک دوسرے کے معاون بن جائیں۔
جب ہم دونوں کی فوجیں ایک ہو جائیں گی تو ہم سارے عرب پر قبضہ کر لیں گے!"

اب سجاح وہ عورت نہیں تھی جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا جس کے پاس ارادے کے قابل تسخیر قوت موجود تھی اسوقت وہ نازک صنف تھی، جوانی و ناز کا پیکر، اسوقت اسے اپنے تن کا لباس اور اپنی فطرت کا حجاب بُرا لگ رہا تھا اسوقت اسکی ایک ہی خواہش تھی کہ مسیلمہ جلدی سے اسکو اپنی بانہوں میں لیلے اور وہ اسکے کیلیے بازوؤں میں سما جائے ایک طرف سجاح کے مزاج کی داخلی بہک تھی اور دوسری طرف شاطر مرد تھا جسے اپنے جذبات پر قابو تھا اور وہ اپنی خواہش کے اظہار میں محتاط مگر عیار۔ چنانچہ وہ لگاتار اس کے جذبات کو بھڑکاتا اور اس کی خواہشات میں آگ لگاتا رہا۔ سجاح مسحور ہو کر رہ گئی مسیلمہ نے اسے مغلوب کر دیا وہ انگڑائیوں پر انگڑائیاں لینے لگی اور مسیلمہ کی آغوش میں پہنچنے کے لئے بیقرار ہونے لگی۔

مسیلمہ اور سجاح کے لشکر نبوت کے ان دونوں دعویداروں کی ملاقات کے انجام کو جاننے کے لئے بیتاب تھے۔ دونوں کے خوش اعتقاد امتی یہ گمان کر رہے تھے کہ نبوت کے دونوں دعویداروں کے مابین ایک ایک مسئلہ پر بحث و مباحثہ ہو رہا ہوگا دونوں کے مابین روحانی اور دینی مسئلے معرض بحث میں آرہے ہوں گے۔ اور دونوں جب اپنے اختلافات پر الجھتے ہوں گے تو اس کے تصفیہ کے لئے خدا کی طرف سے آنیوالی وحی کا انتظار کرتے ہوں گے

مگر خیمے کے اندر دونوں دولہا دلہن اپنی کامرانی و شادمانی کے مزے لوٹ رہے تھے۔ اسوقت ان کو یہ احساس بھی نہ تھا کہ ان کے لشکر خیمے کے باہر ان کے انتظار میں کھڑے ہیں۔

تین دن اسی حالت میں گذر گئے دونوں کے دلوں کے ارمان نکل گئے۔ سجاح نے اپنی نبوت کے دعوے پر پانی پھیر دیا وہ مسیلمہ سے شکست کھا کر عرقِ انفعال میں ڈوب گئی۔ وہ خیمے سے باہر نکلی تو سجائی سجائی شرمائی شرمائی اس کی آنکھوں میں حیا کے سمندر مچل رہے تھے اس کے نازک ہونٹوں پر جو پھول کی پتی سے بھی زیادہ باریک اور نازک تھے مسیلمہ کے ہونٹوں کی گرمی سے ان پر پپڑیاں جم رہی تھیں اس کا لباس جگہ جگہ سے مسک گیا تھا اس حالت میں جب وہ واپس اپنے لشکر میں پہنچی تو اس میں کوئی جرأت نہ تھی نہ پہلے سی تند خوئی نہ اعتماد نہ قوتِ ارادی۔ وہ ایک ہاری ہوئی عورت تھی جو اپنے ساتھیوں سے آنکھیں نہ ملا سکتی تھی۔ وہ خاموش تھی اور اس کی خاموشی پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ وہ اپنا سب کچھ مسیلمہ کو دے آئی ہے۔ اس کے سرداروں کا پیمانۂ صبر اچانک چھلک پڑا۔ انہوں نے سجاح کی حالت دیکھ کر سب کچھ سمجھ لیا تھا لیکن اتمامِ حجت کے لئے انہوں نے پوچھا کہ مسیلمہ سے کیا ٹھہری؟

سجاح نے اپنی آنکھیں نیچی کرلیں اور اس کا چہرہ زمین کی طرف جھک گیا اس نے آہستہ سے کہا کہ میں نے مسیلمہ کی نبوۃ کو تسلیم کرلیا ہے کیونکہ تمہاری مرسلہ کو ایک مرسل کی ضرورت تھی اس لئے میں نے اس سے نکاح کرلیا ہے۔"

اور مہر کیا ٹھہرا؟ سرداروں نے سوال کیا۔

سجاح کا گلاب رنگ چہرہ ندامت سے پیلا پڑگیا، اس نے شرماتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں مسیلمہ سے یہ بات پوچھنا بھول گئی ...."

سجاح کا یہ جواب اسکی فوج کے سرداروں کو ناگوار اور شاق گذرا۔ انہوں نے برہمی کے لہجہ میں کہا کہ تم ابھی واپس جاؤ اور مسیلمہ سے اپنے مہر کا فیصلہ کر کے آؤ کیونکہ کوئی بھلی عورت مہر مقرر کئے بغیر خود کو کسی مرد کی زوجیت میں نہیں دے سکتی۔

سجاح نادم و خجل تھی وہ اپنے سرداروں کے دباؤ سے مسیلمہ کے خیمہ میں واپس آئی لیکن وہ اسوقت تک اپنے قلعہ میں واپس جاچکا تھا کہ سجاح کے سردار اس سے انتقام لینے کے لئے اس کے خیمہ پر حملہ نہ کردیں۔

جب مسیلمہ کو معلوم ہوا کہ سجاح اس سے ملنے کے لئے خیمہ میں واپس آئی ہے تو وہ اپنے قلعہ کی فصیل پر آکر کھڑا ہوا لیکن سجاح میں اتنی ہمت ہی نہ تھی کہ وہ اپنی بے حرمتی کے خلاف آواز اٹھاتی۔ اس نے بیٹھتی ہوئی آواز میں مسیلمہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"تم نے مجھ سے نکاح کیا ہے لیکن میرا مہر کیا مقرر کیا ہے؟

مسیلمہ نے یہ بیٹھتی ہوئی آواز سنی تو اس نے سمجھ لیا کہ وہ سجاح جو نبوت کا دعویٰ کرتی تھی اب مرچکی ہے وہ ایک ہاری ہوئی عورت ہے اور مجبور ہے۔ اس کی نبوت کو تسلیم کرنے کے لئے "یہ سمجھتے ہی مسیلمہ نے نہایت تکبر کے ساتھ سجاح کو جواب دیا کہ جاؤ اپنے لشکر میں منادی کرادو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی امت کے لئے خدا سے پانچ نمازیں لائے تھے میں نے ان میں سے دو نمازیں، عشاء اور فجر کی تم سے [illegible] اور یہ دونوں نمازیں خدا کی

طرف سے معاف کردی گئیں یہی تمہارا مہر ہے۔"

سجاح مسیلمہ کا یہ جواب سن کر آئی اور اس نے اپنے لشکر کے سرداروں کو بتایا کہ خدا نے میرے مہر میں نماز عشاء اور نماز فجر کی معافی دیدی ہے لشکر کے سرداروں کو مسیلمہ کا جواب بالکل ہی عجیب سا لگا۔ یہ جواب سن کر عطا ابن حاجب نے اپنی حالت پر غور کیا اور سجاح کی یہ بات سن کر اس نے سوچا کہ ہماری پیغمبر ایک عورت ہے جسے ہم اپنے سر پر اٹھائے پھرتے ہیں۔ حالانکہ دوسری تمام قوموں کے پیغمبر مرد ہیں۔ سجاح کے ماننے والوں میں قدرتی طور پر ایک طرح کی درد انگیز خاموشی چھا گئی وہ اسطرح چپ کھڑے تھے جیسے کہ ان کے سروں پر پرندوں نے اپنے گھونسلے بنا لیے ہوں۔ ان کی اس خاموشی میں ان کے اندر ایک ہی سوال خراش ڈال رہا تھا کہ کیا واقعی سجاح مرسلہ ہے اور یہ کہ کیا انہوں نے اپنا دین چھوڑ کر کوئی غلطی نہیں کی ہے؟ ادھر سجاح بھی بڑی نادم تھی لیکن اس نے کسی نہ کسی طرح مسیلمہ سے ملاقات کر کے ایک صلح نامہ مرتب کر لیا اس کے بعد جب وہ اپنے لشکر کے ساتھ اپنی بستی کی طرف واپس جا رہی تھی تو اتفاق سے راستہ میں حضرت خالد بن ولیدؓ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ سجاح کی فوج اسلامی لشکر کو دیکھ کر ایسی بدحواس ہوئی کہ وہ سجاح کو چھوڑ کر بھاگ گئی اور جزیرہ میں جا کر مقیم ہوئی حضرت خالد بن ولیدؓ نے اپنے لشکر کیساتھ یمامہ کی طرف پیش قدمی کی اور مسیلمہ کو اسکے ساتھیوں سمیت قتل کر دیا اس طرح ایک جھوٹے نبی کی جھوٹی نبوت دم توڑ گئی۔

سجاح کے پیرو اس کے نکاح کے واقعہ سے بدگمان ہو چکے تھے انہوں نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی اور سجاح کا زوال شروع ہو گیا۔ وہ ایک طرف تو مسیلمہ سے نکاح کر کے دل ہی دل میں پچھتا رہی تھی اور دوسری جانب اس کا ضمیر ملامت کر رہا تھا۔ انجام کار وہ اپنے پورے قبیلہ کے ساتھ ہو گئی اور اس نے اپنے پچھلے گناہوں سے توبہ کر لی اس طرح اس کے بھی جھوٹے دعویٰ نبوت کی پول کھل گئی، لیکن یہ اس کا مقدر تھا کہ وہ ایک مرتبہ گمراہ ہوئی اور پھر توبہ کے راستے اسلام کی طرف پلٹ آئی۔ (بشکریہ آستانہ)

بقیہ: اسلام اور تہذیب یورپ

کرتے ہیں اگر ان جراثیم کو آگ میں بھی ڈال دیا جائے تو نہیں مرتے وہ مرتا ہی صرف اور صرف مٹی سے ہے وہ خطرناک جراثیم ہے جس سے کینسر کی مرض واقع ہوتی ہے۔ حالانکہ یہی بات ہمارے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو سال قبل فرما گئے تھے۔

تو دوستو! اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہر حکم میں حکمت ہوتی ہے۔ وہ اپنی مخلوق سے بھلائی فرماتے ہیں۔ ورنہ اللہ میاں کو اس سے کیا نفع یا نقصان ہو سکتا تھا کہ کسی جانور کو حلال فرما دیا اور کسی کو حرام اللہ تبارک تعالیٰ تو نفع نقصان سے پاک ہے اور اس کی صفت ہے (اللہ الصمد) وہ بے نیاز (بزادعار) ہے۔ لہذا ہمارا لکھا طبقہ جو یورپی تہذیب سے بہت متاثر ہے ان پر بھی یہ بات واضح ہونی چاہیئے کہ تہذیب یورپ کے لبھلے پھر کہاں کہ پھر اسلام کی طرف آنا ہو گا۔ کیونکہ حیات جاوداں کا تریاق کسی تہذیب، کسی مذہب میں میسر ہو سکے گا صرف اور صرف اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ اقوام عالم اگر اپنا وجود باقی رکھنا ہے تو انہیں پرچم اسلام کے نیچے آنا پڑے گا۔

مولانا محمد اسحٰق سندیلوی مدظلہٗ

شبِ براءت پر ہونیوالی بدعات

اہلِ علم کے لئے لمحۂ فکریہ

رجب کا مہینہ شروع ہوا کہ آتشبازی کی بن آئی اور آتشبازی کا بازار گرم ہو گیا۔ محلہ والوں کی نیند حرام ہو جائے یا کسی کے ہاں آگ لگ جائے۔ آگ سے کھیلنے والوں کو اس سے کیا واسطہ؟ ان کو تو تفریح سے غرض ہے خواہ اس کا انجام کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ ادھر شعبان آیا، ادھر یہ جنون شباب پر پہنچا۔ راہگیروں کو راستہ چلنا مشکل، گھر میں سونا دشوار، حادثے ہو رہے ہیں، پرواہ نہیں۔ کسی کی جان پر بن گئی کسی کے مال کا نقصان ہوا اور قومی دولت کا خاصہ بڑا حصہ الگ نذرِ آتش ہو گیا مگر کیا مجال کہ کوئی "شبرات" آتشبازی کے بغیر گذر جائے اور کوئی سال گھر پھونک تماشا دیکھنے سے خالی رہ جائے۔

یہ ہیں ہمارے نونہالانِ وطن کے مشاغل۔ چھوٹے تو چھوٹے بڑے میاں سبحان اللہ! حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بڑوں کو اس لئے بڑا بنایا کہ وہ چھوٹوں کی رہنمائی کریں اور انہیں اس قسم کے مضرت رساں مشاغل سے روکیں افسوس ہے کہ وہ بھی اس سلسلہ میں نہ صرف غافل بلکہ چھوٹوں کے معاون ہو جاتے ہیں۔

شرعی نقطۂ نظر سے آتشبازی کا یہ مشغلہ "اسراف" میں داخل اور ناجائز ہے۔ نابالغ بچے تو مکلف ہیں مگر ان کے لئے آتش بازی مہیا کرنے والے اس کے سرپرست اور بزرگ گنہگار ضرور ہوتے ہیں۔ ایک گناہ اسراف کا اور دوسرا بچوں کی غلط تربیت کا۔ ان دونوں گناہوں کے ساتھ ساتھ دنیا میں اس صرفِ بے جا کی وجہ سے جو جان و مال کا خسارہ ہوتا ہے وہ الگ ہے۔

مسلمانوں میں یہ رواج ہندوؤں کی صحبت کی یادگار ہے وہ لوگ دیوالی میں آتشبازی چھوڑتے ہیں اور ان کی دیکھا دیکھی اول جاہل مسلمانوں میں رواج ہوا۔ رفتہ رفتہ پڑھے لکھے بھی اس میں مبتلا ہو گئے جس سے معلوم ہوا کہ اس کام میں ایک تیسرا گناہ بھی ہے یعنی مشرکین سے "تشبہ" کا گناہ۔ شاید ہندوؤں ہی سے یہ خیال بھی مسلمانوں تک پہنچا ہے کہ ۱۴؍ شعبان کو روحیں عالمِ ارواح سے اپنے اعزا و اقارب کو دیکھنے آتی ہیں۔ شرعاً یہ خیال بالکل غلط ہے کبھی سے

شرعی نقطۂ نظر سے آتشبازی کا یہ مشغلہ "اسراف" میں داخل اور ناجائز ہے

بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ ایسے مہمل خیال کو اپنے دل سے فوراً دُور کر دینا چاہئے۔

مضمون پھیکا رہ جائے گا اگر حلوے کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ بہت سے لوگ شبرات میں حلوہ بنانا شرعاً لازم سمجھتے ہیں یہ اعتقاد بالکل بے بنیاد ہے اور اس خیال سے حلوہ بنانا "بدعت" ہے —— بدعت کی تلخی اس کی شیرینی کو زائل کر دیتی ہے نفس اس سے لذت اندوز ہوتا ہے مگر رُوح کو اس سے سلی ہوتی ہے۔ اس مادی دنیا سے باہر نکلنے کے بعد اس کی تلخی کا احساس ہوگا اور بہت شدید ہوگا جسے برداشت کرنے کی طاقت کسی میں نہیں ہے۔

یہ خیال بھی مسلمانوں تک پہنچا ہے کہ ۱۴ شعبان کو رُوحیں عالم اَرواح سے اپنے اعزاء واقارب کو دیکھنے آتی ہیں!

حلوہ تیار ہوا خاندان کے اقرباء میں سے جن کا انتقال ہو چکا ہے یا وہ بزرگان دین جو دنیا سے جا چکے ہیں ان کی فاتحہ کے لئے نام بنام الگ الگ تشتریوں میں حلوہ لگا کر سامنے رکھا گیا پھر اس پر فاتحہ ہوئی۔ اس کے لئے بھی آیتیں اور سورتیں مخصوص ہیں۔ پھر وہ تقسیم کر دیا گیا۔

ایصال ثواب بہت اچھی چیز ہے مگر ثواب عبادت کا پہنچایا جاتا ہے اور عبادت کا طریقہ ہم اپنی عقل سے نہیں مقرر کر سکتے۔ فاتحہ جو ایصال ثواب ہی کا دوسرا نام ہے کسی خاص دن تاریخ یا مہینہ کا پابند نہیں۔ شرعاً یہ ہر وقت اور ہر تاریخ کو کیا جا سکتا ہے۔ شرع شریف نے جس کام کے بارے میں آزادی دی ہے اسے چودہ شعبان یا اور کسی دن، تاریخ کی پابندی عائد کر دینا شریعت میں ترمیم اور گویا اسے لقمہ دینے کے مترادف ہے۔ یہ کسی شخص کے لئے بھی جائز نہیں خواہ وہ عالم ہو یا فاضل۔ پھر حلوہ یا کھانا سامنے رکھ کر اور مخصوص سورتیں پڑھ کر فاتحہ دینا یہ طریقہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہؓ میں سے کسی سے ثابت نہیں یہ تمہاری ایجاد ہے جو کسی شرعی دلیل پر مبنی نہیں ہوتی۔ ایسی ہی چیز کا نام شرعی اصطلاح میں "بدعت" ہے اور بدعت کے متعلق فرمانِ نبویؐ ہے کہ: "ہر بدعت گمراہی ہے۔" اس لئے اس سے احتراز واجب ہے۔ ایصال ثواب کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ کسی بھی ماہ تاریخ اور وقت کی قید کے بغیر جب توفیق ہو تو کھانا یا نقد یا اور کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور ثواب آخرت کی نیت سے کسی مستحق کو دے دے اور دل میں یہ نیت کرے کہ "یا اللہ! میں نے جو صدقہ کیا ہے اس کا ثواب فلاں شخص کو عطا کر دیجئے۔" اگر قرآن مجید پڑھ کر یا ذکر کر کے ثواب پہنچانا چاہے تو اس کے بعد بھی اسی طرح اس کے لئے نیت کرے اگر زبان سے بھی اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرلے تو [illegible]

یہ طریقہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہؓ میں سے کسی سے ثابت نہیں یہ تمہاری ایجاد ہے!

حرج نہیں۔ نہ اس میں شبرات کی قید ہے نہ حلوے کی!

مستورات کے لئے قبرستان میں جانا شرعاً ممنوع ہے

ایک اور رواج کا تذکرہ بھی ضروری ہے یہ سخت فتنہ کا سبب بن رہا ہے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ پندرہ کی شب کو "زیارتِ قبور" مستحب ہے۔ اس مستحب پر عمل اسطرح ہوتا ہے کہ قبرستان میں میلے لگتے ہیں چراغاں کیا جاتا ہے اور مردوں و عورتوں کا جمِ غفیر پوری رات ان قبرستانوں میں گشت کرتا ہے۔ اس رسم کے ناجائز ہونے کے علاوہ اس سے جو فتنہ پیدا ہوتا ہے اس کی تصریح کے خیال سے بھی قلم کا سر فرطِ حیا سے جھک جاتا ہے۔ شرعاً مستورات کے لئے تو قبرستان جانا بالکل ممنوع ہے، مردوں کے لئے بھی اسی وقت مستحب ہے جب مُردوں کی آرام گاہ دیکھ کر عبرت و نصیحت حاصل ہو۔ اپنی موت یاد آئے اور غفلت سے باز آئے ورنہ اس کے لئے بھی کوئی استحباب نہیں ہے۔ قبرستان میں میلہ اور چراغاں کرنا خود بھی ناجائز ہے اور اس میں شرکت کرنا بھی ممنوع ہے۔

افسوس ہے کہ ان رسوم نے ہمیں اصل کام سے غافل کر دیا ہے۔ "شبرات" درحقیقت "شبِ برأت" کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ اس رات کو شبِ برأت اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کی شانِ مغفرت و رحمت کا ایک خاص ظہور ہوتا ہے اور بہت سے گناہگاروں کی مغفرت فرمائی جاتی ہے۔ اس شب میں مستحب یہ ہے کہ بہت عاجزی کے ساتھ اپنے اور اپنے ان تعلق رکھنے والے لوگوں کے لئے جن کا انتقال ہوچکا ہے دُعاءِ مغفرت کی جائے اور بار بار کی جائے۔ نوافل یا تلاوتِ قرآن یا اذکارِ مسنونہ بھی استغفار میں معاون ہوتے ہیں اور ان سے قلب میں وہ انابت پیدا ہوتی ہے جو حق تعالیٰ کی مغفرت کو اپنی طرف متوجہ کرلیتی ہے۔ ان میں مشغولیت بھی اچھی بات ہے۔ پندرہ شعبان کے روزے کے متعلق حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر فضائلِ اعمال کے بیان کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس لئے نفل روزہ رکھنا انشاء اللہ موجبِ اجر و ثواب ہوگا۔

ہاں! یہ عرض کرنا بھول گیا کہ حلوے کے جواز کی توجیہہ بیان کی جاتی ہے کہ اس تاریخ کو سالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا دندانِ مبارک شہید ہوگیا تھا جس کی وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حلوہ بنایا گیا تھا۔ یہ اسی سنت کی ادائیگی اور اس حادثہ کی یادگار ہے۔

یہ قصہ بالکل بے اصل ہے۔ دندان مبارک غزوۂ اُحد میں شہید ہوا تھا جو شعبان میں نہیں بلکہ شوال میں پیش آیا تھا ——— قوم کے پڑھے لکھے اور سمجھدار افراد پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ناواقفوں کو ان باتوں سے مطلع کریں اور خلافِ شریعت رسم و رواج کو مٹانے کی کوشش کریں۔ جبر تو کسی پر نہیں ہوسکتا مگر شرعی حکم پہنچا دینا اور کم از کم ایک مرتبہ سمجھا دینا لازم ہے۔ اگر پڑھے لکھے ان بدعات کو ترک کر دیں تو انشاء اللہ جہلا کے یہاں سے یہ رسمیں خود بخود اٹھ جائیں گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

— طاہر رشیدی

اسلام اور تہذیبِ یورپ

الحمد للہ و کفیٰ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ۔

اسلام ایک ایسا عظیم مذہب ہے جو مذاہب عالم میں منفرد حیثیت رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یورپ کے مادہ پرست عوام اپنی تہذیب کا زہریلا پتھر چاٹ کر اسلام کی مٹھاس ڈھونڈنے نکلی ہے۔ یورپ کے بازاروں، افریقہ کے صحراؤں سے ہوتی ہوئی اسلام کے ساحل تک آن پہنچی ہے۔ اسلام سقراط کا وہ پیالہ نہیں کہ پھر میسر نہ آسکے۔ اور حیاتِ جاوداں کا تریاق اسی پیالہ میں ہے۔ مگر بعض اوقات قوموں کا اپنا چلن ان کے راستے کی دیوار بن جاتا ہے۔ پھر اِس دیوار کو عبور کرنا ان کے بس کا روگ نہیں ہوتا۔

آج یورپ کی عوام کو اس بات کا اعتراف کرنا پڑ رہا ہے۔ کہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس میں سکون و طمانیت میسر ہو سکتی ہے۔ مگر افسوس کہ ہماری مسلمان قوم اِن کی تہذیب پر فخر کرتی ہے۔

ایک یورپین خاتون کا بیان: نشر ہوا جس میں اس نے کہا کہ جس تہذیب کو ہم تھوک چکے ہیں۔ مسلمان آخر کیوں اُسے چاٹ رہا ہے؟ نیز اس نے کہا کہ پاکستان کی خواتین آخر کس قسم کی آزادی چاہتی ہیں؟ اگر ہماری طرح ہی کی آزادی کی خواہاں ہیں تو ہم اس تہذیب کو بہت پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ کیونکہ۔

ع ہم باز آئے زندگی کے اس کاروبار سے

اِس نے کہا کہ ہم تہذیب یورپ کے اس ساحل سے ہوکر آئے ہیں جہاں شرم و حیاء کا نشان تک نہیں ہوتا۔ جہاں ضمیر کو تھپک کر سلا دیا جاتا ہے۔ جہاں لباس کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ جہاں تہذیبوں کی انتہا ہو جاتی ہے ننگے جسم ساحلِ سمندر پہ گھومتے پھرتے، جیسے ہم ایجو اسے سمجھ کر غیر مردوں کے ساتھ یہ تمام کھیل کھیلتیں لذت و سرور کی حقیقی مٹھاس تو مل نہ سکی لیکن اس کی کڑواہٹ آج بھی محسوس ہوتی ہے۔

یورپ کی میڈیکل لیبارٹری: نے اپنے عوام سے اپیل کی ہے کہ اسی طرح صفائی کا خیال رکھا کرو جس طرح مسلمان رکھتا ہے اور حالتِ حیض میں عورت سے پرہیز کرو،

انہوں نے لکھا گو تم نے گولی اور انجکشن وغیرہ سے حیض کا خون روک لیا اور اپنی خواہش پوری کرلی، لیکن عورت ایام پورے ہونے تک صاف نہیں ہوتی اس کے اندر ایسے جراثیم موجود ہوتے ہیں جو حقیقت میں کینسر جیسی موذی مرض کا سبب بنتے ہیں۔ اور یہ پیشہ ور عورت سے خاص کرکے ہیں، کیونکہ وہ کینسر کی اصل بنیاد ہے۔ جو اس کے قریب گیا وہ اس مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یورپ میں کینسر سے مرنے والوں کی تعداد مسلمانوں کے مقابل بہت زیادہ ہوتی ہے کیونکہ مسلمان اپنے قرآن کے حکم پر عمل کرتے ہوئے حالت حیض میں عورت کے قریب نہیں ہوتے۔ اس لئے ایسے امراض سے محفوظ رہتے ہیں۔

یورپ کی عوام الرجیک کی مرض میں کیوں مبتلا ہوتی ہے؟

ایک نئی ریسرچ کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں۔ کہ اس مرض کے پس پردہ دو چیزیں ایسی ہیں جو ان امراض کا سبب بن رہی ہیں۔

(۱) خنزیر (سؤر) کا گوشت (۲) جسمانی ناپاکیزگی

انہوں نے لکھا ہے کہ خنزیر کے گوشت میں ایسے جراثیم پائے جاتے ہیں جو درج ذیل امراض کا سبب بنتے ہیں۔

۱۔ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے جس غیرت رکھی ہے خنزیر کے گوشت کھانے سے ختم ہو جاتی ہے۔

۲۔ ان جراثیم کی بدولت الرجیک ہوتی ہے جس کی وجہ سے جسم پر بدنما داغ پڑ جاتے ہیں۔

۳۔ یہ جراثیم ٹانگوں پر زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔

اور انہوں نے لکھا کہ ہمارے مقابل مسلمان روزانہ صبح شام غسل کرتا ہے، روزانہ پانچ وقت وضو کرتا ہے۔ رفع حاجت کے بعد باقاعدہ استنجا کرتا ہے۔ اور خنزیر کا گوشت نہیں کھاتا۔ مگر ہماری قوم دو دو ماہ تک غسل نہیں کرتے اور صبح بیدار ہوئے تو زیادہ سے زیادہ تولیہ بھگو کر چہرے پر لگا لیتی ہیں اور استنجا نہیں کرتے، ٹشو مل گیا تو استعمال کر لیا ورنہ ایسے ہی پینٹ چڑھا لی۔ پیشاب کے قطرے پینٹ پر گرتے رہے۔ اس گندگی کی وجہ سے الرجیک کے مریض ہو جاتے ہیں۔

یاد رہے کہ یورپ میں پورا سال سردی رہتی ہے اس لئے بھی بیچارے غسل نہیں کرسکتے۔ ماہ دو ماہ کے بعد ٹب میں پانی بھرا اسی میں پوڈر ڈال کر بیٹھ گئے اور اسی میں پیشاب بھی کرتے رہے اور نہلاتے بھی رہے دوسرا پانی استعمال کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ رفع حاجت کے بعد استنجا تو کرتے ہی نہیں۔ غرض کرچکا ہوں کہ اگر ٹشو مل گیا تو غنیمت ورنہ کوئی بات نہیں اور پینٹ کے اندر پیشاب کے قطرے اور گندگی کی تہیں جم چکی ہوتی ہیں۔ پھر اپنی غلاظت کو چھپانے کے لئے پرفیوم استعمال کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سے بھی جلد خراب ہوتی ہے۔ کیونکہ پرفیوم میں سپرٹ وغیرہ ہوتی ہے۔

مزے کا لطیفہ اور بھی ہے۔ (جو عقل والی قوم کہلاتی ہے) حمام میں باقاعدہ ایک کتابوں کی الماری بھی رکھی ہوتی ہے۔ صاحب بہادر چیز یا تھ پر بیٹھ کر پیشاب بھی فرماتے رہے اور کتابیں، اخبار وغیرہ کا مطالعہ بھی ہوتا رہا اور

اور جب کبھی پانی میسر نہ ہو تو تھوک سے بھی آنکھیں صاف کر لیتے ہیں۔ یہ ہے نئی اور مہذبانہ تہذیب جس سے ہمارا مسلمان بھی بہت متاثر ہے۔ ارے۔

ع پھینک دو گلی میں نئی تہذیب کے انڈے گندے

کتا نجس لعین جانور ہے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کتا اگر کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اس برتن کو سات بار دھو ڈالو ایک بار مٹی سے۔ مگر یورپ کی دنیا (عوام) کو انسانوں سے زیادہ کتوں سے پیار ہے۔ کتوں کو ساتھ کھلاتے ہیں، ساتھ پلاتے ہیں۔ ساتھ سلاتے ہیں، ساتھ گاڑی میں سیر کراتے ہیں، اس کو بوسے دیتے ہیں، کتوں پر ظلم کے خلاف احتجاجاً بھوک ہڑتال بھی کرتے ہیں، مگر کالے رنگ کے انسان کا وجود بھی اپنے ملک میں برداشت نہیں کر سکتے، اکثر آپ اخباروں میں پڑھتے ہوں گے۔ کہ "کالے اور گورے" کی لڑائی میں ہزاروں انسان موت کا شکار ہوئے، اور لوگوں (دنیا) کو یہ باور کراتے ہیں کہ دیکھو جی مسلمان کتنا ظالم ہے مرغی کو چھری سے ذبح کرتا ہے۔ اسے چھری دکھا کر عذاب دیتا ہے۔ ہم تو خاموشی سے مشین سے ذبح کرتے ہیں۔ اور یورپ میں انسانیت کے حقوق پر لائبریریاں بھری پڑی ہیں۔ مگر اتنے مہلک اور خطرناک ہتھیار آخر کس لئے بنائے جا رہے ہیں۔ ایٹمی اور جوہری توانائی سے بم بنائے جا رہے ہیں۔ کیا انسانیت کی تباہی کا سامان نہیں؟

ہر سال کھربوں ڈالر خلائی پروگرام پر خرچ ہوتے ہیں مگر بھوک و افلاس سے انسانیت ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر رہی ہے۔ ایک دوائی ایجاد کر کے دس سال لوگوں کو کھلاتے ہیں۔ دس سال کے بعد کہتے ہیں۔ اب یہ مت کھاؤ اس سے کینسر ہوتا ہے۔ جیسے (نوولجین) (NOWLGEEN) دس سال تک لوگوں کو کھلایا دس سال کے بعد تحقیق میں یہ بات آئی کہ اس سے کینسر ہوتا ہے لہٰذا بند کر دیا جائے اور صدیوں سے لوگوں کو سگریٹ نوشی کرا رہے ہیں، کچھ عرصے کے بعد تحقیق ہوئی کہ اس سے سرطان کی مرض لاحق ہوتی ہے لہٰذا اس کے مضرات کو کم کرنے کے لئے اس پر فلٹر لگا دیا گیا لیکن اب نئی تحقیق میں یہ بات آئی ہے کہ فلٹر والی سگریٹ بغیر فلٹر والی سگریٹ سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ کیونکہ فلٹر کی وجہ سے آدمی کو زور سے کش لگانا پڑتا ہے۔ ورنہ زمانہ قدیم کے ضعیف العمر لوگ حقہ وغیرہ پیتے تھے اور حقے کا دھواں پانی سے کراس کر کے آتا ہے وہ سگریٹ کی نسبت کم نقصان دہ ہوتا ہے۔ مگر انہوں نے سگریٹ پر فیشن کا لیبل لگا کر نوعمر لڑکوں اور جوانوں حتیٰ کہ لڑکیوں کو اس جہنم میں جھونک دیا۔ سننے میں آیا ہے کہ جب (انگریز کے دور حکومت میں) ریڈ لیمپ سگریٹ ایجاد ہوئی تو کوئی خریدنے کو تیار نہ ہوتا تھا تو انہوں نے کچھ عرصہ مفت تقسیم کئے۔ گاڑیوں اور ریلوں میں ڈبے کے ڈبے پھینک دیتے اور پھر ہر کوئی پیتا مفت کی چیز کون چھوڑتا ہے؟ مگر آج کا مسلمان نوجوان انگریز ابلیس کی تہذیب وتمدن سے بہت متاثر ہے حالانکہ یہ انسانیت کے دشمن جانوروں اور کتوں سے تو پیار کرتے ہیں مگر انسان کے کبھی خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ اب یورپ کی تحقیق میں بھی یہ بات واضح ہے کہ کتے کے منہ سے ایسے زہریلے جراثیم

از: مفتی محمد اشرف عاطف صاحب

نیکیوں کے لئے موسم بہار

رمضان المبارک کا مہینہ اپنے جلو میں لازوال رحمتیں اور بے شمار برکتیں لئے جلوہ گر ہو رہا ہے ــــــــ
یہ مہینہ مسلمانان عالم کے لئے اُمیدوں اور مُرادوں کے بر آنے کا مہینہ ہے۔ اس مہینے میں لیلۃ القدر جیسی مبارک و باسعادت رات آتی ہے جو ہزار مہینے کی راتوں سے افضل و بہتر ہے ــــــــ ہاں یہی وہ مہینہ ہے جس میں خدائے بزرگ و برتر نے کتاب مقدس اتاری۔ جو حق و باطل، خیر و شر، ھدایت و گمراہی میں تمیز و قوت پیدا کرنے والی روشن کتاب ہے۔ جس کا ایک ایک جملہ ہدایت و رہنمائی کا منبع و سرچشمہ ہے۔

جی ہاں! اسی باعظمت مہینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر کی طاغوتی طاقتوں پر غلبہ حاصل کیا اور مکہ کی فتح مبین سے فائز المرام ہوئے ــــــــ یہی تو وہ مبارک مہینہ ہے جو نیکیوں کے لئے موسم بہار کا درجہ رکھتا ہے اور پوری فضا کو نیکی اور پرہیزگاری سے بھر دیتا ہے۔ پوری قوم میں گویا نیکی کی کھیتی سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے اور روحانی و رحمانی آب و ہوا خیر کے کاموں کو اسقدر بھاتی ہے کہ ایک تخم نیکی، لاکھوں نیکیاں لیکر بار آور ہوتا ہے اور ایسا قیمتی پھل ــــــــ کہ نفلی عبادت فرضوں کا مول پاتی ہے۔ یعنی جو شخص اس مہینہ میں کسی نیکی کے ساتھ اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے تو وہ ایسا ہے جیسے غیر رمضان میں فرض ادا کیا ہو۔ اور جو شخص اس مہینہ میں فرض ادا کرے ایسا ہے جیسے غیر رمضان میں ستر فرض ادا کئے ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ رمضان المبارک کی فضیلت کیا ہے تو میری امت یہ تمنا کرتی کہ سارا سال ہی رمضان ہوتا۔ گو سال بھر کے روزے رکھنا ایک مشکل کام ہے لیکن ثواب کی کثرت کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے باعث لوگ اس کی ضرور تمنا کرتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ چار چیزوں کی اس ماہ میں کثرت رکھا کرو:
پہلی دو چیزیں ایسی ہیں کہ جن سے تم اپنے رب کو راضی کر سکتے ہو۔ اور وہ کلمہ طیبہ کا ورد اور استغفار کی کثرت۔
اور دوسری دو چیزیں یہ ہیں کہ جنت کو طلب کرو اور جہنم سے پناہ مانگو۔

ایک اور جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اولہ رحمۃٌ واوسطہ مغفرۃٌ وآخرہ عتقٌ من النار

یعنی اس ماہ کا اوّل حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آگ سے نجات و چھٹکارا پانے کا ــــــــ تو کیوں نہ اس مہینہ میں انسانیت کے لئے مہلک ترین مرض ــــــــ یعنی گناہ سے خدا کی

مغفرت پاشی کے ذریعے نجات حاصل کی جائے اور اگر غور کیا جائے تو یہ مبارک و باسعادت مہینہ معاشی ناہمواری کو دور کرنے اور اخوت و مساوات کا جذبہ پیدا کرنے کا درس دیتا ہے ۔ فرد کے بنیادی معاشی حقوق کا احترام اور معاشی زندگی میں توازن کا سبق دیتا ہے ۔ اور بخل، اکتناز و احتکار کہ جن سے گردشِ دولت میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور معاشی توازن بگڑ جاتا ہے ایسے مہلک ترین امراض سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔

اور انفاق بالعفو کے طریق پر خرچ کی ترغیب دیتا ہے تاکہ معاشرے میں طبقات کی بجائے کسی قدر موزونیت و یکسانیت اور حسنِ توازن پیدا ہو۔

اسی طرح جو لوگ بھوک و فاقہ کشی سے ناآشنا ہوتے ہیں ان کو اسی ماہ غریب کی غربت و بھوک کا احساس ہوتا ہے اور ان کے دل میں اخوت و ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

اور ہاں! یہی تو وہ مہینہ ہے جس میں انسان کو ذاتِ اقدس سے مشابہت حاصل ہوتی ہے اور اسی وجہ سے رحمتِ خداوندی اسکو محض کھانے پینے والے حیوان سے نکال کر حقیقی انسان بناتی ہے ـــــــ وہ انسان کہ جس کی قوتِ حیوانیت و بہیمیت اس کی روحانی و ملکوتی قوت کے تابع ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں رمضان کی رحمتوں اور برکتوں سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

بقیہ : فیصلہ

لاہور صفحہ ۲۰۹ میں قابل ضمانت جرم کے ارتکاب پر بھی ضمانت کی رعایت نہ دینا مبنی بر انصاف اس بناء پر قرار دیا ہے کہ امنِ عامہ میں خلل اندازی اقدام قتل سے زیادہ سنگین ہے۔

الفتنۃ اشد من القتل لہٰذا واقعات مقدمہ کو متاثر کئے بغیر میں سائلان کو ضمانت کی رعایت دینے کے حق میں نہیں ہوں۔ ہر سہ درخواست ہائے ضمانت بدیں وجہ مسترد کی جاتی ہیں۔

تفتیشی عملہ کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ حتمی طور پر سائلان کے خلاف چالان علاقہ مجسٹریٹ کی عدالت میں اندر میعاد چودہ یوم پیش کرے اور عدالت ماتحت دیگر مقدمات پر ان کیسوں کو فوقیت دیتے ہوئے ان کی روز بروز سماعت کرے اس حکم کی نقل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سرگودھا کو بطور اطلاع مرسل ہوے جو ہدایت بالا پر عملدرآمد کو یقینی بنائے کیونکہ یہ معاملہ نہایت حساس نوعیت کا ہے۔

سنایا گیا
۲۰/۳/۱۹۸۶ء

دستخط
ایڈیشنل سیشن جج سرگودھا
مہر عدالت

فیصلۂ عدالت

بعدالت جناب ضیاء الرحمٰن صاحب ایڈیشنل سیشن جج سرگودھا

۱۔ شیخ نعیم الدین وغیرہ بنام سرکار
رپورٹ ابتدائی نمبر ۹۳/۱۹۸۶ء زیر دفعہ ۲۹۸ تعزیراتِ پاکستان تھانہ شہر سرگودھا
۲۔ نصیر احمد بنام سرکار
رپورٹ ابتدائی نمبر ۱۴۲/۱۹۸۶ء زیر دفعہ ۲۹۸ تعزیرات پاکستان تھانہ شہر سرگودھا
۳۔ اویس احمد جنجوعہ بنام سرکار۔
رپورٹ ابتدائی ۱۴۳/۱۹۸۶ء زیر دفعہ ۲۹۸ تعزیرات پاکستان تھانہ شہر سرگودھا

درخواست ضمانت

فیصلہ سائلان: شیخ نعیم الدین، شیخ جنود احمد، حافظ محمد امجد، محمد نصر اللہ، بشیر احمد، محمد حسن عارف، رفیق قمر نصیر احمد اور اویس احمد جنجوعہ کو پولیس تھانہ شہر چھاؤنی سرگودھا نے مندرجہ بالا کیس میں زیر دفعہ ۲۹۸ تعزیرات پاکستان گرفتار کیا۔ انہوں نے درخواست ضمانت گذاری ہے۔

رپورٹ ابتدائی کے مطابق سائلان کے خلاف یہ الزام ہے کہ ان کا قادیانی فرقہ سے تعلق ہے جبکہ وہ کلمہ طیبہ کا بیج اپنے سینہ پر لگائے ہوئے تھے اپنے اسی اقدام سے وہ خود کو مسلمان ظاہر کرتے تھے۔ اس طرح انہوں نے ملکی قانون کی خلاف ورزی کی ہے۔ ان کا موقف ہے کہ کلمہ کا بیج لگانا قانون میں ممنوع نہیں ہے اس لئے سائلان کے خلاف کوئی جرم نہ بنتا ہے۔

سائلان نے مزید موقف یہ پیش کیا کہ ملکی آئین کے تحت وہ اپنے عقیدہ کے مطابق اپنے مذہب کی تبلیغ و ترقی کرنے میں آزاد ہیں جس پر کسی قسم کی قدغن عائد نہ کی جاسکتی ہے۔

یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ سائلان کا تعلق قادیانی فرقہ سے ہے جو خود کو احمدی کہلاتے ہیں ان کے مذہب اور عقائد کو یہاں زیر بحث لانا مقصود نہیں کیونکہ وہ متنازعہ فیہ ہیں۔ ان کے بنیادی عقائد کی رُو سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی آخر الزماں ہونے پر ان کا ایمان نہ ہے۔ اس کے باوجود وہ خود کو مسلمان گردانتے ہیں۔

تاہم بم کی طرح یہ خطرناک صورت حال ملک میں مختلف اوقات میں مذہبی ہنگامہ آرائی پر منتج ہوئی۔ احمدیوں کی مذہبی

حیثیت کا تعین پہلی مرتبہ آئینی ترمیم ایکٹ ۴۹ / ۱۹۷۴ء کی رُو سے آرٹیکل ۲۶۰ میں کلاز (۳) ایزاد کر کے کیا گیا جس کی رو سے قرار دیا گیا کہ ایسا شخص جو خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قطعی اور غیر مشروط ختم نبوت کا عقیدہ نہیں رکھتا یا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی مفہوم یا لفظ میں نبی ہونے کا دعویٰ کرے یا جو کسی بھی ایسے مدعی کو نبی یا مذہبی مصلح مانے وہ آئین اور قانون کی رُو سے مسلم نہیں ہے ۔ باوجودیکہ احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا ہے لیکن متواتر وہ تمام شعائر جو کہ اسلام اور متبرک شخصیات سے موسوم ہیں ان کو استعمال کرتے ہیں جس پر اس ملک کی مسلم آبادی معترض ہے کہ ہمارے مذہبی جذبات مجروح ہو رہے ہیں ۔ آرڈیننس ۱۹۸۴ء کے ذریعہ تعزیرات پاکستان میں دفعات ۲۹۸ ب اور ۲۹۸ سی ایزاد کر دی گئی ہیں ۔ دفعہ ۲۹۸ سی اسطرح ہے کہ قادیانی گروپ یا لاہوری گروہ (جو خود کو احمدی یا کسی بھی دوسرے نام سے موسوم کرتے ہیں) میں سے جو شخص اپنے آپ کو براہِ راست یا بالواسطہ مسلمان ظاہر کرے گا یا اپنے عقیدہ کو اسلام کے نام سے ذکر کرے گا یا پکارے گا یا اس عقیدہ کی تبلیغ و تشہیر کرے گا یا دوسروں کو اپنے عقیدہ قبول کرنے کی دعوت دے گا یا خواہ زبانی یا تحریری کلمات سے یا مخصوص تعبیرات یا کسی بھی طریقے سے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کی بے حرمتی کرتا ہے وہ کسی بھی قسم کی قید جو تین سال تک ہو سکتی ہے کی سزا پائے گا ۔ اور جرمانہ کا بھی مستحق ٹھہرے گا ۔

اس آرڈیننس ۲۰ / ۱۹۸۴ء جس کی رو سے احمدیوں کو غیر اسلامی اقدامات میں ملوث ہونے سے ممنوع قرار دیئے جانے کو وفاقی شرعی عدالت میں دو مرتبہ چیلنج کیا گیا اور دونوں مرتبہ انہیں ناکامی ہوئی ۔ یہ فیصلہ جات پی ایل ڈی ۱۹۸۴ء نیز شریعت کورٹ صفحہ ۱۳۶ اور پی ایل ڈی ۱۹۸۵ء فیڈرل شریعت کورٹ صفحہ نمبر ۸ میں شائع شدہ ہیں ۔

۱۹۷۳ء کے آئین کے آرٹیکل ۲۰ کی رُو سے جو بنیادی حقوق پاکستان کے تمام شہریوں کو حاصل ہیں کہ وہ جو چاہیں اپنا مذہب اختیار کریں یا اس کی تبلیغ و ترویج کریں لیکن یہ حق ملکی قانون امن عامہ اور اخلاقیات کے تابع ہے صاف ظاہر ہے کہ آئین کی مذکورہ دفعات کے باوجود سائلان خود کو مسلمان ظاہر کرنے اور اسلام کو اپنا مذہب کہنے پر مصر ہیں ۔ وہ اپنے ظاہری اطوار سے خود کو بطور مسلمان پیش کرتے ہیں ۔ اس حقیقت سے مفر ممکن نہیں کہ مسلمانوں کا یہ غیر متزلزل ایمان ہے جس کی رو سے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قطعی غیر مشروط اور آخری نبی مانتے ہیں جو ان کے مذہب کی بنیادی اساس ہے شریعتِ اسلامیہ کسی غیر مسلم کو اس کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنے سینہ پر کلمہ طیبہ کو آویزاں کرے جو شعائر اسلام ہے ۔ بظاہر ایک غیر مسلم کے لئے کلمہ طیبہ کا بیج لگانا ضرر رساں معلوم نہیں ہوتا بلکہ اس کے مشاہدہ سے روحانی مسرت محسوس ہوتی ہے لیکن ایسا اقدام جو منافقت اور بدنیتی پر مبنی ہو جس کا مقصد مسلم اُمّہ کو دھوکا دینا ہو تو اس کا سنجیدگی سے نوٹس لیا جانا ضروری ہے ۔ میں فاضل وکیل سائلان کے موقف سے اتفاق کرتا ہوں کہ اگر جرم قانون کا منوعہ کلاز کے احاطہ میں نہ آتا ہو تو محض سزا دینے کی خاطر ضمانت نہ لینا مناسب نہیں بلکہ موجودہ کیس اس نوعیت کا نہیں ہے کہ ضمانت کی رعایت بطور اصول کلیہ کے دی جائے جبکہ سائلان ملکی قانون کا صریح خلاف ورزی کے ارتکاب پر مصر ہوں ۔ ہر وہ جرم جو شرارتاً بدنیتی پر مبنی ہو اور جس سے مسلمانوں کے مذہبی جذبات مجروح ہوتے ہوں ان کو بروقت روکنا ضروری ہے تاکہ ایسا ذہن رکھنے والے دیگر لوگ اس کا اعادہ نہ کریں ۔ عدالتِ عالیہ کے جج نے پی ایل ڈی ۱۹۶۹ء

کتاب الرائے

تاثرات

مجھ کو جامعہ ہذا میں حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ صاحب رشیدیؒ کی حیات میں ان کی دعوت پر اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ حاضری کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔ افسوس کہ اسوقت کی حاضری میں اُن کی زیارت سے محرومی رہی۔ مجھے یقین ہے کہ دار العلوم دیوبند! جماعت دیوبند! مسلکِ دیوبند اور اکابر دیوبند کی خدمات کا جس شاندار طریقے سے انہوں نے برصغیر میں تعارف کرایا ہے اس سے یقیناً ان پاکیزہ نفوس کی ارواح نے عالمِ بالا میں مرحوم کا شاندار استقبال کیا ہوگا۔

میں اس ادارہ کے ذمہ داران سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ حسبِ دستور وہ جامعہ کو انہی نقوش پر گامزن رکھیں گے جواب تک اس کا طرّۂ امتیاز رہا ہے۔

دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو ہر قسم کے شر اور فتن سے محفوظ رکھے اور ہر نوع کی ترقیات سے نوازے۔ آمین۔

میں بحیثیت صدر "کل ہند مؤتمر فضلاء و ابنائے قدیم دار العلوم دیوبند" کے پوری جماعت دیوبند کیطرف سے اس ادارہ کی خدمات کو خوش آمدید کہتا ہوں اور شکریہ ادا کرتا ہوں۔

؎ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

میری حاضری اسوقت ختم بخاری شریف کے موقع پر ہوئی۔ میں برادرانِ اسلام سے خصوصیت کیساتھ گذارش کرتا ہوں کہ وہ اس ادارہ کی جملہ ضروریات کی کفالت فرما کر اپنی آخرت کے لئے راحت کا سامان مہیا فرمائیں۔ وما علینا الا البلاغ

رشید الدین مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی
مراد آباد / یو۔پی / انڈیا۔

۲۴ رجب المرجب ۱۴۰۶ھ

حضرت مولانا رشید الدین صاحب زید مجدہم کے ہمراہ یہ ناچیز بھی حاضر ہوا
حضرت مدظلہٗ نے حرف بحرف صحیح لکھا ہے۔"

نفیس

حضرت العلام الاستاذ مولانا محمد شریف کاشمیری مدظلہٗ اور حضرت مفتی عبد الستار مدظلہٗ کی معیت میں جامعہ رشیدیہ ختم بخاری شریف اور سالانہ امتحان کے سلسلہ میں حاضری۔ ہر دو حضرات مدظلہما اور احقر نے درجۂ

کتب کے مختلف اسباق کا امتحان لیا ہر دو حضرات کی رائے میں نتیجہ قابلِ اطمینان ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس قدیم دینی ادارہ کو اپنی روایات کے ساتھ یوماً فیوماً ترقی نصیب فرمائیں ۔ اساتذہ و عملہ کو اخلاص کی دولت سے نوازیں۔

عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۴ رجب ۱۴۰۶ھ —— فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ

آج ۲۷ رجب بروز ہفتہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں حضرت ناظم اعلیٰ صاحب کے حکم کے مطابق حاضری ہوئی ۔ حدیث کے طلباء کا امتحان لیا ۔ الحمد للہ حدیث شریف کے طلباء قابلِ صد مبارکباد ہیں کہ انہوں نے بغیر تامل اور بغیر سوچے بخاری شریف کی حدیث کے قواعد کے مطابق صحیح تلاوت فرمائی اور مختصر مطلب بھی بیان کیا۔

یہ نہایت مسرت کا مقام ہے کہ طلبائے صحاح کی انتہائی کتاب میں بغیر تامل اور سوچ صحیح عبارت اور مطلب بیان کریں مدرسے کی ترقی کے لئے یہ بہترین نمونہ ہیں ۔ انشاء اللہ تمام جماعتیں اسی نہج پر ہوں گی ۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جامعہ کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے آمین یا رب العالمین ۔

محمد شریف کشمیری

آج جامعہ رشیدیہ ساہیوال جیسے عظیم علمی درسگاہ کو دیکھنے کا اعزاز حاصل ہوا ۔ اس عظیم درسگاہ کی عظیم لائبریری اس کے منتظمین کی تبلیغ اسلام میں دلچسپی اور حسن انتظام کا منہ بولتا ثبوت ہے ۔ اس کاوش اور لگن پر میں جامعہ رشیدیہ کے ناظم مولانا حبیب اللہ رشیدیؒ کی روحِ انور کو سلام کرتا ہوں اور ان کے بلندیٔ درجات کیلئے دُعا گو ہوں ۔ جامعہ کے موجودہ منتظمین اور ان کے ساتھیوں کو خداوند قدوس دین اسلام کی مزید خدمت کی توفیق عطا فرمائے اور اس کارِ خیر میں میاں نذیر احمد صاحب اور جتنے بھی صاحبِ دل لوگ ان کے پابہ رکاب ہیں ان کے ایمان اور خلوص میں برکتیں عطا فرمائے ۔ آمین محمد حبیب الرحمٰن

ایس ایس پی ساہیوال ۵ اپریل ۸۶ء

بقیہ : حضرت شیخ الهند

پر پہنچا ہوا ہے حضرت شیخ الہندؒ کا وہی مقام ہے جو اس تحریک کے دورِ ثانی میں شاہ اسماعیل شہیدؒ کا تھا ۔ حضرتؒ نے اپنی زندگی میں وہ کارنامہ انجام دیا ہے کہ اگر اس دور میں حضرت قاسم العلوم نانوتویؒ ہوتے تو وہ بھی اسی سلطانِ وقت کے جھنڈے کے نیچے نظر آتے

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کا یہ عہدِ سعادت اور دورِ علوم و افکار اسی ذاتِ گرامی اور فضیلت مآب کا عہد ہے جسے تاریخ اسلامیانِ پاک و بھارت میں محمود حسن کے نام دیوبندی کی نسبت اور شیخ الہند کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرات ! اس صحبت و فرصت کے لمحات اختتام کو پہنچے رخصت چاہتا ہوں!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ،

از: مولانا رشید احمد رشیدی

جامعہ کے شب و روز

تقریب ختم بخاری شریف

۲۷ رجب ہفتہ کے دن صبح نو بجے جامعہ میں ختم بخاری شریف کی پُر انوار و پُر وقار مجلس منعقد ہوئی۔ اس مجلس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں ملک کے مشہور محدث اور اہل علم مدعو تھے۔ جن میں حضرت علامہ محمد شریف کشمیری شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی، حضرت علامہ خالد محمود، حضرت مولانا رشید الدین مراد آبادی اور حضرت سید انور حسین نفیس رقم۔

چنانچہ معززین شہر اور علم دوست حضرات اس مبارک مجلس میں حصول ثواب و سعادت کے لئے کافی تعداد میں جمع ہوئے ——— تقریب کا آغاز تلاوت قرآن مجید سے ہوا حضرت علامہ کشمیری مدظلہ نے بخاری شریف کی آخری حدیث تلاوت فرماتے ہوئے حدیث سے متعلق علمی خطاب فرمایا اور طلبۂ حدیث کو دینی علوم کے حوالے سے اپنے مقام و مرتبہ کو پہنچاننے کے لئے کہا۔

حضرت کشمیری کے علمی خطاب کے بعد محدثِ شہیر حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی نے نہایت مؤثر و بلیغ خطاب فرمایا۔ تقریب کی مناسبت سے علم دین کی فضیلت اور علمائے کرام کی معاشرے میں اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ خدائے پاک نے آپ کو ایک ایسی عظیم دولت سے نوازا ہے جو کہ بادشاہوں کو بھی میسر نہیں اس لئے آپ لوگ قطعاً احساسِ کمتری کا شکار نہ ہوں۔

آپ کے بعد حضرت علامہ خالد محمود نے طلباء کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ علوم دینیہ میں علم حدیث کی جس قدر اہمیت ہے اسی قدر اس کے مقابلے میں منکرین حدیث کا بہت بڑا فتنہ بھی موجود ہے لہٰذا آپ حضرات کو اس فتنہ کے قلع قمع کے لئے علمی و عملی اعتبار سے کوشاں رہنا چاہیئے۔

آخر میں مہمان خصوصی حضرت مولانا رشید الدین نے دُعا فرمائی اور آپ کی پُرسوز دعا کیساتھ اس مبارک تقریب کا اختتام ہوا۔

اس سے پہلے ایس / پی ساہیوال الحاج حبیب الرحمٰن صاحب اس تقریب میں تشریف لائے اور جامعہ کے کتب خانہ کا معائنہ کیا اور اس میں اپنی گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔

JAMIA RASHIDIA (REGD), SAHIWAL

RECEIPTS & PAYMENTS ACCOUNT FOR THE YEAR ENDED 30TH ZILHAJ, 1405 HIJRI (16TH SEPTEMBER, 1985)

1404 Rs.	RECEIPTS	AMOUNT Rs.	TOTAL Rs.
	OPENING BALANCES		
144,700.00	Habib Bank Limited C/A 394	150,000.00	
100,000.00	P.L.S. Term deposit	100,000.00	
102,642.00	P.L.S. A/C 830	153,395.00	
23.00	National Bank of Pakistan	23.00	
103,752.00	M.C.B. PLS 176	1,636.00	
6.35	Cash in hand	-	405,054.00
	DONATIONS		
89,504.03	Local	214,009.92	
12,645.56	From abroad	24,001.56	238,011.48
	OTHER RECEIPTS		
107,364.26	Sale of skins etc.	112,399.02	
1,148.00	Mosque fund	26,391.50	
157,793.47	Sadquat	125,653.78	264,444.30
	ZAKAT		
100,000.00	From Government	300,000.00	
364,473.00	From others	476,756.80	776,756.80
	PROFIT FROM BANKS		
14,149.00	H.B.L. term deposit	14,185.00	
5,037.00	H.B.L. PLS A/c 830	11,651.00	
2,993.00	M.C.B. PLS A/c 176	32.00	
-	U.B.L. PLS A/c 330	33.00	25,901.00
	SUBSCRIPTION		
-	From Al-Rashid (Monthly Journal)		5,447.50
	LOAN		
101.72	From Mr. Fazal Ahmed		267.50
1,312,716.19			1,715,882.58

NAZIM ALA

AUDITORS' REPORT: We have audited the Receipts & Payments Account report that according to the best of our information and explanati and correct in accordance with the books of the Jamia produced to

LAHORE
Dated:

Phone
No. 2356

جریدۂ اسلامیہ ...

REGD. L
NO. 8 54

MONTHLY. ALRASHID. LAHORE PAKISTAN

میقات الصیام سنہ ۱۴۰۶ ہجری (منجانب) جامعہ رشیدیہ ساہیوال

تاریخ شمسی	تاریخ قمری	ایام	انتہائے سحر گھنٹے	انتہائے سحر منٹ	افطار گھنٹے	افطار منٹ	عشاء گھنٹے	عشاء منٹ
۱۰ مئی	یکم رمضان	ہفتہ	۳	۴۶	۶	۵۲	۸	۲۳
۱۱	۲	اتوار	۳	۴۵	۶	۵۳	۸	۲۵
۱۲	۳	پیر	۳	۴۳	۶	۵۳	۸	۲۶
۱۳	۴	منگل	۳	۴۲	۶	۵۴	۸	۲۷
۱۴	۵	بدھ	۳	۴۱	۶	۵۵	۸	۲۸
۱۵	۶	جمعرات	۳	۴۰	۶	۵۶	۸	۲۹
۱۶	۷	جمعہ	۳	۳۹	۶	۵۶	۸	۲۹
۱۷	۸	ہفتہ	۳	۳۹	۶	۵۷	۸	۳۰
۱۸	۹	اتوار	۳	۳۸	۶	۵۸	۸	۳۱
۱۹	۱۰	پیر	۳	۳۷	۶	۵۹	۸	۳۲
۲۰	۱۱	منگل	۳	۳۶	۷	۰۰	۸	۳۳
۲۱	۱۲	بدھ	۳	۳۵	۷	۱	۸	۳۴
۲۲	۱۳	جمعرات	۳	۳۴	۷	۲	۸	۳۵
۲۳	۱۴	جمعہ	۳	۳۳	۷	۳	۸	۳۶
۲۴	۱۵	ہفتہ	۳	۳۳	۷	۴	۸	۳۷
۲۵	۱۶	اتوار	۳	۳۳	۷	۴	۸	۳۸
۲۶	۱۷	پیر	۳	۳۱	۷	۵	۸	۳۹
۲۷	۱۸	منگل	۳	۳۱	۷	۵	۸	۴۰
۲۸	۱۹	بدھ	۳	۳۰	۷	۶	۸	۴۱
۲۹	۲۰	جمعرات	۳	۲۹	۷	۶	۸	۴۲
۳۰	۲۱	جمعہ	۳	۲۸	۷	۷	۸	۴۳
۳۱	۲۲	ہفتہ	۳	۲۸	۷	۷	۱	۴۳
یکم جون	۲۳	اتوار	۳	۲۷	۷	۸	۸	۴۴
۲	۲۴	پیر	۳	۲۷	۷	۸	۸	۴۴
۳	۲۵	منگل	۳	۲۶	۷	۹	۸	۴۵
۴	۲۶	بدھ	۳	۲۶	۷	۹	۸	۴۶
۵	۲۷	جمعرات	۳	۲۶	۷	۱۰	۸	۴۶
۶	۲۸	جمعہ	۳	۲۶	۷	۱۰	۸	۴۷
۷	۲۹	ہفتہ	۳	۲۶	۷	۱۱	۸	۴۸
۸	۳۰	اتوار	۳	۲۶	۷	۱۱	۸	۴۸

جامعہ رشیدیہ - ایک ادارہ ایک تحریک

جامعہ رشیدیہ رائپوری بزرگوں کا قائم کردہ دینی و ملی ادارہ ہے جو چھیاسی سال سے شب و روز علوم نبوی کی خدمت میں مصروف ...

جامعہ رشیدیہ اہلسنت والجماعت کے مسلک کے مطابق قرآن، حدیث، ... اسلامی اور دیگر علوم اسلامی کی تعلیم و تدریس کا فریضہ نہایت احسن طریقہ سے سرانجام دے رہا ہے۔

جامعہ رشیدیہ نظم و نسق کے اعتبار سے ملک کا ایک منفرد ادارہ ہے۔

جامعہ رشیدیہ نہ صرف علمی درسگاہ ہے بلکہ طلباء علوم اسلامیہ کے لئے ایک ممتاز تربیت گاہ بھی ہے۔

جامعہ رشیدیہ کے تمام شعبے محنتی، تجربہ کار اور ماہر اساتذہ کی نگرانی میں بہتر سے بہتر کارکردگی کے لئے مصروف عمل ہیں۔

جامعہ رشیدیہ کا سالانہ میزانیہ بارہ لاکھ سے متجاوز ہے جو توکلاً علی اللہ پورے ہو رہے ہیں۔

جامعہ رشیدیہ حکومت کا مسلمہ خیراتی ادارہ ہے۔ حساب کتاب باقاعدہ آڈٹ ہوتا ہے۔ جامعہ کو دی جانیوالی رقوم سے انکم ٹیکس معاف ہے۔

اصحاب خیر اور تمام مسلمانوں سے درخواست ہے ... صدقۂ فطر، صدقات و عشر کی مد سے مستحق طلباء کی امداد ...

روزہ کھولنے کی نیت	روزہ رکھنے کی نیت
اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ لَكَ صُمْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَعَلٰى ...	وَبِصَوْمِ غَدٍ نَّوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ ۔

جملہ مراسلات بنام عبدالعلیم رائپوری
مدیر "الرشید" و ناظم اعلیٰ
جامعہ رشیدیہ ... ساہیوال

الرشید
بیادگار
فاضل حبیب اللہ رشیدیؒ فاضل دیوبند
مدیر الرشید و ناظمِ اعلیٰ جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ، ساہیوال پاکستان

محترم و مکرم جناب مولانا مطیع اللہ صاحب رشیدی ناظم جامعہ رشیدیہ
خلف الرشید حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ صاحب رائپوری

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! ترجمان جامعہ رشیدیہ "ماہنامہ الرشید" کے مطالعہ سے یہ خبر معلوم ہو کر انتہائی صدمہ ہوا کہ بانی جامعہ رشیدیہ حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ صاحب رشیدی رحمۃ اللہ علیہ انتقال فرما گئے: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خدا تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ نصیب فرمائے۔ ع خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔۔۔۔
مرحوم کی وفات حسرت آیات پر نوشتہ نظم پیش خدمت ہے!

فاضل حبیب اللہ رشیدیؒ

رہبرِ تدریسِ حق، تنظیمِ حق دنیا سے دُور — چھوڑ دنیا پا گئے فاضل حبیب اللہؒ سرور

جلوتِ تدریسِ عالم، بزم فاضل حق رسا — روشنئِ درسِ قرآں، حق جلاء، بدعت کافور

بر ملا توقیرِ حق، روشن ز تحریرِ ادب — جذب فاضل باوقار و باادب حُسنِ غیور

مخزنِ توقیرِ علم و ادب فاضل پیشِ رب — رہبرِ تعمیرِ حق پیشِ خدا باحق شعور

آگہیٔ حق روا از درسِ فاضل پیشِ قوم — سُو بسُو آئینۂ تحریر روشن حق ظہور

محورِ تدریسِ مومن چار سُو حق کا نچوڑ — روشنئِ درسِ فاضل دُور از باطل غرور

جلوتِ حُسنِ تخیل رغبتِ توضیحِ حق — جانِ فاضل حق بپا، تحریر و تقریر حق ظہور

جا بجا تعلیمِ حق، تعمیلِ حق روشن تحریر — کُلُّ مُؤمِنٍ اِخْوَۃٌ فاضل طلب باحق نشور

نَو بہ نَو تحریرِ حق بر راہِ حق از الرشید — نُدرتِ تبلیغِ حق وا، دور از فسق و فجور

مظہرِ ادبِ حقائق شانِ فاضل حق بساط — کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْت فاضل حق عبور

جاذبِ تعمیرِ ملت باادب جمؔ الرشید

یا خدا ہو حق روا رشد و ہدایت کا یہ نور

خیر اندیش: رانا جمشید علی جمؔ — ایم۔ اے / بی ایڈ، منشی فاضل ——— راجن پور

بانی: حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی رحمۃ اللہ علیہ

بیاد: تحریک ریشمی رومال کے گمنام فقیر، حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ رحمہ اللہ رائپوری

ماہنامہ ۰ جدیدہ

الرشید لاہور

شمارہ نمبر ۹
رمضان سنہ ۱۴۰۶ھ

جلد نمبر ۱۴
جون سنہ ۱۹۸۶ء

عملہ الرشید

صدر مجلس ادارت
حضرۃ سید انور حسین نفیس رقم مدظلہ

مدیر مسئول و ناشر
حافظ عبد الرشید ارشد

نگران اعلیٰ
(پیرجی) عبد العلیم رائپوری

ناظر اعلیٰ
قاری مطیع اللہ رشیدی

مدیر معاون
شریف احمد طاہر

مجلس ترتیب
عبد اللطیف خالد چیمہ ○ مفتی محمد اشرف عاطف

عنوانات معنون

الرشید تبلیغی مجلہ ہے
تجارتی ندارد

عام خریداری
سالانہ — ۳۰/ روپے

خطاط
حزب اللہ خالد
ابن قاری لطف اللہ شہید فی سبیل اللہ

مقام اشاعت
○ ۳۲ اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور
○ دفتر جامعہ رشیدیہ ساہیوال

طابع
منہاج الدین اصلاحی
شرکت پرنٹنگ پریس لاہور

(پیرجی) عبد العلیم رائپوری ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ ساہیوال

راشدات　　　　ادارہ

رمضان کی برکات

اللہ تعالیٰ کا مبارک مہینہ رمضان شریف اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ کائنات پر جلوہ فگن ہے۔ صرف ظاہر کو دیکھ سکنے والی ہماری نگاہوں میں تو رمضان اور غیر رمضان میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ جس طرح کے دن اور جس طرح کی راتیں رمضان سے پہلے اور اس کے بعد ہوتی ہیں اسیطرح کے دن رات رمضان کے بھی ہوتے ہیں۔

لیکن اگر اللہ تعالیٰ کسی کو وہ آنکھ نصیب فرمائے جو آسمان سے نازل ہونیوالی رحمتوں اور برکتوں کو اور اسی طرح کی دوسری نورانی اور روحانی حقیقتوں کو دیکھ سکے تو اسکو رمضان اور غیر رمضان میں ایسا کھلا فرق محسوس ہوگا جیسا کہ ہم کو دن اور رات میں محسوس ہوتا ہے۔

اس ماہ مبارک کی برکات تو حد و حساب سے باہر ہیں اور قرطاس و قلم ان کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں۔ تاہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں صرف چند ایک برکات کے ذکر پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ہو شہر الصبر" ــــ اس سے مقصود یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو ضبط و تحمل کا عادی بنائیں۔ اپنے پاس طرح طرح کی نعمتیں موجود ہوتے ہوئے بھی ان سے کنارہ کش رہیں، بھوک و پیاس کا اندازہ کریں اور سوچیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے کم دے رکھا ہے ان کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ نیز رحمۃ للعالمین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اخوت و ہمدردی کا درس دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

"ہو شہر المواساۃ" ــــ یعنی رمضان المبارک غرباء و مساکین اور مفلوک الحال انسانیت کیساتھ غمخواری کا مہینہ ہے کہ جہاں ایک متمول انسان اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے وہاں ان لوگوں کو بھی اس میں شریک بنائے جو ان نعمہائے ربانی سے محروم اور تہی دست ہیں۔

تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

صوموا تصحوا ــــ کہ سال بھر کے لئے اپنے آپ کو جسمانی اور روحانی طور سے درست کرلیں۔ کھانے پینے جو زہر جسموں میں پیدا ہوگئے ہوں ان کو روزے سے جلادیں کیونکہ رمضان کے معنی ہیں جلانے والا۔ اس سے محض

جسمانی آلائشیں ہی نہیں جاتیں بلکہ رُوحانی حیثیت سے بھی آدمی پاک صاف ہوجاتا ہے بشرطیکہ اسمیں استعداد ہو۔ دواجب ہی اثر کرتی ہے جب پرہیز کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

چودہ سو برس پہلے جو امور ہمارے لئے واضح کئے گئے آج بیرونی دنیا بعد از خرابی بسیار ان کی خوبیوں کی ایک معمولی سی جھلک حاصل کرسکی ہے۔ امریکہ میں ایک گروہ ایسا پیدا ہوا ہے جو قدرتی علاج کا دلدادہ اور معترف ہوچکا ہے اور وہ یہ کہ فاقہ کیا جائے اور جسم کی خرابیوں کو دُور کیا جائے۔ جی ہاں! انسان کی تندرستی مناسب غذا اور مناسب علاج پر منحصر ہے۔ غذا اور علاج میں نقص واقع ہوا اور آدمی بیمار پڑا۔ اس وقت مناسب یہ ہے کہ خوراک بند کردی جائے اور بدن کو مہلت دی جائے تاکہ وہ ان مضرتوں کے رفع میں مشغول ہوجائے۔ فاقہ سے دمہ ضعف بصارت اور طاقت زائل کرنیوالی بیماریاں حتیٰ کہ دِق بھی اچھی ہوتی دیکھی گئی ہے۔ حواس تیز ہوجاتے ہیں کھال اور آنکھیں صاف ہوجاتی ہیں۔ ذہنی قویٰ اسقدر صاف ہوجاتے ہیں کہ ہر خیال اور تصور نہایت اجلا ہوجاتا ہے طبیعت خوش رہتی ہے۔

ہماری عید

تمام اقوام میں ہزارہا سال سے یہ امر متفق علیہ چلا آتا ہے کہ سال میں ایک یا ایک سے زائد دن ایسے ہونے ضروری ہیں جن میں حسب استطاعت عمدہ لباس زیب تن کیا جائے بہترین غذائیں بہم پہنچائی جائیں اور آبادی کا اکثر حصہ شہر سے باہر جاکر اپنی شوکت و حیثیت کی نمائش کرے۔ کاروبار بند رکھ کر ہر قسم کی تفریحی کھیلوں میں وقت گذارا جائے چنانچہ تاریخ امم کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ دنیا کی سب سے پہلی عید جو اولاد قابیل میں منائی گئی اسمیں اللہ جل شانہٗ کے احکام کی صریح خلاف ورزی کی گئی۔ زنا کاری کی گئی، شراب کے دور چلے۔ عاد ثانی کی عید۔ قوم ابراہیم کی عید، مصریوں کی عید، مجوسیوں کی عید، بنی اسرائیل کی عید میں سے اوّل الذکر دونوں قوم کی عید کا تصور بجز بے حیائی کے کچھ نہ تھا اور مصریوں کی عید کا نقشہ بھی کچھ اسی طرح کا تھا کہ عورتیں اپنے قدرتی اور بناوٹی محاسن دکھانے کے لئے باریک کپڑا پہن کر میلہ میں شریک ہوتیں اور مردوں کو اپنی طرف مائل کرتیں۔

البتہ بنی اسرائیل کی عید میں یہ چیز ملتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کے مقابلہ میں فتح عظیم دی اور بنی اسرائیل کی تکالیف اس روز دور ہوئیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کی عظمت کا خیال فرماکر خدا تعالیٰ کا شکر ادا فرمایا کہ اس دن روزہ رکھا اور عبادت میں مصروف رہے۔ اکل و شرب حلال میں توسیع فرمائی اور خوب سرور کا اظہار فرمایا۔ آپ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری تک اُس دن عید منائی جاتی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے وہاں اور چھوٹے چھوٹے تہواروں کے علاوہ نوروز اور مہرجان کے تہوار بھی منائے جاتے تھے اور ان ایام میں عبادت الٰہی کی بجائے سارا وقت خرافات اور لغویات

میں صرف ہوتا تھا اور شعائر جاہلیت کی خوب اشاعت ہوتی تھی اور سارا وقت ناجائز افعال اور مکروہ اشعار میں گزرتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کی بجائے عید الفطر اور عید الضحیٰ کا دن مقرر فرمایا۔

آقائے نامدار، فخر موجودات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں ہماری عید مبہم ابتداؤں اور خیالی تمہیدوں سے خالی ہے۔ اسلام کی نظر میں عید کا دن کوئی قومی، ملکی یا علاقائی رسم یا جشن نہیں کہ لہو ولعب میں گذارا جائے بلکہ یہ دینی وملی یادگار ہے، اللہ اور اس کے رسول کا عطیہ ہے لہذا ضروری ہے کہ ان تمام آداب واحکام کو ملحوظ رکھ کر ہم عید منائیں جو اس بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہؓ کے عمل سے ثابت ہے۔

ایک ماہ کی ریاضت وصبر کے بعد مومن کا قلب آلائشوں سے پاک اور عبادات وتلاوت سے مجلّٰی ومصفّٰی ہو جاتا ہے۔ ایسی باطنی کیفیت کیساتھ پاکیزہ جسم ولباس کے ساتھ مالک حقیقی کے حضور میں دوگانہ شکر ادا کرنے کا نام عید ہے کہ اس مالک نے ہمیں یہ خوشی کا دن دکھایا اور اپنی خوشی کا اظہار اسی پیرایہ میں کریں کہ وہ مالک یاد رہے ناراض نہ ہو راضی رہے۔

مگر افسوس کہ ہمارے ہاں بھی عید کا مفہوم وتصور غیر مسلم اقوام کا سا ہوگیا ہے۔ جو خرافات وہ اپنے تہواروں میں کرتے ہیں ان کی نقالی میں ہم نے بھی وہی شروع کر دی ہیں۔ نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کی آزادی ہے جو چاہیں کریں۔ کوئی قدغن یا ممانعت نہیں۔ حالانکہ ہم نے ماہ رمضان میں جائز اور حلال چیزوں کو بھی محض خدا کی خوشنودی اور اطاعت کی خاطر ترک کر دیا تھا۔

یہ کیا مذاق ہے کہ ایک ماہ کی تربیت واصلاح کے بعد تمام اخلاقی وشرعی قیود اٹھا دی جائیں اور جو چاہیں کرتے پھریں۔ یہ ٹھیک ہے کہ عید خوشی کا دن ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسلم اور غیر مسلم کا فرق نہ رہے نیکی اور بدی کی تمیز نہ رہے!

عید کی خصوصیت اور سنت یہ ہے کہ خدا کی بڑائی بیان کریں ——— تمام مسلمان مل کر ایک امام کے پیچھے اور ایک خدا کے سامنے جھک کر وحدت ملی کا ثبوت دیں ——— اس دن ہم اپنے روٹھے ہوئے مالک کو منانے کی کوشش کریں ——— عید کے دن ہم اپنے ایمانی عہد کو تازہ کریں کہ عبادت کے قابل پرستش کے لائق صرف اور صرف ذات رب العالمین ہے۔

اس روز ہم اس سے ڈرنے اور مالک حقیقی کا خوف دل میں جاگزیں کرنے کی کوشش کریں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں کو آفات ارضی وسماوی سے نجات حاصل ہوگی اور غیر مسلم اقوام کا خوف دل سے دور ہوگا۔ عید منانے کا مطلب یہ ہے کہ گذشتہ گناہوں پر توبہ وندامت کا اظہار ہو اور آئندہ کے لئے اس امر کا عہد کر زندگی گذارنے کا عزم کیا جائے کہ یہی ہماری کامیابی وکامرانی کا راز ہے اور اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہی ہماری فتح ونصرت کی ضامن ہوسکتی ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

طاہر رشیدی

اچھا یقیں نہیں ہے تو کشتی ڈبو کے دیکھ
اِک تُو ہی ناخدا نہیں ظالم، خدا بھی ہے!

ظالم کون ؟

از: مولانا عبدالمالک جامعی مدینہ منورہ

قدرتی مظاہر اور فطری مناظر

یہ بات میرے لئے بڑی اندوہناک ہے بلکہ ہر خدا پرست کے لئے اور خاص طور پر ایک مسلمان کے لئے کہ "خدا ظالم ہے اور ظالموں کا ساتھ دیتا ہے"

میں نہیں جانتا اس سے زیادہ کفریہ کلمہ کیا ہوگا؟ اگر خدا بقول قائل ظالم ہے تو اس کے ماننے سے کیا فائدہ؟ کسی "ظالم" کو تو ہم تو کر کے طور پر قبول نہیں کر سکتے چہ جائے کہ خدا کے طور پر اس پر ایمان لے آئیں اس کی عبادت کریں اسکے رسول کی اطاعت کو ضروری جانیں۔ اگر خدا خود ظالم ہے تو اس کے رسُول کے ذریعے آنیوالا پیام و پیغام ظلم سے کس طرح خالی ہوگا؟ جس شخص کی بات پر میں حیران ہوں اس نے اپنے جملہ کو بہت سنبھال کر کہا تو یوں کہا:

"خدا ظالم تو نہیں مگر ظالموں کا ساتھ دیتا ہے"

مطلب ایک ہی ہے۔ آپ ظالم کہیں یا ظالم کا ساتھی معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس شخص نے دلیل کے طور پر یہ بھی کہا کہ تمہاری ساری تاریخ اسپر گواہ ہے یعنی خدا ظالم ہے" معاذ اللہ معاذ اللہ

لیکن اس میں شک نہیں کہ بادی النظر میں اکثریت کو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور اکثر اوقات لوگ اس سے دھوکا کھاتے ہیں۔ زبان پر نہیں لاتے دل میں یہی ہوتا ہے۔ مگر یہ دل میں ہونا اور بھی زیادہ خطرناک ہے۔ اسلام تو باقی رہے گا یعنی مسلمانوں کی لسٹ سے اس کا نام تو نکالا نہیں جائے گا یہاں تک کہ زبان پر یہ بات آ جائے۔ اس لئے کہ اسلام کا تعلق ظاہر سے ہے باطن سے نہیں۔ دل میں وسوسوں کا پیدا کرنا شیطان کا کام ہے وہ اسی لئے ذہن انسانی سے کھیلتا ہے اور اس کے دفعیہ کی بہیں تدابیر بتائی گئی ہیں۔ لیکن ضرورت اس کی ہے کہ کسی پر خفا ہونے کی بجائے اس معاملہ پر سنجیدگی سے غور کیا جائے۔ انفرادی طور پر افراد پر ظلم یا انسانی مجموعات پر ظلم ہونا ہم بعد میں دیکھیں گے مناسب ہے کہ ہم پہلے کائنات اور تخلیق کو دیکھیں کہ یہ ظلم کی آئینہ دار ہے یا رحمت کی اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ نظام کائنات میں بنیادی طور پر ظلم وستم نہیں بلکہ رحمت و رافت عدل و انصاف کارفرما ہے تو پھر اس بات کی سمجھنے میں دیر نہیں لگے گی کہ جو ذات پوری کائنات کو رحمت و رافت کیساتھ چلا رہی ہے اور کہیں ظلم کو راہ نہیں دیتی وہ خلاصہ کائنات اشرف المخلوقات اور اپنی قدرت کے سب سے بڑے شاہکار انسان کے ساتھ ظلم وستم کو کس طرح روا رکھے گی۔

دراصل یہ ایک عقلی دھوکہ ہے جس طرح نظر ہزار بار دھوکہ کھاتی ہے عقل بھی دھوکہ کھاتی ہے کتنی معمولی بات ہے کہ عمودی اور افقی خط دونوں بالکل ایک لمبائی کے قائم کئے گئے ہیں لیکن نظر ہمیشہ ایک کو بڑا کہتی ہے اور دوسرے کو چھوٹا قرار دیتی ہے اور یوں تو ہزاروں چیزیں ہیں جن کے وجود سے نظر انکار کرتی ہے۔

جب تک انسان اپنی آنکھ پر چشمہ نہ لگائے یا خوردبین و دوربین کو استعمال نہ کرے یہی حال عقل کا ہے اسکو بھی جب تک کوئی چشمۂ بصیرت نہ ملے وہ یونہی دھوکے کھاتی رہتی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ اردو ادب میں شاید پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت (پرورش) اور رحمت ورافت پر تفصیل سے بحث کی ہے اور شاید اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ علم وفکر اسی لئے دیا ہے کہ اسی زمانہ میں اس کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ مولانا مرحوم کی یہ توضیحات وتشریحات اتنی روشن اور تابناک ہیں کہ ایک عام آدمی بھی اس بات کو ماننے پر مجبور ہوگا کہ خدا رحمت ہی رحمت ہے اور رحمت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ذیل میں ہم سورۃ فاتحہ کے ضروری حصے نقل کر رہے ہیں:

خدا کی شانِ رحمت

الحمد للہ رب العالمین۔

رحمت کا ایک ناقص نمونہ ہم اس پرورش میں دیکھ سکتے ہیں جس کا جوش ماں کی فطرۃ میں ودیعت کیا گیا ہے بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو محض گوشت پوست کا ایک متحرک لوتھڑا ہوتا ہے اور زندگی اور نمو کی جتنی قوتیں بھی رکھتا ہے سب کی سب پرورش اور طبیعت کی محتاج ہوتی ہیں۔ یہ پرورش محبت وشفقت، حفاظت ونگہداشت اور بخشش واعانت کا ایک طول وطویل سلسلہ ہے اور اس وقت جاری رہتا ہے جب تک بچہ اپنے جسم وذہن کے حد بلوغ تک نہ پہنچ جائے۔ پھر ہر مقام کی ضرورتیں ایک دو نہیں بے شمار ہیں۔ ان کی نوعیت ہمیشہ بدلتی رہتی ہے اور ضروری ہے کہ ہر عمر اور ہر حالت کے مطابق محبت کا جوش نگرانی کی نگاہ کا سروسامان ملتا رہے حکمت الٰہی نے ماں کی محبت میں ربوبیت کے یہ تمام خدوخال پیدا کر دیئے ہیں۔ یہ ماں کی ربوبیت ہی ہے جو پیدائش کے دن سے لیکر بلوغ تک بچہ کو بچاتی پالتی، سنبھالتی اور ہر وقت ہر حالت کے مطابق اس کی ضروریات پرورش کا سروسامان مہیا کرتی ہے۔

مجازی ربوبیت کی یہ ناقص اور محدود مثال سامنے لاؤ اور ربوبیت الٰہی کی غیر محدود حقیقت کا تصور کرو تو معلوم ہوگا کہ جس طرح اس کی خالقیت نے کائنات ہستی اور اس کی ہر چیز پیدا کی ہے اسی طرح اس کی ربوبیت نے ہر مخلوق کی پرورش کا سروسامان بھی کر دیا ہے اور یہ پرورش کا سامان ایک ایسے عجیب وغریب نظام کیا تھ ہے کہ ہر وجود کو زندگی اور بقا کے لئے جو کچھ مطلوب تھا وہ سب کچھ مل رہا ہے اور اس طرح مل رہا ہے کہ ہر حالت کی رعایت ہے۔ ہر ضرورت کا لحاظ ہے ہر تبدیلی کی نگرانی ہے اور ہر کمی بیشی منضبط میں آچکی ہے چھوٹی سے چھوٹی اپنے

مل میں رینگ رہی ہے کیڑے مکوڑے کوڑے کرکٹ میں ملے ہوئے ہیں مچھلیاں دریا میں ہی تیر رہی ہیں، پرندے ہوا میں اُڑ رہے ہیں، پھول باغ میں کھل رہے ہیں، ہاتھی جنگل میں دوڑ رہے ہیں اور سارے فضا میں گردش کر رہے ہیں لیکن فطرت کے پاس سب کے لئے یکساں طور پر پرورش کی گود اور نگرانی کی آنکھ ہے اور کوئی نہیں جو فیضانِ ربوبیت سے محروم ہو۔ اگر مثالوں کی جستجو میں تھوڑی سی کاوش جائز رکھی جائے تو مخلوقات کی بے شمار قسمیں ایسی ملیں گی جو اتنی حقیر اور بے مقدار ہیں کہ غیر مسلح آنکھ سے ہم اسکو دیکھ بھی نہیں سکتے۔ تاہم ربوبیتِ الٰہی نے جس طرح اور جس نظام کے ساتھ ہاتھی جیسی جسیم اور انسان جیسی عقیل مخلوق کے لئے سامانِ پرورش مہیا کر دیا ہے ٹھیک اسی طرح اور ویسے ہی نظام کے ساتھ ان کے لئے بھی زندگی اور بقاء کی ہر چیز مہیا کی ہے اور پھر جو کچھ بھی ہے انسان کے وجود سے باہر ہے۔ اگر انسان اپنے وجود کو دیکھے تو خود اس کی زندگی اور زندگی کا ہر لمحہ رحمتِ الٰہی کی کرشمہ سازیوں کی ایک پوری کائنات ہے۔

رحمت کی دوسری شان

رحمت کی دوسری شان ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں سُود مند اشیاء کی موجودگی کیساتھ ان کی بخشش و تقسیم کا بھی ایک نظام موجود ہے اور فطرت صرف بخشتی ہی نہیں بلکہ جو کچھ بخشتی ہے ایک مقررہ انتظام اور منضبط ترتیب و مناسبت کیساتھ بخشتی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر وجود کی زندگی اور بقاء کے لئے جس جس چیز کی ضرورت تھی اور جس جس وقت اور جیسی جیسی مقدار میں ضرورت تھی ٹھیک ٹھیک اسی طرح انہی وقتوں میں اور اسی مقدار میں اسے مل رہی ہے۔

مثلاً پانی ہی کا معاملہ لو، پانی کے ذخائر ہر جگہ موجود ہیں لیکن زندگی کے لئے صرف یہی ضروری نہیں کہ پانی موجود ہو بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ایک خاص ترتیب اور مقررہ مقدار کیساتھ موجود ہو۔ جس رحمت سے اس نے پانی جیسا جوہر حیات پیدا کیا اسی رحمت سے پانی کو ایک ایک بوند کر کے ٹپکاتی' زمین کے ایک ایک گوشے میں پہنچاتی، ایک خاص مقدار اور حالت میں تقسیم کرتی، ایک خاص موسم اور محل میں برساتی اور پھر زمین کے ایک ایک تشنہ ذرے کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر سیراب کر دیتی ہے۔

ذرا شیر خوار (دودھ پینے والے حیوانات) کی غذا کے قدرتی نظام پر غور کرو۔ بدو سے پرورش پانیوالے حیوانات میں انسان بھی شامل ہے۔ سب سے پہلے انسان اپنی ہی ہستی کا مطالعہ کرے۔ جونہی وہ پیدا ہوتا ہے اس کی غذا ہی ساری خاصیتوں، مناسبتوں اور شرطوں کے ساتھ خود بخود مہیا ہو جاتی ہے اور ایسی جگہ مہیا ہوتی ہے جو حالت طفولیت میں اس کے لئے سب سے قریب تر اور سب سے موزوں جگہ ہے۔

ماں بچہ کو پرورش محبت میں سینہ سے لگا لیتی ہے اور وہیں اس کی غذا کا سرچشمہ بھی موجود ہے۔ پھر دیکھو اس کی غذا کی نوعیت اور مزاج میں اس کی حالت کا درجہ بدرجہ کسقدر لحاظ رکھا گیا ہے اور کس طرح یکے بعد دیگرے اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ ابتداء میں بچہ کا معدہ اتنا کمزور ہوتا ہے کہ اسے بہت ہی ہلکے قوام کا دودھ ملنا چاہیئے، چنانچہ شروع

انسان میں بلکہ تمام حیوانات میں ماں کا دودھ بہت ہی پتلے قوام کا ہوتا ہے مگر جوں جوں بچے کی عمر بڑھتی جاتی ہے اور معدہ قوی ہوتا جاتا ہے دودھ کا قوام بھی بدلتا جاتا ہے اور مائیت کے مقابلہ میں دُھنیت بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ بچہ کا عہدِ رضاعت پورا ہو جاتا ہے اور اس کا معدہ عام غذاؤں کے ہضم کرنے کی استعداد پیدا کر لیتا ہے۔ جونہی اس کا وقت آتا ہے ماں کا دودھ خشک ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ گویا ربوبیتِ الٰہی کا اشارہ ہوتا ہے کہ اب اس کے لئے دودھ کی ضرورت نہیں رہی ہر طرح کی غذائیں استعمال کر سکتا ہے۔

رحمت کی تیسری شان

اس کی رحمت کا تقاضا ایک اور بھی ہے اور وہ ہے اندرونی ہدایت جسکو ہم وجدان کہتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر مخلوق کی طبیعت میں کوئی ایسا اندرونی الہام موجود ہے جو اسے زندگی اور پرورش کی راہوں پر خود بخود لگا دیتا ہے تمہارے گھر میں پلی ہوئی بلی ضرور ہوگی۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ بلی اپنی عمر میں پہلی مرتبہ حاملہ ہوتی ہے اس حالت کا اسے پہلا کوئی تجربہ حاصل نہیں تاہم اس کے اندر کوئی چیز ہے جو اسے بتا دیتی ہے کہ تیاری اور حفاظت کی سرگرمیاں شروع کر دینی چاہئیں۔ جونہی وضعِ حمل کا وقت قریب آتا ہے خود بخود اس کی توجہ ہر چیز کی طرف سے ہٹ جاتی ہے اور کسی محفوظ شے کی تلاش شروع کر دیتی ہے۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ مضطرب الحال بلی مکان کا ایک ایک کونہ دیکھتی پھرتی ہے پھر خود بخود ایک سب سے محفوظ اور علیحدہ گوشہ چھانٹ لیتی ہے اور وہاں بچہ دیتی ہے۔ پھر آپ دیکھتے ہیں کہ یکایک بچہ کی حفاظت کی طرف سے اس کے اندر ایک مجہول خطرہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ یکے بعد دیگرے اپنی جگہ بدلتی رہتی ہے۔ غور کرو یہ کونسی قوت ہے جو بلی کے اندر یہ خیال پیدا کر دیتا ہے کہ محفوظ جگہ کو تلاش کرے کیونکہ عنقریب ایسی جگہ کی ضرورت ہوگی۔ یہ کون الہام ہے جو اسے خبردار کر دیتا ہے کہ بلا بچوں کا دشمن ہے اور ان کی بُو سونگھتا پھرتا ہے اس لئے جگہ بدلتے رہنا چاہیئے؟ بلاشبہ یہ ربوبیتِ الٰہی کی وجدانی ہدایت ہے جس کا الہام ہر مخلوق کے اندر اپنی نمود رکھتا ہے اور جو ان پر زندگی اور پرورش کی تمام راہیں کھول دیتا ہے۔

رحمت کی چوتھی شان

فطرت کی افادت و فیضان کی سب سے بڑی بخشائش اس کا عالمگیر حسن و جمال ہے۔ فطرت صرف بناتی اور سنوارتی ہی نہیں بلکہ اسطرح بناتی اور سنوارتی ہے کہ اس کے ہر بناؤ میں حسن و زیبائی کا جلوہ اور اس کے ہر ظہور میں نظر افروزی کی نمود پیدا ہو گئی ہے۔ کائناتِ ہستی کو اس کی مجموعی حیثیت میں دیکھو یا اس کے ایک گوشۂ خلقت پر نظر ڈالو اس کا کوئی رُخ نہیں جس پر حسن و رعنائی نے ایک نقابِ زیبائش نہ ڈال دی ہو۔

ستاروں کا نظام اور ان کی سیر و گردش، سورج کی روشنی اور اس کی بوقلمونی، چاند کی گردش اور اس کا اتار چڑھاؤ، فضاءِ آسمانی کی وسعت اور اس کی نیرنگیاں، بارش کا سماں اور اس کے تغیرات، سمندر کا مرکز اور دریاؤں کی روانی، پہاڑوں کی

باقی ص ۴۰ پر

اسلامی ریاست اور اسکی خصوصیات

از : عبدالحق چوہان

خداوندِ قدوس نے بنی نوع انسان کو ایک ایسی ممتاز اور منفرد خصوصی فطرت سے نوازا ہے کہ وہ اس حیاتِ مستعار کے ہر لمحہ میں تعاون باہمی اور اشتراکِ عمل کا محتاج ہے۔ انسان کی اس تمدنی زندگی میں ہر فرد اور جماعت کے لئے ایک دوسرے پر باہمی اشتراک کے باعث کچھ خصوصی حقوق ذمہ ہوتے ہیں جن کے تحفظ اور صیانۃ کے لئے انسان فطری طور پر ایک ایسے ضابطۂ حیات اور قانونِ اجتماعی کا محتاج ہے جس کی آئینی دفعات انسان کے انفرادی اور اجتماعی حقوق کی ضامن ہوں اور باہمی تعدی اور تجاوز کا انسداد کریں۔

من عناية الله سبحانه بالانسان ان خلق الانسان مدنى الطبع لايتم ارتفاق الامعيشة بنى نوع واجتماعهم وتعاونهم ۔ (البدور البازغة ص۴۳)

"خداوند قدوس کی عنایات میں سے انسان پر ایک عنایۃ یہ ہے کہ انسان کو اسطرح کا مدنی الطبع پیدا کیا کہ اسکی زندگی کے منافع کو اپنے ہم نوع افراد کی صحبت ان کے اجماع اور باہمی تعاون کے بغیر پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتے۔"

انسان اپنی اس اجتماعی زندگی کے تحفظ اور باہمی تعاون کو مستحکم کرنے کے لئے فطری طور پر نظامِ حکومت کا محتاج ہے تجربات اور مشاہدات سے یہ بات بروزِ روشن کی طرح واضح ہو چکی ہے کہ اسلامی نظامِ حکومت ہی ایک ایسا نظام ہے جو کہ انسان کی تمدنی معاشرتی اور اخلاقی تمام ضروریات ہی کا متکفل ہے اور یہی وہ نظامِ زندگی ہے جو کہ انسان کی اس فطری ضرورت کے تمام مقتضیات کو محیط ہے۔ نظامِ اسلامی اپنے خصوصی اور ممتاز اوصاف کے اعتبار سے انسان کے تمام اختراع کردہ نظامہائے حیات سے منفرد ہے اسلامی نظام کو جن خصوصی اوصاف کے باعث دوسرے نظاموں پر برتری حاصل ہے ان میں اسلامی ریاست کے تصورِ اقتدار، مجلسِ شوریٰ، کفالتِ عامہ اور قانونِ مساوات کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔

اسلامی ریاست اور اسکا تصورِ اقتدار

اسلامی ریاست کا مرکزی تصور اور اس کے قیام کا محور حصولِ تنعم و تعیش نہیں بلکہ اشاعتِ دین۔ اعلاءِ کلمۃ اللہ اور نظامِ صلٰوۃ کا قیام ہے؛

"خلافت ایک ایسی ریاست عامہ ہے جس سے مقصود احیاء علوم دینیہ کے ساتھ اقامت دین ہے اور ارکان اسلام کا قائم کرنا اور جہاد کا قیام اور جہاد کے متعلق جو امور ہوں جیسے لشکروں کی ترتیب، مجاہدین کی تنخواہوں کا تقرر اور مال غنیمت میں سے ان کو حصہ دینا قاضیوں کا تعین اور اقامت حدود اور مظالم کا انسداد نیکی کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا، خلیفۂ وقت امور خلافت کو اس اعتبار سے سرانجام دے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نائب ہے۔" (ازالۃ الخلفاء ص۲ ج ۱)

اسلامی نظام حکومت اپنے جن اوصاف اور خصوصیات کے باعث دوسرے نظاموں سے ممتاز اور منفرد ہے اگرچہ وہ متعدد اور بے شمار ہیں لیکن ان میں سب سے جو اہم امر ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست ایک نیابتی اور خلافتی حکومت ہے جس میں اقتدار و اختیار اعلیٰ کا سرچشمہ تمام تر خداوند قدوس کی ذات والا صفات ہے۔ اسلامی ریاست کا قانون خدا کا قانون ہے۔ اس میں حکومت خدا کی ہے۔

"جاننا چاہیے کہ حکم دینے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں اور حکم وہی ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔" (کتاب الاحکام فی اصول الاحکام ص۱۱۳ ج ۱ از علامہ آمدی المتوفی ۶۳۱ھ)

اسلامی نظام میں عدل کے اہم فریضہ کی سرانجام دہی کی ذمہ داری کے اعتبار سے ہر شخص ایک طرح سے خود ہی حاکم اور خود ہی محکوم ہے کیونکہ اسلامی سلطنت نہ تو خلیفۂ وقت کی ملکیت ہے اور نہ ہی اس کے خاندان کی۔ بلکہ ملکیت تو صرف خدا کی ہے لیکن اس کی نیابت سارے مسلمانوں کا یکساں حق ہے اور ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ اپنے حیطۂ اختیار میں تحفظ حقوق امانت اور نظام عدل کے قیام کی جدوجہد اور سعی مسلسل میں مصروف رہے۔

"ہاں تم سب نگران کار ہو اور تم سب سے اپنے زیر نگرانی اشخاص و رعایا کی بازپرس کی جائے گی۔ مرد اپنے گھر والوں کا نگران ہے اور اس سے اس کے گھر والوں کی پرسش کی جائے گی اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور بال بچوں کی نگران ہے اور اس سے ان کے متعلق سوال ہوگا اور غلام اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اس سے اس کی بابت پوچھا جائیگا۔ ہاں ہوشیار رہو تم سب نگران کار ہو اور تم سے اس کے زیر نگران کی بابت بازپرس کی جائے گی۔" (الحدیث)

"وہ امام جو لوگوں پر مقرر ہے وہ نگران کار ہے اس سے اس کے زیر نگرانی اشخاص کے متعلق بازپرس ہوگی۔" (صحیح بخاری ص۱۰۵۷ کتاب الاحکام)

اور خلیفۂ وقت کی تمام مساعی کا مرکز و محور صرف اور صرف اقامت دین اور نظام عدل کا قیام ہے۔ اسلام کے اس اساسی دستور کی طرف خلیفۂ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبہ میں ان الفاظ کے ساتھ ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! میں تمہارا والی مقرر کیا گیا ہوں۔ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں بھلائی کروں تو تم میری مدد کرو اور اگر برائی کروں تو مجھے سیدھا کرو۔ سچائی امانت ہے جھوٹ خیانت۔ تم میں سے جو ضعیف ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق دلوا دوں اور قوی ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے

غریب کا حق لے لوں۔ میری اطاعت کرو اسوقت تک جب تک میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتا رہوں اگر میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر لازم نہیں"۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی ریاست کے مناصب و عہدہ جات جلب زر اور حصول تعیش و تنعم کے لئے نہیں ہوتے بلکہ محض اشاعت دین کے لئے بطور امانت کے باصلاحیت متدین اور احساس ذمہ داری کے جذبہ رکھنے والے افراد اُمت کو تفویض کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں اس نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"اے اللہ میں شہروں کے عمال پر تجھے گواہ بناتا ہوں، میں ان کو صرف اس لئے مقرر کر کے بھیجتا ہوں تاکہ لوگوں کو ان کا دین اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سکھلائیں اور ان کے درمیان فئی کا مال تقسیم کریں اور نظام عدل کو قائم کریں"۔ (ازالۃ الخلفاء ص۹۴ ج۲)

اور ایک دوسرے خطبہ میں خود عمال ہی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"خوب سمجھ لو کہ میں نے تم کو حکمران اور سخت گیر بنا کر نہیں بھیجا بلکہ تمہیں بطور ائمہ ہدایت کے مقرر کیا ہے تاکہ لوگ تمہارے ذریعہ ہدایت حاصل کریں۔ پس مسلمانوں کے حقوق ادا کرو ان کو زد و کوب نہ کرو کہ وہ ذلیل ہو جائیں ان کی تعریفیں نہ کرو کہ وہ (غلط فہمی میں پڑ کر تکبر کے) فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ ان کے سامنے اپنے دروازے بند نہ کرو کہ طاقتور کمزور کو کھا جائیں ان کے مقابلہ میں اپنے آپ کو ترجیح نہ دو کہ اسطرح ان پر ظلم نہ کرنے لگو"۔

شوریٰ

قرآن مجید میں مسلمانوں کے خصوصی اوصاف میں سے ایک وصف یہ بیان کیا گیا ہے:

"وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ" یعنی اور ان کا نظام باہمی شورہ پر مبنی ہوگا۔ اسلامی ریاست میں مجلس شوریٰ کو ایک خصوصی اہمیت حاصل ہے اسلام کے اندر مجلس شوریٰ کے دائرہ کار کو بھی متعین کیا گیا ہے۔ مجلس شوریٰ میں وہ نئے پیدا ہونے والے حوادث و واقعات زیر بحث آئیں گے جن کے متعلق قرآن و حدیث اور تعامل صحابہ میں کوئی غیر مبہم اور واضح حکم موجود نہ ہو۔

اصحاب شوریٰ ایسے حوادث کے متعلق قرآن و حدیث اور تعامل صحابہ کی روشنی میں اجتہاد کے ذریعے احکام کا تتبع و تفحص کریں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مجلس شوریٰ کے ارکان قرآن و حدیث کے عالم اصابت رائے تدین اور فقیہانہ بصیرت کے حامل ہوں۔

"تحقیق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس کا ذکر نہ تو کہیں قرآن مجید میں ہو نہ سنت میں تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا کہ اس معاملہ پر مسلمانوں کے صالح لوگ غور کر کے اس کا فیصلہ کریں گے"۔

ایک دوسری حدیث میں یہ مضمون اسطرح ادا کیا گیا ہے:

"حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر میرے سامنے کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس کا فیصلہ قرآن مجید میں نازل نہ ہوا ہو اور نہ ہی اس کا ذکر سنت میں ہو تو اس معاملہ میں آپ مجھے کیا طریقہ اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اسکو قانون اسلامی میں بصیرۃ رکھنے والوں اور عبادت گذار صالحین کے مشورہ سے طے کرو اور اس میں تنہا اپنی رائے سے کوئی فیصلہ کرو۔"

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ ان کے سامنے اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آجاتا کہ جس کے متعلق قرآن مجید اور سنت میں کوئی واضح حکم موجود نہ ہوتا تو آپ جلیل القدر صحابہ کے مشورہ سے اس کا فیصلہ کرتے تھے میمون بن مہران نے روایت بیان کی کہ :

"حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جس وقت فریق معاملہ کوئی مقدمہ لاتے تو آپ پہلے اسے کتاب اللہ کی روشنی میں غور کرتے اگر اسمیں ان کو کوئی ایسی چیز مل جاتی جس سے ان کے معاملہ کا فیصلہ مل جاتا تو اسکے مطابق وہ فیصلہ کر دیتے اور اگر کتاب اللہ میں ان کو اس فیصلہ کے لئے کوئی چیز نہ ملتی اور سنت رسول میں کوئی چیز مل جاتی تو پھر اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔ لیکن اگر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی کوئی چیز نہ پاتے اور تلاش کر کے تھک جاتے تو پھر کل مسلمانوں سے دریافت کرتے کہ میرے سامنے اسطرح کا معاملہ آیا ہے۔ کیا کسی شخص کے علم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ ہے جو اس قسم کے معاملہ کے متعلق ہو؟ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ آپ کے پاس متعدد ایسے اشخاص جمع ہو جاتے جو اس قسم کے معاملہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ بیان کرتے۔ اگر ایسا ہوتا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس بات پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتے کہ امت کے اندر ایسے لوگ موجود ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا علم محفوظ کئے ہوئے ہیں لیکن اگر اس کے بعد بھی ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت نہ ملتی تو پھر قوم کے سربرآوردہ اور پسندیدہ افراد کو جمع کر کے ان سے مشورہ کرتے اور جب وہ کسی بات پر اتفاق کر لیتے تو اس کے مطابق اس معاملہ کا فیصلہ سنا دیتے۔"

اور خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق کتب سیرت میں ہے کہ :

"حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی طریقہ کار یہ تھا کہ وہ معاملات میں صحابہ سے مشورہ کرتے اور ان سے بحث کرتے یہاں تک کہ الجھن دور ہو جاتی اور دل پوری طرح مطمئن ہو جاتا۔ یہ اس کا اثر ہے کہ ان کے فتوے اور فیصلے تمام مشرق و مغرب میں معمول بہ بن گئے۔" (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۳۲ ج ۱)

کفالت عامہ

اسلامی ریاست کی مدار چونکہ اس امر واقعی پر ہے کہ اقتدار کا سرچشمہ خداوند قدوس کی ذات والا صفات ہے اسلئے انسان دنیا میں خدا کا نائب اور خلیفہ ہے البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ یہ نیابت اور خلافت کا منصب جلیل اولاً

اور بالاصالہ انبیاء علیہم السلام کے لئے ثابت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاءِ راشدین کیلئے آپ کے توسط سے حاصل ہے۔

قاضی بیضاویؒ آیت "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اور اس سے مراد آدم علیہ السلام ہیں کیونکہ وہ اس زمین میں خدا کے خلیفہ اور اسطرح اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو خلیفہ بنایا زمین کی آبادی اور لوگوں کی نگرانی اور نفوس کی تکمیل اور اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ کرنے میں۔"

اسلئے اسلامی ریاست میں خلیفۂ وقت کا فرض ہے کہ وہ اس دنیا میں رب العالمین کی صفت ربوبیت کا مظہر بن کر ایک ایسا صالح نظام قائم کرے جو ایک طرف روحانی اور اخلاقی برتری کا ضامن ہو تو دوسری طرف سیاسی، تمدنی اور معاشی ترقی و کمال کا بھی متکفل ہو۔ انہی وجوہ کی بناء پر اسلامی ریاست جہاں عوام کے اخلاق کو درست کرنے کا انتظام کرتی ہے وہاں اس بات کا بھی انتظام کرتی ہے کہ اسلامی ریاست کے اندر رہنے والا ہر فرد بھی زندگی کی بنیادی ضرورت سے محروم نہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"حکومت ہر شخص کی دستگیر و مددگار ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔"

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

"میں اس کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہیں، میں اس کی جانب سے دیت ادا کروں گا" (اگر اس کے ذمہ واجب الاداء ہے)

حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں اس کفالتِ عامہ کا بہت ہی اچھا انتظام فرمایا اور برسرِ منبر اعلان فرمایا:

"میں نے ہر مسلمان فرد کے لئے فی ماہ دو مد گندم اور دو قسط سرکہ کے مقرر کئے ہیں۔"

اس کفالتِ عامہ کے احساسِ ذمہ داری کے پیشِ نظر آپ نے ایک دفعہ اعلان کیا:

مجھے اس خدا کی قسم ہے کہ جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر برحق بنا کر مبعوث فرمایا۔ اگر ایک اونٹ بھی دریائے فرات کے کنارے مفت ہلاک ہو گیا تو مجھے خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق بھی مجھ سے باز پرس کریں گے۔"

اور اگر بیت المال میں اتنی وسعت و گنجائش نہ ہو تو پھر ہر شہر کے اغنیاء پر لازم ہے کہ اس شہر کے فقراء و نادار لوگوں کی کفالت کریں۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان ہے:

"اللہ تعالیٰ نے اہلِ دولت کے اموال پر ان کے غریب بھائیوں کی معاشی حالت کو بدرجہ کفایت پورا کرنا فرض کر دیا۔ پس اگر وہ بھوکے ننگے یا معاشی مصائب میں مبتلا ہوں محض اس بناء پر کہ اہلِ ثروت اپنا حق ادا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے روز باز پرس کرے گا اور اس کوتاہی پر ان کو عذاب دے گا۔"

المحلی ص ۱۵۸

مساوات

اسلامی ریاست میں نظامِ عدل اور قانون کی بالادستی کے لحاظ سے ہر شخص برابر ہے۔ حکومت الٰہیہ میں شرافت اور بزرگی کا معیار کسی خاص قبیلہ اور گروہ کے ساتھ مختص نہیں بلکہ تقویٰ اور پرہیزگاری شرافت کا معیار ہے۔ قرآن حکیم نے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ کہہ کر صرف انسانی اعمال کو شرافت و احترام کا مستحق ٹھہرایا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے گروہ قریش اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا فخر خدا نے مٹا دیا ہے۔ تمام انسان آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہوئے ہیں۔" (سیرۃ ابنِ ہشام ص۴۱۲ ج۲)

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے اعلان فرمایا:

"عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر کوئی فضیلت نہیں۔ تم سب کے سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔"

ایک مرتبہ قریش کے ایک معزز خاندان کی ایک عورت نے چوری کی اور چوری کی سزا اسلام میں قطع ید ہے بعض لوگوں نے اس عورت کی خاندانی عظمت کے پیش نظر اس کے لئے قانون میں کچھ رعایت حاصل کرنا چاہی چنانچہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت ہی محبوب تھے درخواست کی گئی کہ وہ اس عورت کے معاملہ میں حضور سے سفارش فرمائیں۔ انہوں نے لوگوں کے اصرار پر مجبور ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی۔ آپ نے ان کی اس سفارش پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور پھر لوگوں کے سامنے اپنے خطبہ میں فرمایا:

"تم سے پہلے بہت سی قومیں اسی وجہ سے ہلاک ہو گئیں کہ جب ان میں کوئی معمولی آدمی ارتکاب جرم کرتا تو وہ اسے سزا دیتے مگر جب کوئی بااثر آدمی یہ حرکت کرتا تو اس سے درگذر کرتے اس کے بعد نہایت پرزور کے ساتھ ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر میری بیٹی فاطمہ بنتِ محمد نے چوری کی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ بھی ضرور کاٹ دیتا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک سپہ سالار کو ضروری ہدایات دیتے ہوئے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ اور کسی شخص کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے مگر اس کی اطاعت اس وجہ سے کہ خدا کے قانون میں شریف اور حقیر سب کے سب برابر ہیں۔"

اسلامی ریاست کی یہی وہ خصوصیات ہیں کہ جن کے باعث حکومت الٰہیہ کو "ظل اللہ" کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ:

"صالح حکومت زمین میں اللہ تعالیٰ کے امن کا سایہ ہے جس کے دامن میں بندگانِ خدا میں سے ہر مظلوم پناہ حاصل کرتا ہے۔"

تذکرۂ صحابہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

طاہر رشیدی

بہ موجب فرمانِ رسالت پناہ آقائے نامدار ختم المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم،

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔ او کما قال۔

ہر مسلمان پر آپ کی محبت لازم ہے اور واجب ہے۔ اس کے بغیر ایمان کامل و مکمل نہیں ہو سکتا۔

قرنِ اول میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مظاہرہ کیا ہے اس کا آج کل تصور بھی محال ہے۔ دینِ حق کی خاطر جانی و مالی اور وطنی قربانیاں جتنی بھی ہوئی ہیں سب کی تہہ میں عشق و محبت کارفرما تھی علاوہ بریں ان حضرات نے اپنے کو پیارے رسول کے رنگ میں رنگ لیا تھا گویا آسمان رشد و ہدایت کے یہ تارے آفتابِ رسالت ہی کے محور پر رقص کرتے تھے۔ ان کا ہر کام حتیٰ کہ رفتار و گفتار، کردار، کھانا پینا، عبادت و ریاضت، صلح و جنگ مرنا اور جینا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے مقدس رسول کے حکم کے مطابق ہوتا۔ اس کی بے شمار مثالیں کتب و سیر اور تاریخ میں موجود ہیں۔ وہ آپس میں ایک دوسرے سے اختلاف بھی رکھتے مگر نگاہیں سب کی اسی ذاتِ قدسی صفات کی طرف لگی رہتیں جس طرح ایک باپ کی اولاد لڑنے جھگڑنے کے باوجود دل کے بھی رہتے ہیں مگر باپ کی خدمت و اطاعت میں سب شریک ہوتے ہیں۔ بالکل یہی حال حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تھا۔

اس لئے ہمارا منصب یہ ہونا چاہیئے کہ آپسی اختلافات میں کسی کی جانبداری میں اتنا آگے نہ بڑھنا چاہیئے کہ دوسرے کی تنقیص و تذلیل کرنے لگیں کیونکہ یہ دونوں راستے گمراہی کے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

"اے علی تمہارے بارے میں دو گروہ ہلاک ہوں گے۔ محبت میں غلو کرنے والے اور دشمنی میں حد سے بڑھنے والے۔"

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ محبت میں روافض مارے گئے اور دشمنی میں خوارج راندۂ درگاہ ہوئے۔

بلکہ ایسا ہی رویہ آج کل حضرت معاویہؓ کے بارے میں ہے۔ رافضیوں کا مسلک تو کھلا ہوا ہے۔ جب وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما و دیگر اجلہ صحابہ کو نہیں بخشتے تو حضرت معاویہؓ کو جو ان سے کم تر درجہ کے صحابی ہیں کب معاف

کر سکتے ہیں۔ تعجب اہلِ سنت والجماعت پر ہے جن کے اکابر نے حضرت معاویہؓ کے متعلق بالکل صاف اور واضح الفاظ میں صحابیٔ رسول ہونا اور ان پر لعن وطعن کی شدت سے ممانعت فرمائی ہے۔ چنانچہ تمام کتب عقائد اس مضمون سے پُر ہیں، وہ بھی ان کی ذات پر نازیبا حملے کرنے میں کسی رافضی سے پیچھے نہیں رہتے۔ استغفراللہ!

میں اوپر کہہ چکا ہوں کہ یہ نہیں دیکھنا ہے کہ حضرت معاویہؓ یا دیگر صحابہؓ کے تعلقات حضرت علیؓ یا ان کے ہمدردوں سے کیسے تھے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہر صحابی کا اپنے مرشدِ حق صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنا تعلق ہے؟ بس یہ کسوٹی ہے ان کے سچے مسلم و مومن ہونے کی۔

الحمد للہ کہ یہ بدنام و مطعون صحابی یعنی حضرت معاویہؓ کو شرفِ صحبت کے علاوہ کتابتِ وحی کا بھی منصب حاصل تھا نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داری بھی تھی۔ آپ کی بہن اُمِ حبیبہ ازواج مطہرات میں سے تھیں باپ بھی صحابی رسول تھے اور جہادوں میں شرکت کی تھی۔ آپ کے بھائی حضرت یزیدؓ نہایت مخلص و معتمد صحابی مانے گئے ہیں۔

غرضیکہ اب حضرت معاویہؓ کو اس معیار پر جانچنا چاہئیے کہ محبتِ رسول کے سلسلہ میں ان کے جذبات کہاں تک تھے۔ سو بحمداللہ تاریخ کے دامن میں ایک انمول و نادر واقعہ اب تک محفوظ ہے جو ان کی حقانیت اور فدائیت پر شاہد عدل ہے اسی مناسبت سے ایک واقعہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔

"حضرت محی الدین ابن عربی کو ایک عالم سے بغض تھا کیونکہ وہ عالم ان کے شیخ ابومدین کو بُرا جانتے تھے۔ ایک رات محی الدین ابن عربی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ فلاں عالم سے تم کو کیوں عداوت ہے؟ عرض کیا کہ وہ میرے شیخ سے بغض رکھتے ہیں! آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ عالم مجھ سے تو محبت رکھتے ہیں۔ تم نے شیخ کی عداوت کا اثر لیا اور مجھ سے اس کی محبت کا خیال نہیں آیا۔ غرض شیخ کو تنبیہ ہوئی اور ان عالم سے ان کی صفائی ہو گئی۔" (آداب المصاب مجموعہ ج ۹ ص۵۰)

واقعہ ہے کہ ایک صحابی حضرتِ کابس ابنِ ربیعہ رضی اللہ عنہ بصرہ میں تھے جو ظاہری شکل و صورت میں بالکل سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مماثل تھے جب حضرت معاویہؓ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے خلافت کے زمانہ میں حضرت کابسؓ کو دارالخلافت دمشق بلایا۔ چنانچہ جب وہ تشریف لائے تو حضرت معاویہؓ تخت سے اترے اور استقبال کے لئے آگے بڑھے اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور ازراہِ مرحمت ایک موضع مرغاب نامی ہبہ فرمایا۔ کابس ابن ربیعہ بن مالک بن عدی بن الاسود بن حشم بن ربیعہ بن الحارث بن سامۃ بن لوی۔

وكان بلغ معاوية بن ابي سفيان ان بالبصرة رجلا يشبه برسول الله صلى الله عليه وسلم فكتب الى عامله اليها عبد الله بن عامر بن كريز ان يوفد اليه فاوفد كلابا فلما دخل الى معاوية نزل من سريره ومشى اليه حتى قبل بين عينيه واقطعه المرغاب المحبر لابن حبيب (الفداوى التوبى ص...)

تعجب ہے کہ علامہ ابن حجر نے اپنی مشہور تصنیف الاصابہ میں جو صحابہ کے حالات میں نہایت جامع اور معتمد ہے بلا شک پر

سیرۃ صحابہؓ

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حیاتِ طیبہ کا ایک نقش

از مولانا محمد یامین القاسمی دار المبلغین لکھنؤ

○ جنھوں نے بّرِ اعظم افریقہ میں اسلامی فکر و عقیدت کی اساس پر عربی تہذیب و تمدن کا قلعہ تعمیر کر کے اس پر قرآنی ثقافت کا پرچم لہرایا۔ ○ اسلامی عدل و سیاست کا نفاذ آپ نے مومنانہ فراست کے بلند پایہ جذبوں سے کیا، طرزِ نفاذ میں پرکشش حکمت کارفرما تھی جس سے مصر کی غیر مسلم اکثریت متاثر ہوئی اور حلقہ بگوش اسلام ہوئی۔ ○ آپ کی خدمت کا یہ کرشمہ تھا کہ مصر لیبیا سوڈان وغیرہ جیسے غیر عربی اور غیر اسلامی ملکوں کو اسلامی عربی ملکوں میں تبدیل کر دیا۔ ○ فتح و نصرت کے بعد آپ نے فصیح و بلیغ اور ادبی حلاوتوں سے بھرپور مکتوب گرامی حضرت امیر المؤمنین عمر فاروقؓ کی خدمت میں ارسال کیا جس میں مصری تہذیب و تمدن اور اس ملک کے صنعتی، زراعتی اور سیاسی و جغرافیائی حالات و مسائل کی مکمل عکاسی تھی جس کا حضرت فاروق اعظمؓ نے مطالعہ کیا اور ان کے حق میں کلمات تحسین آفریں کی تقدیم کی اور بے پناہ متاثر ہوئے۔

○ آج بھی وہ مکتوب گرامی پیرس کے میوزیم میں موجود ہے۔ سیاسی مبصرین اور ماہرین ادب و ثقافت کہتے ہیں یہ مکتوب اپنے موضوع کے اعتبار سے بے حد جامع مانع ہے اور اپنی مثال آپ ہے۔ آپ کی روح گرامی سے اللہ راضی ہوا اور وہ اللہ سے خوش ہوئے، جنھوں نے اسلام دشمن عناصر کو بے نقاب کیا اور اسلام کے اجتماعی نظام کی حفاظت و نصرت کے نصب العین سے قصاص خونِ عثمان کی تحریک کے رکنِ رکین تھے۔ آپ کی بیدار مغزی اور سیاسی بصیرت نے سبائیوں کے مکر و فریب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے یہی وجہ ہے کہ آپ بھی ان مظلوم اکابر صحابہؓ میں سے ہیں جن کے ناموس کے خلاف ہر باطل اہل قلم اپنا قلم گھسیٹتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرتے اور خبیث اہل زبان اپنی زبان چلاتے ہوئے جھجک محسوس نہیں کرتے جبکہ آپ احادیث کے راوی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مومنِ کامل کا خطاب دیا ہے اور اسلام کے اجتماعی اداروں اور سیاسی تبلیغی دائروں کے کلیدی منصب پر سرفراز فرمایا اور صحابہ کرامؓ کی جماعت میں آپ بے حد قابلِ اعتماد تھے۔ اللہ تعالیٰ مولانا محمد یامین سلمہٗ کے علم و مطالعہ میں برکت دے کہ انھوں نے ایک اہم موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔

—— مدیر

اسلام کا ماضی ہمارے مستقبل کی شمع راہ اور مشعلِ ہدایت ہے جو کہ ایک مکمل ضابطۂ حیات و نظامِ زندگی پر مشتمل ہے جس کا واحد مقصد انسانی وجاہت کو اُجاگر کرنا ہے۔ جب ہم تاریخ عالم پر نظر ڈالتے ہیں تو دنیاوی تاریخ اس سے خالی اور عاری نظر آتی ہے اور محدود دکھائی پڑتی ہے۔ اگر سہراب و رستم کی بہادری و جانبازی کے واقعات کو صفحۂ تاریخ پر روشن و اُجاگر کیا گیا تو یہ صرف زیب قرطاس ہو کر رہ گیا، دُنیا نے اس سے کوئی سبق نہیں سیکھا، کوئی تاثرات و نقوش اپنے دل میں قائم نہ کئے بلکہ یہ ایک کہانی وافسانہ بن کر رہ گئے۔

لیکن اس کے برخلاف جب تاریخ اسلام کے اوراق ہمارے سامنے سے گذرتے ہیں تو اس کی ایک تاثیر و نرالی شان ہوتی ہے، اس سے ایک درس عبرت ملتا ہے جو زندگی کے ہر شعبہ، ہر گوشہ کے لئے اسوۂ حسنہ کا عمدہ نمونہ ہے۔ حیات صحابہؓ زندگی کے لئے ایک مکمل کورس ہے اگر سیرت صدیق اکبرؓ سے صدیقیت کا پتہ چلتا ہے تو حضرت فاروقؓ کی فاروقیت و عدالتِ منصفانہ کا دورِ خلافت بھی ایک عنوانِ انسانیت اور تقاضۂ زندگی کے فریضہ کو پورا کرنے کے لئے قابلِ عمل و واجب التعمیل ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ اپنی حیا و غناء میں اس درجۂ کمال پر ہیں کہ جس کے سامنے سیّد دو جہاں، نبیؐ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے دامن مبارک دراز کر دیتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اپنی شجاعت و بہادری کی ایک مثال ہیں کہ جن کے سامنے سہراب و رستم کی دلیری اور پہلوانوں کی طاقت چاند کو چراغ دکھانا ہے۔ گویا کہ مدرسۂ نبوّت سے تعلیمیافتہ و تربیت یافتہ ہر فرد ایک ایسا قلعہ ہے کہ جس میں بہت سے دروازے ہوں اور ہر دروازے پر ایک صاحبِ کمال اپنا فریضہ ادا کر رہا ہو۔

خاتم المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت فاروق اعظمؓ کا تذکرہ فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ "سینۂ فاروق اعظمؓ را بمنزلہ خانہ تصوّر کُن کہ درہائے مختلف دارد و در ہر درے صاحب کمالِ نشستہ است"۔ یعنی حضرت فاروق اعظمؓ کے سینہ کو ایک ایسا قلعہ سمجھئے کہ جس کے بے شمار پھاٹک ہوں اور ہر پھاٹک میں اپنے اپنے وقت کا صاحبِ کمال بیٹھا ہوا ہو۔

مثلاً ایک پھاٹک میں سعد بن ابی وقاصؓ جیسے مجاہد اور جنگِ قادسیہ کو فتح کرنیوالے سپہ سالار موجود ہیں تو دوسرے پھاٹک پر خالد بن ولیدؓ جرأتِ مردانہ و بُلند حوصلہ کے مالک ہیں، تیسرے پھاٹک پر حضرت عمرو بن العاصؓ والیٔ عمان، فاتح مصر، ماہر سیاستِ اسلامی، عدل و رواداری کا جیتا جاگتا نمونہ ہیں جب حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں ہونیوالی فتوحات کا شمار ہوتا ہے تو اس میں مصر کا نام بھی گنا جاتا ہے جس کو حضرت عمرو بن العاص نے فتح کیا۔ اگر فاروق اعظمؓ کے زمانۂ خلافت کے کارناموں پر قلم اُٹھایا جائے تو اسی قلم سے انہیں اوراقِ تاریخ میں حضرت عمرو بن العاصؓ کے نام نامی کو بھی ایک فاتحانہ شان کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ میں بھی آج انہی کے بلند حوصلہ تذکرے سے اپنے ایمان

ہیں تانگی و بختی پیدا کرنا چاہتا ہوں۔

عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانچ ہجری میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہدِ مقدس میں آپ کو عمان کا والی مقرر فرمایا۔ آپ کی وفات تک عمان کی گورنری کا کام انجام دیتے رہے خلیفہ دوم امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اور خلیفہ سوم حضرت عثمان کے زمانہ میں بھی وہاں کے عامل رہے۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں مصر کی فتح کا جھنڈا آپ ہی کے نام ہے جو ۲۰ھ کے ہونہار لے کارناموں میں سے عہدِ فاروقی کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ گو حضرت عمرو بن العاصؓ شام و ایران، روم و قادسیہ کی جنگ میں بھی ابوعبیدہؓ اور خالد بن ولیدؓ کے شانہ بشانہ شریکِ جنگ رہے اور معرکۂ سبط، نابلس، غزہ اور یافہ وغیرہ کی فتوحات میں بھی شریک رہے لیکن مصر کی فتح آپ کی زندگی کے واقعات میں قابلِ ذکر ہے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ اسلام لانے سے پہلے ایک تاجر تھے بغرض تجارت مصر میں بکثرت سفر کیا کرتے تھے اور مصر کے چپہ چپہ سے واقف تھے۔ اس کی زرخیزی و شادابی و سرسبزی دولت و ثروت کے مناظر آپ کی آنکھوں میں پھر رہے تھے۔ اگرچہ اس وقت مصر کی نسبت اس قسم کا خیال ان کے دل میں بھی نہ گذرا ہوگا لیکن جب حضرت عمر فاروقؓ شام کے آخری سفر پر تشریف لے گئے تو حضرت عمروؓ سے ملاقات ہوئی اور مصر کے متعلق تبادلۂ خیالات کیا حضرت عمرؓ نے احتیاطاً منع فرمادیا لیکن حضرت عمرو بن العاصؓ برابر مصر رہے تو حضرت عمرؓ نے اس شرط کیساتھ اجازت دیدی اور مصر کے لئے روانہ فرمایا کہ اگر پہنچنے سے پہلے تمہیں میرا کوئی امتناعی خط ملے تو واپس آجانا۔ حضرت عمروؓ ابھی مصر کی حدود میں داخل بھی نہ ہونے پائے تھے کہ قاصد امتناعی خط لیکر پہنچ گیا۔ حضرت عمروؓ مصر کی فتح کے بڑے متمنی اور شائق تھے اس لئے قاصد سے کہا کہ ابھی کیا دیر ہے ”ذرا دم کی سانس لینے دو، جب مصر کی حدود میں داخل ہوگئے تو خط کھولا جس میں واپسی کے بارے میں لکھا تھا لیکن یہ شرطیہ حکم تھا اس لئے حضرت عمروؓ نے کہا کہ اب تو ہم حدودِ مصر میں داخل ہوچکے ہیں مصر میں داخلہ کے بعد آپ نے سب سے پہلے تعلیماتِ نبوی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ابو مریم اور ابو مریام نامی دو شخص جو کہ اس شہر کے راہب تھے ان سے فرمایا۔

” انتما راهبا هذه البلدة فاسمعا ان الله بعث محمداً (صلی اللہ علیہ وسلم) بالحق وامره به وامرنا به محمد صلى الله عليه وسلم وادى الينا كل الذى امر به وكان لما امرنا به الاعتذار الى الناس فنحن ندعوكم الى الاسلام فمن اجابنا اليه فمثلنا ومن لم يجبنا عرضنا عليه الجزية و اوصانا بكم حفظاً لوصينا بكم “

یعنی ابو مریم اور ابو مریام تم دونوں اس شہر کے راہب ہو تو سن لو بے شک اللہ تعالیٰ نے محمدؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، آپ نے اس کا حکم کیا اور ہم کو بھی اسکا حکم صادر فرمایا۔ آپ نے تو ہر وہ چیز پہنچا دی جس کا آپ کو حکم ہوا تھا اس لئے

ہم بھی تمہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں جس شخص نے اجابتِ دعوت کیا تو وہ ہم جیسا ہی ہے اور جس نے انکار دعوت کیا تو وہ ہمارا باجگذار ہوگا اور ہم تم سے امان کا وعدہ کرتے ہیں کہ تمہیں مذہب کی پوری آزادی دیجائے گی، جائیداد کی ملکیت کے پورے حق دیئے جائیں گے اور جاکسی رعایت کے پورا پورا عدل والنصاف ملے گا۔ عمالِ اسلام اپنے امر وعدہ پر اس درجہ مستحکم رہے کہ شہنشاہوں کے ہاتھ ہر قسم کے ظلم وستم سہنا گوارا کئے لیکن ایفائے عہد کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ یہی وہ اسلام کی کشش تھی کہ جس سے غیر مسلم مصنفین کی تاریخ بھی خالی نہیں اور اس مقناطیسی کیمیاوی کا اثر تھا کہ پورے ملک نے بکشادہ پیشانی و بہ طیب خاطر خوش دل ہوکر اسلام قبول کیا اور اسلام کو فتح نصیب ہوئی۔ ان واقعات سے وہ حضرات سبق حاصل کریں جو کہتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا۔ ہم اس نشست میں ان کو بتانا چاہتے ہیں کہ لا اکراہ فی الدین اسلام اپنی خوبیوں اور محاسن کی وجہ سے گھر گھر پہنچا اور گونجا۔

یہ وہی حضرت عمرو بن العاصؓ ہیں کہ جب رومیوں نے ان کی افواج کو زندہ گرفتار کرنا چاہا لیکن یہ اسلامی لشکر اپنی جان مردانہ شہیدانہ چاہتے تھے اس لئے رومیوں نے کہا ایک ایک آدمی کا مقابلہ ہو، اگر ہمارا آدمی مارا گیا تو ہم تم کو چھوڑ دیں گے اگر تمہارا آدمی مارا جائے تو تم سب ہتھیار ڈال دینا۔ حضرت عمروؓ نے اسے بخوشی قبول فرمایا اور خود مقابلہ کے لئے نکل پڑے۔ حضرت مسلمہؓ نے روکا کہ آپ فوج کے سردار ہیں، اگر آپ پر آنچ آئی تو انتظام میں خلل پڑےگا اور خود حضرت مسلمہؓ مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے اور رومیوں کو ایک ایسا ہاتھ مارا کہ رومی وہیں ڈھیر ہوگیا۔ رومیوں کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ آیا ان کا کوئی سردار بھی ہے اقرار کے مطابق قلعہ کا دروازہ کھول دیا گیا اور سب باسلامت باہر نکل آئے۔

حضرت عمروؓ نے تمام فوج کے سامنے ایک پرجوش تقریر کی کہ جس سے بجھے ہوئے جوش تازہ ہو گئے عبادہ بن صامتؓ کو بلایا اور کہا کہ اپنا نیزہ مجھے دیجئے، خود سر سے عمامہ اتارا اور نیزہ پر لگا کر ان کے حوالے کیا کہ یہ سپہ سالار کا علم ہے آج آپ سپہ سالار ہیں اور زبیر بن العوامؓ اسلمہ بن مخلدؓ کو فوج کا ہراول مقرر کیا۔

بحمد اللہ تعالیٰ عمرو بن العاصؓ کی ذہنی حکمت عملی اور خدائی نصرت کے طفیل قلعہ پر اسلامی پرچم لہرا گیا اور انہوں نے حضرت معاویہ بن خدیجؓ کو مامور کیا کہ بسرعت ممکنہ حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتح کی خوشخبری دیدیں۔ یہ فتح فتوحات (عہد فاروقی) کی آخری فتح ہے جس کا سہرا اسلام کے جرنیل اعظم، مدبر باکمال حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر بندھتا ہے۔ (زندانے سنت کمش)

○

راہ ملتی ہے شب کو تاروں سے
اور ہدایت نبیؐ کے یاروں سے

دعوت و تبلیغ

اسلام کا تبلیغی نظام

از: سید علامہ سلیمان ندوی علیہ الرحمۃ

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

اسلام ایک پیغام الٰہی اور اس پیغام کی حامل اُمتِ مسلمہ ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کی طرف سے نہ صرف عام مسلمانوں بلکہ مسلمان علماء اور مشائخ تک نے اس سے اعراض اور تغافل برتا اور اس حقیقت کو بالکل بھلا دیا ہے اسکا نتیجہ ہے کہ مسلمان اپنے کو انہی معنوں میں قوم سمجھنے لگے جن معنوں میں دنیا کی قومیں اپنے کو قوم سمجھتی ہیں۔ ان میں سے کوئی تو وطنیت کے سہارے اپنی قومیت کی دیوار کھڑی کرتا ہے، کسی نے نسل کو قومیت کا معیار سمجھا اور ان میں سے جو سمجھ سکتے ہیں زیادہ سے زیادہ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان قوم قومیت اور نسل سے نہیں بلکہ مذہب کی بنیاد پر قوم ہے حالانکہ حقیقت اس سے بھی آگے ہے اور وہ یہ کہ مسلمان وہ جماعت ہے جو اللہ کی طرف سے ایک خاص پیغام لیکر دُنیا میں آئی ہے۔ اس پیغام کو قائم رکھنا اور اس کو پھیلانا اور اسکی طرف لوگوں کو دعوت دینا اسکی زندگی کا تنہا فریضہ ہے۔ اس پیغام کو ماننے والوں کی ایک برادری ہے جس کے حقوق ہیں اور یہی ان کی قومیت ہے۔ اس حقیقت کے ظاہر ہونے کے بعد مسلمان قوم کا سب سے بڑا فرض اس پیغام الٰہی کی معرفت اس کی بجا آوری اس کی تعلیم، اس کی دعوت اور اس کی اشاعت اور اس کے علاوہ گرفرض کی ایک پوری برادری کا قیام اور اس کے حقوق کو بجالانا ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں نے ایک ہی صدی کے اندر اندر اپنے اس فرض کو بھلا دیا اور ہمارے سلاطین اور بادشاہوں نے ملک گیری اور کشورکشائی پر قناعت کی اور عیش و آرام اور جاگیر و خراج کی دولت کو اپنی زندگی کا

ماحصل قرار دیا، علماء نے صرف درس و تدریس اور فتووں سے عزلت نشینی کی زندگی پر کفایت کی اور درویشوں او صوفیوں نے تسبیح و سجادہ کی آرائش پر بس کی اور زندگی کے کاروبار سے اپنے کو الگ کر لیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ اُمّت رہبری اور رہنمائی کے بغیر اپنے حال سے غافل ہو کر رہ گئی اور اُمّت مسلمہ کی زندگی کی غرض و غایت اس کے سارے طبقوں کی نگاہوں سے مخفی ہو گئی۔

اُمّت مسلمہ کا فریضہ

قرآن پاک اور احادیث صحیحہ کے نصوص سے یہ ثابت ہے کہ اُمّت مسلمہ اپنے نبی کی تبعیت میں امم عالم کی طرف مبعوث ہے اس اُمّت کو باہر اس لئے لایا گیا ہے کہ وہ دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کو انجام دے جیسا کہ یہ آیتِ پاک کھلے لفظوں میں ظاہر کر رہی ہے:

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر۔

"تم اے مسلمانو بہترین اُمّت ہو، جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی اچھے کاموں کو بتاتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے ہو۔"

اس آیت نے بتایا کہ اُمّتِ مسلمہ دنیا کی دوسری امتوں کیلئے باہر لائی گئی ہے اس کی پیدائش کی غرض یہی ہے کہ وہ امم عالم کی خدمت کرے اور ان میں خیر کی دعوت اور معروف کی اشاعت اور منکر کی ممانعت کرے ایسی حالت میں اگر یہ اُمّت اپنے اس فرض سے غفلت برتے تو وہ اپنی زندگی کے مقصد کے پورا کرنے سے عاری ہے۔

اس آیت سے چند آیتیں اوپر یہ تصریح ہے کہ ہر زمانہ میں امتِ مسلمہ پر یہ فرض کفایہ ہے کہ اس کی کچھ جماعت اسی کام میں لگی رہے اور اگر اس سے مسلمانوں کی ہر جماعت نے پہلو تہی کی تو ساری امت مسلمہ گنہگار ٹھہرے گی اور اگر کچھ جماعتوں نے یہ فرض انجام دیا تو یہ فرض پوری امت کی طرف سے ادا ہو جائیگا۔ ارشاد ہے:

"ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر واولٰئک ھم المفلحون۔"

"اور چاہئے کہ تم میں ایک جماعت ایسی رہے جو لوگوں کو نیکی کی دعوت کرتی رہے اور اچھے کاموں کی دعوت دیتی رہے اور بُری باتوں سے روکتی رہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو فلاح پانیوالے ہیں۔" (آل عمران ۱۱)

پوری امت کی صلاح و فلاح اور دوا و معالجہ کیلئے یہی جماعت ذمہ دار ٹھہرائی گئی ہے، اس کے تین فرض قرار دیئے گئے ہیں۔ پوری امت بلکہ ساری انسانیت کو خیر کی دعوت معروف کی اشاعت اور منکر کی ممانعت، جب تک اور جس نسبت سے اُمّت کے اندر اس جماعت کے افراد رہے یہ فریضہ پورا ہوتا رہا اور حدیث خیر القرون کے مطابق جماعت صحابہؓ، جماعت تابعین، جماعت تبع تابعین کے بعد جماعت گھٹ کر افراد رہ گئے۔

دولت و سلطنت مقصودِ اوّل نہیں

اس راہ میں سب سے بڑی ضلالت دولت و سلطنت کی منتہاء مقصود سمجھنے سے آئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خیال کہ

انی لا اخاف علیکم الفقر ولکن اخاف ان تبسط علیکم الدنیا ۔ بالکل درست نکلا۔ دنیا نے جب اپنی وسعتوں، عیش پرستیوں اور دولتمندیوں کے ساتھ مسلمانوں پر سایہ ڈالا تو وہ صرف کشورستانی، ملک گیری اور باج وخراج کو اُمتِ مسلمہ کی زندگی کا حاصل سمجھے اور دولتِ اسلامیہ کے بجائے مسلمانوں کی سلطنت پر قانع ہوگئے یعنی ایسی سلطنت کو اپنا مقصد سمجھ بیٹھے جس کا حاکم کوئی مسلمان کا نام ہو۔ حالانکہ مقصد یہ تھا کہ اسلام کی شریعت اور اسلام کی سیاست عادلہ کی حکومت قائم کی جائے اور یہ سلطنت وحکومت اس نظام وعدل کے قیام کا سب سے بڑا اور سب سے قوی ذریعہ ہو، جیسا کہ اس آیتِ پاک کا منشاء ہے؛

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر ط وللہ عاقبۃ الامور۔

"وہ لوگ جن کو ہم زمین میں طاقت بخشیں، تو نماز کو قائم کریں، اور زکوٰۃ دیں اور اچھی بات کا حکم کریں اور بُری بات سے روکیں اور اللہ ہی کیلئے ہے کاموں کا انجام۔"

امت مسلمہ جانشین نبی ہے اُمتِ مسلمہ فرائض نبوت میں سے دعوت خیر اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں نبی کی جانشین ہے اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کارِ نبوت کے جو تین فرض عطا کئے ہوئے ہیں تلاوت واحکام، تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ، یہ تینوں فرض اُمتِ مسلمہ پر بھی بطور کفایہ عائد ہیں۔ چنانچہ قرناً بعد قرنٍ اکابر ائمہ امت نے ان تینوں فریضوں کی ادائیگی میں پوری توجہ اور کوشش مبذول فرمائی ہے۔ اور انہی کے مجاہدات کا نور ہے جس سے کاشانۂ اسلام میں روشنی ہے نبوت کے یہ تینوں فرض اس آیت میں یکجا ہیں؛

رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیٰتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ

ایک رسول انہیں میں سے جو اللہ کی آیتوں کو پڑھ کر سناتا اور ان کو پاک صاف کرتا اور کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

تعلیم اور تزکیہ کی یکجائی رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ان تینوں فرائض کو بحسن خوبی انجام دیا لوگوں کو احکام الٰہی اور آیات ربانی پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب الٰہی اور حکمت ربانی کی باتیں سکھائیں اور اس پر اکتفا نہ کی بلکہ اپنی صحبت، فیض تاثیر اور طریق تدبیر سے پاک صاف بھی کیا نفوس کا تزکیہ فرمایا قلوب کے امراض کا علاج کیا اور برائیوں اور بدیوں کے زنگ اور میل کو دور کرکے اخلاق انسانی کو نکھارا اور سنوارا۔ یہ دونوں ظاہری وباطنی فرض یکساں اہمیت سے ادا ہوتے رہے چنانچہ صحابہ اور ان کے بعد تابعین اور پھر تبع تابعین کے تین قرنوں تک یہ دونوں ظاہری وباطنی کام اسطرح رہے، جو استاد تھے وہ شیخ تھے اور جو شیخ تھے وہ استاد تھے،

وہ جو مسند درس کو جلوہ دیتے تھے وہ خلوت کے شب زندہ دار اور اپنے ہم نشینوں کے تزکیہ و تصفیہ کے بھی ذمہ دار تھے ان تینوں طبقوں میں استاد اور شیخ کی تفریق نظر نہیں آتی۔

تعلیم اور تزکیہ میں تفریق

اس کے بعد وہ دور آنا شروع ہوا جس میں مسندِ ظاہر کے درس گو، باطن کے کوچے اور باطن کے روشن دل، ظاہر سے عاری ہونے لگے اور عہد بہ عہد ظاہر و باطن کی یہ خلیج بڑھتی ہی چلی گئی تا آنکہ علوم ظاہر کے لئے مدارس کی چہار دیواری اور تعلیم و تزکیہ باطن کے لئے خانقاہوں اور رباطوں کی تعمیر عمل میں آئی اور مسجد نبوی جس میں یہ دونوں جلوے یکجا تھے اس کی تجلیات مدرسوں اور خانقاہوں کے دو حصوں میں تقسیم ہو گئیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدارس سے علماءِ دین کی جگہ علماءِ دُنیا نکلنے لگے اور باطن کے مدعی علم شریعت کے اسرار و کمالات سے جاہل ہو کر رہ گئے۔

فلاح دونوں کی یکجائی میں ہے

تاہم اس دور کے بعد بھی ایسی مستثنیٰ ہستیاں پیدا ہوتی رہیں جن میں نورِ نبوت کے یہ دونوں رنگ بھرے تھے اور غور سے دیکھئے تو معلوم ہو گا کہ اسلام میں جن بزرگوں سے فیوض پہنچے اور پھیلے وہ وہی تھے جو ان دونوں کے جامع تھے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جن سے علم معقول و منقول نے جلوہ پایا، علم حقیقت نے بھی انہیں کے ذریعے ظہور پایا۔

حضرت شیخ ابوالنجیب سہروردی ایک طرف شیخ طریقت ہیں تو دوسری طرف مدرسۂ نظامیہ کے مدرس، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ امام وقت اور شیخ طریقت دونوں ہیں، یہاں تک کہ وہ لوگ جن کو علماءِ ظاہر سمجھا جاتا ہے جیسے حضرات محدثین امام بخاری و احمد بن حنبل سفیان ثوری وغیرہ وہ بھی اس جامعیت سے سرفراز تھے متوسطین میں علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم رحمہما اللہ تعالیٰ کو ناواقف باطن سے خالی سمجھتے ہیں حالانکہ ان کے احوال و سوانح ان برکاتِ باطنی سے لبریز ہیں۔ ابنِ قیم کی "منازل السالکین" وغیرہ کتابیں پڑھیئے تو اندازہ ہو گا کہ وہ آرائش ظاہر اور جمال باطن دونوں سے آراستہ تھے —— ہندوستان میں جن بزرگوں کے دم قدم سے اسلام کی روشنی پھیلی وہ حقیقت میں وہی تھے جن کی ذات میں مدرسہ اور خانقاہ کے کمالات کی جامعیت تھی کہ وہ اسوۂ نبوت سے قریب تر تھے اس لئے ان کا فیض بعید سے بعید تر حصہ تک پھیلتا چلا گیا۔ آسمان دلی کے مہر و ماہ اور تارے شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے لیکر شاہ اسماعیل شہید تک کو آپ ایک ایک کر کے دیکھیں تو ظاہر و باطن کے علوم والوں کی یکجائی کا نظارہ آپ کو ہو گا اور اس سے ان کے علمی و روحانی برکات کی وسعت کی حقیقت آشکارا ہو جائے گی۔ وہ علوم کی تدریس کے وقت یعلمہم الکتاب والحکمۃ کا جلوہ دکھاتے تھے اور حجروں میں بیٹھ کر یزکیہم کی جلوہ ریزی دکھاتے تھے۔

پھر ان کے بعد ان کے فیوض و برکات کے جو حامل ہوئے جن کی نشاندہی چنداں ضروری نہیں کہ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود "ان سے دنیا کو جو فیض پہنچا اور دین کی اشاعت و تبلیغ اور قلوب و نفوس کے تزکیہ و تصفیہ کا جو کام

انجام بایں وہ بھی ظاہر و باطن کی اسی جامعیت کے آئینہ دار تھے اور آئندہ بھی سنن الہیہ کے مطابق دین حق سے پھیلے گا وہ وہی ہوں گے جن کے اندر مدرسیت اور خانقاہیت کی دو سوتیں ایک چشمہ بن کر بہیں گی "مرج البحرین یلتقیان" آنکھوں کا نور شب بیداری سے بڑھتا اور زبان کی تاثیر ذکر کی کثرت سے پھیلتی ہے رات کے راہب ہی اسلام میں دن کے سپاہی ثابت ہوئے ہیں۔ سوانح و تراجم کا سیزدہ صد سالہ دفتر اس دعویٰ کا شاہد ہے زبان کی روانی اور قلم کی جولانی دل کی تابانی کے بغیر سراب کی نمو سے زیادہ نہیں خواہ وہ اسوقت کتنا ہی تابناک نظر آتا ہو مگر وہ مستقل اور مستقبل وجود سے محروم ہے۔

مزاج نبوۃ قوام ملت ہے

اس کی ایک خاص وجہ ہے اور وہ یہ کہ ہر قوم اور ہر ملت کا ایک مزاج ہوتا ہے جب تک پیش نظر اصلاح و تجدید کا کام قوم و ملت کے مزاج کے مطابق نہ ہوگا اس کو کامیابی و سرفرازی حاصل نہ ہوگی۔ اسوقت ملت اسلامیہ کی اصلاح و تجدید کے مدعی مختلف گروہ ہیں۔ ایک گروہ نے اس کی ضرورت سمجھی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ و رسالت کا عہد پرانا ہو چکا ہے اب ایک نئی طرح کی نبوت و رسالت کی ضرورت ہے چنانچہ اس نے اسکی دعوت دی اور ناکام رہا اور ملت محمدیہ سے ان کا رشتہ کٹ گیا۔ دوسرے گروہ نے نبوۃ و رسالت محمدی کو تو قائم رکھا مگر وحی محمدی کی تعبیر میں تغیر و تبدل کی ضرورت سمجھی، احادیث نبوی سے انکار کیا، قرآن پاک کی تعبیر کے لئے اپنے عقلی قیاسات اور زمانہ حال کی تاثیرات کو موجہ قرار دیا۔ یہ گویا ایک نئے قرآن کا طالب ہے۔ اس جماعت کا رشتہ بھی ملت محمدیہ سے کمزور پڑگیا اور اب ان کا ہر مجتہد "حسبنا کتاب اللہ" کہہ کر کتاب اللہ کی نئی تعبیر کرتا اور نئی نماز، نیا روزہ، نیا طریق حج اور نئی شریعت نکال رہا ہے، تیسری جماعت کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ کو یاد کرتی ہے مگر ہر آیت و حدیث کو اپنی عقلیت کے معیار پر جانچنا چاہتی ہے اور اسی لئے معجزات کی منکر، جنت و دوزخ کی حقیقت سے منحرف ربٰوا کے جواز کی قائل اور بہت سے ان مسائل کو جن کا زندگی سے تعلق ہے دین شریعت کے بجائے "عقل اور اصول فطرت" سے طے کرنا چاہتی ہے نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا شمار دین محمدی کے مؤولین میں ہوا، مؤمنین و قانتین میں نہیں۔

ایک نیا گروہ ہے جو نئی نبوت نہیں چاہتا، نیا قرآن نہیں مانگتا، نئی نماز اور نئے روزے کا مبلغ نہیں لیکن وہ ایک نئی امامت کا خواستگار ہے جو اسلام کا نیا نظام مرتب کرے کفر و ایمان و نفاق اور اطاعت امیر کے نئے نقشے بھرے اور یورپ کی "ازم" والی تحریکوں کی طرح مسلمانوں میں ایک نئی تحریک کا آغاز کرے اور اس "اسلام ازم کو "ازم" والے عزم اور جوش و خروش سے نوجوانوں میں پھیلائے اور مسائل کلامی و فقہی کا فیصلہ ایک نئے مجتہدانہ انداز سے کرے۔ ممکن ہے کہ یہ گروہ اس موجودہ انقلابی دور میں نوجوانوں کے لئے تسلی و تشفی کا پیغام ثابت ہو اور اقتصادی و سیاسی راہ سے الحاد کا جو سیلاب آرہا ہے اس کے روکنے کا کام کرے لیکن اسکا طریق فکر اور طریق کار امت کے جمیع طبقات کے مطابق نہیں۔

ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً۔

حاصل یہ ہے کہ امت محمدیہ کے مزاج کے مطابق یہ ضروری ہے کہ داعی اور دعوت اور طریق دعوت تینوں چیزیں ٹھیک ٹھیک طریق نبوت اور اسوۂ نبوت کے مطابق ہوں۔ داعی خود بھی قلباً اور قالباً داعیِ اوّل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت رکھتا ہو، جس حد تک یہ نسبت قوی ہوگی دعوت میں تاثیر اور کشش پیدا ہوگی پھر ضروری ہے کہ دعوت وہی ہو یعنی خالص اسلام اور ایمان اور عملِ صالح کی دعوت ہو، پھر دعوت کا طریق بھی وہی اختیار کیا جائے جو داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اختیار فرمایا تھا جس حد تک ان تینوں امور میں عہد رسالت و نبوت کے ساتھ قرب و مناسبت جتنی زیادہ ہوگی اتنی ہی زیادہ دعوت کی قوت میں تاثیر اور دعوت کے دائرہ میں وسعت پیدا ہوگی اور وہ راہ کی ضلالت سے حفاظت اور صراطِ مستقیم کی طرف رہبری کی طاقت میں اضافہ ہوگا۔ گذشتہ صدیوں کے جن داعیانِ امّت کے تجدیدی کارناموں کو امّت نے تسلیم کیا ہے ان کی تاریخ سے بھی ان اصولوں کی سچائی ثابت ہوتی ہے۔

الغرض ضرورت یہ ہے کہ داعی اپنے علم و عمل، فکر و نظر، طریق دعوت اور ذوق و حال میں انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص مناسبت رکھتا ہو۔ صحتِ ایمان اور ظاہری عمل صالح کے ساتھ اس کے باطنی احوال بھی منہاج نبوت پر ہوں۔ محبتِ الٰہی، خشیتِ الٰہی، اخلاق اللہ تعلق مع اللہ کی کیفیت ہو۔ اخلاق و عادات و شمائل میں اتباع سنن نبویؐ کی کیفیت ہو۔ حُبّ للہ، بغض للہ، رافت و رحمت بالمسلمین اور شفقت علی الخلق اس کی دعوت کا محرک ہو اور انبیاء علیہم السلام کے بار بار دہرائے ہوئے اصول کے مطابق سوائے اجرِ الٰہی کی طلب کے کوئی مقصود نہ ہو۔ ان اجری الا علی اللہ۔
اور اسکی طلب کی ایسی دُھن ہو کہ جاہ و منصب، مال و دولت، عزت و شہرت اور نام و نمود اور ذاتی آرام و آسائش کا کوئی خیال راہ میں مانع نہ ہو۔ اسکا بیٹھنا، اٹھنا، بولنا، چلنا غرض اس کی زندگی کی ہر جنبش و حرکت اسی ایک سمت میں سمٹ کر رہ جائے

ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العٰلمین

اس عہد میں تبلیغی ناکامی کے وجوہ

۱۹۲۱ء کی بات ہے کہ ہندوستان میں آریوں کی کوشش سے جاہل نومسلم دیہاتی علاقوں میں ارتداد کی آگ پھیلی، اس کے بجھانے کیلئے ہر چہار طرف مسلمان کمربستہ ہوگئے، بہت سی تبلیغی انجمنیں بنیں، ہزاروں روپے کے چندے ہوئے، مبلغین نوکر رکھ کر جگہ جگہ پہنچائے گئے مناظرینِ اسلام نے بحث و مناظرہ کے میدان گرم کئے اور کئی سال تک بڑی دھوم دھام سے یہ کام ہوتا رہا۔ آخر آہستہ آہستہ یہ جوش و خروش کم ہوتا گیا، ایک ایک انجمن ٹوٹ گئی، چندے کی کمی سے مبلغین برطرف ہوتے گئے، مناظرین کے بلاوے بھی گھٹتے گئے اور بالآخر سمندر میں سکون پیدا ہوگیا۔

اس ناکامی کے وجوہ کیا تھے؟ یہ سارا تماشا کام کرنے والوں کی دلی لگن کا نتیجہ نہ تھا اور نہ مبلغین و مناظرین و داعیان کے دلوں میں دین کی دُھن، بلکہ جو کچھ تھا وہ داد و رسد کا مبادلہ اور نفع عاجل کی حرص و طمع تھی اور دینی دعوت اور باطنی ارشاد و تبلیغ بازار کی قیمت سے خریدی نہیں جاتی۔

انبیاء علیہم السلام کے اصول دعوت

① انبیاء علیہم السلام کے اصولِ دعوت کی بنیادی چیز یہی ہے کہ وہ اپنے کام کی اُجرت و مزدوری کسی مخلوق سے نہیں چاہتے۔ وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العلمین ان کا متحدہ و متفقہ فیصلہ ہے۔ انتہا یہ ہے کہ وہ اپنے کام کی کسی بندہ سے تحسین و آفرین نہیں چاہتے ان کی دعوت اور کشش کی تاثیر دو قوتوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ مخلوق کے ہر اجر سے استغناء و بے نیازی اور ان کی ذاتی پاکیزہ زندگی "سورۃ یٰسین" میں چند داعیانِ حق کا ذکر ہے جس میں ایک کی تکذیب کے بعد دوسرے رسول کی آمد اور اس کی تائید کا بیان ہے۔ بالآخر اقصائے شہر سے ایک سعید ہستی آتی ہے اور اپنے ہم قوموں سے خطاب کر کے کہتی ہے: یقوم اتبعوا المرسلین اتبعوا من لا یسئلکم اجرا وھم مھتدون:

"اے میرے لوگو! ان پیغمبروں کی پیروی کرو، ان کی پیروی کرو جو تم سے مزدوری نہیں چاہتے اور راہِ ہدایت پائے ہوئے ہیں"۔

معلوم ہوا کہ مبلغ کے لئے پاکیزگی اور خلق سے بے نیازی اور اخلاص و للّٰہیت ان کی تاثیر کا اصل سرچشمہ ہے۔

② ان کی تبلیغ و دعوت کا دوسرا محرک بندگانِ الٰہی پر رحمت و شفقت اور خیر خواہی کا جذبہ ہے۔ بندوں کی اس تباہ حالت کو دیکھ کر ان کا دل جلتا ہے اور خیر خواہی سے ان کا دل چاہتا ہے کہ کسی طرح ان کی حالت سدھر جائے ٹھیک اسی طرح جس طرح باپ بیٹے کی اصلاح اور رشد و ہدایت کا طالب محض پدرانہ شفقت اور خیر خواہی کی بناء پر ہوتا ہے اسی طرح مبلغ و داعی کے اندر بھی یہی جذبہ ہو۔ دینی خیر خواہی اور مسلمانوں پر رحمت و شفقت کی تاثیر اس کے دل کو بے چین رکھے۔

حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم کو کہتے ہیں:

یقوم لیس بی سفاھۃ ولکنی رسول من رب العلمین ۝ ابلغکم رسلت ربی وانا لکم ناصح امین۝

(سورۃ اعراف)

"اے میرے لوگو! میں بے وقوف نہیں، لیکن میں پروردگار کا بھیجا ہوا ہوں، میں تم کو اپنے پروردگار کا پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں"۔

حضرت صالح علیہ السلام اپنی امت کو خطاب کر کے فرماتے ہیں:

یقوم لقد ابلغتکم رسلۃ ربی ونصحت لکم ولکن لا تحبون النصحین ۝ (اعراف)

"اے میرے لوگو! میں نے تم کو اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا دیا اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی، لیکن تم اپنے خیر خواہوں کو نہیں چاہتے"۔

حضرت نوح علیہ السلام پر ان کی قوم گمراہی کی تہمت لگاتی ہے اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

یقوم لیس بی ضللۃ ولکنی رسول من رب العلمین ابلغکم رسلت ربی وانصح لکم (اعراف)

"اے میرے لوگو! میں بہکا نہیں ہوں، لیکن پروردگار کا بھیجا ہوا ہوں، تمہیں اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارا بھلا چاہتا ہوں"۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغی احوال وکیفیات کا ذکر قرآن پاک میں بار بار ہے اور ہر بار یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اُمت کا کتنا غم تھا۔ ایسا غم جس کے بوجھ سے پشت مبارک ٹوٹی جارہی تھی ؛

الم نشرح لك صدرك ووضعنا عنك وزرك الذى انقض ظهرك

"کیا ہم نے تمہارے سینہ کو نہیں کھول دیا اور تم سے اس بوجھ کو نہیں اتار دیا جس نے تمہاری پیٹھ کو توڑ دیا تھا "

امت کے غم سے یہ حال تھا کہ حضور کو اپنا جینا بھی دوبھر معلوم ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تسلی دی اور فرمایا :

لعلك باخع نفسك الا يكونوا مؤمنين ۔ (شعراء)

"کیا اس بات پر آپ اپنی جان گھونٹ ڈالیں گے کہ یہ ایمان نہیں لاتے "

یہی مفہوم سورہ کہف کی ایک آیت میں بھی ہے ۔

لعلك باخع نفسك على اثارهم ان لم يؤمنوا بهذا الحديث اسفاً (کہف)

"تو کیا آپ کے پیچھے اگر وہ ایمان نہ لائیں اپنی جان افسوس کر کے گھونٹ ڈالیں گے ؟"

اسی محبت ورحمت کا اقتضا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر مسلمانوں کی ہر تکلیف شاق گزرتی تھی ۔ اور چاہتے تھے کہ ہر بھلائی اور خیر کا دروازہ ان پر کھل جائے ۔ ارشاد ہوا :

لقد جاءكم رسول من انفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم بالمؤمنين رءوف رحيم ۔

"تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آیا جس پر تمہارا تکلیف میں پڑنا شاق ہوتا ہے تمہاری بھلائی کا حریص ہے اور ایمان والوں پر مہربان اور رحیم ہے "

(۳) دعوت وتبلیغ کا تیسرا اصل یہ ہے کہ نرمی، سہولت، آہستگی، دانشمندی اور ایسے اسلوب سے گفتگو کی جائے کہ جس سے مخاطب پر داعی کے خلوص اور محبت وشفقت کا اثر پڑے اور بات مخاطب کے دل میں اُتر جائے ۔ فرعون جیسے خدائی کے مدعی کافر کے پاس حضرت موسیٰ جیسے اولوالعزم نبی بھیجے جاتے ہیں تو ان سے کہا جاتا ہے ؛

فقولا له قولاً لينا (طٰہٰ) تم دونوں (حضرت موسیٰ وہارون) فرعون سے نرم گفتگو کرنا ۔

منافقین نے اسلام کو نقصان پہنچانے چاہے اور جس طرح اسلام کی دعوت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ناکام کرنا چاہا وہ بالکل ظاہر ہے بایں ہمہ آپ کو یہی حکم دیا جاتا ہے ؛

فاعرض عنهم وعظهم وقل لهم فى انفسهم قولاً بليغاً ۔

"تو آپ اُن سے درگزر کیجئے اور انکو نصیحت کیجئے اور ان سے انکے معاملے میں ایسی بات کہیے جو انکے دلوں میں اتر جائے "

اس سے اندازہ ہوگا کہ جب نرمی اور سہولت اور دل میں گھر کر لینے والی بات کا طریق منافقوں سے برتنے کا حکم ہوتا ہے تو عام نادان مسلمانوں کو سمجھانے اور بتانے کا کیسا طریقہ ہونا چاہیئے ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دعوت کے اصل

کو آیت ذیل میں تفصیل سے ظاہر فرمادیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن (بنی اسرائیل)

"آپ اپنے پروردگار کی طرف لوگوں کو دانشمندی اور اچھی نصیحت کے ذریعے سے دعوت دیں اور بحث و مباحثہ کریں تو وہ بھی خوبی سے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یمن کی سمت دو صحابیوں کو اسلام کا داعی بناکر بھیجا تو ان کو چلتے وقت یہ نصیحت فرمائی:

یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا (صحیح بخاری)

"تم لوگوں کو آسانی کی راہ بتانا ان کو دقت میں نہ ڈالنا انہیں خوشخبری سنانا اور نفرت نہ دلانا۔"

دیکھنے میں تو یہ ارشاد نبوی دو دو لفظ کے دو فقرے ہیں مگر ان میں طریق تبلیغ کا ایک دفتر بند ہے داعی اور مبلغ کو چاہیئے کہ جس جماعت کو دعوت دے اس میں آسان سے آسان طریقے سے دین کو پیش کرے اور شروع ہی میں سختی نہ کرے ان کو خوشخبری اور اعمال کی بشارت اور رحمت و مغفرت آلہی کی وسعت کا تذکرہ کرے انکو دین کا حوصلہ دے۔ اسکا یہ مطلب نہیں کہ عقائد اور فرائض میں مداہنت کی جائے یہ تو کسی حال میں جائز نہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ طریق کار میں سہولت اور نرمی برتی جائے۔ فرائض کے علاوہ دوسرے اعمال جو فرض کفایہ یا مستحبات ہوں یا جن کے سبب میں دین میں فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو ان میں زیادہ سخت گیری نہ کی جائے یا جن امور میں فقہاء اور مجتہدین نے مختلف راہیں اختیار کی ہیں ان میں سے کسی ایک ہی راہ کے قبول میں شدت نہ کی جائے یا مسائل کے بیان میں جس حد تک اللہ تعالیٰ نے وسعت پیدا کر رکھی ہے اس میں عزم و تقویٰ کے لئے تنگی نہ کی جائے۔

ان امور کی مثالیں سیرت سنن نبوی میں بکثرت ملتی ہیں۔ چنانچہ عقائد و فرائض میں مداہنت کرنے کی ممانعت قرآن پاک کی کئی آیتوں میں ہے۔ کفار اسلام کے عقائد میں کچھ نرمی چاہتے ہیں۔

ودوا لو تدھن فیدھنون (قلم) "کفار چاہتے ہیں کہ آپ کچھ نرمی کریں تو وہ بھی نرمی کریں۔"

مگر اس کی اجازت نہیں دی گئی۔

(۴) اس اصول کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دعوت و تبلیغ میں الاہم فالاہم کی ترتیب مدنظر رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ شروع فرمائی تو سب سے پہلا زور صرف توحید و رسالت پر صرف فرمایا لا الٰہ الا اللہ یعنی کلمہ اسلام کی دعوت شروع کی۔ قریش پوچھتے ہیں کہ آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ فرمایا فقط ایک کلمہ (بات) اگر تم اسکو مان لوگے تو سارا عرب و عجم تمہارا زیر فرمان ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور رسول کی رسالت حقیقت میں وہ تخم ہے جس کے اندر سے سارے احکام کا برگ و بار نکلتا ہے سب سے پہلے اسی کی تخم ریزی چاہیئے اس کے بعد احکام کا دور آتا ہے۔

قرآن پاک کا نزول خود اس طریق دعوت کی صحیح مثال ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ قرآن پاک میں پہلے دلوں کو نرم کرنے والی آیتیں نازل ہوئی ہیں جن میں جنت و دوزخ کا ذکر ہے یعنی جن میں ترغیب و ترہیب ہے پھر جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تو حلال و حرام کی آیات نازل ہوئیں اور اگر پہلے یہی اترتا کہ شراب مت پیو تو کون مانتا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک کے نزول میں بھی یہ تبلیغی ترتیب ملحوظ رہی ہے۔

طائف کا وفد جب بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا تو اس نے اپنے اسلام کی یہ شرط پیش کی کہ ان سے نماز معاف کر دیجائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس دین میں خدا کے سامنے جھکنا نہ ہو وہ کس کام کا؟ (لاخیر فی دین لارکوع فیہ) پھر انہوں نے یہ شرط پیش کی کہ اُن سے عشر وصول نہ کیا جائے اور نہ مجاہدین کی فوج میں ان کو بھرتی کیا جائے۔ آپ نے یہ دونوں شرطیں قبول کر لیں اور ارشاد فرمایا جب یہ مسلمان ہو جائیں گے تو عشر بھی دیں گے اور جہاد میں بھی شریک ہوں گے۔

محدثین لکھتے ہیں کہ نماز چونکہ فوراً واجب ہوتی ہے اور دن میں پانچ دفعہ واجب ہوتی ہے اس لئے اس میں نرمی نہیں برتی گئی اور جہاد کی شرکت چونکہ فرض کفایہ ہے اور کسی وقتِ خاص پر فرض ہوتی ہے اور زکوٰۃ و عشر کے وجوب کے لئے چونکہ ایک سال کی مدّت کی وسعت تھی اور بعد کو بھی وہ بتاخیر ادا ہو سکتی ہے اس لئے ان دونوں باتوں میں نرمی ظاہر فرمائی اس سے تبلیغ کے حکیمانہ اصول پر پوری روشنی پڑتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ بن جبل کو یمن بھیجا تو ارشاد فرمایا "تم ایسے لوگوں میں جا رہے ہو جو اہلِ کتاب بھی ہیں، جب تم وہاں پہنچو تو ان کو سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اللہ نہیں محمد اللہ کے رسول ہیں جب وہ یہ مان لیں تو انہیں یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن میں پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں، جب وہ تمہاری یہ بات بھی مان لیں تو پھر ان کو یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر زکوٰۃ بھی فرض کی ہے جو دولت مندوں سے لی جائے اور غریبوں میں تقسیم کی جائے اور جب وہ اسکو بھی مان لیں تو زکوٰۃ میں چن چن کر ان کے اچھے مال نہ لو، اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں!

اس حدیث سے بھی دعوت کی حکیمانہ ترتیب کا اظہار ہوتا ہے۔

(۵) تبلیغ و دعوت کے ان اصولوں میں سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں نمایاں معلوم ہوتے ہیں، ایک یہ عرض ہے یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا انتظار نہیں فرماتے تھے کہ لوگ آپ کی خدمت میں خود حاضر ہوں بلکہ آپ اور آپ کے داعی لوگوں تک خود پہنچتے تھے اور حق کی دعوت دیتے تھے یہاں تک کہ کبھی کبھی لوگوں کے گھروں تک خود پہنچ جاتے تھے اور کلمۂ حق کی دعوت پیش فرماتے تھے۔ مکہ معظمہ سے سفر کر کے طائف تشریف لیگئے اور وہاں عبدیالیل رئیسوں کے گھروں میں جا کر تبلیغ کا کام کیا۔ حج کے موسم میں ایک ایک قبیلے کے پاس تشریف

لیجاتے اور ان کو حق کا پیغام پہنچاتے اور ان کے ترش و تند جوابوں کی پرواہ نہ فرماتے، آخر اسی تلاش میں یثرب کے دو سعادتمند ملے جن کے ہاتھوں سے ایمان و اسلام کی دولت مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو منتقل ہوئی۔

(۶) صلح حدیبیہ کے بعد جب ملک میں امن وامان و اطمینان ہوا تو اسلام کے سفیر مصر و ایران اور حبش کے بادشاہوں اور عمان و بحرین اور یمن و حدود شام کے رئیسوں کے پاس اسلام کا پیغام لیکر پہنچے اور مختلف صحابہؓ نے عرب کے مختلف صوبوں اور قبیلوں میں جاکر اسلام کی تبلیغ کی۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ مدینہ منورہ گئے، حضرت علیؓ اور معاذ بن جبلؓ نے یمن کا رُخ کیا۔ یہی حال ہر دور کے علماءِ حق اور ائمہ دین کا رہا۔

اس سے معلوم ہوا کہ داعی و مبلّغ کا خود فرض ہے کہ وہ لوگوں تک پہنچے اور حق کا پیغام پہنچائے۔ بعض صاحبوں کو خانقاہ نشینوں کے موجودہ طرز سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ان خاصانِ حق کا ہمیشہ سے یہی طریقہ رہا ہے حالانکہ یہ سراسر غلط ہے ان بزرگوں کی سیرتیں اور تذکروں کو کھول کر پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ یہ کہاں کے رہنے والے تھے، فیض کہاں پایا اور جو پایا اسکو کہاں بانٹا اور کہاں جاکر زیر زمین آرام کیا اور یہ اس وقت کیا جب دنیا ریلوں، لاریوں، موٹروں اور سفر کے دوسرے سامانِ راحت سے محروم تھی۔

معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سیستان میں پیدا ہوئے، چشت واقع افغانستان سے دولت پائی اور اجمیر کے کفرستان میں آکر حق کی روشنی پھیلائی۔ بابا فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سندھ کے کناروں سے دہلی تک اور دہلی سے پنجاب تک آئے گئے اور ان کے مریدوں در مریدوں میں حضرت نظام الدین سلطان الاولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور پھر ان کے خلفاء کے احوال اور ان کے سفر کے مقامات اور ان کے مزارات کی جائے وقوع کو دیکھئے کہ وہ کہاں کہاں ہیں۔ کوئی دکن میں ہے کوئی مالوہ میں، کوئی بنگال میں ہے کوئی صوبہ جات متحدہ میں ہے۔

(۷) اسلامی دعوت و تبلیغ کا ایک بڑا اصول نفیر ہے یعنی دین کی طلب اور تبلیغ کے لئے ترکِ وطن کرکے ایسے مقامات پر جانا جہاں دین حاصل ہو سکے اور پھر وہاں سے لوٹ کر اپنے وطن میں آکر اپنے قبیلوں اور ہم قوموں کو اس فیض سے مستفید کرنا۔ سورۂ نساء کی حسب ذیل آیت اگرچہ اپنے شانِ نزول کے اعتبار سے جنگ کے موقع کی ہے مگر الفاظ کے عموم کی بناء پر ہر اس نفیر کو شامل ہے جو کسی کارِ خیر کے لئے کی جائے جیسا کہ قاضی بیضاوی نے بھی اپنی تفسیر میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے:

یاایھا الذین اٰمنوا خذوا حذرکم فانفروا ثبات او انفروا جمیعا۔ (النساء)

"اے ایمان والو! اپنا بچاؤ کرو اور الگ الگ یا جتھا بنا کر گھروں سے نکلو"

ایک دوسری آیت خاص اسی مفہوم کی سورۂ براءۃ میں ہے:

وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین

ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون ۰ (زراع)

" یہ تو نہیں ہو سکتا کہ سارے مسلمان گھروں سے نکلیں تو کیوں ہر گروہ سے کچھ لوگ اس غرض کے لئے گھروں سے نہیں نکلتے کہ وہ دین کا علم حاصل کریں اور جب وہ اپنے گھر لوٹ کر آئیں تو اپنے لوگوں کو اللہ سے ڈرائیں تاکہ وہ بھی برائیوں سے بچنے لگیں۔"

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اسی طرح وفود بنا بنا کر الگ الگ قبیلوں سے لوگ مدینہ منورہ آتے تھے اور ہفتہ عشرہ بعض دو عشرے رہ کر دین کا علم اور عمل حاصل کر کے اپنے اپنے گھروں کو لوٹتے تھے اور بقیہ لوگوں کو دین سے واقف کرنے کا کام کرتے تھے۔

⑧ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مسجد نبوی کے چبوترہ پر اصحاب صفہ کا حلقہ تھا جن کا کہیں گھر نہ تھا گزر بسر کی صورت یہ تھی کہ یہ لوگ دن کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور بازار میں بیچتے اور رات کو کسی معلم کے پاس دین کا علم سیکھتے اور ضرورت کے وقت مختلف مقاموں میں بھی مبلغ بنا کر بھیجے جاتے۔ ضروری مشاغل کے علاوہ دین کی تعلیم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے فیضیابی اور عبادت میں انہماک ان کے کام تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک گروہ کا انتظام رکھنا بھی تنظیم جماعت سے ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ گروہ خاص تربیت کے ماتحت پیدا ہوتا تھا اور صحبت نبوی کی برکت سے ظاہری و باطنی فیوض سے مالا مال رہتا ہے اور تبلیغ دعوت کے کاموں کو انجام دیتا تھا۔

⑨ تعلیم کا طریقہ زیادہ ترغیب و محبت، زبانی تعلیم و احکام و مسائل کا ذکر اور مذاکرہ اور ایک دوسرے سے پوچھنا اور سیکھنا اور بتانا تھا۔ ان کی راتیں عبادتوں سے معمور رہتی تھیں اور دن کاروبار دین میں مصروف۔

تبلیغ کی اہمیت

حکیمانہ تبلیغ و دعوت، امر بالمعروف نہی عن المنکر اسلام کے جسم کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اس پر اسلام کی بنیاد، اسلام کی قوت، اسلام کی وسعت اور اسلام کی کامیابی منحصر ہے اور آج سب زمانوں سے بڑھ کر اس کی ضرورت ہے اور غیر مسلموں کو مسلمان بنانے سے زیادہ اہم کام مسلمانوں کو مسلمان، نام کے مسلمانوں کو کام کے مسلمان اور قومی مسلمان کو دینی مسلمان بنانا ہے، حق ہے کہ آج مسلمانوں کی حالت دیکھ کر قرآن پاک کی یہ ندا:

یا ایها الذین آمنوا آمنوا "اے ایمان والو! ایمان لاؤ"

کو پورے زور شور سے بلند کیا جائے۔ شہر شہر، گاؤں گاؤں اور بستی بستی پھر کر مسلمانوں کو مسلمان بنانے کا کام کیا جائے اور اس راہ میں جفاکشی، وہ محنت کوشی اور وہ ہمت اور وہ قوت مجاہدہ صرف کی جائے جو دنیا دار لوگ دنیا کے عز و جاہ اور حصول طاقت میں صرف کر رہے ہیں جس میں حصول مقصد کی خاطر متاع عزیز کو قربان کرنے اور ہر مانع کو بیچ سے ہٹانے کیلئے ناقابل تسخیر طاقت پیدا ہوتی ہے۔ کوشش سے، کوشش سے، جان و مال سے ہر راہ سے اس میں قدم آگے بڑھایا جائے اور حصول مقصد کی خاطر وہ جنون کی کیفیت اپنے اندر پیدا کی جائے جس کے بغیر دین و دنیا کا نہ کوئی کام ہوا ہے اور نہ ہوگا۔

ارشادات و ملفوظات امیر التبلیغ

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ

رپورٹ : حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہی

○

○ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا پوتا محمد ہارون مرحوم تقریباً تین سال کا تھا۔ وہ آیا اور اس نے لا الہ الا اللہ پڑھا اور فوراً چلا گیا۔ حضرت بلاتے رہے لیکن نہیں آیا۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ دیکھو ماحول کی وحشت میری محبت پر غالب آگئی میرے پاس اجنبی لوگوں کو دیکھ کر گھبرا گیا۔ یہی حال تبلیغ کا ہے ماحول کو درست کرنے کی ضرورت ہے!

○ حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ اپنے خادم مولوی عبد المجید صاحب مرحوم کو کسی بات پر تنبیہ کر رہے تھے کہ تمہاری غلطیوں کو کہاں تک بھگتتا رہوں؟ اس پر مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے فرمایا کہ جہاں تک اپنی غلطیوں کے بھگتوانے کے امیدوار ہو۔

○ فرمایا قرآن کریم کو جانتے ہو کہ کیا ہے؟ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیر ہے۔ پیر تربیت کرتے ہیں، ہمارے حضورؐ کی تربیت قرآن کریم سے ہوئی۔ حضورؐ ہمارے گھر تشریف لاتے تو ان کے ساتھ کیا معاملہ کرتے۔ دیکھو آج ان کے پیر کے ساتھ ہمارے گھروں میں کیا معاملہ کیا جا رہا ہے! قرآن کریم کی کیا قدر ہے!

○ فرمایا یاد رکھو! بڑے سے بڑا عمل کسی مسلم کی دل آزاری سے اللہ تعالیٰ کے یہاں بے رونق ہو جاتا ہے!

○ فرمایا جب مشائخ کسی کو خلافت دیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ طالب نے اپنے شیخ کے سامنے عاجزی تواضع میں ایسی مشق کی کہ اپنی خواہش کو فنا کر دیا۔ جب اس کو اس کا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے تو شیخ اجازت دیتا ہے۔ اب مجاز کو یہی عاجزی و تواضع کا معاملہ سب مخلوق کے ساتھ کرنا ہے۔

○ حضرت نے ایک لڑکے کا نکاح پڑھایا اس کی داڑھی منڈی ہوئی تھی اور اس کے باپ کی کٹی ہوئی تھی دونوں کے چہروں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا کہ یہ سرکاری گھاس ہے جو اسے مونڈے یا کاٹے گا اس کی پکڑ ہوگی تم لوگ مونڈنا کاٹنا چھوڑ دو۔

○ تبلیغ میں جانے والوں کو فرمایا کہ نکلنے سے پہلے کچھ دیر بیٹھ کر سوچو کہ یہ کام کتنا عظیم ہے جس کے لئے حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا۔ جن کے اخلاق و اعمال انتہائی بلند تھے ان کو حاصل کرنے کی سخت ضرورت ہے جب چلو تو ہلکی آواز سے تیسرے کلمہ کا ورد رکھو۔ لایعنی باتوں سے پرہیز کرو گشت میں نکلو تو نگاہ نیچی رکھو۔ ایک ساتھی کو کلام کرنے کے لئے مقرر کر لو جس سے ملاقات ہو وہی بات کرے بقیہ سب ذکرِ قلبی و زبانی میں ایسے مشغول رہیں جیسے کوئی اپنی کھوئی ہوئی چیز ڈھونڈنے کے لئے نکلتا ہے۔ کلمہ موت کے وقت۔ نماز میدان حشر میں گشت۔ ان دونوں کی طلب میں ڈوب کر نکلنا ہے۔ اس فضا میں معاصی بھرے ہوئے ہیں ذکر کی برکت سے ان کی ظلمت دور ہوگی۔ گشت میں ملنے والا شخص بات سنتا اور مانتا ہے تو اللہ کے شکر کے ساتھ یہ سوچو کہ کیسے اچھے بندے اللہ نے پیدا فرما رکھے ہیں۔ ایک دفعہ کہنے سے بات قبول کر لی۔ یہ ہماری کوتاہی ہے کہ اب تک ان کے پاس گئے نہیں تھے اور جو شخص قبول نہ کرے تو یہ سوچو کہ یہ بندہ اگر اللہ کا محبوب نہ ہوتا تو اسے ایمان کی دولت نہیں دیتے اور یہ کلمہ جو ہم پیش کر رہے ہیں یہ بھی حق ہے لیکن ہمارے قلب و زبان کی نحوست جو گناہوں سے لبریز ہے جس نے اس کلمہ حق کی تاثیر کو روک دیا ہے۔ اسوقت دعا مانگو یا اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما کر کلمۂ حق کی تاثیر کو باثر فرما دے۔ جہاں دعوت دینے پر لوگ وقت دیں اور تشکیل ہو جائے تو دل میں مت کہو کہ ہمارا مقصد حاصل ہو گیا ہم کامیاب ہو گئے کیونکہ اندیشہ ہے کہ قیامت کے دن نہ کہہ دیا جائے کہ جس مقصد کے لئے ہم نے دنیا میں محنت کی تھی وہ تو حاصل ہو گیا اب ہم سے کیا چاہتے ہو!

○ تحریک آزادی کے سلسلہ میں فرمایا:

"انگریز بُرا ہے وہ نکل بھی جائے گا مگر اتنا سوچ لیں کہ آج سے دو سو برس پہلے مسلمانوں کی بداعمالیوں کی پاداش میں انگریز مسلط ہوا تھا۔ اب یہ دیکھ لو ان دو سو برسوں میں مسلمان قوم خیر کی طرف چلی ہے یا شر کی طرف؟ انگریز کے نکلنے کے بعد جو آئے گا وہ آج کے عمل کے مطابق ہوگا۔" (یہ بات آج سے تقریباً پچاس سال پہلے کی ہے)

○ شریعت میں کوئی جملہ خبریہ صرف خبر کے لئے نہیں بلکہ ہر ایک اپنے اندر ایک عمل (انشاء) کے لئے ہے جیسے کلمہ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا مقصود صرف خبر دینا نہیں بلکہ توحید و رسالت پر ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا مقصود ہے۔

○ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوریؒ کے متعلق فرمایا اسے تم ان کو کیا جانتے ہو ان کے حجرہ کی اینٹیں بھی ذاکر ہیں، میں نے اینٹوں کو ذکر کرتے ہوئے سُنا ہے۔ یہ بھی فرمایا تھا خانقاہ رائپور کی اینٹ اینٹ میں انوار ہیں۔"

بکھرے موتی
عربی سے ترجمہ

حقیقت شناس ذہن

محمد اشرف عاطف

حاتم اصم حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے ایک مرتبہ اُستاد نے شاگرد سے پوچھا "تمہیں میرے ساتھ رہتے ہوئے کتنی مدت ہو گئی ہے ؟" حاتم نے جواب دیا۔ "تیس برس"۔ انہوں نے پھر سوال کیا۔ "اس مدت میں تم نے مجھ سے کیا سیکھا ہے ؟" حاتم اصم نے جواب دیا کہ "آٹھ مسائل سیکھ لئے ہیں" حضرت شقیق بلخیؒ کا غصے سے چہرہ تمتما اُٹھا۔ کہنے لگے۔ "تمہارے ساتھ میری ساری عمر کھپ گئی اور تم ہو کہ ابھی تک آٹھ ہی مسائل سیکھ سکے ہو"

حاتم نے جواب دیا۔

"میرے استاذِ محترم! مجھے جھوٹ بولنا پسند نہیں ہے میں واقعی ٹھیک بتا رہا ہوں کہ میں نے آٹھ مسائل کے سوا کچھ نہیں سیکھا" "اچھا بتاؤ یہ آٹھ مسائل کون سے ہیں ؟ میں بھی تو سنوں" استاذ نے سوال کیا۔

حاتم کہنے لگے۔ "میں نے مخلوق کو دیکھا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہاں ایک آدمی دوسرے آدمی سے محبت رکھتا ہے۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ محب اور محبوب دونوں قبر میں جا پہنچتے ہیں۔ قبر میں جانا اُن کے فراق کا باعث بن جاتا ہے۔ لہٰذا میں نے نیکیوں کو اپنا محبوب بنایا ہے۔ اس لئے جب میں قبر میں جاؤں گا تو میرا محبوب بھی میرے ساتھ ہو گا"

"حاتم! تم نے سچ کہا۔ اچھا دوسرا مسئلہ بتلاؤ" شفیق نے کہا۔

حاتم نے جواب دیا۔ "میں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى۔ ترجمہ: لیکن جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے خواہشات سے اپنے نفس کو روکا تو جنت اُس کا ٹھکانہ ہو گی۔ تیسری پر غور کیا تو اسے برحق سمجھا۔ چنانچہ میں نے اپنے نفس کے ساتھ اس قدر جہاد کیا کہ بالآخر اسے اللہ کی اطاعت کے لئے جھکا لیا"

"تم نے سچ کہا حاتم! اچھا تیسری بات بیان کیجئے" حضرت شقیق نے کہا۔

حاتم نے جواب دیا۔ ”میں نے مخلوقات پر غور کیا کہ جس کے قبضے میں کوئی چیز ہے اس کی نظر میں اس چیز کی قیمت بھی ہے اور اس کی قدر و منزلت اور حفاظت کا بھی ایک خاص مقام ہے پھر میں نے باری تعالیٰ کے ارشاد پر غور کیا کہ ما عندکم ینفد وما عند اللّٰہ باق ۔ ترجمہ: جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جاتا ہے اور جو کچھ خدا کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔ اس کے بعد جب بھی کوئی قدر و قیمت والی چیز میرے سامنے آئی میں نے اُسے اللہ ہی کی طرف لوٹا دیا (یعنی خیرات کر دیا) تاکہ وہ خدا کے ہاں باقی رہے۔“

”تم نے درست کہا حاتم۔ اچھا چوتھا مسئلہ کیا ہے؟“ شقیق نے پوچھا۔

حاتم نے کہا ”میں نے مخلوق کے بارے میں سوچا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ تمام لوگ حسب و نسب اور شرف و مال پر لپکتے ہیں حالانکہ اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں پھر جب میں اس حکم خداوندی کی طرف متوجہ ہوا کہ ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم ۔ ترجمہ: بیشک اللہ کے پاس تم میں سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ تو میں نے تقویٰ کو اختیار کیا تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت پاؤں۔“

”تمہاری بات درست ہے۔ پانچواں مسئلہ بیان کیجئے“ حضرت شقیق نے کہا۔

”میں نے دیکھا کہ لوگ ایک دوسرے کو مطعون کرتے اور ملعون قرار دیتے ہیں۔ بُرا بھلا کہتے ہیں۔ جسکی بنیادی وجہ ان کے باہمی جھگڑے اور دشمنیاں ہیں لیکن مجھے قرآن مجید میں باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ملا ۔ کہ نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیٰوۃ الدنیا ۔ ترجمہ: ہم نے لوگوں کے درمیان انکی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا ہے۔ تو میں نے تمام جھگڑے چھوڑ دیئے۔ کسی سے اگر دشمنی تھی بھی تو یہ سمجھ کر چھوڑ دی کہ معیشت کی تقسیم اللہ کی طرف سے ہے۔“ حاتم نے جواب دیا۔

”تم نے بالکل ٹھیک سمجھا۔ چھٹا مسئلہ بتلائیے۔“ شقیق نے دریافت کیا۔

”میں نے لوگوں کو ایک دوسرے پر زیادتی کرتے اور آپس میں لڑتے دیکھا تو میں خدا کے اس فرمان کی طرف متوجہ ہو گیا کہ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا ۔ ترجمہ: شیطان تمہارا دشمن ہے لہٰذا اس دشمن کو سمجھو۔ چنانچہ میں نے صرف شیطان کو اپنا دشمن سمجھا اور چونکہ خود باری تعالیٰ نے اس کی دشمنی کی گواہی دی ہے اس لئے میں اس سے بچنے کی کوشش میں لگ گیا مخلوق کی عداوت میں نے بالکل ترک کر دی۔“ حاتم نے جواب دیا۔

”تم نے ٹھیک کہا۔ ساتویں بات کونسی ہے؟“ حضرت شقیق نے دریافت کیا۔

”میں نے اکثر لوگوں کو دیکھا کہ تکاثر کے مرض میں مبتلا اور کثرت کی طلب میں سرگرداں ہیں اس ہوس میں حلال و حرام کی تمیز کا دامن بھی ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں اور ان امور کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں جو ان کے لئے حلال نہیں ہوتے۔ لیکن میں نے جب خدا تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھا کہ وما من دابۃ فی الارض الا علی اللّٰہ رزقھا ۔ یعنی زمین پر کوئی جاندار ایسا نہیں جسکا رزق پروردگار کے ذمّہ نہ ہو۔ تو میں نے لوگوں پر اپنے حقوق کا خیال چھوڑ دیا

باقی صفحہ ۲۴ پر

دارالافتاء رشیدیہ مفتی محمد اشرف عاطف

دینی مسائل اور ان کا حل

فرض نمازوں کے بعد دعا کا حکم

سوال: آپ یہ بتائیے کہ فرض نمازوں کے بعد دعا مانگنا جائز ہے یا ناجائز؟
ہمارا یہاں اس بات پر جھگڑا ہوگیا ہے۔ ایک دن ہم نے جمعہ ادا کیا ایک دوست نے فرضوں کے بعد دُعا نہیں مانگی اور کہا کہ فرضوں کے بعد دعا مانگنا ناجائز ہے۔ میں نے کہا نہیں بھائی فرضوں کے بعد دُعا مانگنا لازم ہے اس نے کہا کہ مجھے کسی کتاب میں دکھائیں اس لئے آپ سے درخواست ہے کہ آپ ہمارا یہ مسئلہ حل فرمادیں اور مدلل جواب سے نوازیں۔

عبدالشکور ساجد اصفہان اسلامی جمہوریہ ایران

الجواب: فرض نمازوں کے بعد دعا مانگنا مستحب اور افضل ہے۔ لازم وضروری بھی نہیں جیسا کہ آپ کا مؤقف ہے اور ناجائز بھی نہیں جیسا کہ آپ کے ساتھی کہتے ہیں فرائض کے بعد کی دعا بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔ مثلاً صاحب مشکوٰۃ نے ترمذی شریف کے حوالے سے حضرت ابوامامہ کی روایت نقل کی ہے:

عن ابی امامة قال قیل یا رسول الله ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الآخر ودبر الصلوات المکتوبات رواه الترمذی۔ (مشکوٰۃ شریف ص۸۹ باب الذکر)

ترجمہ: اے اللہ کے رسُول کس وقت کی دُعا زیادہ مقبول ہوتی ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کے آخری حصہ کی اور فرض نمازوں کے بعد کی دُعا۔ واللہ اعلم

خنزیر جیسی شکل والی گائے کے دودھ وغیرہ کا حکم

سوال: آج کل ایسی گائیں پائی جاتی ہیں جن کو بیلوں کے بغیر خنزیر کے مادہ کا ٹیکہ لگاکر پرورش کیا جاتا ہے۔ ان کی شکل بھی خنزیر کے منہ جیسی ہے۔ ایسی گائے کا پالنا اور دودھ وغیرہ کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ وضاحت فرماکر مشکور فرمائیں۔

جعفر ارشد ساہیوال

الجواب: ایسی گائے کا پالنا اور اس کا دودھ پینا جائز ہے۔ اور ایسی گائے سے پیدا ہونے والا بچہ بھی گائے کے حکم میں ہے۔ اس لئے کہ حیوانات میں ماں کا اعتبار ہوتا ہے اور جانور ماں کے تابع ہوتے ہیں مشابہت سے فرق نہیں پڑتا۔

کذا فی "الدر المختار" وبغل امه حمارة فلو فرسا او بقرة فظاهر کمتولد من حمار وحشی وبقرة ولا عبرة بغلبة الشبه لتصریحهم ————
بحل اکل ذئب ولدته شاة اعتبارا للام ——— وفی رد المحتار ——— لانها الاصل

فی ولد لانفصاله منها وهو حیوان متقوم و لا ینفصل من الاب الا ماء مهینا ولهذا یتبعها فی الرق والحریة ۔ ص۱۶۶ ج۱

اور کتاب الذبائح کے آخر میں ہے کہ شیخین کے نزدیک وہ خچر جس کی ماں گھوڑی ہو وہ حلال ہے اسلئے کہ ماں کا اعتبار ہے ــــ وقد حللوا لحم البغال وامها من الخیل قطعاً ــــ وایضاً بمسئلة الشاة اذا نزا علیها ذئب فانه یحل بلا کراهة ۔ وایضاً وان ینزکلب فوق عنز فجاء ها نتاج له راس ککلب فینظر فان اکلت لحماً فکلب جمیعها وان اکلت تبناً فذا الراس یبتر ویوکل الخ

(ردالمحتار ص۲۱۸ ج۵)

مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ اگر اتفاقی طور پر یہ صورت پیش آجائے تو ایسی گائے کا دودھ اور گوشت قابلِ انتفاع ہے اور اس سے متولد بچہ گائے کے حکم میں ہے لیکن قصداً اسطرح کرنا جائز نہیں۔ واللہ اعلم

مریض کو خون دینا

سوال: کیا بیمار آدمی کو تندرست کا خون دینا جائز ہے؟ اور یہ بھی بتلائیے کہ خون کو فروخت کرنا کیسا ہے؟

الجواب: انسان کا خون دوسرے انسانوں کے بدن میں داخل کرنا جائز نہیں۔ لیکن اگر کسی مریض کی جان کا خطرہ ہو تو کوئی ماہر ڈاکٹر کہدے کہ اس کی جان بچانے کے لئے خون پہنچانا ضروری ہے تو اسوقت خون دینا جائز ہوگا۔

یجوز للعلیل شرب الدم والبول واکل المیتة للتداوی اذا اخبره طبیب مسلم حاذق ان شفاءه فیه ولم یجد من المباح مایقوم مقامه (عالمگیری ص۳۵۵ ج۵)۔ وهذا لان الحرمة ساقطة عند الاستشفاء کحل الخمر والمیتة لعطشان والجائع فی النهایه عن الذخیرة یجوز ان علم فیه شفاء ولم یعلم دواء آخر ۔ الخ

نیز اگر خون دیئے بغیر جان تو بچ سکتی ہے لیکن ماہر کی نظر میں خون دیئے بغیر صحت ممکن نہیں اس صورت میں بھی خون دینا جائز ہے۔

۱۲ خون کی خرید و فروخت ناجائز ہے۔

ولا یجوز بیعها لحدیث مسلم ان الذی حرم شربها حرم بیعها۔ (ردالمحتار ص۳۱۹ ج۵)

نقد و نظر

طاہر رشیدی

قطب الارشاد، امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ محدث کے ذکر رشید اور سوانح حیات پر ایک کتاب حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ نے تصنیف فرما کر خود ہی اپنے اہتمام سے "تذکرۃ الرشید" کے نام سے شائع کروائی تھی اور یہ کتاب پہلی مرتبہ اس دور میں طبع ہوئی جس وقت کہا جاتا تھا کہ سلطنتِ برطانیہ کا سورج نصف النہار پر تھا اور اس کی حکومت میں سورج غروب نہ ہوتا تھا ایسے وقت میں ان جیسے اکابر کے حالات پر مشتمل کتاب تحریر فرمانا ہاتھ پر انگارا رکھنے کے مترادف تھا اور خاص طور پر ان اکابر کی سوانح جنہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد میں نمایاں طور پر حصہ لیا ہو تاریخ کا مطالعہ کرنیوالے جانتے ہیں کہ حضرتِ امام ربانی قدس سرہٗ اور ان کے رفقاء نے نہایت دلیری اور شجاعت کے ساتھ ۱۸۵۷ء کے جہاد میں حصہ لیا تھا یہ ایک ایسی ہی حقیقت ہے جسے دوست اور دشمن تسلیم کرتے ہیں۔

کتاب بہت ہی خوب ہے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے مآثر و مکارم شریعت و طریقت کی جامعیت تعلیم و تربیت، تصوف و سلوک، عشقِ رسالت، اتباعِ سنت وغیرہ حالات خوب واضح طور پر لکھے ہیں۔

بزرگانِ دین اور اکابر پر حق تعالیٰ شانہٗ کی عنایات خاصہ ہوتی ہیں۔ ان بزرگوں سے انسانیت راہِ ہدایت پاتی ہے اور ان کی زندگی میں فیوضاتِ الٰہیہ سے مستفیض ہوتی رہتی ہے مگر ان کی حیات کے بعد ان سے تعلق کی صورت فقط یہی ہوتی ہے کہ ان کی سوانح اور حالات کا مطالعہ کرتے رہنا چاہیئے۔

کتاب مذکورہ یوں تو بازار میں کئی ناشروں کی طبع شدہ دستیاب ہے مگر مکتبہ مدنیہ اردو بازار لاہور مبارکباد کا مستحق ہے کہ کتاب کی افادیت و حیثیت اور حسن باطنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے ظاہری اور صوری حسن میں کمی نہیں آنے دی نیز کتاب کی زیادہ سے زیادہ اشاعت و ترویج کے لئے قیمت بالکل ہی نہ لینے کے مترادف ہے بلکہ ان سے معلوم ہوا کہ اس قیمت پر فروخت کرنے میں ہماری لاگت بھی پوری نہیں ہوتی۔ نفیس کتابت عمدہ طباعت آفسٹ پیپر مضبوط ڈائی دار جلد دیدہ زیب سرورق سے مزین قیمت صرف ۶۰/۰۰ روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ مدنیہ اردو بازار — لاہور

بقیہ: ظالم کون!

بلندیاں اور وادیوں کا نشیب، حیوانات کے اجسام اور ان کے تنوع، نباتات کی صورت آرائیاں اور باغ و چمن کی رعنائیاں
پھولوں کی عطر بیزی اور پرندوں کی نغمہ سنجی، صبح کا مہرۂ خنداں اور شام کا جلوۂ محبوب غرضیکہ تمام نمائش گاہِ ہستی حسن
کی نمائش اور نظر افروزی کی جلوہ گاہ ہے اور ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ اس پردۂ ہستی کے پیچھے حسن افروزی اور جلوہ
آرائی کی کوئی قوت کام کر رہی ہے جو چاہتی ہے کہ جو کچھ بھی ظہور میں آئے حسن و زیبائش کے ساتھ ظہور میں آئے
اور کارخانۂ ہستی کا ہر گوشہ نگاہ کے لئے نشاط، سامعہ کے لئے سرور اور رُوح کے لئے بہشت راحت و
سکون بن جائے!

(باقی آئندہ)

بقیہ: بکھرے موتی

اور ان حقوق و واجبات کا خیال
کرنے لگا جو میرے اُوپر میرے پروردگار
کے ہیں۔" حاتم نے اس طرح ساتواں مسئلہ بیان کیا۔

"تم نے ٹھیک کیا۔ اچھا آٹھویں بات بتلایئے۔" حضرت شقیق نے جلدی میں سوال کیا۔

"میں نے لوگوں پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ کسی کو اپنے مال و اسباب پر کسی کو اپنی تجارت پر اور کسی کو اپنی
صحت و تندرستی پر بھروسہ ہے۔ ہر ایک اِن فانی چیزوں پر تکیہ کئے بیٹھا ہے۔ گویا مخلوق، مخلوق پر ہی بھروسہ
کئے ہوئے تھی۔ لیکن میں نے خدا کے اِس ارشاد پر عمل کیا کہ۔ ومن یتوکل علی اللّٰہ فھو حسبہ۔
یعنی جس نے اللہ پر بھروسہ کیا تو وہ اللہ کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ میں نے صرف خدا پر بھروسہ کیا وہی میرے
لئے کافی ہے اور اچھا کارساز ہے۔" حاتم نے اس طرح آٹھواں مسئلہ بھی حضرت شقیق کو بتلایا۔

حضرت شقیق نے کہا۔" حاتم! میں نے تورات، انجیل، زبور اور قرآن سب میں غور کیا تھا اسی نتیجہ تک
پہنچا کہ ہر قسم کی نیکیاں انہی آٹھ مسائل کے گرد گھومتی ہیں جس نے اِن مسائل پر عمل کیا اس نے گویا اِن چاروں
آسمانی کتابوں پر عمل کیا۔

بقیہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت کا بچہ کوئی ذکر نہیں فرمایا ہے۔ چنانچہ کابش کے متعلق کنز العمال میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت انس بن مالکؓ نے حضرت
کابش کو دیکھا تو بے اختیار لپٹ کر رونے لگے اور فرمایا جو رسول اللہؐ کو دیکھنا چاہے وہ حضرت کابس کو دیکھ لے۔

(کنز العمال ج ۷، ترجمہ ص ۳۳)

معلوم ہوا کہ حضرت معاویہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے جو محبت تھی، وہ ان کی صورت کے بھی
عاشق تھے۔ یہاں تک کہ جو صرف ان کی شکل سے ملتا جلتا تھا اس کے اعزاز و احترام میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

؎ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

سالانہ میزانیہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال ۱۴۰۵ہجری ۱۹۸۵ء

خرچ		آمدن	
تعمیرات	۱۳۵۹۰۶-۵۵	عطیات	۲۶۳۹۱۲-۴۸
برقیات	۲۸۶۶۵-۲۰	صدقات	۱۲۵۶۵۳-۷۸
سٹیشنری	۵۵۷۱-۲۵	زکوٰۃ	۷۷۶۷۵۶-۸۰
آمدورفت	۱۷۹۵۸-۲۵	مسجد فنڈ	۲۶۳۹۱-۵۰
الرشید	۵۸۶۶۳-۲۲	چرم	۱۱۲۳۹۹-۰۲
صرفہ طلبہ	۷۳۵۲۳-۶۹	الرشید	۵۴۴۷-۵۰
مطبخ	۱۷۷۵۷۳-۷۷		
مواصلات	۱۷۶۶۶-۳۲	میزان	۱۳۱۰۵۶۱-۰۸
مہمان نوازی	۱۶۲۱۰-۶۵		
مشاہرات	۴۰۰۱۱۵-۲۴		
متفرق	۸۶۴-۹۵		
مسجد فنڈ	۹۰۸۱-۷۵		
نشرواشاعت وتبلیغ	۲۵۹۰۷-۶۰		
کتب خانہ	۴۷۰۱-۵۰		
فیس وفاق المدارس	۱۲۰۰-۰۰		
ڈیٹ فیس	۶۰۰-۰۰		
میزان	۱۲۱۷۴۷۴-۶۶		

Phone No. 2356
REGD. L NO. 8054
MONTHLY . ALRASHID . LAHORE PAKISTAN
معاونین جامعہ و قارئین الرشید
جامعہ رشیدیہ صرف ایک ملی ادارہ ہی نہیں بلکہ ایک تعلیمی، تبلیغی تحریک ہے۔
جامعہ رشیدیہ ماہرین علوم، طالبان تعلیمات کی دینی تربیت گاہ ہے۔
جامعہ رشیدیہ عرصہ پون صدی سے زائد، اسلامی عربی، قرآن اور احادیث و فقہ حنفی کی خدمات انجام دے رہا ہے اور جامعہ سے ہزاروں افراد مستفیض ہو چکے ہیں اور استفادہ کر رہے ہیں۔
جامعہ رشیدیہ پاکستان کے فوقانی مدارس میں ہر طرح سے قابل اعتماد درسگاہ ہے۔
جامعہ رشیدیہ کے تعلیمی مسائل اور علمی امور کے لئے ماہرین علوم کے معائنہ و نتائج امتحانات ملاحظہ فرمائیں
جامعہ رشیدیہ کا نظم و نسق، بہترین نمونے کا نظام ہے حساب کتاب قابل اطمینان ہے۔
جامعہ رشیدیہ کے تعلیمی نظام اور انتظامیہ کو قریب سے دیکھنے کے لئے خود تشریف لائیے اور بچشم خود معائنہ فرمائیے۔
جامعہ رشیدیہ وفاق المدارس العربیہ سے ملحق و منظور شدہ اور حکومت کا مسلمہ خیراتی ادارہ اور انکم ٹیکس سے مستثنیٰ بموجب سرکلر حکومت پاکستان ۱۵سی-۱، (۱۳۵) آئی ٹی۔ بی ۶۰ مجریہ ۶۱-۲-۶
جامعہ رشیدیہ کے سینکڑوں غریب الاوطان طلباء زکوٰۃ و صدقات چرمہائے قربانی کے مستحق اور عطیات کے بہترین مصرف ہیں۔
طلبہ غریب الاوطان کے قیام، طعام، ملبوسات، کتب، ادویہ، علاج معالجہ اور نقد وظائف کا مدرسہ کفیل ہے۔ ۱۴۰/- من صرف گندم کا ماہانہ صرفہ ہے۔
مستقل آمدن توکل علی اللہ۔ جامعہ کوئی مستقل سفیر ندارد۔ بغیر رسید مصدقہ کوئی چیز یا رقم ہرگز نہ دیں
ع ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہے ہیں!
محمد نعیم رائپوری ناظم اعلیٰ ○ مطیع اللہ رشیدی ناظم ○ جامعہ رشیدیہ ساہیوال

جامعہ رشیدیہ ساہیوال کا علمی و تبلیغی مجلہ
ماہنامہ
الرشید
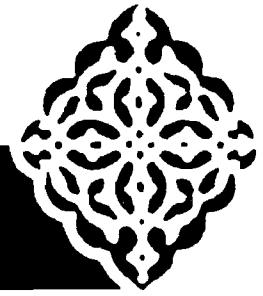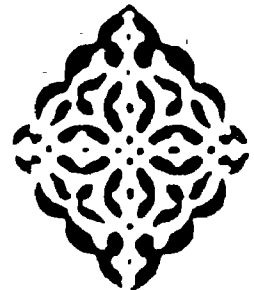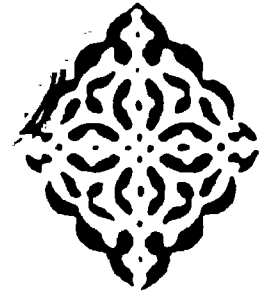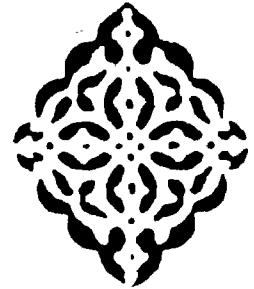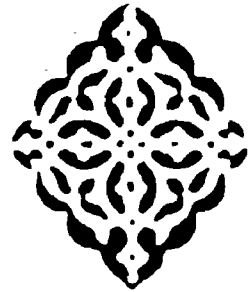
تأثرات

رائے گرامی حضرت قاری محمد ادریس صاحب طارق مدرس تجوید و قرأت جامعہ مدنیہ ــــ لاہور

آج مؤرخہ ۳ اپریل بروز بدھ ساہیوال تبلیغی دورہ پر آنے کا اتفاق ہوا۔ اور حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ صاحبؒ کی تعزیت کے لئے پاکستان کے معروف اور قدیم دار العلوم جامعہ رشیدیہ میں حاضر ہوا۔ فقیر کی ملاقات حضرت پیر طریقت مولانا پیر جی عبد العلیم صاحب مدظلہ سے بھی ہوئی جس سے ناچیز کو اسقدر مسرت و فرحت نصیب ہوئی کہ اس کا اثر مدت دیر تک محسوس کرتا رہوں گا۔ ان کے اخلاق کریمانہ نے میرے قلب پر نہایت گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ بندہ خلوص دل سے دعا گو ہے کہ اللہ پاک ان کی عمر، صحت، علم اور عمل میں برکت عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

نیز جامعہ کے امتحانات بھی شروع تھے۔ مدرسہ کا نظم اور حسن کارکردگی کو دیکھ کر دل سے بے ساختہ دعا نکلی کہ اللہ پاک حضرت پیر جی موصوف کے زیر سایہ اس بحر العلوم کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی مرحمت فرمائے اور حضرت اقدس کا سایہ تادیر قائم و دائم فرمائے۔ اور ان کے روحانی فیض سے پوری امت مسلمہ کو مستفید فرمائے۔

دعا گو و دعا جو : بندہ احقر (قاری) محمد ادریس طارق

خادم دار العلوم جامعہ مدنیہ لاہور

رائے گرامی جناب قاری فدا محمد صاحب ⊙ قاری عبد الاحد صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ ــــ اوکاڑہ

آج بتاریخ ۲۰ شعبان المعظم ۱۴۰۶ھ جامعہ رشیدیہ ساہیوال کا سالانہ امتحان لینے کا موقع ملا۔ ماضی کی طرح حال بھی اپنی تابانیوں میں ہے۔ بحیثیت مجموعی طلبہ کی استعداد اچھی پائی گئی۔ اساتذہ کا حسن سلوک اور طلباء کی تربیت قابل تعریف ہے۔ اللہ تعالیٰ جامعہ کو نظر بد سے محفوظ فرمائے اور پورے عملے کو خلوص اور لگن کے ساتھ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جامعہ کے سابقہ پرنسپل حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی نور اللہ مرقدہٗ کو اللہ کریم اپنے جوار رحمت میں جگہ مرحمت فرمائے جنہوں نے انتھک محنت سے اس ادارے کو ترقی دی۔ پیر جی مولانا عبد العلیم صاحب رائپوری مدظلہٗ اور مولانا ... صاحب رشیدی کی خدمات بھی قابل تعریف ہیں۔ اب ان حضرات کی سربراہی میں مدرسے کو خدا دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین

(قاری) عبد الاحد — (قاری) فدا محمد بقلم خود

خادم مدرسہ جامعہ اشرفیہ اوکاڑہ ــــ اوکاڑہ

بانی: حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی رحمۃ اللہ علیہ

بیاد: تحریک ریشمی رومال کے گمنام فقیہ، حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ رحمۃ اللہ رائپوری

ماہنامہ ۰ جریدہ

الرشید لاہور

جلد نمبر ۱۴
جولائی ۱۹۸۶ء

شمارہ نمبر ۱۰
شوال المکرم ۱۴۰۶ھ

عنوانات و معنون

عملہ الرشید

صدر مجلس ادارت
حضرت سید انور حسین نفیس رقم مدظلہ

مدیر مسئول و ناشر
حافظ عبد الرشید ارشد

نگران اعلیٰ
(پیرجی) عبد العلیم رائپوری

ناظر اعلیٰ
قاری مطیع اللہ رشیدی

مدیر معاون
شریف احمد طاہر

مجلس ترتیب
عبد اللطیف خالد چیمہ ○ مفتی محمد اشرف عاطف

الرشید تبلیغی مجلہ ہے
تجارتی نذارد

عام خریداری
سالانہ ۳۰/- روپے

خطاط
حزب اللہ خالد
ابن قاری لطف اللہ رشیدی ساہیوال

مقام اشاعت
○ ۳۲ ریلوے شاہ عالم مارکیٹ لاہور
○ دفتر جامعہ رشیدیہ ساہیوال

المشیع
منہاج الدین اصلاحی
فخر کرت پرنٹنگ پریس لاہور

(پیرجی) عبد العلیم رائپوری ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ ساہیوال

راشدات

عبدالعلیم رائپوری

جامعہ کے نئے تعلیمی سال کا آغاز

برصغیر پاک و ہند میں انگریزوں کے منحوس قدم آتے ہی یہاں کی زندگی کے تمام شعبوں میں ایک انقلاب معکوس پیدا ہوا اور تمام شعبہ ہائے زندگی تہ و بالا ہو کر رہ گئی۔ انگریز نے جیسے یہاں کی معیشت و معاشرت کو تاراج کیا اسیطرح یہاں کے باشندوں کی تعلیمی، مذہبی اور اخلاقی حالت کو باقاعدہ منصوبہ بندی سے تباہ و برباد کر کے رکھدیا۔ مسلم قوم جو زندگی کے تمام شعبوں میں خصوصاً علم و ہنر میں ترقی کے بام عروج پر تھی کو ہر طرح کی علمی و اخلاقی پستی کی انتہائی گہرائیوں میں دھکیل دیا اور ہر طرف تاریکی ہی تاریکی چھاگئی۔

پھر اسی تاریک دور میں روشنی کی ایک کرن، علم و عمل کی ایک قوت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی صورت میں نمودار ہوئی۔ ان پیکران اخلاص وللّٰہیت نے برسوں غور و فکر اور پرخلوص دعاؤں کے بعد اس عظیم حادثے کا مداوہ تلاش کیا جس کی ابتداء دیوبند کی ایک چھوٹی سی بستی کی مسجد میں انار کے درخت کے نیچے دارالعلوم کی صورت میں ہوئی جو اس شجر طیبہ کے برگ و بار پھوٹے کہ اس کا سایہ پورے برصغیر پر چھاگیا۔ دین و مذہب کو اپنی اصلی ہئیت ترکیبی میں برقرار رکھا۔ علوم نبوی کو زندہ کیا۔ اخلاقی و فکری تربیت کے لئے خانقاہیں قائم ہوئیں اور مدارس عربیہ کا جال بچھا دیا گیا۔ یہ مدارس جہاں دارالعلوم ہوتے وہاں دانشگاہ بھی ہوتے اور اخلاقی تربیت گاہ بھی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ سامراجیت و انگریزیت کے خلاف ایک مورچہ بھی.....!

چنانچہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی آج سے تقریباً ۸۶ سال پہلے دریائے ستلج کے کنارے چند کچے کوٹھوں پر قائم جامعہ رشیدیہ بھی ہے جو حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے نام نامی پر حضرت کی حیات میں حضرت کی اجازت سے جس کا نام جامعہ رشیدیہ تجویز ہوا جس کا سنگ بنیاد حضرت قبلہ شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ نے رکھا تھا اسکی سرپرستی حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائپوری نوّر اللہ مرقدہٗ نے، اور آبیاری حضرت مولانا فضل احمد صاحب رائپوریؒ نے کی۔ اسکو علمی پروان چڑھانیوالے حضرت مولانا حافظ محمد صالح صاحبؒ اور حضرت مفتی فقیر اللہ صاحب رائپوریؒ ور حضرت تایاجی مولانا عبدالعزیز صاحبؒ ۱۱/۱۱/۱۱ اور حضرت والد محترم پیر جی عبداللطیفؒ تھے۔

چنانچہ انہی مٹی کے کچے گھروندوں سے ایسے گوہر تابناک پیدا ہوئے جن کے علم و عمل، تقویٰ اور جذبۂ جہادی

پورا علاقہ جگمگا اٹھا جنہوں نے انگریزیت اور حکومتِ انگریز کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ میری مراد جامعہ رشیدیہ کے ہونہار سپوت بطلِ حریت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ۔ تحریکِ ریشمی رومال کے ایک مجاہد حضرت مولانا مفتی فقیر اللہؒ۔ حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ۔ حضرت مولانا خیر محمدؒ اور حضرت مولانا عبد العزیز رائپوریؒ چک گیارہ والے۔ حضرت مولانا محمد صاحب انوریؒ مولانا عبد الجبار حصاروی مبلغ دار العلوم دیوبند۔ مولانا عبد اللہ خان صاحب وغیرہم اکابر ہیں۔

یہ جامعہ رشیدیہ کی خصوصیت رہی ہے کہ اپنے وقت کے سربرآوردہ اولیاء کرام کی دعاؤں اور نیک تمناؤں کے سبب اللہ کی رحمتوں اور برکتوں سے معمور رہا۔ مذکورہ سلسلۃ الذھب اس بات کی روشن دلیل ہے اور وہ خیر و برکت آج بھی بحمد اللہ جلوہ فگن ہے۔

۴۷ء میں قیامِ پاکستان کے وقت پھر زلزلہ آیا اور سب سے زیادہ نقصان اسی قوت کو پہنچا۔ مدارس اجڑ گئے علماء بکھر گئے کتب خانے نذرِ آتش ہو گئے مزید برآں مسلم لیگ کے صدقے لوگوں کے دلوں سے علماء کا وقار و منزلت کم ہو گئی۔ بایں ہمہ علماء نے ہمت نہ ہاری۔ قوتِ فکر و عمل کو کام میں لا کر پھر اسی طرح قریہ قریہ بستی بستی مدارس اسلامیہ قائم کئے اور ملک علم کی روشنی سے جگمگانے لگا جس کی ایک روشن قندیل جامعہ رشیدیہ ہے جس کی نشأۃ ثانیہ مجاہدِ ملت حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب فاضل رشیدیؒ نے ساہیوال میں کی۔

اگرچہ امتدادِ زمانہ اور حادثات کے تسلسل کی وجہ سے مقاصد میں ضعف آتا چلا گیا اور اس پر مزید ضرب کاری یہ لگی کہ ایک ایک کر کے علماءِ حق موت کی آغوش میں اترتے چلے گئے۔ ان علماءِ کرام میں سے اب کوئی بھی نظر نہیں آتا جن کی قوتِ فکر و عمل کی وجہ سے مدارس عربیہ اسلامیہ کو حیات نو میسر ہوئی تھی۔ جس کا لازمی نتیجہ تھا کہ ہم ایک بار پھر علم، تقویٰ اور جہاد کے اعتبار سے بہت پیچھے جا پڑے۔

آج پھر ضرورت ہے کہ اپنے اسلاف کے سے عزم و ہمت کو لیکر جہالت، سامراجی دجل و فریب اور جن قوتوں کو ہمارے اسلاف نے دشمنِ ملک و ملت سمجھ کر ان کے خلاف سینہ سپر رہے اور وہ آج بھی مختلف چہرے ملائیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ان کو سمجھتے ہوئے ان کے خلاف سعی و کوشش میں مصروفِ عمل ہوں، ظلام کو جلا بخشیں اور اپنے اسلاف کے ایمان و یقین اور تقویٰ کے نور سے اپنے سینے منور کریں۔

جامعہ رشیدیہ کی وہ برکات آج بھی کم نہیں ہوئیں۔ بزرگوں کا روحانی فیضان و توجہ اب بھی اسی طرح مرکوز ہے صرف اس فیضانِ علم کے حقیقی طلب گار و روشن دل والوں اور اپنے اسلاف کے مشن پر چلنے کا عزم رکھنے والے تشنگان کی ضرورت ہے تاکہ وہ اپنے اسلاف کی ان امانتوں کو وصول کر سکیں۔

بحمد اللہ جامعہ میں نئے تعلیمی سال کا آغاز ہو چکا ہے۔ شوال المکرم سے جامعہ کے تمام شعبے اعلیٰ سے اعلیٰ کارکردگی کے حصول کے لئے سرگرمِ عمل ہیں۔ ابتدائی فارسی سے لیکر دورۂ حدیث و تکمیل تک کے تمام درجے ذی استعداد تجربہ کار اور محنتی اساتذہ کرام سے آباد و رونق افروز ہیں۔ گذشتہ سال بھی طلباء کی ایک کثیر تعداد نے وفاق المدارس کے تحت ہر درجے کا امتحان دیا اور نمایاں کامیابی حاصل کی۔ جامعہ کا عملہ تقریباً ۲۵ اساتذہ و کارکنان پر مشتمل ہے۔

اے خدا ایں جامعہ قائم بدار   فیض ایں جاری بود لیل و نہار

سُراغ رسانی اور مہم جوئی

پاکستان کے پہلے وزیراعظم کا قتل اور مرزائی

خان لیاقت علی خاں شہید کے قتل کے اصل مجرموں کے ضمن میں حقائق کو جسطرح چھپایا گیا اور تحقیق وتفتیش کے نام پر قوم کے ساتھ جو فراڈ کیا گیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ مجلس احرار اسلام کے اکابر علماء نے اسی وقت نشاندہی کی تھی کہ اس قتل کے پیچھے قادیانیوں کا ہاتھ ہے لیکن پہلے سے طے شدہ بین الاقوامی سازش اور مرزائیوں کی ملی بھگت کی وجہ سے حقائق منظرِ عام پر نہ آسکے اور اس میں اسوقت کے کچھ پردہ نشینوں کے نام بھی آتے ہیں ـــــ اب جبکہ مطلع صاف ہو رہا ہے اور تعصبات کے بادل چھٹ رہے ہیں تو ہفت روزہ "تکبیر" کراچی نے سراغ رسانی اور مہم جوئی کی تاریخ کے انوکھے کردار جیمز سالومن ونسنٹ کا ایک طویل انٹرویو چار قسطوں میں شائع کیا ہے۔ ہم تکبیر کے شکریہ کیساتھ اس تاریخی انٹرویو کی پہلی قسط پیش کر رہے ہیں۔

عبداللطیف خالد چیمہ

جیمز سالومن ونسنٹ کا تہلکہ خیز انٹرویو

میرا نام جیمز سالومن ونسنٹ سن آف جوئیل ہنری ونسنٹ ہے۔ میں سرگودھا کے زمیندار گھرانے میں پیدا ہوا۔ بعد ازاں لاہور کے سب سے بڑے پادری کرنل اے ایف اینگلس نے مجھے گود لے لیا۔ لاہور میں تربیت پانے کے بعد بچپن ہی میں علی گڑھ چلا گیا جہاں انگلش ہاؤس میں رہ کر میں نے تعلیم حاصل کی۔ میں نے ہسٹری میں گریجوایشن کیا بعد میں برٹش آرمی میں مجھے کمیشن ملا اور میں سنڈھرسٹ لندن میں اعلیٰ فوجی تعلیم کے لئے چلا گیا میں نے واپس پر جھانسی، آگرہ اور لکھنؤ میں خدمات انجام دیں جنگ عظیم دوم کے وقت میں آسام کے علاقہ امپھال میں تھا اس کے بعد مجھے پونا آنے کا موقع ملا جہاں میرے سسر اسٹیشن آرمی کنٹریکٹر تھے۔ پونا ہی میں میری شادی ہوئی یہ قیام پاکستان سے کچھ پہلے کی بات ہے۔

جب تقسیم ہوئی اسوقت سیون ڈویژنل رجمنٹ کے او سی میجر شمیم انصاری تھے یہ رجمنٹ خالص مسلمانوں کی تھی۔ انہوں نے پاکستان جانے کے حق میں فیصلہ دیا تھا لہٰذا جب روانگی کے وقت انہوں نے اپنا اسلحہ، یونیفارم اور دوسرا سازوسامان ٹرین میں لوڈ کروایا تو آرڈیننس کے انچارج انگریز میجر جنرل گاڈبیڈ کو پتہ چل گیا۔ یہ سامان ایک بلین ڈالر مالیت

کا تھا اور پاکستان کے لئے بہت اہم تھا۔ گاڈیڈ نے حکم دیا کہ تمام سامان روک لیا جائے۔ میرے سسر اسی رجمنٹ میں سپلائی کرتے تھے لہٰذا میں دوست کی حیثیت سے گاڈیڈ کے پاس گیا اور اسے رشوت دے کر راضی کر لیا کہ وہ یہ سامان نہ روکے۔ لہٰذا میجر شمیم انصاری جو کرنل کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے اور ابھی حیات ہیں تمام سامان لیکر

جہادِ کشمیر کے موقع پر مجھے بھارت سے اہم دستاویزات لانے کی ذمّہ داری سونپی گئی.

پونہ سے بمبئی آگئے جہاں شپ یارڈ میں سامان جہاز میں لوڈ کرا دیا گیا۔ جب تک جہاز کراچی کے لئے روانہ نہ ہوا میں بمبئی میں مقیم رہا۔ پاکستان کے لئے میری یہ پہلی خدمت تھی۔ میجر انصاری کے پاس اتنا روپیہ بھی نہیں تھا کہ وہ صحیح طریقے سے کیپٹین کا بل دے سکتے۔ اگر میں میجر جنرل گاڈیڈ کو رشوت نہ دیتا تو ایک بلین ڈالر کا اسلحہ پاکستان کے بدلے بھارت کو مل جاتا۔

ستمبر ۱۹۴۸ء میں مجھے پاکستان آنے کا موقعہ ملا۔ میں بیوی بچوں کو پاکستان چھوڑ کر خود انڈیا چلا گیا۔ میری نیشنلٹی انڈین تھی اور ابھی آنے جانے میں پاسپورٹ کی پابندی بھی نہ لگی تھی لہٰذا بآسانی آنا جانا ہوتا تھا۔

ستمبر ۴۸ء میں ہمارا گھر قائد اعظم کے مزار کے سامنے آغا غلام نبی پٹھان کے گھر کے نزدیک تھا۔ آغا صاحب اور میں نے ایک ساتھ علی گڑھ میں تعلیم پائی ہے۔ جب میری ان سے ملاقات ہوئی تو وہ وزیر صنعت تھے وہ مجھے خواجہ شہاب الدین کے پاس لے گئے اور بحیثیت برٹش آرمی آفیسر ملاقات کرائی۔ خواجہ صاحب نے مجھے جی احمد سے ملوایا جو اس وقت انٹیلی جنس بیورو کے سربراہ تھے۔ عزیز احمد جو وزارتِ خارجہ کے سیکرٹری جنرل رہے ہیں ان ہی کے بھائی تھے۔

آغا غلام نبی پٹھان اور خواجہ شہاب الدین کی سفارش اور ضمانت کے سبب جی احمد نے مجھے پاکستان کے لئے کام کرنے کی پیشکش کی۔ انہوں نے ایک بڑی رقم دے کر فوجی اور سفارتی جاسوسی کے لئے مجھے انڈیا بھیجا۔

ان دنوں کشمیر میں گڑبڑ کا آغاز ہو چکا تھا اور پاکستان کی خواہش تھی کہ انڈیا کے عزائم، قوت اور پوزیشن کا اسے قبل از وقت علم ہو جائے۔ میرے ذمے کئی اہم دستاویزات کی چوری کا کام سونپا گیا۔ میں نے پونا جانے کے بعد جی ایچ کیو دہلی کا رُخ کیا اور افسروں میں میل جول کے لئے اپنے پرانے تعلقات کو استعمال کیا۔ مجھے خوش قسمتی سے میجر جنرل سوہیتے مل گیا جو جنگ عظیم دوم میں ساتھ رہا تھا میں نے اسکو ۱۵ ہزار روپے دے کر ٹاپ سیکرٹ ڈاکومینٹ حاصل کر لئے اور انہیں اپنے ملٹری اتاشی کی معرفت پاکستان بھجوا دیا۔

پاکستانی سفارتخانے میں میرا رابطہ یا تو ہائی کمشنر سے ہوتا تھا یا ملٹری اتاشی سے جو شیر شاہ میس میں ملتے تھے میں نے فوج کی نقل و حرکت سے متعلق پارٹ نمبر ا اور پارٹ نمبر ۲ آرمڈ آرمی، نیوی اور ائیر فورس کی تعیناتی پوزیشن اور تعداد اسلحہ کی مکمل تفصیل حتیٰ کہ نہری پانی کے تنازعہ پر بھی کہ پوری فائل پاکستان کے لئے حاصل کر لی۔ میں نے ۴۸ء سے ۵۱ء کے آخر تک بھارت میں جاسوسی کی تاریخ کا نیا باب لکھا ——— میرا نام ایک قادیانی حافظ بشیر نے تلاش کیا جو چودھری ظفر اللہ

میرا راز ایک قادیانی نے فاش کیا
جو چودھری ظفر اللہ خاں قادیانی
کا رشتہ دار تھا

خاں قادیانی کا قریبی رشتہ دار تھا۔

اس نے بھارت جاکر بتایا کہ میں پاکستان کے لئے اہم دستاویزات چوری کر رہا ہوں ورنہ وہاں مجھے آرمی کنٹریکٹر ہی سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ میں نے برٹش آرمی چھوڑنے کے بعد اپنے سسر کا کام سنبھال لیا تھا۔

۴۹ء نومبر کے مہینے میں پکڑا گیا۔ گرفتاری سے قبل ۴۹ء ہی میں میں نے اپنے کرسچین ہونے کا فائدہ اٹھایا، اور انڈین سفارتخانے کے کرسچین انچارج سے سائفر کی (CYPHER KEY) حاصل کرنے کے لئے رابطہ قائم کیا۔ میں اس سے وہ ڈیلی، ویکلی، فورٹ نائٹلی اور منتھلی رپورٹیں حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا جو پاکستان کے بارے میں بھارت جاتی تھیں اور وہاں کے انٹیلی جنس حکام کی بنیاد پر لائن آف ایکشن بناتی تھی۔ اس سے ہمارا کام آسان ہوگیا اور بڑی مدد ملی۔ جب راز فاش ہوا تو اس کرسچین انچارج کو تبدیل کر دیا گیا۔

اسی زمانہ میں اقوام متحدہ میں نہری پانی کے تنازعہ پر مقدمہ چل رہا تھا سر ظفر اللہ خاں قادیانی وکالت کر رہا تھا اسکو دوران سماعت کچھ ایسے کاغذات کی ضرورت پڑی جو بھارت کی تحویل میں تھے تو ان کے لئے مجھے ذمہ داری سونپی گئی۔ میں نے دہلی سے اس کی پوری فائل چرالی اور نواب اسماعیل کی معرفت اسے کراچی بھیجدیا۔ جس روز فائل کراچی پہنچی اس کے دوسرے روز اقوام متحدہ میں مقدمے کی سماعت تھی لہٰذا یہاں سے وائرلیس کیا گیا کہ ضروری کاغذات آگئے ہیں فی الحال تاریخ لے لو۔ تاکہ دوسری پیشی پر اسٹڈی کرکے مضبوطی سے لڑا جاسکے۔ یہی ہوا اور دوسری پیشی پر پانسہ ہمارے حق میں پلٹ گیا۔ اور ہم مقدمہ جیت گئے۔ میرے اسی کام کے سبب چوہدری ظفر اللہ اور کچھ دوسرے قادیانیوں کو میرے کردار کا جو میں بھارت میں ادا کر رہا تھا پتہ چل گیا اور پھر میری شامت آگئی۔

میں بشیر قادیانی کی مخبری پر ہی بھارت میں پکڑا گیا۔ آخری بار کچھ دستاویزات ملٹری اتاشی کو پہنچا کر جو نہی میں پونا پہنچا اور اپنے گھر میں داخل ہوا تو ڈی آئی جی نے جو مرہٹہ تھا مجھے حراست میں لے لیا۔ یہ ۳۰ نومبر ۴۹ء کی بات ہے وہ مجھے گرفتار کرکے اپنے بنگلے پر لے آیا اور دوسرے روز بمبئی لے گیا جہاں اس گھر میں انٹروگیشن کی گئی جہاں قائد اعظم رہا کرتے تھے انٹروگیشن کا انداز مہذبانہ تھا۔ بمبئی میں مجھے حراست میں ہی دہلی بھیجدیا گیا۔

اسٹیشن پر انٹیلی جنس کے افراد لینے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ جب تک مجھے پلیٹ فارم سے باہر نہیں لیجایا گیا کسی بھی مسافر کو ٹرین سے اترنے نہیں دیا گیا۔ گارڈ اسطرح تعینات تھی جیسے میں کسی ملک کا سربراہ ہوں۔ مجھے سول لائنز پولیس اسٹیشن نئی دہلی لایا گیا جہاں ڈپٹی ڈائریکٹر انٹیلی جنس بیورو مسٹر ہنڈوے نے انٹروگیٹ کیا۔ انٹروگیشن میں جب مطلب کی بات معلوم نہ ہوئی تو کہا گیا کہ انہیں باؤچی کے کمرے میں رکھو"

دراصل یہ وہ سیل تھا جہاں انگریز نے گاندھی جی کو قید رکھا تھا۔ اس سیل میں برف بھری ہوئی تھی۔ دسمبر کا مہینہ ہو اور دہلی شہر ہو تو آپ سمجھ لیجئے کہ برف کے درمیان پر کرسی پر بیٹھے شخص کی حالت کیا ہوگی۔ جب میری حالت خراب ہوگئی تو

میں ریڈیو پر تلاوت سن رہا تھا رام ناتھ نے کہا "بند کرو یہ بکواس" مجھ سے نہ رہا گیا میں نے اسکے منہ پر تھپڑ دے مارا

باہر نکال کر پہلے مجھے کافی پلائی گئی اور پھر سوالات کئے گئے انٹروگیشن ہمیشہ رات کے وقت کرتے تھے یہ سلسلہ ۳۱ دن تک جاری رہا۔ بعد میں مجھے ولبھ بھائی پٹیل کے بنگلہ پر پہنچایا گیا جو اورنگ زیب روڈ پر واقع تھا۔

انہوں نے مجھے عزت سے بٹھایا اور اپنی بیٹی بلا سے کافی لانے کو کہا اور مجھ سے کہا کہ تم نوجوان ہو اور جوانی میں غلطی ہو ہی جاتی ہے بہتر ہے کہ غلطی کا اعتراف کرلو اور سب کچھ بتادو۔ بلکہ بہتر یہ ہوگا کہ تم اب انڈیا کے لئے کام کرو میں نے ان سے کہا کہ میں صرف اور صرف آرمی کنٹریکٹر ہوں اور کچھ بھی نہیں اس کے بعد ولبھ بھائی پٹیل نے کہا اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے تم چند سطریں لکھ دو میں تمہیں ڈکٹیشن دیتا ہوں، میں اس تحریر کے بعد تمہیں پاکستان پہنچادوں گا۔

انہوں نے مجھے جو مضمون لکھوایا وہ یہ تھا کہ میں پاکستان کے لئے جاسوسی کرتا ہوں اور اب انڈیا نہ آنے کا وعدہ کرتا ہوں۔ میں نے مضمون تو یہی لکھا مگر دستخط کرتے ہوئے بائی آرڈر آف ولبھ بھائی پٹیل لکھ دیا جس پر وہ بری طرح ناراض ہو گئے اور پولیس سے کہا کہ اس باسٹرڈ کو جیل پہنچادو۔ جیل پہنچا تو خالی ہاتھ تھا سارا سامان پولیس نے لے لیا تھا سپرنٹنڈنٹ جیل سردار دھرم سنگھ ہمارا آدمی تھا حکومتِ پاکستان اسے سردار کبیر سنگھ کے ذریعے رقم پہنچواتی جو میرے وکیل تھے ہیڈ وارڈن کشن چند نے مجھے کنڈم سیل میں پہنچادیا جہاں سزائے موت پانے والے قیدی رکھے جاتے ہیں یہاں ابھی میں کھڑا حالات کی بے رخی کا جائزہ لے رہا تھا کہ سردار دھرم سنگھ آگیا اور کشن چندر پر ناراض ہوا کہ مجھے یہاں کیوں رکھا گیا ہے اس نے ہاتھ صاف کرنے کے لئے مجھے اپنا رومال بھی دیا کیونکہ ہاتھوں پر زنداں کی سلاخوں پر لگا ہوا تیل لگ گیا تھا کچھ ہی دیر میں مجھے اسپیشل وارڈ میں پہنچا دیا گیا جہاں کمرے کے آگے ایک بڑا احاطہ تھا اور قریب ہی اے کلاس تھی جس میں ماسٹر تارا سنگھ، مکھن سنگھ، رام ناتھ کالیا، بلراج کھنہ، پروفیسر رام سنگھ اور اے کے گوپالن بھی بند تھے۔ انہیں میرا پتہ چلا تو وہ شام کو پہلے سارے کے سارے مجھے دیکھنے آئے ان سب کی نگاہوں میں میرے لئے نفرت تھی میں نے ان کی پرواہ نہ کی۔

ایک دن صبح میں ریڈیو سن رہا تھا جہاں سے تلاوت کلام پاک نشر ہو رہی تھی۔ رام ناتھ کالیا نے جو میرے پاس آیا ہوا تھا کہا "بند کرو یہ بکواس" میں غصے میں برداشت نہ کرسکا اور اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔ باوجود اس کے کہ میں سب کو یہودی کی حیثیت سے متعارف کراتا تھا اس جھگڑے کے بعد سردار دھرم سنگھ نے اے کلاس کے قیدیوں کو میری طرف آنے سے روک دیا۔

ایک صبح میں اپنے وارڈ میں چہل قدمی کر رہا تھا کہ ایک سپاہی مختلف زاویوں سے میرا جائزہ لینے لگا۔ مجھے اس کی حرکات پر سخت غصہ آیا۔ میں نے اسے قریب بلا کر ڈانٹا تو اس نے کہا صاحب آپ ایک بات بتادیں میں آپ کو نہیں گھوروں گا۔ میں نے کہا پوچھو۔ بولا میرا ایک افسر تھا آسام میں اور میں اس کا اردلی رہا ہوں۔ آپ کی صورت ہو بہو اس سے ملتی ہے اس کا نام کیپٹن ونسنٹ تھا کہیں آپ ..... میں نے کہا کہ میں وہی ہوں تو وہ بے اختیار لپٹ گیا۔ اور

محبت میں اسی کے کنونسل آئے اس کا نام کیسر سنگھ تھا۔ اس نے کہا سر مجھے کوئی خدمت بتائیں۔ میں نے دوسری صبح اسے بلا کر کہا کہ میرے باپ کا ایک دوست پاکستانی سفارتخانے کا شیر شاہ میس میں رہتا ہے تم اس سے جا کر خرچ کے لئے کچھ رقم لے آؤ۔ یہ دراصل کرنل صاحب کو جو ملٹری اتاشی تھے پیغام دینے کا ایک بہانہ تھا۔ کیسر سنگھ جب کرنل صاحب کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا ہاں میرے دوست کا ایک بیٹا اس شکل و صورت کا ہوتا تھا اب وہ کیا ہے پھر انہوں نے چار سو روپے کیسر سنگھ کو جیب خرچ اور دو ہزار روپے میرے لئے بھیجے جنہیں وہ اپنی پگڑی میں چھپا کر جیل میں لے آیا چیف وارڈر کو کسی نے اسکی مخبری کر دی اس نے سپرنٹنڈنٹ کو اس کی رپورٹ کر دی تھوڑی دیر میں یہ لوگ تلاشی کے لئے آ گئے مجھے کہا کہ جو کچھ ہے نکال دو۔ میں نے روپے نکال کر حوالے کر دیئے۔

میرا مقدمہ چیف جسٹس سپریم کورٹ کنہیا کی عدالت میں زیر سماعت تھا جو گجراتی جج تھا۔ میں اور مشہور کمیونسٹ لیڈر اے کے گوپالن اکثر پیشی پر ایک ساتھ جاتے تھے۔ میرے وکیل رگھبیر سنگھ نے مبس بے جا کی درخواستیں دیں ہر ماہ پیشی پڑتی تقریباً ۷ مرتبہ پیشی پڑی جب کنہیال دو ماہ کی رخصت پر گیا تو اس کی جگہ جسٹس فضل الٰہی آ گئے انہوں نے مجھے بری کر دیا اسطرح میں ۱۹۵۱ء میں رہا ہوا مگر رہا ہو کر پونا جانے کے لئے جب ٹانگے پر جب اسٹیشن پہنچا اور فرسٹ کلاس ڈبے میں بیٹھا تو ٹرین چلنے سے قبل پھر مجھے حراست میں لے لیا گیا۔ مجھ پر پاکستان سے سرحد عبور کر کے آنے کا مقدمہ بنایا گیا حالانکہ ابھی میں دہلی ہی میں تھا ایک مجسٹریٹ کے روبرو پیش کیا گیا اور وہاں سے جیل بھیجدیا گیا۔

جیل میں دھرم سنگھ نے استقبال کیا اور اس بارے کلاس میں رکھا گیا۔ نئے مقدمے میں ہر پندرہ دن بعد پیشی ہوتی تقریباً دو ماہ بعد سردار کبیر سنگھ نے دس ہزار روپے کی ضمانت دے کر مجھے رہا کرا لیا۔ ضمانت پر رہائی کے بعد مجھے تیسری بار قتل کے الزام میں پکڑا گیا اور اس بار جیل میں دفعہ ۳۰۲ کے سبب بی کلاس دی گئی۔ تین ماہ بعد عدالت نے ۳۰۲ کو ۳۰۴ میں تبدیل کر دیا۔ مزید دو ماہ گذرنے کے بعد اس مقدمے میں ضمانت ہوئی تو سردار دھرم سنگھ اور کبیر سنگھ نے باہمی مشاورت سے طے کیا کہ مجھے شام کو رہا کیا جائے۔ سردار کبیر سنگھ نے مجھے سمجھا دیا تھا کہ میں سامان وغیرہ جیل کے اندر ہی چھوڑ کر ٹیکسی لینے کے بہانے باہر نکلوں اور جلدی سے ان کی موٹر میں بیٹھ جاؤں پروگرام کے مطابق میں باہر نکل کر جلدی سے کبیر سنگھ کی موٹر گاڑی میں بیٹھ گیا جسے وہ تیزی سے غازی آباد کی طرف لے گئے غازی آباد پل عبور کر کے ضلع بدل گیا۔ میں نے یہاں سے علی گڑھ کے لئے ٹرین پکڑنی تھی ٹرین آنے میں ابھی خاصا وقت تھا لہٰذا میں ایک سینما گھر میں جا گھسا۔ علی گڑھ میں ایک رات گذارنے کے بعد میں نے کلکتہ کا ٹکٹ لیا اور ٹرین میں بیٹھ کر رات کے دو بجے سیالدہ سے سمندری راستے چٹاگانگ کی سرحد پر پہنچ گیا۔ یہاں کلکتہ کی سرحدی چوکی پر سفر کے آغاز پر سخت چیکنگ ہو رہی تھی میں نے انہیں بتایا کہ میں چٹاگانگ میں کاروبار کرتا ہوں اور ایک کرسچین کی حیثیت سے وہیں رہتا ہوں۔

چٹاگانگ سے ڈھاکہ پہنچ کر میں رمنا ریسٹ ہاؤس گیا اور انٹیلی جنس کے ڈپٹی ڈائریکٹر کو فون کر کے بلوایا اسے میں نے اپنی پہچان کرائی اور ہیڈ آفس سے کنفرم کرنے کو کہا۔ جب ہیڈ کوارٹر نے اسے میرے بارے میں ضروری ہدایات دیں تو وہ میرے لئے کراچی تک کا جہاز کا ٹکٹ اور کچھ نقدی لے آیا۔ اسطرح موت کے منہ سے ہو کر ستمبر ۱۹۵۱ء میں واپس

اپنے وطن پہنچا۔

پاکستان پہنچنے کے دوسرے ہی دن میں دفتر گیا تو سید کاظم رضا سے ملاقات ہوئی جو اسوقت ڈائریکٹر انٹیلی جنس تھے۔ تقریباً ۱۴ دن بعد مجھ سے پھر کہا گیا کہ کچھ دستاویزات کی ضرورت ہے۔ میں نے سکھوں اور ہندوؤں کے کئی نام رکھ لئے تھے لہٰذا اب نئے نام سے پھر ڈھاکہ کے راستے داخل ہوا۔ حکومت نے ہنڈی کی معرفت میرے لئے رقم کا بندوبست کیا۔ یہ ہنڈی کلکتہ میں کیش ہوئی اور تقریباً ڈیڑھ ماہ میں میرا یہ مشن کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

لیاقت علی خاں کو سید اکبرؔ نے نہیں، جرمن قادیانی کنزے نے قتل کیا تھا!

کشمیر کی جنگ شروع ہو چکی تھی۔ ایک بار میں گورداسپور سے ہوتا ہوا نور پور گیا۔ وہاں سے کانگڑہ، دھرم سالہ، سکیت منڈی، کولہو ویلی اور پھر منالی۔ جہاں شیخ عبداللہ سے ملاقات ہوئی۔ اس سفر میں مجھے ڈاکومینٹ ملے وہ میں نے دہلی میں اپنے ہائی کمشنر نواب اسمٰعیل کو دیئے۔

۱۹۵۲ء کے اوائل میں مجھے پاکستان میں بھارت کے جاسوسوں کے پیچھے لگا دیا گیا۔ چونکہ انڈیا میں رہنے کے سبب میں بہت سے افراد سے واقف ہو چکا تھا لہٰذا میرا کام یہ تھا کہ یہاں نام اور حلیے بدل کر کام کرنے والے افراد کی نشاندہی کروں ——— میرٹ روڈ پر میرے سسر کی دوکان تھی میں اکثر وہاں جاتا تھا۔ ایک دن میں وہاں سے گزر رہا تھا کہ ایک شخص پر میری نظر پڑی جو بیٹھ ڈیئے کھڑا تھا۔ میں کار میں تھا لیکن میرا شک بہت قوی تھا۔ جب قریب پہنچا تو دیکھا کہ وہ ڈی ایس پی گورمک سنگھ ہے۔ اس نے ڈاڑھی وغیرہ صاف کرا رکھی تھی اور کلین شیو ہو گیا تھا۔ میں کار کھڑی کر کے کچھ دور اس کے ساتھ پیدل چلتا رہا۔ بند روڈ پر ایک جگہ پہنچ کر میں نے اس کے کاندھے پر اچانک ہاتھ رکھا "کہو سردار جی یہاں کیا کر رہے ہو؟" وہ مجھ سے لپٹ گیا اور بتانے لگا کہ ملازمت گڑبڑ ہو جانے کے سبب یہاں آ گیا ہے۔ میں کچھ دور اس کے ساتھ چلنے کے بعد اس جگہ رخصت ہوا جہاں سی آئی ڈی کا دفتر تھا۔ میں نے دوڑ کر اندر جا کر کسی کو بلانا تھا اتفاق دیکھئے کہ اے آئی جی سی آئی ڈی اکبر مرزا مل گئے۔ میں نے ان سے کہا کہ میرے پیچھے آئیں اور میں جس شخص سے ہاتھ ملاؤں اسے پکڑ لیں۔ لہٰذا کچھ دور جا کر میں نے بند روڈ پر ہی غالباً بنک آف انڈیا عمارت کے نزدیک گورمک سنگھ سے دوبارہ ہیلو ہیلو کیا اور پھر پیچھے ہٹ گیا۔ سی۔ آئی۔ ڈی والوں نے فوراً ہی اسے دبوچ لیا لیکن بے وقوفی یہ کی کہ فوراً تلاشی نہ لی اور جب اسے دفتر

لیاقت علی خاں کے قاتل کی پرورش قادیانی رہنما سر ظفر اللہ خاں نے کی تھی

وزیراعظم پاکستان کو قتل کرنے کے بعد سید ھا ربوہ پہنچا جہاں سے اسے بحفاظت بیرون ملک روانہ کر دیا گیا

میری تفتیش سے یہ بات ثابت ہوگئی تھی کہ کنزے ہی اصل قاتل ہے

لایا گیا تو وہ پیشاب کرنے کے بہانے باتھ روم گیا اور اہم دستاویزات جو اس کے پاس تھے وہ فلش کر دیئے۔ جب ایس پی منظر الحق نے اس سے انٹروگیشن کی تو اس نے سب کچھ تسلیم کر لیا اس کے قبضے سے دو لاکھ بیس ہزار روپے کی رقم بھی ملی۔ اس کی رہائش ایک حسین و جمیل عورت زہرہ کے ہاں تھی۔ گورمک سنگھ کی یہ داشتہ تھی۔ بعد میں زہرہ کو ایک قتل کیس میں سزا ہوئی۔ ایک اور لڑکی رضیہ سلطانہ جاسوسی میں بے نقاب ہوئی۔ یہ ہمارے آرمی سب ایریا کمانڈ آفس میں سٹینو تھی اور انڈیا کے فرسٹ سیکرٹری کی بیٹی ہونے کے باوجود جاسوسی کے لئے یہاں آگئی تھی۔

انہی دنوں پتہ چلا کہ ملک فیروز خان نون نے جو وزیر خارجہ رہ چکے تھے اور بعد میں وزیر اعظم بھی بنے ہزاروں کی تعداد میں روئی کی گانٹھیں مال گاڑی کے ذریعے بھارت بھیجی ہیں۔ انہوں نے رقم پاکستان کے خزانے میں جمع کرانے کی بجائے خود ہڑپ کر لی اور ویگنیں بھارت نے روک لیں۔ یہ کاروبار سٹیج کاٹن ملز کی معرفت ہوا تھا لہذا ہم نے ملز کے ہندو مینجر کے قبضے سے تمام کاغذات اپنی تحویل میں لے لئے اور فیکٹری کو ضبط کر لیا اور مینجر کو ملک سے نکل جانے کا حکم دیا۔ فیروز خان نون کا چہرہ بے نقاب ہونے کے باوجود ان کی کوئی گرفت نہ ہوئی۔ ذرا اندازہ لگائیے کہ ایوانِ اقتدار کی غلام گردشوں میں کیا کھیل کھیلا جاتا تھا۔

اکتوبر ۱۹۵۱ء میں پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کے قتل کا واقعہ ہماری سیاسی تاریخ کا سب سے عظیم المیہ ہے میں آگے بڑھنے سے پہلے اس واقعہ کی طرف آتا ہوں اور ایک ایسی بات کا انکشاف کر رہا ہوں جو اب تک پردۂ راز میں تھی عام لوگوں کے علم کے مطابق لیاقت علی خان کو ایک پٹھان سید اکبر نے قتل کیا مگر حقیقتاً لیاقت علی خان کو ایک جرمن شخص کنزے نے قتل کیا تھا جو قادیانی گھرانے میں شادی اور قادیانی مذہب اختیار کرنے کے بعد پاکستان میں مقیم تھا یہ شخص آج بھی مشرقی برلن میں موجود ہے ——— سر ظفر اللہ کا بھائی چوہدری عبداللہ کراچی میں ایڈیشنل کسٹوڈین کے عہدہ پر فائز تھا میں نے اس سے دوستی کر رکھی تھی جب وزیر اعظم کا قتل ہوا، اس سے پہلے یہ شخص جس کا نام کنزے تھا چوہدری عبداللہ کے پاس باقاعدگی سے آتا رہا تھا۔ کنزے کو قتل کے بعد نہیں دیکھا گیا اور یہ ملک سے نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔ اسے سر ظفر اللہ نے پالا تھا۔ اس کی شادی بھی ظفر اللہ نے کوئٹہ کے ریلوے اوورسیئر میر امان اللہ خان کی بیٹی سے کرا دی تھی میر امان اللہ بھی قادیانی تھا مگر جب کنزے کو قادیانیوں نے قتل کے لئے استعمال کیا تو میر امان اللہ خان قادیانیوں کو کوستا تھا کہ انہوں نے اس کی بیٹی کی شادی ایسے شخص سے کرا دی جو قتل کیس میں نہیں بچے گا۔ تاہم قادیانی اپنے اثر و رسوخ اور

میری یہ رپورٹ آج بھی سینٹرل انٹیلیجنس کراچی کے دفتر میں موجود ہے

سازشی کردار کے طفیل کنزے کو بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے پہلے کہ ہماری تفتیشی ٹیم اسے گرفتار کرتی اسے ملک سے نکال دیا گیا۔
جب کمپنی باغ میں کنزے نے لیاقت علی خاں کو گولی ماری تو پولیس نے جو پوری طرح ملوث تھی اس وقت کے سازشی سیاست دانوں اور بیوروکریٹس کی ہدایت پر سید اکبر کو گولی ماردی اور پھر سید اکبر ہی قاتل کی حیثیت سے مشہور کر دیا گیا حالانکہ سید اکبر تو کیموفلاج تھا کنزے نے پٹھان لباس پہن رکھا تھا اور ہماری اطلاع کے مطابق وہ وزیر اعظم کو قتل کر کے سیدھا ربوہ پہنچا اور پھر وہاں سے مناسب وقت پر باہر بھیج دیا گیا۔ کنزے ہمبرگ میں قادیانیوں کے ہتھے چڑھا تھا جہاں سے قادیانیوں کی جماعت اسے پاکستان لے آئی اور یہ ربوہ میں تعلیم پاتا رہا۔ چوہدری عبداللہ کی بیوی اپنی بیٹی کی اس سے شادی کی خواہشمند تھی مگر ظفر اللہ خاں نے اس کی شادی دوسری جگہ کرا دی۔ میں نے ڈائریکٹر انٹیلی جنس سید کاظم رضا کی ہدایت پر جو تفتیش کی اس میں یہ بات ایسٹیبلش ہو گئی تھی کہ کنزے ہی اصل قاتل ہے مگر سید کاظم رضا کنزے کو گرفتار کرنے سے قاصر رہے میری یہ اور یجنل رپورٹ آج بھی سینٹرل انٹیلی جنس کراچی کے دفتر میں موجود ہے۔ آج اس سانحے کو اتنا عرصہ بیت چکا ہے ہر حکومت نے یہ نعرہ بلند کیا، ہر زمانے میں مطالبات ہوئے مگر کسی نے راز فاش نہ کیا یکے بعد دیگرے حکومتیں بھی وعدے کرتی رہیں اور ایک دن وہ آیا جب اٹارنی جنرل نے ہائی کورٹ میں بیان دیا کہ لیاقت علی خاں کے قتل کی سرکاری فائل گم ہو گئی ہے۔

ممتاز دانشور صفدر محمود نے مارچ ۷۲ء کے اردو ڈائجسٹ میں لکھا کہ:

" دنیا نے تو صرف یہ دیکھا کہ لیاقت علی سید اکبر کے ہاتھوں قتل ہو گئے لیکن قتل کے اصل محرک جاننے کی کوشش کسی نے نہ کی۔ سازش کی تفصیلات میں جانے سے قبل سید اکبر کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ سید اکبر افغانستان کا باشندہ تھا اور بادشاہ کے خلاف سازش کرنے کے الزام میں افغانستان سے نکال دیا گیا تھا۔ بلکہ جان بچانے کے لئے ہندوستان میں پناہ گزیں ہوا تھا۔ چونکہ افغانستان حکومت کے خلاف اس سازش میں برطانیہ کا بھی خفیہ ہاتھ تھا اس لئے سید اکبر کو برطانوی حکومت نے ہندوستان میں پناہ دی اور ہزارہ میں آباد کر دیا۔ گزارے کے لئے انگریز حکومت نے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا جو پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد بھی جاری رہا۔ حکومت پاکستان نے اسے مشکوک افراد کی فہرست میں رکھا اس لئے صبح شام اس کا تھانے میں حاضر ہونا لازمی تھا۔ تحقیق کے مطابق سید اکبر لیاقت علی خاں کے قتل سے چند روز قبل راولپنڈی پہنچا اور اس امر کے بھی شواہد موجود ہیں کہ پنڈی سی آئی ڈی اس کی آمد کی اطلاع تھی۔ اسکے پنڈی پہنچنے کے دن تک وزیر اعظم کے پروگرام کا اعلان نہیں کیا گیا تھا اور اس پروگرام کا صرف اعلیٰ حکام کو علم تھا۔ سید اکبر جس ہوٹل میں ٹھہرا وہاں اس نے اپنے آپ کو سی آئی ڈی کا آدمی ظاہر کیا تحقیق سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ پنڈی سی آئی ڈی کا ایک سپاہی اس ہوٹل میں گیا اور اس نے سید اکبر کی رہائش کے بارے میں پوچھ گچھ کی۔ ہوٹل کے منیجر کے بیان کے مطابق سی آئی ڈی کے سپاہی نے ہوٹل کا رجسٹر بھی دیکھا تھا جس میں سید اکبر کا پتہ معرفت سی آئی ڈی پولیس لکھا تھا۔ یہ جاننے کے باوجود کہ سید اکبر نے غلط بیانی کی ہے پولیس نے کوئی نوٹس نہ لیا۔ سید اکبر کے ہمراہ اس کا بیٹا بھی تھا اور اس بیان کے مطابق وقوعہ سے کچھ عرصہ قبل سید اکبر نشانے کی مشق کرتا رہا۔
بہر حال ان تمام باتوں کے باوجود پولیس نے کوئی احتیاط نہ کی۔ وزیر اعظم کے جلسے میں پولیس خاصی تھی اور سفید کپڑوں میں ملبوس سی آئی ڈی بھی موجود تھی لیکن اس کے باوجود سید اکبر کو سٹیج کے بالکل قریب دوسری تیسری قطار میں جگہ ملی!

وزیر اعظم کی کرسی اسٹیج پر اس انداز سے رکھی گئی تھی کہ باقی کرسیاں اس سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تھیں۔ لیاقت علی پنڈی آنے سے قبل یہ بھی کہہ چکے تھے کہ وہ پنڈی میں ایک انتہائی اہم اعلان کریں گے۔

وزیر اعظم جلسہ گاہ تشریف لائے اور میدان تالیوں سے گونج اٹھا۔ سپاسنامہ سننے کے بعد وہ ڈائس پر تشریف لائے اور ابھی برادران ملت ہی کہا تھا کہ گولی چلنے کی آواز آئی۔ پنڈی کے ایک قصاب نے سید اکبر کو پکڑ لیا۔ قاتل پوری طرح اس کے قبضہ میں تھا لیکن اس کے باوجود شاہ محمد ایس پی پولیس آگے بڑھا اور اس نے قاتل کو گولی ماردی جس سے وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گیا تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔ سید اکبر کی جیب سے تین ہزار روپے برآمد ہوئے جو وہ بھاگنے کے لئے رخت سفر کے طور پر اپنے ساتھ لایا تھا لیکن اسے علم نہ تھا کہ روپے دینے والے اس کی جان لے لیں گے۔ سید اکبر ایک غریب آدمی تھا اسے معمولی وظیفہ ملتا تھا لیکن اس کے باوجود تلاشی پر اس کے گھر سے دس ہزار روپے برآمد ہوئے۔ یہ روپیہ کہاں سے آیا تھا؟ کوئی نہ بتا سکا۔ حتیٰ کہ اس کی بیوی کو بھی علم نہ تھا۔

اور یہ معمہ بھی کسی کی سمجھ میں نہ آسکا کہ وزیر اعظم ایک اہم اعلان کرنے والے تھے اور ان کی کابینہ کے دو وزیر پنڈی میں موجود ہونے کے باوجود جلسہ میں تشریف نہ لائے۔ یہ وزراء غلام محمد اور مشتاق گورمانی تھے۔ یہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ غلام محمد کو کابینہ سے نکالا جا رہا تھا اور انہوں نے چند دن کی مہلت مانگی تھی وہ یہ دن گذارنے پنڈی میں اپنی منہ بولی بیٹی کے پاس آئے تھے اور بقول نواب صدیق احمد خاں سیاسی سیکرٹری وزیر اعظم لیاقت علی خاں، وہ خود غلام محمد کو وزیر اعظم کی جانب سے اسٹیشن پر خدا حافظ کہنے آئے تھے۔

نواب صدیق علی خاں نے اپنی کتاب "بے تیغ سپاہی" میں لکھا ہے کہ وزیر اعظم نے غلام محمد اور گورمانی دونوں کو کابینہ سے نکالنے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن اس فیصلے کا علم صرف اعلیٰ حکام کو تھا۔ بہرحال قبل اس کے کہ غلام محمد کی مانگی ہوئی مہلت ختم ہوتی وزیر اعظم ہزاروں لوگوں کے سامنے گولی کا نشانہ بنے اور غلام محمد گورنر جنرل بن گئے۔

ان محب وطن حضرات کی بے حسی کا اندازہ کیجئے کہ وزیر اعظم کی لاش ملٹری ہسپتال میں رکھی تھی اور اسے غسل دینے کے ضمن میں بار بار ان کو فون کیا جاتا تھا لیکن ہر بار یہی جواب ملتا کہ دونوں وزراء کانفرنس میں ہیں لہٰذا نہیں آسکتے۔ اسی طرح کا منظر کراچی میں دیکھا گیا کہ وزیر اعظم کی نعش کے گرد ان کی بیگم بچے اور سوگوار لوگ رو رہے تھے۔ دفنانے کا وقت قریب تھا اور کابینہ کے ارکان کو بار بار پیغام بھیجا جاتا کہ تشریف لائیں لیکن وہ بدستور کانفرنس میں تھے۔ حتیٰ کہ یہ دھمکی دی گئی کہ اگر آپ لوگ اب بھی نہ آئے تو میت اٹھالی جائیگی اور اس کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔ تب کہیں جا کر وہ لوگ تشریف لائے جو مرحوم کی ایک جنبش نگاہ کے منتظر رہتے تھے۔

اصل بات یہ تھی کہ وزراء کی کانفرنس میں عہدے تقسیم ہو رہے تھے اور اس تقسیم پر اتفاق نہیں ہو رہا تھا۔ معتبر اطلاع کے مطابق غلام محمد وزیر اعظم بننا چاہتے تھے لیکن خواجہ ناظم الدین کے آگے ان کی نہ چلتی تھی۔ بہرحال باتفاق رائے سے یہ اعلان کر دیا گیا کہ خواجہ صاحب وزیر اعظم ہوں گے اور غلام محمد گورنر جنرل۔ دوسری طرف یہ ہوا کہ پنجاب کے آئی جی قربان علی جو وزیر اعظم کے لئے حفاظتی اقدامات کے ذمہ دار تھے، ان کی اعلیٰ کارکردگی کی بناء پر انہیں ترقی دے کر بلوچستان کا گورنر بنایا

اور شاہ محمد اے ایس آئی کو پنشن دے کر ریٹائر کر دیا گیا۔ نہ کوئی ذمہ دار افسر گنہگار تھا نہ کسی کو عہدے سے ہٹایا گیا۔ گویا وزیر اعظم کا قتل ایک انتہائی معمولی بات تھی!

تحقیقات کا سلسلہ شروع ہوا تو ایک انکوائری کمیشن جو ہائی کورٹ کے ججوں پر مشتمل تھا مقرر کیا گیا۔ کمیشن کی آزادی کا اندازہ اس امر سے کر لیجئے کہ بہت سے گواہوں نے کمیشن کے سامنے گواہی دیتے ہوئے کہا کہ پولیس سفید کپڑوں میں ان کا پیچھا کرتی ہے اور ہراساں کرتی ہے۔ پھر پتہ چلا کہ جہاں کمیشن عدالت لگاتا تھا اس عمارت کے گرد سی آئی ڈی موجود رہتی تھی نوبت یہاں تک پہنچی کہ جج صاحب کو حکومت سے احتجاج کرنا پڑا۔

تحقیقات کے دوران حکومت عوام کو بار بار یہی تاثر دیتی تھی کہ یہ محض ایک حادثہ تھا اور فرد واحد کا کارنامہ لیکن بیگم رعنا لیاقت علی خان برابر اصرار کرتی رہیں کہ ان کے خاوند کا قتل کسی سازش کا نتیجہ ہے چنانچہ انہیں سفیر بنا کر ملک سے باہر بھیج دیا گیا۔ اسی زمانے میں کئی لوگوں نے اور خاص طور پر سابق پولیس افسروں نے تحقیقات کے لئے اپنی خدمات پیش کیں لیکن حکومت نے کوئی توجہ نہ دی۔ سرکاری طور پر تحقیقات اعتزاز الدین صاحب آئی جی اسپیشل پولیس کے سپرد کی گئیں انہوں نے بڑی محنت اور خلوص سے کام کیا۔ ان کے قریبی حلقوں کے مطابق تحقیقات کے دوران وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ موت کے سائے میرے قریب سر پر منڈلا رہے ہیں۔ پھر انہوں نے ایک دن ایک اخباری بیان میں کہا سازش کا سراغ مل گیا ہے اور بہت جلد اسے بے نقاب کر دیا جائے گا ——— یہ اتنا بڑا جرم تھا کہ انہیں معاف نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ وہ جس ہوائی جہاز میں کیس کی فائلوں کے ہمراہ سفر کر رہے تھے اس میں ٹائم بم رکھ دیا گیا اور وہ طیارہ جہلم کے قریب فضا میں جل کر راکھ ہو گیا۔ ان تمام باتوں کے علاوہ حاکموں کو اصرار رہا کہ وزیر اعظم کے قتل کے پس پردہ کوئی سازش نہ تھی!

پھر سکاٹ لینڈ یارڈ کے ماہرین بلائے گئے لیکن ملک کے مختلف گوشوں سے یہ صدا بلند ہونے لگی کہ ہمیں حکومت برطانیہ کے کسی ادارے پر کوئی اعتماد نہیں۔ سکاٹ لینڈ کے ماہرین مایوسی کا اظہار کر کے واپس لوٹ گئے۔ محمد علی بوگرہ وزیر اعظم بنے تو انہوں نے معصومیت میں تحقیقات کرانے کا وعدہ کر لیا۔ انہوں نے امریکہ سے ایف بی آئی کے ماہرین بلانے کا اہتمام کیا۔ لیکن گورنر جنرل غلام محمد نے منع کر دیا اور یوں یہ راز اتنا عرصہ گذر جانے کے باوجود راز رہا اور اب تو اس پر وقت اور فاصلے کی اتنی تہیں چڑھ چکی ہیں کہ کھوج لگانا ناممکن ہو چکا ہے۔

لیکن مجھے آج بھی اصرار ہے کہ قتل کی اس سازش میں قادیانی شریک تھے۔ قاتل جرمن کنزے نامی شخص تھا۔ ربوہ سازشوں کا مرکز تھا اور قادیانیوں کے اثر و رسوخ کے سبب ہی قتل کی سازش اور قاتل کا چہرہ بے نقاب نہیں ہو سکا۔ قادیانیوں کا ذکر آیا ہے تو اس کے سلسلے میں ایک اہم بات سن لیجئے۔ مجھے اس وقت کے خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود کے پاس بھیجا گیا میں ربوہ پہنچا تو انہوں نے شاہی مہمان خانے میں آرام کا مشورہ دیا۔ میں نے دوسرے دن ان سے کہا کہ میں وہ رقم واپس لینے آیا ہوں جو حکومت پاکستان نے کابل میں جاسوسی کی خدمات کے لئے آپ کے سپرد کی تھی۔ چونکہ مطلوبہ کام آپ نے نہیں کیا لہٰذا رقم واپس کر دیجئے۔ مرزا محمود نے کہا کہ میں نے سر ظفر اللہ سے بات کر لی ہے لہٰذا آپ ان سے مل لیں میں کراچی آ کر ان سے ملا تو انہوں نے کہا کہ وہ رقم تو ساری کی ساری خرچ ہو گئی ہے لہٰذا کیس کو دبا دو۔ میں نے سید غلام رضا کو رپورٹ کی اور انہوں نے خاموشی اختیار کر لی۔ ان دنوں پاکستان کی فوجی اور سول سروس میں قادیانیوں کا زور تھا اور حقیقتاً یہ خطیر رقم احمدیوں نے اپنی جماعت پر خرچ کر لی تھی.....!

قرآن مجید کیساتھ عشق و شغف

از: حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی

عنوان بالا کے تحت صحابہ و تابعین ائمہ اسلام؛ علماءِ راسخین اور بلند پایہ مشائخ اور اہلِ قلوب کے چند واقعات درج کئے جاتے ہیں جن سے ان کے قرآن مجید کیساتھ عشق و شغف اس کے آداب و عظمت اس کی تلاوت میں ان کی محویت و استغراق اور اس لذت و کیفیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ کی ابتداء خود اس ذاتِ قدسی سے کی جاتی ہے جس پر قرآنِ پاک کا نزول ہوا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ مجھ کو قرآن سناؤ۔ میں نے کہا کہ آپ ہی پر نازل ہوا ہے اور آپ ہی کو سناؤں۔ فرمایا کہ ہاں! میں دوسرے سے سننا چاہتا ہوں میں نے سورۂ نساء شروع کی جب اس آیت پر پہنچا؛

فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید و جئنا بک علی ھؤلاء شھیداً

"سو اسوقت کیا حال ہوگا جب ہر امت سے ہم ایک ایک گواہ حاضر کریں گے اور لوگوں پر آپکو بطور گواہ کے پیش کریں گے"

میں نے سر اٹھایا تو دیکھتا ہوں کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ مائدہ کی آیت: ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم (المائدہ ع ۱۵)

"تو اگر انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر انہیں بخش دے تو بھی تو زبردست حکمت والا ہے"

پر پوری رات گذار دی اور صبح ہو گئی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے رقیق القلب تھے قرآن پڑھتے وقت آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکتے تھے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔

ابورافع کہتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھ رہا تھا۔ میں مردوں کی اس آخری صف میں تھا جس کے بعد عورتوں کی صف ہوتی ہے آپ سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے:

انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ (سورۂ یوسف ع ۱۰)

"یعقوب نے کہا میں تو اپنے رنج و غم کی شکایت بس اپنے اللہ ہی سے کر رہا ہوں"
حضرت عمر رضی اللہ عنہ بلند آواز سے قرآن شریف پڑھتے تھے آپ پر ایسا گریہ طاری ہوا کہ مجھے ان کی ہچکیوں کی آواز دُور سے سنائی دی۔
ابن عمرؓ کی بھی روایت ہے کہ آپؓ پر صبح کی نماز میں ایک مرتبہ ایسا گریہ طاری ہوا کہ میں نے ان کی ہچکیوں کی آواز تین صفوں کے پیچھے سنی۔ حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے رات کے ورد میں کبھی کوئی آیت پڑھتے تو اتنا روتے کہ گر جاتے اور آپ کو گھر میں اتنا ٹھہرنا پڑتا کہ لوگ عیادت کے لئے آتے۔
محمد ابن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ پوری رات ایک رکعت میں گذار دیتے تھے جس میں پورا قرآن مجید پڑھ لیتے تھے۔
امام احمد اور ابن عساکر کی روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ کہتے تھے کہ تمہارے دل پاک ہو جائیں تو تم کو کبھی کلام اللہ سے سیری نہ ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ میری عمر میں کوئی دن ایسا گذرے جس میں مجھے قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کی نوبت نہ آئی۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت ہوئی تو جس مصحف میں وہ پڑھا کرتے تھے وہ ان کی کثرت تلاوت سے جا بجا سے شکستہ ہو گیا تھا۔
ابن عمیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے سورۃ یوسف حضرت عثمانؓ کے پیچھے پڑھنے سے یاد ہو گئی کیونکہ وہ کثرت سے فجر کی نماز میں سورۂ یوسف پڑھتے تھے۔
حضرت علی المرتضیٰ کو وفات نبوی کے بعد قرآن شریف کے حفظ میں اتنا انہماک ہوا کہ کئی روز تک گھر سے باہر نہیں نکلے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن رواحہ، عبداللہ بن عباس اور عبدالرحمن بن عوف رضوان اللہ تعالیٰ عنہم جیسے کبار صحابہ متعدد تابعین عظام سعید بن جبیر، مالک بن انس، منصور بن المعتمر کے متعلق رقت خشوع اور گریہ و بکا کی ایسی ہی روایات حدیث و تاریخ کی کتابوں میں آئی ہیں۔
زرارہ ابن عوفی کے متعلق تو یہاں تک بیان کیا گیا ہے کہ وہ جامع مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے سورۃ مدثر کی آیت
فاذا نقر فی الناقور فذالک یومئذ یوم عسیر علی الکافرین غیر یسیر (المدثر ع ۱)
"پھر جس دن صور پھونکا جائے گا سو وہ دن کافروں پر ایک سخت دن ہوگا، نہ کہ آسان"
پڑھی تو ان کی رُوح پرواز کر گئی اور وہ گر گئے۔ بہز ابن حکیم کہتے ہیں کہ میں بھی ان لوگوں میں تھا جو ان کی نعش اٹھا کر گھر لائے۔
خلیفہ نماز پڑھ رہے تھے جب انہوں نے آیت پڑھی تو اسکو بار بار دہراتے رہے کسی نے گھر کے ایک گوشے سے آواز دی کہ کہاں تک اس آیت کو دہراتے رہو گے، نہ معلوم کتنوں کے جگر شق ہو گئے۔
ایک صاحب نے آیت پڑھی: ثم ردوا الی اللہ مولٰھم الحق (الانعام ع ۸)
"پھر وہ (سب) واپس لائے جائیں گے مالک حقیقی کے پاس"

حمزہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہ (بنت ابوبکر صدیقؓ) کے خادم کہتے ہیں کہ حضرت اسماءؓ نے مجھے بازار بھیجا اسوقت وہ سورۂ طور کی تلاوت کر رہی تھیں اور آیت و وقانا عذاب السموم تک پہنچی تھیں، میں بازار گیا بھی اور واپس بھی آگیا اور وہ ابھی تک یہی آیت پڑھ رہی تھیں۔

حضرت تمیم داری مقام ابراہیم پر آئے اور سورۂ جاثیہ پڑھنی شروع کی:

ام حسب الذین اجترحوا السیئات ان نجعلھم کالذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت سواء محیاھم ومماتھم ساء ما یحکمون۔ (الجاثیہ ع ۲)

"کیا جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں اس خیال میں ہیں کہ انہیں ان جیسا رکھیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کی زندگی اور ان کی موت یکساں ہی رکھیں سو کیسا بُرا حکم یہ لوگ لگاتے ہیں۔"

تو اسکو برابر دہراتے رہے اور روتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

حضرت سعید بن جبیر رمضان میں امامت کر رہے تھے جب وہ آیت:

فسوف یعلمون۔ اذ الاغلال فی اعناقھم والسلاسل یسحبون فی الحمیم۔ ثم فی النار یسجرون۔ (المومن ع ۸)

"جبکہ ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی انکو گھسیٹتے ہوئے کھولتے ہوئے پانی میں لے جایا جائے پھر یہ آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔"

پر آئے تو بار بار اسکو دہراتے رہے۔ ایک رات تہجد میں یہ آیت پڑھی:

واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ (البقرہ ع ۳۸)

"اور اس دن سے ڈرتے رہو جس میں تم (سب) اللہ کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے۔"

تو اس کو کچھ اور بیس مرتبہ دہرایا۔ وہ رات کو اتنا روتے تھے کہ ان کی آنکھوں پر اثر پڑ گیا۔

حضرت مسروق (تلمیذ حضرت ابن عباس) بعض دن عشاء سے لیکر فجر تک سورۂ رعد ہی پڑھتے رہے۔

ہارون ابن لباب اسدی کبھی تہجد میں پوری آیت:

یلیتنا نرد ولا نکذب بایات ربنا ونکون من المؤمنین (الانعام ع ۳)

"کہیں گے کہ کاش ہم پھر واپس بھیج دیئے جائیں تو ہم ایمان لانے والوں میں سے ہو جائیں۔"

پڑھنے میں گذار دیتے اور روتے رہتے۔

حضرت حسن بصری نے ایک پوری رات ان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا کی تکرار اور ورد میں گذار دی لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا اسمیں بڑی عبرت اور موعظت ہے۔ ہم جب بھی نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں تو اللہ کی

کسی نہ کسی نعمت کا نزول ہوتا ہے اور جو ہم نہیں جانتے ان کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے۔
امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ تہجد میں یہ آیت پڑھی:

بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر۔ (القمر ع ۳)
"لیکن ان کا اصل وعدہ تو قیامت کا ہے اور قیامت بڑی سخت اور ناگوار چیز ہے۔"
وہ برابر اس آیت کو دہراتے رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔

یہ سلسلہ ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک عہد سے دوسرے عہد تک منتقل ہوتا رہا اور اُمت کا کلام الٰہی سے عشق و شغف تسلسل کے ساتھ اور قرآن مجید کا فیض اور اس کی تاثیر بغیر کسی انقطاع اور وقفہ کے جاری رہی۔ تاریخ و سیر کی کتابوں نے ہر دَور کے علماء راسخین، معلمین و مصلحین اور محققین و عارفین کے قرآن مجید کیساتھ عشق و شغف اسکی تلاوت میں محویت و استغراق اور اس میں ان کی حلاوت و لذت کے واقعات محفوظ کر دیئے ہیں۔ یہاں پر چند اکابر اُمت کے واقعات نقل کئے جاتے ہیں:

مشہور مصنف اور محدث، مؤرخ و ناقد علامہ ابن جوزیؒ ہر ہفتہ ایک قرآن پاک ختم کرتے تھے سلطان صلاح الدین ایوبی فاتح بیت المقدس کو قرآن مجید سننے کا بڑا شوق تھا کبھی کبھی اپنے برج میں پہرداروں سے دو دو چار چار پارے سن لیتے تھے بڑے خاشع و خاضع اور رقیق القلب انسان تھے۔ قرآن مجید سن کر اکثر آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ ۷ شعبان ۷۲۶ھ کو نظر بند کئے گئے جہاں انہوں نے ۲۲ ذیقعدہ ۷۲۸ھ کو سفر آخرت اختیار کیا۔ اس فرصت میں ان کا سب سے بڑا شغلہ اور ورد تلاوت قرآن پاک تھا۔ وہ جیل میں تقریباً دو سال چار ماہ رہے اس مختصر مدت میں انہوں نے اپنے بھائی شیخ زین الدین ابن تیمیہ کیساتھ قرآن مجید کے اسی دور ختم کرنے کے بعد جب نیا دور شروع کیا اور سورۂ قمر کی اس آیت پر پہنچے ان المتقین فی جنٰت ونھر فی مقعد صدق عند ملیك مقتدر "جو پرہیزگار ہیں ان باغوں اور نہروں کے درمیان ہوں گے ایک اعلیٰ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے نزدیک" تو بجائے اپنے بھائی زین الدین کے عبداللہ ابن محب اور عبداللہ الزرعی کیساتھ دور شروع کیا یہ دونوں نہایت صالح شخص تھے اور آپس میں حقیقی بھائی تھے امام ابن تیمیہ کو ان کی قرأت بہت پسند تھی یہ دور ختم نہیں پایا تھا کہ زندگی کے دن پورے ہو گئے۔

ان اکابر اسلام کے سوا جن کی زبان عربی تھی اور جن کا رات دن کا وظیفہ علوم اسلامیہ کا وظیفہ علوم اسلامیہ کی خدمت اور ان کے بحر کی غواصی تھی عجمی زہاد و مشائخ و صلحاء اُمت کا بھی شغف بالقرآن، ذوق تلاوت، حفظ کا اہتمام اور قرآن میں محویت و استغراق کے واقعات کچھ کم شوق انگیز، سبق آموز اور عبرت خیز نہیں، صدہا واقعات میں سے یہاں چند نقل کئے جاتے ہیں۔ یہ واقعات متقدمین مشائخ تک محدود نہیں، اس کا سلسلہ معاصرین تک جاری و ساری ہے۔

آٹھویں صدی کے مشہور بزرگ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ (المتوفیٰ ۷۲۵ھ) کو قرآن مجید کا خصوصی ذوق تھا اس کے حفظ کے اہتمام و تلاوت کی کثرت سے تاکید فرماتے تھے۔ امیر حسن علاء سجزی جب حضرت خواجہؒ سے متعلق ہوئے تو وہ بوڑھے تھے اور شعر و شاعری زندگی بھر کا مشغلہ تھا۔ حضرت خواجہؒ نے ان کو ہدایت کی کہ قرآن ذوق کو شعر و شاعری کے ذوق پر غالب کریں۔ امیر فوائد الفواد میں لکھتے ہیں کہ "بارہا ان مخدوم کی زبان مبارک سے میں نے یہ لفظ سُنے ہیں کہ چاہیئے قرآن مجید کا پڑھنا شعر کہنے پر غالب آجائے۔"

خواجہ محمد (ابن مولانا بدرالدین اسحٰق بڑے اچھے حافظ خوش الحان تھے انکو آپ نے نماز کا امام بنایا تھا ان کی قرأت سے آپ بڑے محظوظ ہوتے اور آپ کو ان کی قرأت سن کر بڑی رقت اور ذوق آتا۔

حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحیٰی منیری (المتوفیٰ ۷۸۲ھ) کو بھی قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے سُننے کا خاص ذوق تھا ان کے تربیت یافتہ شیخ زین بدر عربی ان کی وفات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛

ملک حسام الدین کے بھائی امیر شہاب الدین اپنے لڑکے کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے اور آکر بیٹھ گئے آپ کی نظر مبارک لڑکے پر پڑی۔ آپ نے فرمایا "پانچ آیتیں پڑھ سکتے ہیں" حاضرین نے عرض کیا کہ ابھی بہت چھوٹا ہے سید ظہیر الدین مفتی کا لڑکا بھی حاضر تھا میاں بلال نے جب یہ دیکھا کہ آپ کو کلام ربانی سننے کا ذوق ہے تو انہوں نے اس لڑکے کو بلایا اور پانچ آیتیں پڑھنے کی ہدایت کی۔ سید ظہیر الدین نے جب یہ محسوس کیا کہ طبیعت مبارک پر قرآن مجید سُننے کا تقاضا ہے تو اپنے لڑکے کو اشارہ کیا کہ قرآن مجید کی پانچ آیتیں پڑھو۔ لڑکا سامنے آیا اور مؤدب بیٹھ گیا اس نے سورۂ فتح کے آخری رکوع کی آیتیں محمد رسول اللہ والذین معہ سے پڑھنی شروع کیں۔ حضرت مخدوم تکیہ کے سہارے آرام فرما رہے تھے اُٹھ بیٹھے اور معمول قدیم کے مطابق باادب دوزانوں بیٹھ گئے اور بڑی توجہ سے قرآن سننے لگے۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (المتوفیٰ ۱۰۳۴) کے حالات میں آتا ہے کہ تلاوت کے وقت چہرہ مبارک اور پڑھنے کے انداز سے سامعین کو ایسا محسوس ہوتا کہ اسرار قرآنی و برکات آیات کا فیضان ہو رہا ہے۔ نماز اور بیرونِ نماز میں خوف کی آیات پڑھتے یا جن آیات میں تعجب یا استفہام آتا ہے اس کا انداز و لہجہ پیدا ہوجاتا رمضان میں تین سے کم ختم نہ کرتے خود حافظ قرآن تھے اس لئے غیر رمضان میں بھی زبانی تلاوت فرماتے اور مختلف حلقوں میں بھی سنتے رہتے۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی ایک روز تلاوتِ قرآن کر رہے تھے کہ آپ پر کیفیت طاری ہوئی مولانا تجمل حسین شاہ سے فرمایا کہ "جو لذت ہم کو قرآن میں آتی ہے اگر تم کو وہ لذت ذرہ بھر آئے تو ہماری طرح نہ بیٹھ سکو گے بلکہ کپڑے پھاڑ کر جنگل کو نکل جاؤ گے۔"

آپ نے آہ کی اور حجرہ میں تشریف لے گئے اور کئی روز تک بیمار رہے۔

مولانا سید محمد علی نے فرمایا کہ میں نے ابتداء میں حضرت سے عرض کیا کہ مجھ کو جو مزہ شعر میں آتا ہے قرآن شریف میں نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی بعد ہے قرب میں جو مزہ قرآن شریف میں ہے کسی میں نہیں۔ مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں کہ مجھ سے فرمایا کہ قرآن شریف اور حدیث پڑھا کرو کہ اللہ میاں دل پر آکر بیٹھتے ہیں۔

ایک روز آپ نے فرمایا کہ "نسبت قرآن کی غایت سلوک ہے"

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں کہ ایک بار مولانا محمد علی صاحب وغیرہ کا مجمع تھا قرآن شریف کا ترجمہ ہر رکوع پر تھا: واذکر فی الکتاب ابراھیم انه کان صدیقاً نبیا (سورۃ مریم رکوع ۳)

"اور آپ اس کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجئے وہ بڑے راستی والے نبی تھے"

اس کا ترجمہ فرمایا بعد اس کے وہ آیت پڑھی گئی جو حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہؑ کے بیان میں ہے:

وکان عند ربه مرضیا (مریم ع ۴) "وہ اپنے رب کے پاس پسندیدہ تھے"

ترجمہ فرمایا کہ تھا اپنے رب کا پیارا، یہ فرما کر چیخ ماری اور آپ پر گویا کیفیت مدہوشی کی طاری ہوگئی اس واقعہ کے بعد دو مہینے سخت علیل رہے۔

ایک مرتبہ جب اس آیت کا ترجمہ پیش آیا:

ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ (مائدہ ع ۳)

"اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے یہ کہدیا تھا کہ خدا کے علاوہ مجھے اور میری والدہ کو بھی معبود بنالو"

یعنی حضرت عیسیٰؑ کو حکم ہوگا کہ کیا تم نے آدمیوں سے کہدیا تھا کہ ہم کو اور ہماری ماں کو خدا کہیں اور خدا کو خدا کہیں پھر حضرت عیسیٰؑ کا گھبرا کر یہ فرمانا انك انت العزیز الحکیم یعنی غفور الرحیم کا موقع تھا مگر العزیز الحکیم فرمایا اس وقت گویا واقعہ قیامت سامنے ہوگیا اور کیفیت مصیبت قیامت کی سب پر طاری ہوگئی۔ مجھ کو خیال آتا ہے کہ حضرت نے اس آیت وان منکم الا واردھا پر چیخ ماری کہ سب کو پل صراط سے ایک روز اترنا ہوگا۔

غرض ہر چیز کا بیان یہاں مجلس میں ہوتا تھا پہلے آپ پر کیفیت آتی تھی اسکے بعد بطور عکس موافق استعداد ہر شخص پر طاری ہوتی تھی۔

اسلام میں عورت کا مقام

ترجمہ : ابو سفیان اصلاحی لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ

خداوند قدوس نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا، وہ زمین کے وارث قرار پائے۔ انہیں بہت سے حقوق عطا کئے گئے جن سے سبکدوش ہونا ضروری قرار پایا۔ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے :

واذ قال ربک للملئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ۔ (سورۃ البقرہ - ۳۰)

ترجمہ : اور جس وقت تمہارے رب نے ارشاد فرمایا فرشتوں سے کہ ضرور میں زمین میں ایک نائب بناؤں گا۔

آدم علیہ السلام کی ذات سے حوا پیدا ہوئیں تاکہ یہ زندگی میں ممد و معاون اور مودت و رحمت ثابت ہوں۔ انہیں اطمینان قلب اور سکون نصیب ہو۔ یہی وجہ ہے کہ عورت کے بغیر معاشرۂ انسانی ناقص ہے دونوں معاشرہ کی خاطر لازم و ملزوم مگر دونوں کے وظائف اور میدان جدا جدا ہیں۔

مرد اور عورت کے مابین گہرے مراسم کی بنیاد مودت و رحمت ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ و رحمۃ (روم - ۲۱)

ترجمہ : کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی۔

یہ دونوں لفظ اپنے اندر محبت و انسیت کے تمام الفاظ و معانی کو سمیٹ لیتے ہیں۔ یہ دونوں الفاظ اپنے اندر پیار و محبت کا وہ خاصہ رکھتے ہیں کہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے لئے بھی "الودود الرحیم" کا لفظ وضع کیا ہے۔ یہیں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ان دونوں لفظوں میں استقرار و استمرار بھی پایا جاتا ہے اور یہ چیز نہ صرف زن و شوہر کے حق میں بلکہ پورے خاندان اور پوری اسلامی سوسائٹی کے حق میں باعث منفعت ہے۔ اس علاقہ و محبت کا انحصار عقل و عافیت سے ہوا تو وہاں پر تمام امور کا یکسر درست انجام پانا لازمی ہے اور یہی وجہ ہے کہ زن و شوہر کے درمیان اختلافات کی تمام گتھیاں سلجھ جاتی ہیں لہذا اسی کا ازدواجی زندگی متقاضی بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا کو دام ابلیس سے بچنے کی تاکید کی۔ ارشاد ربانی ہے : فلا یخرجنکما من الجنۃ

فتشقیٰ (طٰہٰ ۱۱۶) ترجمہ: سوکہیں تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے اور تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔

اس آیۃ کریمہ سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ جدوجہد اور محنت و مشقت کا برداشت کرنا مردوں کا کام ہے۔ اگر عورتوں پر یہ بار ڈالا گیا ہوتا تو فتشقیٰ کی جگہ لتشقیا ہوتا۔ اس سے دونوں کے خطوط و وظائف متعین ہو گئے۔

دوسری جگہ ارشادِ ربانی ہے: واللیل اذا یغشیٰ والنھار اذا تجلّیٰ وما خلق الذکر والانثیٰ ان سعیکم لشتّیٰ۔ (سورۃ اللیل ۴) ترجمہ: قسم رات کی جبکہ وہ آفتاب کو اور دن کو چھپالے اور قسم ہے دن کی جبکہ وہ روشن ہو جائے اور قسم ہے اس کی جس نے تمہاری

اب تو یہ ایک دم عیاں ہو گیا کہ مرد و عورت دونوں کی جُدا جُدا راہیں اور اعمال ہیں۔ عورت مرد کے سکون کا ایک اہم پیش خیمہ ہے، اس لئے ہے کہ بارِ غم ہلکا ہو جائے اسکی تکان دُور ہو اور مرد کے احکامات کی اطاعت و پیروی کرے، مرد شام کو گھر جاتا ہے تو ایک پُرسکون ماحول اور پُربہار فضا میں بس جاتا ہے یہ عورت کی دین ہے جب یہ عورت گھر میں موجود ہوتی ہے تو دن بھر کی تمام ٹھوکریں اور آلام و مصائب کو فراموش کر دیتا ہے۔ مرد باہر بھی نکلتا ہے تو اس آس پر کہ جلد ہی دن ختم ہو کر پھر آرام و آسائش اور عیش و عشرت میں جا بسے گا۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک نیک اور انتہائی پاک طینت بیوی تھیں وہ سراپا مودت و رحمت تھیں اور تاحیات سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر خیر و برکت اور سامانِ عیش بنی رہیں چنانچہ آپ کی وفات پر آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہایت قلق اور افسوس ہوا۔

عورتوں کی دوسری اہم ہم بچے جننا یہی واحد ذریعہ ہے جس سے نوعِ انسانی کو بقا حاصل ہے۔ بچوں کی پال پرداشت اور ابتدائی تمامتر ذمہ داریاں ماں کے اوپر ہوتی ہیں۔ ماں ہی ایک ہے جس کے اندر ماں بننے کی صلاحیتیں اور دیکھ ریکھ کا بہت زیادہ احساس رہتا ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے:

واللہ جعل لکم من انفسکم ازواجا وجعل لکم من ازواجکم بنین وحفدۃ (النحل ۷۲)
اور اللہ تعالیٰ نے تم ہی سے تمہارے لئے بیویاں بنائیں اور تمہاری بیویوں سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کئے۔

مشترکہ مقامات | مرد و عورت جب ایک جنس سے ہیں تو ظاہر ہے بہت سے ایسے مقامات آئیں گے جہاں دونوں برابر کے شریک ہوں گے۔ جب دونوں کی پرداخت ایک جنس سے قرار پائی تو طبعی یکسانیت لازم ہے۔ قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے یاایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا۔ (النساء) اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔

دونوں کرامت و شرافت اور زہد و تقویٰ کے میدان میں برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولقد کرمنا بنی آدم (اسراء ۷۰) یقیناً ہم نے بنی نوعِ انسان کو عزت دی۔

دونوں ثواب وعتاب میں ایک درجہ کے ہیں۔ کیونکہ اس کا انحصار ایمان پر ہے اور حساب وکتاب میں دونوں ایک دوسرے جیسے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ان المسلمین والمسلمات والمؤمنین والمؤمنات والقانتین والقانتات والصادقین والصادقات والصابرین والصابرات والخاشعین والخاشعات والمتصدقین والمتصدقات والصائمین والصائمات والحافظین فروجهم والحافظات والذاكرين الله كثيراً والذاكرات اعد الله لهم مغفرة واجراً عظيماً۔ (احزاب ۳۵) بیشک اسلام کا کام کرنے والے مرد اور اسلام کا کام کرنیوالی عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور فرمانبرداری کرنیوالے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں اور راستباز مرد اور راستباز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنیوالے مرد اور خشوع کرنیوالی عورتیں اور خیرات کرنیوالے مرد اور خیرات کرنیوالی عورتیں اور بکثرت اللہ کو یاد کرنیوالے مرد اور یاد کرنیوالی عورتیں، ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔"

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے: من عمل صالحاً من ذكر او انثى وهو مؤمن فلنحيينه حياة طيبة ولنجزينهم اجرهم باحسن ما كانوا يعملون۔ (النحل ۹۷)

جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو بالطف زندگی دیں گے اور ان کے اچھے کاموں کے عوض میں اُن کا اجر دیں گے۔"

تیسری جگہ ارشاد خداوندی ہے: فاستجاب لهم ربهم انى لا اضيع عمل عامل منكم من ذكر او انثى بعضكم من بعض فالذين هاجروا واخرجوا من ديارهم واوذوا فى سبيلى وقاتلوا وقتلوا لاكفرن عنهم سيئاتهم ولادخلنهم جنات تجرى من تحتها الانهار ثواباً من عند الله والله عنده حسن الثواب۔ (آل عمران ۱۹۵)

"سو منظور کر لیا ان کی درخواست کو ان کے رب نے اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے کام کو جو کہ تم میں سے کرنیوالا ہو اکارت نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک دوسرے کے جزو ہو۔ سو جن لوگوں نے ترک وطن کیا اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور اذیتیں دیئے گئے اور میری راہ میں جہاد کیا اور شہید ہو گئے ضرور ان لوگوں کی تمام خطائیں معاف کر دوں گا اور ضرور انہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ عوض ملے گا اللہ کے پاس اچھا عوض ہے۔

مذہب اسلام میں عورتوں کے حقوق

شہری حقوق کا جہاں تک تعلق ہے مثلاً بیع وشراء، ملکیت، ہبہ اور اجارہ تو ان تمام چیزوں میں ایک عورت کو وہی اختیار ہے جو ایک مرد کو اسے تصرف کا پورا حق ہے۔ کوئی مرد اس کی ملکیت میں کسی طرح کی خرد برد کرنیکا اختیار شادی سے پہلے یا شادی سے بعد نہیں رکھتا۔ اہل مغرب یہ کہتے ہیں کہ شادی سے قبل باپ اور بھائی کو اس کی لڑکی اور بہن کی جائیداد وملکیت میں وصیت کا پورا پورا حق ہے اور شادی کے بعد باپ بھائی کا یہ حق شوہر کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ فرانس کا قانون یہ ہے کہ عورت مرد کے تابع ہے چنانچہ شوہر عورت کی

ملکیت کو اڑا تا پھرتا ہے محض عورت کو خرید و فروخت اور رہن کے نیز دوسرے تمام اختیارات حاصل ہیں۔ عورت کی کوئی مرضی نہیں شوہر کی بغیر اجازت عورت ایک حبہ بھی صرف نہیں کرسکتی۔ جوستاف برلان اپنی کتاب میں رقمطراز ہے:

"یقیناً مسلم عورتیں یورپین عورتوں سے کہیں بہتر حقوق رکھتی ہیں۔ وہ اپنی ملکیت سے مکمل استفادہ کی حقدار ہیں چہ جائیکہ حق مہر اس سے گھر کے معاملات میں خرچ کرنے پر حساب وکتاب نہیں لیا جاتا۔ مطلقہ ہونے کے بعد اسے نفقہ ملتا ہے۔ شوہر کی وفات کے بعد برابر اسے نفقہ ملتا رہے گا حتیٰ کہ شادی کرلے۔ نیز شوہر کے ترکہ میں اس کا ایک متعین حصہ ہے۔

مذہب اسلام نے عورت کی تعلیم و تربیت پر زور دیا ہے ارشاد نبوی ہے:

طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم و مسلمۃ علم دین کا حاصل کرنا مسلم مردوں اور عورتوں پر فرض ہے۔

عورتوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہفتہ میں ہمارے لئے وعظ و نصیحت کا کوئی دن متعین کر دیجئے چنانچہ آپ نے ہفتے میں ایک دن عورتوں کے لئے مخصوص کر دیا۔

مذہب اسلام نے عورتوں کو شوہر کے اختیار میں پورا پورا حق عطا کیا ہے۔ اس باب میں مردوں کے مانند ہیں۔ پیغام شادی کے دوران وہ مرد کو دیکھ سکتی ہے اس کی آواز بغور سن سکتی ہے کہ آواز پسند ہے یا ناپسند۔ یہ حقوق منجانب اللہ عطا کئے گئے ہیں۔ عقد نکاح کے وقت عورت کی رضامندی ضروری ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے:

الثیب احق بنفسہا من ولیہا والبکر تستامر واذنہا سکوتہا۔ شادی شدہ عورت اپنے آپ کی زیادہ مستحق ہے بالمقابل اپنے ولی کے اور غیر شادی شدہ عورت سے اجازت لی جائے گی اور اس کی خاموشی اسکی اجازت ہے والدین نے لڑکی کی بغیر اجازت کے شادی کر دی تو بعد میں اُسے فسخ کا پورا حق ہے۔

عدالت اسلامی حصے بخرے کی تقسیم میں عدالت اسلامی نے انسانی فطرت کو ملحوظ رکھا ہے دونوں کے شریعت اسلامی میں ایک متعین حصے ہیں جن پر مخالفین اسلام کو سخت اعتراض ہے اور اسلام کی اس شق پہ خوب خوب کیچڑ اچھالتے اور شریعتِ اسلامی کا مذاق اڑاتے ہیں، یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ اسلام کی ضد ہے اور معاشرۂ انسانی کا اس میں خسارہ ہے لیکن ہمارا یہ جواب ہوگا کہ یہ اس کا وضع کردہ ہے جو سارے جہان کا رب اور پالنہار ہے۔ وہی جانتا ہے کہ اس میں کونسا راز اور کونسی حکمت اس میں پوشیدہ ہے۔

اسلام ایک واحد مذہب ہے جس نے عورت کو معاشرے میں قدر و منزلت بخشی اور گھر یا اشیاء میں ان کے حقوق متعین ہوئے۔ گھر سے باہر سرگرداں رہنے سے روکا گیا کیونکہ ان کی اصل ذمہ داری بچوں کی پرورش کرنا اور ایک مہربان ماں بنانا ہے اور عورت ہی اس کام کو بحسن وخوبی انجام دے سکتی ہے۔ شیخ شعراوی اس باب میں رقم طراز ہیں:

"مذہب اسلام عورتوں کو عمل سے نہیں روکتا بلکہ انہیں حدود میں رکھتا ہے اور ان حدود کے کیا تقاضے ہوں گے نے بھی کی وضاحت شعیب علیہ السلام کی دونوں بیٹیوں کے قصہ میں کر دی ہے یہ واقعہ اس وقت کا تھا جب آپ

اچھی طرح سوار ہو چکا تھا آپ کو چلنے پھرنے کی تاب نہیں تھی اور نہ کوئی جوان سال بیٹا تھا پھر بھی ان کی دونوں لڑکیوں نے حد اسلامی کو تجاوز نہ کیا اور چرواہوں کا انتظار کرتی رہیں کہ وہ پلا کر ہٹیں تو باری آئے اور کبھی بھی ان کی باری کو نہ ہوتیں۔ ہمیشہ اس بھیڑ سے احتراز برتا۔ یہیں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کیسے ان کی مدد کی۔ خاندانی نظام فطرتاً وضع کیا گیا ہے جو عورت کے لئے مخصوص ہے۔

بنی نوع آدم کے بچوں کی نگرانی

شریعت اسلامی نے جس طرح عورتوں کو خاندان کے لئے مخصوص کیا ویسے ہی بچوں کی تربیت بھی انہیں کے سپرد کر دی گئی۔ یہ بات سماج کے لئے حد درجہ مفید ہے عورت کی یہ ذمہ داری دائرہ اسلامی میں نہایت مقدس شمار کی جاتی ہے۔ اسلامی سوسائٹی ہی ایسی ہے جہاں بچے پھلتے پھولتے ہیں، اسلامی اخلاق، عقیدۂ وحدانیت اور شریعتِ اسلامی کے اسباق پڑھائے جاتے ہیں۔ یہی بچے زمین پر نیابتِ الٰہی کے سچے علمبردار شمار کئے جاتے ہیں۔ انہیں تمام باتوں کو مدّنظر رکھتے ہوئے عورتوں پر خارجی معاملات کی ذمہ داریاں نہیں سونپی جاتیں وہ ایسے مقامات پر شریک کار نہیں ہوتیں جہاں مرد بھی ہوں لیکن آج کے مادی دَور میں عورتیں باہر کے تمام معاملات میں حصّہ لے رہی ہیں اور ایک تیسری صنف اختیار کر گئی ہیں۔

مذہب اسلام نے عورت پر جہاد فرض نہیں کیا کیونکہ انہی کے جنے ہوئے بچے میدانِ کارزار میں برسرِ پیکار ہوتے ہیں اس نقطۂ نظر سے وہ میدانِ حرب کے نہایت مفید اور نفع بخش ہیں۔ شروع ہی سے یہ امت مسلمہ کے حق میں نہایت کارآمد ہیں جب بھی سپاہیوں کی قلت ہوئی تو عورتوں نے اس خلا کو پورا کیا۔ جب عورتیں بھی میدانِ جنگ میں حصّہ لینے لگیں گی تو یہ خلا پُر ہونا محال ہوگا۔ شریعتِ اسلامی میں ایک مرد کو بیک وقت چار شادیوں کی اجازت ہے تاکہ جنگوں کی وجہ سے جو جانی بحران آیا ہے وہ پورا ہو سکے۔ عورت فطرتاً مردوں کے حق میں رحمت وسکینت واقع ہوئی ہے۔ زن وشوہر ہی سے ملکر معاشرۂ انسانی پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے۔

مذکورہ بالا حقوق مذہب اسلام نے عورت کو بغیر طلب کے عطا کئے، یہ خداوند قدوس نے اپنی جانب سے عطا کئے ہیں اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ کون سی چیز کسے عطا کی جائے۔ جو قت پروردگار نے مرد وعورت کی تخلیق کی تو وہیں پر ان کے حقوق بھی متعین کر دیئے اور دونوں کے لئے جُدا جُدا خصوصیتیں متعین ہوئیں تاکہ وہ ایک دوسرے سے معتبر ہو سکیں۔ ہر ایک کے لئے الگ الگ راستے بنے۔ منزلِ مقصود اور منازلِ حیات کو پالینے کے لئے دونوں کا وجود نہایت ضروری ہے تاکہ ذہنی خوشی برابر حاصل ہو سکیں

مقامات کا اختلاف

مسلم عورتوں کے ذہن کو وہ لوگ خراب کر رہے ہیں جو مذہب اسلام کے منکر ہیں اور اس کے باغی ہیں اور مغربیت کے دلدادہ ہیں۔ اہل مغرب کا یہ نعرہ ہے کہ وہ مردوں کی مانند ہیں۔ گھر کی قیادت ان سے چھین کر صرف مردوں کے سپرد کر دی گئی ہے حالانکہ ہر دو تقویٰ میں دونوں کا مقام ایک ہے۔ مردوں کی یہ ذمہ داری اجتماعیت کی ایک شکل ہے۔ الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضہم علی بعض وبما انفقوا من اموالہم۔ (النساء)

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔ سو جو عورتیں نیک ہیں وہ اطاعت کرتی ہیں"۔

مرد کی یہ قیادت نہایت معنیٰ خیز ہے وہ انہیں چیزوں کے نفوذ کا حق رکھتا ہے جس کا مجلس شوریٰ فیصلہ کرے اس کی قیادت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ اہل خاندان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے، قیادت کے ساتھ ساتھ مودت و رحمت کا یاد رکھنا واجب ہے قرآن کریم میں ارشاد ہے: ھُنّ لباس لکم و انتم لباس لھن (البقرہ) "وہ تمہارے اوڑھنے بچھونے ہیں اور تم اُن کے اوڑھنے بچھونے ہو"۔ دونوں اپنے میدان کے لئے نہایت ضروری ہیں بغیر دونوں کے تعاون کے کسی کام کا ہونا بعید از عقل ہے۔ عورت فطرتاً رقت و عاطفت کا پیکر ہے وہ شرم و حیا کی دیوی ہے، بچوں کے مطالبات پورا کرنے میں نہایت تیز، یہ تمام اُمور قابلِ غور ہیں، یہ تمام باتیں اعضاء اعصاب، عقل اور نفس سے تعلق رکھتی ہیں اس کے برعکس مرد کے اندر خشونت و صلابت کی زیادتی، باتوں میں میخیں نکالنا اور تمام امور میں فکری صلاحیت کا کام میں لانا، رجاحت و شرمندگی سے کوسوں دُور رہنا۔ یہی پہلو ہیں کہ اسے اس عہدہ یعنی مقام سے نوازا گیا۔

شہادت

مذہب اسلام پر ایک شُبہ اور تھوپا گیا ہے کہ "انھن ناقصات عقل و دین" "وہ دین و عقل کی ادھوری ہیں"۔ شیخ شعراوی نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے کہ عقل ایک سمجھنے کا آلہ ہے فہم و ادراک کرنے والی شے ہے جس میں تخیلات، حافظے اور پُرانی یادیں محفوظ رہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مرد ادراک کے ذریعے وہ کچھ سمجھ سکتا ہے جو عقل سے پرے ہے۔ عقل تجربات و ثقافت کا ایک حاصل ہے اور اسے عقل مکتسب کہتے ہیں۔ عورت ادراکی صلاحیتوں میں پیچھے ہے اسے تجربات کی دُنیا سے کم واسطہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اس بات کی شہادت کے بیان میں تشریح کر دی ہے:

و استشھدوا شھیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل و امرأتان ممن ترضون من الشھداء ان تضل احداھما فتذکر احداھما الاخریٰ (البقرہ ۲۸۲)

اور دو اشخاص کو اپنے مردوں میں سے گواہ کر لیا کرو۔ پھر اگر وہ دو گواہ مرد میسر نہ ہوں اور ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنالی جاویں ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو تاکہ ان عورتوں میں سے کوئی ایک بھی بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے"

ضلالت سے یہاں ایک خاص ضلالت ہے اسی وجہ سے عورتوں کے معاملات میں عورتوں کی ہی شہادت معتبر ہے مثلاً رضاعت، ولادت، اور عورتوں کے دوسرے میدان میں مرد گُھس پڑیں تو انہیں معرفت نہیں مل سکتی ایسے ہی عورتیں اگر میدان میں کود پڑیں تو سوائے کفِ افسوس ملنے کے اور کچھ ہاتھ نہیں آئے گا کیونکہ خارجی معاملات کی گہرائیوں میں اُترنا ان کے بس سے باہر ہے۔ عورت کے اندر یہ عنصر بھی موجود ہے کہ تھوڑی تھوڑی باتوں پر وہ معاملات سے صرف نظر کر کے وہ آمادہ ہو جاتی ہے اور تنے حیات بنی آدم پر جبور حاصل ہے وہ ہر شے کو بغور دیکھنے کا عادی ہے۔

ڈاکٹر محمد البہی فرماتے ہیں: عصر حاضر کی عورتیں مردوں کے دوبدو چلنے پر مصر ہیں [illegible] کی خاطر در بدر کی

گفتگو کریں گی نسوانی سرشت سے باہر ہے۔ عورتیں خارجی اثرات سے نہایت جلد متاثر ہوتی ہیں وہ مردوں سے نرم اور کہیں سخت بھی واقع ہوئی ہیں۔ عورتوں کے سامنے کیسے ہی گفتگو کیوں نہ کی جائے اسے تسلیم کریں گی۔ عورتوں کی خوشی و ناخوشی ان کی فرحت و غضب، ان کا انکار و قبول اور ان کی سختی و نرمی کو مدنظر رکھئے تو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگے گی کہ حالات کے تقاضوں کا پورا کرنا ان کے بس سے باہر ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ دونوں کو مساوی بناتا تو زن و شوہر کی نوعیت یکسر مفقود ہو جاتی کیونکہ تب تو عدالت و خلافت میں مساوات ضروری قرار پاتی۔ یہ چیز عورتوں سے دُور رکھنے میں ایک عظیم مصلحت ہے یہ معاملات دراصل اس کی خصوصیات کی ضد ہیں۔

عورتیں محض اپنے ذاتی معاملات سے دوچار ہوتی ہیں جس کی ایک متعین شکل اور محدود ہے۔ رہے مرد تو انہیں اَن گنت اور مختلف مسائل سے واسطہ پڑتا ہے۔ یہی واحد سبب ہے کہ اسلامی عدالت کا قاضی انہیں کو مقرر کیا گیا۔

میراث

عورتوں کے باب میں مذہبِ اسلام پر ایک الزام اور عائد کیا جاتا ہے کہ مردوں کے بالمقابل عورتوں کیساتھ میراث میں حق تلفی کی گئی ہے جبکہ یہ بات فراموش کر دی گئی ہے کہ دورِ جاہلیت میں عورتیں سرے سے ہی محروم تھیں، ان کی سماج میں کوئی حیثیت نہ تھی۔ عورت کو شریعتِ اسلامی میں مردوں کے حقوق کے برابر حقوق اس لئے نہیں دیئے گئے کہ مرد ہی خاندان کے وقار کو بڑھانے اور آفت و طوفان کے آجانے پر دفاع کرتے ہیں۔ دورِ جاہلیت میں لڑکیوں کو باعثِ ننگ سمجھا جاتا تھا۔ انہیں زندہ درگور کر دیتے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

واذا بشر احدهم بالانثیٰ ظل وجهه مسودًا وهو كظيم يتوارىٰ من القوم من سوء ما بشر به ايمسكه على هونٍ ام يدسه فى التراب الا ساء ما يحكمون (نحل ۵۸-۵۹)

"اور ان میں سے جب کسی کو عورت کی خبر دی جائے تو سارے دن اس کا چہرہ بے رونق رہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہے جس چیز کی اسکو خبر دی گئی ہے اس کی عار سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرے کہ آیا اس کی ذلت لئے رہے یا اسکو مٹی میں گاڑ دے خوب سن لو ان کی یہ تجویز بہت ہی بُری ہے۔"

دورِ جاہلیت میں کسی عورت کا شوہر انتقال کر جاتا تو اس کے لڑکوں میں سے کسی کو ماں پسند آجاتی تو وہ اس سے شادی کر لیتا یا پھر شادی کرنے سے جبراً اُسے روکے رہتے۔ حتیٰ کہ جان کے عوض روپے ادا کر دیتے۔ قرآن کریم نے اس کی مثال ایسے دی ہے:

يا ايها الذين امنوا لا يحل لكم ان ترثوا النساء كرهًا ولا تعضلوهن لتذهبوا ببعض ما آتيتموهن - (النساء ۱۹) "اے ایمان والو تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورتوں کے جبراً مالک بن جاؤ اور ان عورتوں کو اس غرض سے مقید مت رکھو کہ جو کچھ تم لوگوں نے ان کو دیا ہے اس کا کوئی حصہ وصول کر لو۔"

مذہبِ اسلام کے ظہور کے بعد عورتیں معتبر ٹھہریں آدمیت و انسانیت کا جہاں تک تعلق ہے وہ مردوں کے ہمسر شمار کی گئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: النساء شقائق الرجال عورتیں مردوں کی سگی ہیں انہیں زندہ درگور کرنے پر پابندی

عائد کی گئی۔ آباؤ اجداد پر ان کی تربیت اور دیگر ریکھ واجب قرار پائی۔ نان نفقہ مردوں پر فرض ہو گیا۔ اگرچہ اسے کم ہی دولت سے نوازا گیا ہو۔ وہ گھریلو معاملات میں خرچ کرنے کا حق رکھتی ہے۔ یہ تمام امور مردوں پر اس لئے لازم قرار پائے کہ انہیں وراثت دوگنا ملتی ہے۔ عدم مساوات کی ایک اہم دلیل یہ بھی ہے کہ کسبِ رزق سے محض اس لئے منع کیا گیا کہ یہ بات نسوانیت کے خلاف ایک اچھی پیاری ماں بننے میں روڑا اور زوجیت کے حقوق کے سقوط کی ایک سبیل ہے اور ان کی خصوصیات کے منافی ہے۔

طلاق

اسلام پر ایک الزام یہ بھی لگایا گیا ہے کہ اس نے طلاق جیسی بُری شے کو جائز ٹھہرایا جس کی بناء پر خاندانی کفالت اکثر بحران کا شکار ہو گئی اس کے ترقی کے راستے مسدود ہو گئے۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ یہ حقِ طلاق صرف مرد کو حاصل ہے یہ ان کی صریح حق تلفی اور عدم مساوات کی واضح مثال ہے۔

اسلام ہی ایک حقیقی مذہب ہے جس نے طلاق کو لعنت سے تعبیر کیا۔ بلاشبہ یہ چیز کفالتِ خاندان کے لئے نہایت ضرر رساں ہے حدیث شریف میں ہے: حلال کاموں میں سے سب سے ناپسند کام اللہ کے یہاں طلاق ہے۔ اسلام نے مردوں کو عورتوں کے باب میں صبر کی تلقین کی، ہاں انہیں جب بالکل ہی مجبور ہو جانا پڑا، نباہ کی صورت نہ ہو تو ارشاد باری تعالیٰ ہے

وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسیٰ ان تکرھوا شیئاً و یجعل اللہ فیہ خیراً کثیرا

"اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کیساتھ زندگی گذارو اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر ایک بڑی منفعت پیدا کر دے۔"

رشتہ ازدواج قائم ہو جانے کے بعد اسلامی نقطہ نظر سے مرد کو وسیع القلبی اور وسیع النظری سے کام لینا چاہیئے اور انہیں ایسی گفتگو کرنے پر اکسایا کہ جس سے خاندان میں استحکام پیدا ہو، شوہر کی ذمہ داری ہے کہ اسے پند و نصیحت کرتا ہے پھر بھی اگر اس کی زندگی میں کوئی تبدیلی نظر نہ آئے تو چند دنوں خواب گاہ سے دور رہے۔ اس سے بھی کوئی اثر مرتب نہ ہو تو ہلکی ضرب سے کام لے یعنی ہر ممکن اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے ہو سکتا ہے اسے ہدایت نصیب ہو جائے۔

طلاق کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ ایک طلاق دے دینے کے بعد رُکا رہے اور تینوں طلاقیں تین طہر میں واقع ہوں ممکن ہے پہلی یا دوسری طلاق کے بعد دونوں کے مابین حالات خوشگوار ہو جائیں اور مرد رجوع کر لے پہلی اور دوسری طلاق کے دوران عورت کو گھر نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ یہ تمام باتیں دراصل حکمت پر مبنی ہیں۔ اس کا زیادہ امکان ہے کہ دونوں کے قلب میں وسعت پیدا ہو اور تمام تلخیاں کدورتیں اور اختلافات کافور ہو جائیں نیز دوبارہ رشتہ ازدواج بام عروج کو جا پہنچے۔ مشہور مثل ہے پانی گڑھے سے باہر آجانے کے بعد پھر گڑھے ہی میں آجاتا ہے۔ یہ بات مرد پر اس لئے ڈالی گئی کہ صنفِ نازک کا وقار مجروح نہ ہونے پائے اور معاشرہ انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھے۔ تیسری طلاق مرد اس وقت دے جب تعلقات کی تمام بندشیں نادار ہو جائیں قرآن کریم نے کیا خوب کہا ہے: الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان (البقرہ ۲۲۹) طلاق دو مرتبہ کی ہے

باقی صفحہ ۳۰ پر

اچھا یقیں نہیں ہے تو کشتی ڈبو کے دیکھ
اِک تو ہی ناخدا نہیں ظالم، خدا بھی ہے!

قسط دوم

ظالم کون؟

مولانا محمد عبدالملک صاحب مدینہ منورہ

هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْم

لیکن کائنات کی یہ تمام حُسن افروزیاں اور جلوہ آرائیاں کیوں ہیں؟ یہ کیوں ہے کہ فطرت حُسن ہے اور جو کچھ اس سے ظہور میں آتا ہے وہ حسن و جمال ہی ہوتا ہے؟ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ کارخانہ ہستی ہوتا لیکن رنگ کی نظر افروزیاں، بُو کی عطر بیزیاں نغمہ کی جاں نوازیاں نہ ہوتیں، کیا ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ سب کچھ ہوتا لیکن سبزۂ گل کی رعنائیاں اور قمری و بلبل کی نغمہ سنجیاں نہ ہوتیں؟ یقیناً دنیا اپنے بننے کے لئے اس کی محتاج نہ تھی کہ تتلی اپنے پروں میں عجیب و غریب نقش و نگار رہوں اور رنگ برنگ کے دلفریب پرند درختوں کی شاخوں پر چہچہا رہے ہوں؟ ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ درخت ہوتے مگر قامت کی بلندی، پھیلاؤ کی موزونیت، شاخوں کی ترتیب، پتوں کی سرسبزی، پھولوں کی رنگارنگی نہ ہوتی۔ پھر کیوں یہ ہے کہ تمام حیوانات اپنی حالت اور گرد و پیش کے مطابق ڈیل ڈول کی موزونیت اور اعضاء کا تناسب ضروری رکھیں اور کوئی وجود نہ ہو جو اپنی شکل و منظر میں ایک خاص طرح کا معتدل پیمانہ نہ رکھتا ہو۔

انسانی علم و نظر کی کاوشیں آج تک یہ عقدہ حل نہ کر سکیں کہ یہاں تعمیر کے ساتھ تحسین کیوں ہو؟ مگر قرآن کہتا ہے یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ خالق کائنات الرحمٰن الرحیم ہے یعنی اس میں رحمت ہے اور اسکی رحمت اپنا ظہور و فعل بھی رکھتی ہے رحمت کا مقتضیٰ یہی تھا کہ بخشش ہو، فیضان ہو، جود و احسان ہو۔ بس اس نے ایک طرف تو ہمیں زندگی اور زندگی کے تمام احساس و عواطف بخش دیئے جو خوش نمائی اور بدنمائی میں احساس کرتے اور خوبی و جمال سے کیف و سرور حاصل کرتے ہیں۔ دوسری طرف کارگاہِ ہستی کو اپنی حسن آرائیوں، جانفزائیوں سے اس طرح آراستہ کر دیا گیا کہ اس کا ہر گوشہ نگاہ کے لئے جنت سامعہ کے لئے حلاوت اور رُوح کے لئے سرمایہ کیف و سُرور بن گیا۔

میں کہتا ہوں کہ مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سورۃ فاتحہ کے یہ اقتباسات اس بات کا یقین پیدا کرنے کے لئے کافی سے زائد ہیں کہ اس کائنات کے ذرہ ذرہ میں رحمت و عدل کارفرما ہے۔ پتہ پتہ پر رحمت کا سایہ ہے

پتہ پتہ پر رحمت کا سایہ ہے
قطرہ قطرہ میں رحمت کا جلوہ ہے
دانہ دانہ میں رحمت نمایاں ہے

قطرہ قطرہ میں رحمت کا جلوہ ہے، دانہ دانہ میں رحمت نمایاں ہے کوئی پھول کوئی پھل اس کی رحمت کے ظہور سے خالی نہیں۔ آسمان پر تارے اس کی رحمت کی گواہی میں چمک رہے ہیں چاند سورج ہیں اسکی شہادت میں روشن ہیں، مرغانِ چمن اس کی رحمت کا گیت گا رہے ہیں، دریا ہیں کہ اسکی رحمت میں موجزن ہیں۔ پہاڑ ہیں کہ اسکی رحمت کا علم بلند کئے ہوئے ہیں، ہوائیں ہیں کہ اقصائے عالم میں اس کی رحمت کا ڈنکا بجاتی پھر رہی ہیں۔ ہاں انسان ہی ہے جس کو دونوں راہیں دی گئی ہیں چاہے وہ رحمت کو رحمت سمجھے یا ظلم وستم قرار دے۔ شعور اسکو دیا گیا ہے سمجھ اس کو عطا کی گئی ہے بار امانت کا تحمل اس میں پایا گیا ہے اور اسی سمجھ شعور ادراک اور احساس کی بناء پر ہی وہ مسئول ہے اپنے افعال واعمال کا ذمہ دار ہے اور قیامت تک ذمہ دار رہے گا۔

معترض کہتا ہے کہ "تاریخ دیکھو" گویا وہ بھی اس کی حمایت میں زبان دراز ہے۔ میں کہتا ہوں بھائی! تاریخ بہت دور کی بات ہے۔ پتہ نہیں کس نے لکھی کیوں لکھی۔ اصل مؤرخ نے لکھی بھی یا نہیں لکھی کوئی اور ہی اس کی جانب سے لکھ گیا۔ اس لئے سب سے اچھی سچی تاریخ خود تیری اپنی تاریخ ہے۔ میری تاریخ سے مجھ سے زیادہ کون واقف ہو سکتا ہے کوئی ہے جو اس کا دعویٰ کرے کہ وہ میری تاریخ کو میرے برابر یا مجھ سے زیادہ جانتا ہے؟

"تو ظالم اپنے آپ پر غور کر! پہلے اپنی تاریخ پر غور کر!"

ہمارے حضرت قدس سرہ حج پر آئے ہوئے تھے، رفقاء میں ایک انسپکٹر پولیس بھی تھے۔ مکہ میں ان کی جیب کٹ گئی۔ ٹھیک ہے ایک آدمی حج کو آیا ہے ایک محدود رقم ہی اس کے پاس ہوتی ہے وہ بھی چلی گئی غصہ تو آئیگا متعلقہ لوگوں کو برا بھلا کہے گا اور ہو سکتا ہے اپنے کو مظلوم اور قدرت کو ظالم کہے۔ حضرت قدس سرہ ان سے پوچھ بیٹھے تھے انسپکٹر صاحب آپ نے بھی کسی کی جیب کاٹی ہے۔ انسپکٹر حیران ہوئے، یہ کیا سوال ہے؟ میں اور جیب کترا! حضرت نے فرمایا آپ تیس برس تک پولیس کے افسر رہے ہیں آپ نے تو کسی کی جیب نہیں کاٹی، کسی پر ظلم نہیں کیا؟ اب تو یہ حال ہے کالو تو لہو نہیں بدن میں، میرے خیال میں یہی صورتحال سب کے ساتھ ہے۔ آدمی اپنے وقتی معاملہ کو دیکھتا ہے، وقتی صورتِ حال پر لوگوں کو ظالم اور اپنے آپ کو مظلوم قرار دیتا ہے۔ اس بات کو بھول جاتا ہے کہ وہ خود اب تک کتنے لوگوں پر ظلم کر چکا ہے؟

ایک صاحب اٹھارہ برس سے مکہ میں ملازم تھے حکومت نے ان کا تبادلہ کر دیا، اب یہ ظلم ہو گیا۔ ہر شخص کہہ رہا ہے دیکھو مکہ سے اٹھا کر ابہا[1] کی طرف پھینک دیا۔ سوچو تو سہی کیا یہ ظلم کی بات ہے؟ کیا دنیا میں کہیں ملازم کا تبادلہ نہیں ہوتا

---

[1] ابہا۔ سعودی عرب کا ایک سب سے ٹھنڈا اور نہایت پُر بہار علاقہ ہے۔

کی حکومت کو تبادلہ کا حق نہیں، کیا انھوں نے حکومت سے طے کر لیا تھا کہ وہ کہیں دوسری جگہ نہیں بھیجے جائیں گے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو یہ ظلم کیسے ہوگیا؟

میرے بھائی! اٹھارہ برس آپ کو مکہ معظمہ میں قیام کا موقع دیا گیا۔ کیا ساری عمر آپ ہی کو یہ دولت ملتی رہنی چاہیئے کسی دوسرے کا حق نہیں۔ وہ جو اٹھارہ برس سے ایسا ہیں پڑا ہوا ہے اسکو مکہ نہیں آنا چاہیئے؟ اسکو آدمی ظلم قرار دیتا ہے پہلے یہ ظلم حکومت کی طرف جاتا ہے پھر یہ کہا جاتا ہے کہ خدا ظالم تو نہیں ظالموں کا ساتھ دیتا ہے۔ اور عین ممکن ہے کہ اٹھارہ برسوں میں آپ سے آدابِ مکہ اور آدابِ حرم میں کوئی کوتاہی ہوتی ہو جس کی وجہ سے قدرت نے آپ کا تبادلہ ضروری سمجھا۔ و ما ربك بظلام للعبيد

تاریخی واقعات اور ذاتی تجربات

مظاہر قدرت اور مناظر فطرت میں رحمت و راحت کا ظہور آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اب تاریخی واقعات اور شخصی تجربات کی روشنی میں تین دعوے پیش کرتا ہوں۔ میں نہیں سمجھتا کہ ان دعووں کو کوئی جھٹلا سکتا ہے۔ یہ سب رحمت خداوندی کے ناقابلِ تردید دلائل ہیں۔

۱ : قدرت جن انسانوں کو ناقص الاعضاء پیدا کرتی ہے اسکی تلافی کا سامان بھی پیدا کرتی ہے!

۲ : یتیموں کی نگہداشت اور پرورش کا ایک خاص انتظام ہے۔

۳ : جن کو اولاد نہیں دی جاتی یا نرینہ اولاد نہیں دی جاتی ان کے نام کو کسی دوسری طرح زندہ رکھنے کی تدبیر کی جاتی ہے!

(۱) جب قدرت پیدائشی طور پر کسی بچہ کو کسی ایک عضو میں کمزوری پیدا کرتی ہے تو کسی دوسرے عضو کی قوت کو مضاعف کر دیتی ہے مثلاً نابینا آدمی آپ دیکھیں گے کہ باقی حواس ہم سے زیادہ تیز ہو جاتے ہیں۔ قوتِ شامہ، سامعہ، لامسہ۔

آپ کو حیرت ہوگی کہ ایک دفعہ ایک نابینا کی مرغی کے انڈے دوسرے انڈوں میں ملا کر رکھ دیئے۔ اس نے صرف چھو کر معلوم کر لیا اور اپنے انڈے الگ کر لئے۔ یہی نہیں بلکہ اس کی قوتِ رجولیت کو زیادہ کر دیا جاتا ہے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ سورۃ والتین میں لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کے معنی یہ بھی ہیں کہ ہم ہر انسان کو مساوی وزن یا مساوی نمبروں کیساتھ پیدا کرتے ہیں۔ ایک مضمون میں نمبر کم ہیں تو دوسرے مضمون میں نمبر بڑھا کر پورے کر دیتے ہیں۔ یہی بات آپ گونگے بہرے لوگوں میں بھی دیکھیں گے۔ آپ کو لنگڑے آدمی کی تیز طراری اور قوتِ عمل کا بھی اندازہ ہوا ہوگا۔ یہ بات صرف تیمور لنگ کے ساتھ خاص نہ تھی ہم نے ہر ایک لنگ کے ساتھ دیکھی ہے حتیٰ کہ یک چشم کے ساتھ بھی۔ بلکہ یہ بھی دیکھا کہ اس کا تعلق پیدائشی نقص کے ساتھ نہیں بلکہ پیدائش کے بعد کسی وقت بھی اسپر یہ مصیبت آگئی تو اسکو مزید قوت بخش دی گئی۔ ہماری جماعت میں ایک یک چشم ہیں۔ ان سے زیادہ جامع منظم میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ دوستوں میں ایک یک لنگ ہیں مشہور ہے کہ تنظیم و تربیت و تشکیل و قیادت میں ان کی قوت

پانچسو آدمیوں سے زیادہ ہے۔ ہمارے پانچ چھ مدرس قراء میں ایک صاحب کی آنکھ ضائع ہو گئی۔ بڑا سخت حادثہ تھا بہت المناک لیکن آج یہی شخص ان سب میں زیادہ باوقار اور بلند درجات ہے۔

دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ اولاد بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقسیم ہوتی ہیں۔ کسی کو بیٹا بیٹی دونوں، کسی کو بیٹا دیتے ہیں بیٹی نہیں اور کسی کو بیٹی دیتے ہیں بیٹا نہیں اور کسی کو مطلق اولاد ہی نہیں دیتے۔ اس میں سوال بیٹے ہی کا ہے بیٹی کا آدمی کو زیادہ غم نہیں ہوتا۔ بیٹے سے نسل چلتی ہے اس لئے اس کی طلب اور خواہش فطری ہے طبعی ہے اور جس کو نہیں دیا وہ تو محروم القسمت ہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا اس میں ایک نظام ہے کہ اولاد نہ دینے میں کیا حکمت ہے وہ تو وہ جانتے ہیں لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ محروم کو بھی محروم نہیں رکھتے کسی دوسرے طریقے سے اس کی کسر پوری کر دیتے ہیں اب آپ ملاحظہ فرمائیں:

مولانا محمد علی اور ابوالکلام آزاد تحریک خلافت کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ دنیا جانتی ہے سارے ہند میں ایک آگ لگا دی تھی۔ ہاں تیسرے ایک اور بھی تھے مولانا شوکت علی۔ ان کے بیٹے بھی تھے بیٹی بھی۔ محمد علی کے صرف بیٹیاں تھیں بیٹا کوئی نہ تھا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے نہ بیٹا نہ بیٹی۔ شوکت علی صاحب کے ہاں نسل چلنے اور نام کی بقا کے لئے بیٹا موجود ہے ان کو ان تینوں میں سب سے کم مقام دیا گیا۔ محمد علی کے ہاں بیٹا نہیں ہے اسکو شہرت دی گئی اور عظمت دی گئی۔ بقائے دوام کے لئے بیت المقدس میں جگہ دی گئی۔

مولانا ابوالکلام آزاد کو اولاد مطلق دی ہی نہیں گئی۔ ان کو حکومت دی گئی۔ اردو ادب اور قرآن کی ترجمانی میں ایسا مقام دیا گیا کہ صدیوں تک بھلایا نہیں جا سکتا۔

علماء میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ ایک دوسرے کے مد مقابل تھے ایک کے پاس اولاد میں سب کچھ ہے اور دوسرے کے پاس کچھ نہیں۔ جس کے پاس کچھ نہیں اسکو ایسا قلم اور علم دیا کہ تصانیف کی تعداد ہزار سے اوپر پہنچ گئی۔

مولانا محمود حسن (شیخ الہند) کے بھی اولاد نرینہ نہ تھی۔ سیاست میں جو مقام تھا وہ تھا، قرآن مجید کا ترجمہ ان سے لکھا لیا گیا اور اس کو قبول عام بخش دیا گیا۔ یہی معاملہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے ساتھ رہا۔ اولاد نرینہ نہ تھی۔ قرآن کی شرح اور حدیث کی شرح میں وہ مقام بخشا کہ لاکھوں آدمی دن رات دعا کرتے ہیں۔ ان کے برخلاف مولانا مفتی کفایت (مفتی ہند) کے اولاد نرینہ تھی۔ ان کے تصنیفی دائرہ کو چھوٹے چھوٹے چار رسالوں تک محدود رکھا۔ حالانکہ وہ اعلیٰ درجہ کے شیخ الحدیث بھی تھے۔ جناح صاحب (بانی پاکستان) کو اولاد نرینہ نہیں دی ایک پورا ملک دے دیا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب کو بیٹا نہیں دیا صدر جمہوریہ بنا دیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی نسل نہیں چلی چار بیٹوں پر سلسلہ ختم ہو گیا۔ ان میں تین کو قرآن و حدیث کے میدان میں نام دار بنا دیا۔ شاہ عبدالقادرؒ صاحب کا ترجمہ سارے ترجموں کی بنیاد ہے اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ تو مانے ہوئے استاذ زمانہ ہیں۔ چوتھے شاہ عبدالغنی صاحبؒ تھے ان کی اولاد (شاہ اسمٰعیل شہید) تھے اس لئے ان کی کوئی تصنیف نہیں مگر خود شاہ اسمٰعیل شہید کے اولاد نہیں سانکو جہاد اور شہادت کے ذریعے

زندۂ جاوید کر دیا۔

ہمارے موجودہ زمانے میں مولانا علی میاں (ابوالحسن علی ندویؒ) اور ڈاکٹر حمید اللہ (پیرس) بے اولاد ہیں۔ ایک کو تصانیف میں دوسرے کو اسلام کی تبلیغ میں نامور فرمایا۔ علی میاں اور مولانا مودودی دونوں ہم پایہ ہیں۔ ایک پاکستان میں تو دوسرے ہندوستان میں۔ لیکن اوّل الذکر بے اولاد اور ثانی الذکر با اولاد۔ اس لئے انہیں عرب و عجم میں زیادہ بلند فرمادیا۔ علی میاں کے ایک بڑے بھائی بھی تھے مگر با اولاد۔ ان کی شہرت ان کے شہر تک ہی محدود رہی۔

غالب، جگر، میر تینوں ایک ہی زمرہ میں ہیں نہ بیٹا نہ بیٹی۔ زمانہ میں مشہور ہے۔ مولوی عبد الحق "بابائے اردو" اولاد نہ تھی۔ زبان اردو سے ایسا عشق دیا کہ لازوال ہو گئے۔ ڈاکٹر انصاری، خلیق الزماں، شعیب قریشی، عبد الرحمٰن صدیقی عبد العزیز انصاری، تحریک خلافت کے مشہور ارکان ہیں سب جانباز تھے۔ خلیق، شعیب اور عبد العزیز کو اولادیں دیں انصاری کو مسلم کانگریس بنا کر مشہور کر دیا اور صدیقی کو مارننگ نیوز کا ایڈیٹر بنا کر، پھر مشرقی پاکستان کے گورنر بھی رہے۔

میں کہاں تک شمار کراؤں، آپ خود اپنے حلقہ کی فہرست بنا سکتے ہیں۔ بہر کیف میرا خیال ہے کہ آپ اس دعوے کو جھٹلا نہیں سکتے۔ انشاء اللہ!

یہ معاملہ صرف مسلمانوں تک محدود نہیں، خدا تو تمام انسانوں کا خدا ہے خالی مسلمانوں کا تو نہیں۔ اس کا قدرتی اور رحمتی دستور ایک ہی ہے وہ جس طرح ابوالکلام، اشرف علی، محمد علی پر صادق آتا ہے اسی طرح نپولین، سکندر اعظم، سقراط بقراط، افلاطون، ارسطو اور سپیر شیکسپیر اور ٹیگور پر بھی صادق آتا ہے نظر اپنی اپنی طلب اپنی اپنی!

موتی لال بڑے آدمی تھے مگر اتنے بڑے نہیں تھے جتنا ان کا بیٹا جواہر لال نہرو ثابت ہوا اس لئے کہ موتی لال کی اولاد نرینہ موجود تھی جواہر لال کو دی نہیں گئی تھی یہ دوسری بات ہے کہ اس کی لڑکی لڑکوں سے بڑھ گئی مگر اس سے نسل تو نہیں چلتی۔ بہر حال یہ ایک حقیقت ہے۔ آپ تاریخ کو جس قدر کھنگالتے جائیں گے یہ حقیقت واضح سے واضح ہوتی چلی جائے گی۔ اور حیران سے حیران تر ہوتے چلے جائیں گے کہ رحمتِ الٰہی کس طرح اپنا کام کر رہی ہے۔

(۲) والا جاہی سلطنت کے مشہور عالم امام العلماء قاضی الاسلام مفتی الدولہ مستعد جنگ صرف دو سال ہی کے تھے کہ یتیم ہو گئے تھے۔ نام آوری کے ساتھ ۳۸ فارسی اردو کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ اسی خاندان کے شاعر اعظم اور والا جاہی خاندان کے اتالیق غلام محی الدین معجز سات سال کی عمر میں یتیم ہوئے تھے۔ مشرقی پاکستان کے سب سے عظیم المرتبت حکیم سید احمد حسین صاحب چھ ماہ کی عمر میں یتیم ہو گئے اور سب سے عظیم مصنف اور مفتی اکبر مولانا سید عمیم الاحسان صاحب دو سال کی عمر میں، ان کو پانسو کتابوں کا مصنف بنایا گیا۔ اس لئے کہ یتیم بھی ہیں اور لاولد بھی۔ حکیم صاحب صرف یتیم ہیں لاولد نہیں ہیں۔

پروفیسر حبیب شیخ الجامعہ محمد مجیب اور محمد وسیم صاحب وکیل تین بھائی تھے وسیم صاحب لاولد ان کو عظیم تر پاکستان کا ایڈووکیٹ جنرل بنادیا گیا۔ اسی طرح سید جمیل صاحب کے بھائی ابراہیم کئی بچوں کے باپ خود خان بن لاولد ان کو پورے پاکستان کا اکاؤنٹنٹ جنرل بنا دیا۔ مولانا عبد الماجد دریا بادی کے بڑے بھائی ڈپٹی عبد المجید تھے ان کو

کوئی جانتا بھی نہیں اس لئے ان کو چار بیٹے دیئے گئے تھے۔ ماجد صاحبؒ کو اس دولت سے محروم رکھا گیا تھا۔ اس لئے پہلے تو ان کو اردو کا ادیب شہیر بنایا گیا پھر قرآن مجید کی تفسیر بے نظیر، اردو بھی اور انگریزی بھی ان کے نام ڈال دی گئی۔ خلیق الزماں، سلیم الزماں کئی بھائی تھے۔ خلیق صاحب کے ماشاء اللہ کئی صاحبزادے، سلیم صاحب کے صرف ایک یا ایک بھی نہیں، ان کو اسلامی دنیا کا سب سے مشہور سائنسدان بنادیا۔ حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی کو اولاد نہیں دی مجمع البحرین بنادیا۔ دیوبند اور بریلی دونوں چشمے ان سے جاری ہیں۔ مکہ معظمہ میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی تھے ان کے بھائی کے اولاد تھی ان کے نہ تھی، ان کو رد نصاریٰ میں وہ مقام بخشا کہ کسی کے مٹانے سے نہیں مٹے گا۔ صحابہ کرامؓ میں حضرت ابوہریرہؓ لاولد ہیں ان کو اتنی حدیثیں یاد کرائیں کہ حدیث کے بادشاہ بن گئے۔ حضرۃ خالدؓ بھی تاریخی اعتبار سے لاولد ہیں مگر ان سے عظیم تر کوئی جرنیل پیدا نہیں ہوا۔ اور شاید ابوعبیدہؓ کے بھی کوئی اولاد نہ تھی اور دوسرا فاتح اعظم ان کو بنادیا۔ انگریزی کا مشہور ادیب برنارڈ شاہ کے بھی میرا خیال ہے کوئی اولاد نہ تھی۔ بہرحال عربی کا ادیب اعظم طٰہٰ حسین تو لاولد تھا۔ شاعر اعظم شوقی بھی۔

ہمارے ہاں مولانا حالی بھی صاحب اولاد تھے۔ سجاد حسین نام تھا، اسی سال سے زیادہ عمر پائی، شہرت حالی کو بھی دی گئی۔ سر۔ شبلی سے سیرت النبیؐ لکھائی اور چار دانگ عالم میں مشہور کر دیا اس لئے کہ ان کے اولاد نہ تھی۔ یہی حال نواب وقار الملک اور محسن الملک کا ہے ان کے بیٹا تھا، اشفاق حسین نام تھا مگر محسن الملک کے کچھ نہ تھا تو ایک لکھائی آیات و بینات اور وہ ان کو زندۂ جاوید کر گئی۔

ہر کلیہ میں کچھ مستثنیات ہوتے ہیں مثلاً سر سید احمد خاں، اللہ نے ان کو اولاد بھی دی مقام بھی دیا۔ اسی طرح عرب میں سلطان ابن سعود، شیخ ابن عبدالوہاب، ہمارے ہاں شیخ عبدالحق محدث دہلوی حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ صاحبِ مقام بھی صاحبِ اولاد بھی۔ اس میں بھی قدرت کا کوئی اصول مخفی ہوگا جس کو ہم ابھی نہیں پا سکے۔ حضرت مجدد صاحب کے سلسلہ میں میرزا مظہر جانِ جاناں، صاحب اولاد نہیں ہیں مگر وہ خود کیا ہیں؟

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ سارا عالم میرے لئے کفِ دست کی طرح ہے۔ عالم مثال میں ان کی مثال نہیں ہے۔ پھر انہی کے خلیفہ حضرت شاہ غلام علی نور اللہ مرقدہٗ بھی محروم الولد تھے مگر سلسلہ ایسا چلا کہ معلوم ہوتا ہے دو سو سال سے ان ہی کا سکہ چل رہا ہے۔

مدینہ منورہ میں دو بھائی تھے شاہ احمد سعید صاحبؒ دولت اولاد سے مالامال۔ عبدالغنی صاحبؒ کے صرف بیٹی ان کو ایسا شرف بخشا کہ علمائے دیوبند کے ہاں استاذ الکل قرار پائے۔ لوگوں نے شاہ ولی اللہؒ کی نسبت چھوڑ کر ان کی نسبت اختیار کرلی۔ اس سلسلہ کی مثالیں بے شمار ہیں تاریخ عالم کے اوراق بھرے پڑے ہیں کوئی چاہے تو ہزاروں صفحات کی کتاب لکھ سکتا ہے۔

(۴) میرا تیسرا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں یتامیٰ کا ایک خاص ڈیپارٹمنٹ ہے۔ جونہی کوئی بچہ یتیم ہوتا ہے وہ فوراً اس محکمہ کی نگرانی میں دے دیا جاتا ہے اور پھر اس کی بطور خاص نگہداشت شروع ہو جاتی ہے اور اسطرح

ہوتی ہے کہ وہ بالآخر ماں باپ والے ہم جولی بچوں سے ممتاز ہو جاتا ہے ۔ میرا اس حقیقت پر اس درجہ اعتقاد ہے کہ میں نے بارہا تمنا کی کہ میں اس دنیا سے جلدی رخصت ہو جاؤں تاکہ میرے چھوٹے بچوں کی تعلیم و تربیت کا بہتر انتظام ہو جائے ۔ تاریخ نے مجھے بتایا ہے کہ دنیا کے اکابرین و عظام میں اسی فیصدی لوگ وہی ہیں جو بچپن میں یتیم ہو گئے دوران مطالعہ میں کتابوں پر نشان لگاتا رہا ہوں لیکن اسوقت کتب خانہ اس حال میں ہے کہ کسی کتاب تک رسائی مشکل ہے لیکن میں کہتا رہا ہوں کہ اس فہرست میں سب سے پہلے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے جن کے والد ماجد پیدائش سے پہلے وفات پا گئے تھے ۔ آخری نام میں مولانا محمد علی جوہر کا لیا کرتا تھا لیکن ان کی وفات کو پچاس سال ہو گئے ۔ وہ اپنے والد کی وفات کے وقت دو ڈھائی سال کے تھے لیکن اب میرے سامنے مولانا ابو الحسن علی ندویؒ کی مثال ہے ۔ والد کی وفات کے وقت ان کی عمر دس بارہ برس تھی اور ایسی ہی عمر ان کے جدِ اکبر و اعظم حضرت علی شیر خداؓ کی تھی جب ان کے والد ماجد کا انتقال ہوا ۔ انبیاء علیہم السلام میں ایک نبی ایسے ہیں جن کے والد ماجد کا وجود ہی نہیں ۔ لوگ لاولد ہوتے ہیں وہ لا والد ہیں ۔ ان کے ساتھ عجیب معاملہ کیا گیا آسمانوں پر اٹھا لیا اور آخر زمانہ میں آسمانوں سے زمین پر نازل کیا جائے گا ۔ وہ خود جس طرح عجیب تھے معاملہ بھی ان کے ساتھ عجیب کیا گیا ۔

مولانا محمد علی، شوکت علی کے حال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ یتیم بچوں میں جو سب سے چھوٹا ہے اسکو زیادہ ممتاز کیا جائے گا جو اس سے بڑا ہے اس سے کم درجہ میں ۔ محمد علی اپنے والد کی وفات پر دو ڈھائی سال کے تھے اور شوکت علی کوئی سات سال کے ان کو بھی بہت بڑا بنایا گیا مگر اتنا نہیں جتنا محمد علی کو ۔

مدینہ منورہ میں ایک حکیم صاحب تھے ان کے داماد کا ہارٹ فیل ہو گیا، نوجوان آدمی چھوٹے چھوٹے بچے ۔ بر اقامہ کی حالت بھی صحیح نہیں، بیوی ہندوستانی اور خود پاکستانی تھے، قانونی مشکلات لاینحل ۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اسطرح حل فرمایا کہ سب حیران ہیں ۔ یا تو اقامہ تک نہ تھا یا سب کو تابعیہ بھی مل گیا ۔ ہزاروں کی تنخواہ ہو گئی ۔

خود میرے دو بھائیوں کا انتقال ہو گیا جوانی میں ۔ دونوں کی اولادیں ۔ قسم کھا سکتا ہوں کہ میری اولاد سے زیادہ کامیاب و کامگار ہیں حالانکہ دونوں ناخواندہ تھے ۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں، یوسف حسین خاں، محمود حسین خاں یہ سب بھی یتیم بچے تھے ۔ بڑے بھائی نے سنبھالا تھا ایک اپنے ملک کا صدر ہوا ایک وائس چانسلر علی گڑھ تیسرا پاکستان کا وزیر تعلیم بنا ۔ ــــــــ یہاں تک پہنچا تھا کہ میرے سرہانے کے شلف میں ہندوستان کی ایک مختصر تاریخ نظر آگئی ہاتھ میں لی کہ اس میں کچھ نہ کچھ ضرور ملے گا ۔ چھ سو صفحات پڑھنے میں کچھ وقت تو ضرور لگا مگر مطلب کی چیزیں بہت مل گئیں ۔ بعد میں شاید بھول جاؤں ۔ یہ بتلاتا جاؤں کہ مرزا غالب پانچ سال کے تھے جب ان کے والد کا انتقال ہوا ۔ ان کے مایہ ناز شاگرد اور سب سے پہلے خلیفہ ضیاء الدین خاں چھ سال کی عمر میں یتیم ہو گئے تھے اور ان کے شاگرد کے شاگرد جن کو ہم نے خود دیکھا مرزا سائل کہ ہندوستان میں وہی مرزا غالب کی آخری یادگار تھے چار سال کی عمر میں سایۂ پدری سے محروم ہو گئے تھے ۔ دہلی کے نامور ریاضی دان ماسٹر رام چندر جن کی ریاضی کی کتابیں یورپ میں نہایت حیرت و استعجاب سے دیکھی گئیں داخل نصاب کی گئیں نو سال کی عمر میں یتیم ہو گئے تھے ۔

شہاب الدین خلجی کے بھائی اور بھی موجود تھے مگر سب سے چھوٹا یہ تھا۔ چھ سال کی عمر تھی یہ بادشاہ بنایا گیا۔ فیروز شاہ تغلق سات برس کے تھے جب باپ کا انتقال ہوا چالیس برس شاندار حکومت کی۔ لودھی خاندان کا بانی بہلول لودھی بطن مادر میں تھا کہ باپ کا انتقال ہوگیا۔ ماں کے ساتھ یہ حادثہ پیش آیا کہ مکان کی چھت اچانک گر پڑی جس سے وہ ہلاک ہوگئی مگر اس کے پیٹ میں بچہ زندہ رہا جسے پیٹ چاک کر کے نکالا گیا۔ اس نے اڑتالیس برس حکومت کی۔ یہ وہ شخص ہے جس نے اپنے دور حکومت میں دہلی کی گرتی ہوئی سلطنت کو سنبھالا اور پھر اسکو ایک مضبوط حکومت کی شکل دی۔

بابر بادشاہ کا باپ ایک بلند عمارت سے گر کر مر گیا تھا۔ بارہ برس کی عمر میں باپ کا جانشین ہوا سارے ہندوستان کو فتح کر ڈالا مغل خاندان کی بنیاد ڈال دی۔

سلطان سکندر کے باپ کا انتقال ہوگیا کم سنی میں جانشین بنایا گیا۔ اس نے بیس سال حکومت کی۔ اسکے عہد میں کشمیر میں علم و عمل اتنا بڑھا کہ کشمیر بغداد و خراسان کا نمونہ بن گیا۔ پوری تاریخ میں اس بادشاہ کو نمایاں حیثیت حاصل ہے محمد شاہ سات سال کی عمر میں باپ کا جانشین ہوا پچاس سال حکومت کی۔

سلطان احمد شاہ (تاریخ گجرات) دادا کا پوتا جانشین ہوا (باپ نہیں ہوا) احمد آباد اس نے آباد کیا ہے۔ اسی کے زمانہ میں لاکھوں لاکھ غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ ۳۲ سال حکومت کی۔ بہمنی سلطنت (دکن) میں بہمنی کی عمر بوقت وفات والد، سات سال تھی۔ ۹ سال کی عمر میں جانشین ہوا۔ ۲۰ سال حکومت کی۔

اس سلسلہ کی سب سے مشہور مثال اکبر بادشاہ ہے جس نے افغانستان سے لیکر جنوبی ہندوستان تک اور گجرات سے لیکر بنگال تک کا سارا علاقہ اپنی وسیع حکومت میں شامل کر لیا تھا اس سئے اکبر اعظم کہلایا۔ ۱۳ سال کی عمر میں باپ کا جانشین ہوا تھا۔

تاریخ کی کتابیں اسوقت سامنے نہیں ہیں مگر خوب یاد ہے محدثین میں تابعین میں ادھر ادھر یورپ اور امریکہ کے رؤسا جمہوریہ اور سائنس دانوں میں بہت لوگ ہیں جو اس فہرست میں آتے ہیں۔ خود امام بخاریؒ اور علاوہ ازیں حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ بھی اسی فہرست میں ہیں۔

اردو کے مایہ ناز ادیب اور لاکھوں کے پیر خواجہ حسن نظامی ۱۲ سال کی عمر میں یتیم ہوئے۔ مولانا فضل الرحمٰنؒ گنج مراد آبادی ان کے بارے میں صاحب نزھۃ الخواطر نے لکھا ہے جہاں تک آپ کے کشف و کرامات کا تعلق ہے وہ حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں اور اسی بارے میں اولیاء متقدمین میں بھی سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے علاوہ اور کوئی نظیر نہیں ملتی۔ گیارہ سال کی عمر میں یتیم ہوئے تھے۔

یتیموں کی ایک قسم اور بھی ہے جو آپ کو عجیب معلوم ہوگی مگر آپ اسپر صاد کریں گے۔ ایسے بچے جو اپنے ماں باپ سے جدا ہو گئے یا جدا کر دیئے گئے وہ جانتے ہی نہیں کہ ان کے ماں باپ کون تھے کہاں تھے۔ لوگوں نے کہیں سے پکڑ لیا اور غلام بنا کر بیچ ڈالا جنہیں ماں کی محبت ملی نہ باپ کی شفقت نہ تعلیم و تربیت۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بھی یتیم ہیں اور دیکھتا ہوں کہ قسمت ان کے ساتھ بھی یتیموں کا سا سلوک کرتی ہے ان میں سب سے پہلے یوسف علیہ السلام ہیں۔ ان کے گیارہ بھائی

اور بھی ہیں بگر بھائیوں کے حسد کا شکار ہو کر باپ سے جُدا کر دیئے گئے۔ بن باپ کے ہو گئے ان کو جو درجہ ملا کسی بھائی کو نہیں ملا۔ اسی طرح حضرت زید بن حارثہ ہیں جن کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا متبنّیٰ بنایا تھا۔ غلام تھے غلام بنا کر فروخت کر دیئے گئے تھے اسطرح لاولد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا درجہ دیا کہ قرآن پاک میں ان کے سوا کسی صحابی کا نام ہی نہیں آیا۔ انہی میں حضرت بلالؓ ہیں انکو جو مقام ملا وہ بھی معلوم ہے۔ محمود غزنوی سب سے بڑا فاتح ہے کیسا عظیم الشان انسان ہے لیکن ایک ایسے ہی غلام کا بیٹا ہے جس کو سلطان وقت نے خرید لیا تھا۔ خاندان غلاماں کا بانی قطب الدین ایبک نوعمری میں فروخت کر دیا گیا تھا۔ یہی حال شمس الدین التمش کا ہے۔ اسکو خود اس کے بھائیوں نے فروخت کر دیا تھا۔ قطب الدین، شمس الدین فی الحقیقت اسلامی تاریخ ہند کے شمس و قمر ہیں۔ ہر اعتبار سے بلند و بالا مگر ان دونوں کے بیٹے غلام نہیں ہیں حکمرانی میں ناکام رہتے ہیں۔

پھر ایک غیاث الدین آتا ہے وہ بردہ فروشوں سے خرید اگیا تھا۔ اس میں حکمرانی اور جہانبانی کی بے نظیر قابلیت موجود تھی اس نے وزیراعظم کی حیثیت سے اور پھر بادشاہ کی حیثیت سے مسلسل چالیس سال حکومت کی۔ ہندوستان میں صدیوں بعد اسی کے زمانہ میں لوگوں نے امن و امان کا دور دیکھا۔

سلطان ناصر الدین سلطان شمس الدین کا فرزند ہے لیکن خود اس کا کوئی فرزند نہیں اس لئے امتیاز کا مستحق تھا پس تاریخ میں لکھا گیا کہ یہ ایسا درویش صفت بادشاہ ہوا ہے جس کی شان ہندوستان کی تاریخ میں ناپید ہے۔ اس نے ساری عمر اپنے ذاتی خرچ کے لئے حکومت کے خزانے سے ایک پیسہ بھی نہیں لیا۔ وہ قرآن مجید کی کتابت کی اُجرت سے غریبوں جیسی زندگی بسر کرتا تھا۔

ملایا انڈونیشیا میں مؤذن کو مستقلاً بلال کے نام سے پکارتے ہیں اس کے حجرہ پر لکھا رہتا ہے کمرۂ بلال۔ دس کروڑ کی مسلم آبادی میں کم از کم ایک لاکھ مسجدیں ہوتی ہیں اگر ایک ہزار آدمی کے لئے ایک مسجد مانی جائے۔ اسطرح وہاں ایک لاکھ آدمی بلال کہلاتے ہیں۔

اب تاریخ کی طرف آیئے تو آپ دیکھیں گے کہ عربوں میں بے شمار علماء، ادباء غلاموں میں پیدا ہوئے ہیں۔ بغداد کی تاریخ ملاحظہ ہو تو معلوم ہوگا کہ دو صدی کے بعد وہاں کی تاریخ خلفاء کی تاریخ نہیں غلاموں کی تاریخ ہے یہی حال مصر کا ہے جہاں آگے چل کر حکومت ہی غلاموں کی قائم ہو گئی۔

تاریخ عالم دیکھیں یا اپنے گردوپیش کے حالات پر نظر ڈالیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساری دنیا ان ہی چار اصولوں پر چل رہی ہے کسی میں جسمانی نقص پیدا ہو گیا ہے تو اس کی کسر کو پورا کیا جا رہا ہے کسی کے اولاد نرینہ نہیں تو اس کو کسی دوسرے انعام سے نواز رہے ہیں۔ کسی کے باپ کو اٹھا لیا تو اس کے بچوں کو اس کے ہم جولیوں میں ممتاز فرما رہے ہیں۔

اسی طرح کوئی بوجہ غلامی بردہ فروشی والدین سے محروم ہو گیا تو اس کی تسلی کی جا رہی ہے۔ میں اپنے خاندان کو دیکھوں تو معلوم ہوتا ہے ہمارے تین ماموں تھے تینوں صاحب اولاد۔ سب سے چھوٹے عین جوانی میں اللہ کو پیارے ہو گئے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے۔ بڑے ماموں کے بچوں کے مقابلہ میں تو یہ بہت ممتاز ہیں مگر منجھلے ماموں کی اولاد کے

مقابلہ میں کوئی خاص فضیلت معلوم نہیں ہوتی۔ ہاں ایک بات ہے کہ ان بچوں کو سب سے پہلے دادا بنا دیا گیا۔ دوسروں کو یہ بات حاصل نہیں۔ ہماری دوسری والدہ کے اعتبار سے چار ماموں تھے تین صاحب اولاد ایک نرینہ اولاد سے محروم۔ مگر ان چاروں میں ایک خواندہ آدمی تھے۔ پہلا امتیاز، دوسرا امتیاز یہ کہ تبلیغ میں لگ گئے شہر میں محترم و معزز ہوگئے تیسرا امتیاز ان کی بیٹی سارے شہر کی عورتوں میں تعلیم و تبلیغ میں درجہ خاص عطا فرما دیا۔ ہمارے والد کے ماموں بھی چار تھے اولاد سب کے ہوئی بڑے ماموں کے ایک ہی بیٹے تھے۔ جوانی میں داغِ مفارقت دے گئے۔ انگریزی، عربی، فارسی تینوں زبانوں کے استاد تھے ایک یہ امتیاز تھا دوسرا سارے بھائیوں میں حافظ قرآن تھے۔

ہمارے ابا کے نانا تین بھائی تھے دو کی خوب اولادیں تیسرے کی بس ایک بیٹی۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے تعلیم بنات کے لئے ایسا قبول فرمایا کہ ہزاروں کی استانی بن گئیں۔ ابا کے نانا کے والد سات بھائی تھے سب صاحب اولاد سوائے عبداللہ خاں کے ان کو شہر کا کوتوال بنا کر مشہور کر دیا بلکہ ایسا کوتوال کہ نواب یوسف علی خاں (نواب رامپور) انگریزوں سے مانگ کر اپنے ہاں لے گئے۔

مولانا محمد علی جوہر کے والد سات بھائی تھے مگر عبدالعلی خاں سب سے چھوٹے اور ۲۷ برس کی عمر میں انتقال کر گئے اللہ نے ان کی اولاد کو دنیا بھر میں مشہور کر دیا۔ جوہر کی والدہ بی اماں غدر کی ماری ہوئی تھیں ان کے گھر میں ایک ہی دن میں سو ارتھیاں اٹھی تھیں یعنی سو آدمی شہید ہوئے تھے انگریزوں کے خلاف جنگ کرتے ہوئے۔ اس لئے انگریز اس خاندان کے جانی دشمن تھے۔ بی اماں کے والد نے جنگلوں میں چھپ کر جان بچائی۔ ساری عمر روپوش رہے لوگ ان کا نام بھی نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اکلوتی بیٹی کو وہ مقام بخشا کہ سارے ہندوستان کی ماں بن گئیں ایسی محبت اور ایسی عظمت ہندوستان کی کسی عورت کو حاصل نہیں ہوئی۔

مولانا محمد الیاس صاحبؒ امیر التبلیغ و بانی تبلیغ نے دو نوجوانوں کے بارے میں اس قسم کا فقرہ فرمایا تھا کہ یہ لوگ بہت کام کریں گے بات بھی ہوئی۔ ایک مولانا عبیداللہ بلیاوی اور دوسرے مولانا سعید خاں سہارنپوری، مولانا عبیداللہ نے بھی بہت کام کیا ملک عرب کے کام کے بانی وہی ہیں مگر مولوی سعید خاں کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی عجیب صفت عطا فرمائی ہے کہ لاکھوں میں بھی ایک ایسا آدمی نہیں ہوتا۔ وہ اسوقت نہ صرف ملک عرب بلکہ یورپ و امریکہ سب کے امیر بنے ہوئے ہیں۔ میں نے حسب عادت ان کے پاس جا کر اصول اربعہ کے سلسلہ میں کرید کی تو معلوم ہوا کہ وہ پیدائشی یتیم ہیں۔ جس دن پیدا ہوئے اسی روز باپ وفات پا گئے۔ اولاد نرینہ سے محروم ہیں۔ بھائیوں میں سب سے چھوٹے ہیں۔ برخلاف اس کے مولانا عبیداللہ صاحب کے والد اب تک زندہ تھے اور ان کو اللہ نے اولاد نرینہ سے بھی نوازا تھا بھائیوں میں سب سے بڑے۔

میرے ایک ماموں زاد بھائی ہیں غضب کے آدمی وہ پہلے بھی تھے لیکن جب سے حادثہ میں ٹانگ جاتی رہی غضب بالائے غضب ہو گئے ہیں۔ تیس تیس چالیس چالیس آدمیوں کا اسی ایک ٹانگ سے مقابلہ کرتے ہیں سارا محلہ توبہ کرتا ہے میں تو اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ آپ جب کبھی کسی ممتاز آدمی سے ملیں اسی فیصد بلکہ ان چار باتوں میں سے کوئی ایک بات

باقی صہ ۴۰ پر

مسبوق عید کی نماز کیسے پوری کرے گا؟

سوال: عید کی نماز میں ایک شخص ایسے وقت میں شریک ہوا کہ امام عید کی زائد تکبیریں کہہ چکا تھا تو یہ شخص وہ زائد تکبیریں کس وقت کہے گا؟ اور اگر کوئی دوسری رکعت یا التحیات میں شریک ہوا تو وہ شخص زائد تکبیریں کہے گا یا نہیں۔ اگر کہے گا تو کس وقت کہے گا؟ ناصر محمود ——— لاہور

الجواب

پہلی صورت میں تکبیر تحریمہ کے بعد تکبیرات زوائد کہے اگرچہ امام قرأت شروع کر چکا ہو۔ اور اگر امام کو رکوع میں پایا تو تکبیرات زائد کہہ کر رکوع میں جائے لیکن اگر تکبیرات کہنے کی صورت میں امام کے ساتھ رکوع میں نہ مل سکنے کا امکان ہو تو رکوع میں ہی بغیر ہاتھ اٹھائے تکبیریں کہہ لے ——— اور اگر دوسری رکعت میں شامل ہوا تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد اٹھ کر جو رکعت پڑھے گا اس میں قرأت کے بعد رکوع سے پہلے زائد تکبیریں کہے۔ اور اگر تشہد میں شریک ہوا تو بعینہٖ اسی طرح دو رکعت تکبیرات کے ساتھ پڑھے جس طرح امام کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔

ولو ادرك المؤتم الامام فی القیام بعد ما کبر کبر فی الحال برأی نفسه لانه مسبوق ولو سبق برکعة یقرأ ثم یکبر لئلا یتوالی التکبیرات۔ وفی رد المحتار (قوله فی القیام) ای الذی قبل الرکوع اما لو ادرکه راکعا فان غلب علی ظنه ادراکه فی الرکوع کبر قائما برأی نفسه ثم رکع والا رکع وکبر فی رکوعه خلافا لابی یوسف رحمه الله ولا یرفع یدیه لان الوضع علی الرکبتین سنة فی محله والرفع لا فی محله وان رفع الامام رأسه سقط عنه ما بقی من التکبیر لئلا تفوته المتابعة ولو ادرکه فی قیام لا یقضیها فیه لانه یقضی الرکعة مع تکبیراتها، فتح وبدائع (رد المحتار ص۲۱۶ ج۱)

عیدین کے بعد دعا مانگنا مستحب ہے

سوال: کیا عیدین کی نماز کے بعد اجتماعی دُعا مانگنا واقعی بدعت ہے؟ سراج الاسلام ——— مردان

الجواب

عیدین کے بعد اجتماعی طور پر دعا مانگنا مستحب ہے بدعت نہیں۔

عن ام عطیۃؓ قالت کنا نؤمر ان نخرج یوم العید حتی تخرج البکر من خدرھا حتی تخرج الحیض فیکن خلف الناس فیکبرن بتکبیرھم و یدعون بدعائھم یرجون برکۃ ذالک الیوم وطھرتہ۔ وفی روایۃ فیشھدن جماعۃ المسلمین ودعوتھم (بخاری ص۱۳۴ ج۱ وعن الترمذی ولیشھدن دعوۃ المسلمین ص۱۰۳ ج۱)

نیز جن احادیث سے عام نمازوں کے بعد دعا کا استحباب ثابت ہے اُن احادیث کے عمومات سے عیدین کی نماز کے بعد دعا کا مانگنا مستحب ہوگا۔ دعا خواہ نماز کے بعد متصل ہو یا خطبہ کے بعد کیونکہ خطبہ توابع نماز سے ہے اس لئے خطبہ کے بعد دعا بھی حقیقت میں نماز کے بعد دعا مانگنا ہے جیساکہ عام نمازوں میں تسبیحات و اوراد کے بعد ہونے والی دُعا کو دعا بعد الصلوٰۃ کے کلیہ میں داخل قرار دیا جاتا ہے۔

کیا صرف عورتیں نماز عید و تراویح باجماعت پڑھ سکتی ہیں؟

سوال: صرف عورتیں عید کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ سکتی ہیں؟ اسی طرح تراویح کی نماز باجماعت ادا کر سکتی ہیں؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں! راشد محمود ــــــ اٹک

الجواب

صرف عورتیں عید کی نماز باجماعت ادا نہیں کر سکتیں۔ اور تراویح میں صرف عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے

کذا فی الدر المختار فی مبحث الجمعۃ والسادس الجماعۃ واقلھا ثلاثۃ رجال ــــ وفی الشامیۃ قولہ واقلھا ثلاثۃ رجال ــــ الی قولہ ــــ واحترز بالرجال عن النساء والصبیان فان الجمعۃ لا تصح بھم وحدھم لعدم صلاحیتھم للامامۃ فیھا بحال بحر عن المحیط (ردالمحتار ص۶۰۰ ج۱) وفی عید العلائیہ تجب صلاتھما فی الاصح علی من تجب علیہ الجمعۃ بشرائطھا المتقدمۃ سوی الخطبۃ فانھا سنۃ بعدھا (ردالمحتار ص۶۱۱ ج۱) وفی مبحث الامامۃ ویکرہ تحریما جماعۃ النساء ولو فی التراویح۔ (ردالمحتار ص۴۱۶ ج۱) واللہ اعلم

دُعائے صحت کی اپیل	جامعہ کی مجلس شوریٰ کے رکن جمعیۃ علماء اسلام کے ممتاز رہنما حضرت مولانا عبداللطیف صاحب انور شاہ کوٹی فاضل جامعہ رشیدیہ عرصہ سے صاحب فراش ہیں قارئین سے حضرت موصوف کی صحت کے لئے دُعا کی درخواست ہے! (ادارہ)

بقیہ: ظالم کون؟

ضرور ہوگی جس کی وجہ سے قدرت نے اسکو دوسروں سے امتیاز بخشا ہے۔ ہاں جہاں تک خوشحالی کا اور اولاد کی سعادت کا تعلق ہے اس میں میرا خیال ہے ماں باپ کی دعاؤں اور بہنوں کی پرورش اور خدمت کا بہت اثر ہوتا ہے۔

بقیہ: عورت کا مقام

خواہ رکھ لینا قاعدے کے مطابق خواہ چھوڑ دینا خوش عنوانی کے ساتھ۔ طلاق کا یہ طریقہ نرالا ہے پھر بھی معترضین کی آنکھیں نہ کھلیں!

اسلام میں عورت کا مقام

دوسری سوسائٹیوں کے بمقابل مذہب اسلام نے عورت کو کہیں زیادہ عظمت و وقار بخشا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عورتوں سے بڑھ کر کوئی مکرم نہیں سوائے کریم کے اور ان سے بدتر کوئی نہیں سوائے لئیم (بدبخت) کے" آپ نے بستر مرگ پر فرمایا "عورتوں کو بھلائی کی نصیحت کیا کرو کیونکہ وہ ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ پسلی کا ٹیڑھا پن زیادہ ہے اگر تم نے اسے سیدھا کرنا چاہا تو اسے توڑ دوگے اور اگر تم نے اسے ترک کر دیا تو ٹیڑھا پن مستقلاً باقی رہے گا۔

ایک صحابی نے سوال کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر عورتوں کے کیا حقوق ہیں؟

آپ نے فرمایا "وہ کھانے تو کھلاؤ اور پہنے تو پہناؤ، منہ پر نہ مارو اور نہ اسے قبیح ٹھہراؤ"

حضرت عمر بن الخطابؓ نے کہا مذہب اسلام سے قبل ہم عورتوں کو ستاتے تھے، ان کی خواہشات کو پاؤں تلے روندتے اور ان پر مظالم کے پہاڑ ڈھاتے یہاں تک کہ خداوند قدوس نے ان کے لئے آئین بنائے اور ان کو بہترین درجات سے ہمکنار کیا۔

بحیثیت ماں کے عورتوں کا ایک عظیم مرتبہ ہے قرآن کریم کہتا ہے: ووصینا الانسان بوالدیہ حملتہ امہ وھنا علی وھن وفصالہ فی عامین ان اشکر لی ولوالدیک (لقمان) "اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے باب میں تاکید کی ہے اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسکو پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گذاری کیا کر"

انڈین سنت مکتوب

دُعائے صحت

قطب وقت حضرتِ اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائپوری مدظلہ العالی سرپرست اعلیٰ جامعہ رشیدیہ اِس وقت صاحبِ فراش ہیں۔ حضرتِ اقدس کی صحت و عافیت کے لیے اہلِ دل حضرات سے دُعا کی درخواست ہے

(ادارہ)

مفتی محمد اشرف عاطف

تعارف و تبصرہ

ماہنامہ الفاروق

مُدیر عبیداللہ خالد ———— صفحات : ۶۴ ———— سالانہ چندہ ۵۰/- روپے

پتہ : جامعہ فاروقیہ پوسٹ بکس نمبر ۱۱۰۰۹ —— شاہ فیصل کالونی نمبر۴ / کراچی نمبر۲۵

یہ دور لٹریچر کا دور ہے اور موجودہ دَور کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ لٹریچر کے ذریعے نئے پڑھے لکھے طبقے میں دین و شریعت کے حوالے سے تشکیک و بیزاری کا مسموم ذہن پیدا کیا جارہا ہے۔ ایسے میں اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ دینی لٹریچر عام کیا جائے اور دین بیزار و دین بگاڑ قوتوں کا تحریر و انشاء کے میدان میں بھی تعاقب کر کے ان کی کوششوں کو ہباءً منثورا بنایا جائے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں ملک کے معروف دینی ادارہ جامعہ فاروقیہ کراچی سے ماہنامہ "الفاروق" کا اجراء کر کے وقت کی اہم ضرورت کو پورا کیا گیا ہے۔ محرم ۱۴۰۶ھ سے لیکر اب تک کئی شمارے منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ رسالہ کئی اعتبار سے منفرد ہے خصوصاً مضامین کا تنوع عنوانات کی جدت، حسنِ انتخاب، اور سب سے بڑھ کر عام فہم و دلنشیں اندازِ تحریر یہ ایسی خوبیاں ہیں جن سے عام قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

"صدائے حق" کے عنوان سے مولانا سلیم اللہ خان صاحب کا معروضی حالات پر مؤثر و مدلّل پیرائے میں تبصرہ رسالے کی جان ہے اس کے علاوہ علمی و اخلاقی مضامین بھی وقت کی ضرورت کو پورا کرتے ہیں معلوماتی مضامین کا سلسلہ بھی خوب ہے۔ اسلاف کے منتخب مضامین رسالے کے باطنی حسن کو مزید چار چاند لگا رہے ہیں۔

مجموعی طور پر جامعیت و افادیت کے پیشِ نظر "الفاروق" مدیر محترم مولانا عبیداللہ خالد اور دیگر عملہ کی بہتر صلاحیتوں اور حسنِ کارکردگی کا آئینہ دار ہے۔

ہم یہ بھی امید کرتے ہیں کہ رسالہ کی افادیت کو مزید دوچند کرنے کے لئے دینِ حق کے سلسلہ میں اپنے اسلاف کی محنتوں، کاوشوں کو اُجاگر کر کے قارئین کو علمائے حق کے صحیح مشن سے روشناس کرایا جائے گا۔ اور فرقہ واریت کے مہلک عنصریت سے دامن بچاتے ہوئے مثبت اور تعمیری انداز اختیار کیا جائے گا۔

"الفاروق"، کا سرورق جس طرح دیدہ زیب تصاویر سے بہار آفریں منظر پیش کر رہا ہے اس مناسبت سے کاغذ اور کتابت کا معیار نظرِ ثانی کا محتاج ہے۔

ادارہ الرشید مدیر محترم، سرپرستِ مکرم اور کارکنانِ "الفاروق" کو ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہے۔

Phone
No. 2356

جریدہ اسلامیات

REGD. L
NO. 8054

MONTHLY. ALRASHID. LAHORE PAKISTAN

جامعہ رشیدیہ میں داخلے کے خواہشمند طلباء کے لئے

خوشخبری

جامعہ رشیدیہ ساہیوال، قرآن و حدیث، تفسیر و اصول تفسیر، فقہ و کلام، منطق و فلسفہ اور دیگر علوم عربیہ و اسلامیہ کے شائقین کے لئے نہایت مسرت کے ساتھ اعلان کرتا ہے کہ جامعہ رشیدیہ میں نئے تعلیمی سال کے لئے داخلے ۸ شوال سے شروع ہوں گے

حسب سابق دورۂ حدیث شریف نامور جید اساتذہ کرام پڑھائیں گے۔

جامعہ کے تعلیمی و اخلاقی معیار کو خوب سے خوب تر بنانے کے لئے ذی استعداد، تجربہ کار اصحاب علم پر مشتمل عملہ جامعہ کا امتیاز ہے۔ جامعہ میں داخلہ ۸ شوال سے شروع ہو کر آخر شوال تک جاری رہیگا تمام درجات کی باقاعدہ تعلیم ۱۵ شوال سے شروع ہو جائے گی۔

جن طلباء نے امسال وفاق المدارس العربیہ کے تحت امتحان دیا ہے ان کے داخلے وفاق کے جاری کردہ کشف الدرجات کی بنیاد پر ہوں گے۔ داخلے کے لئے تمام طلباء ۱۵ شوال سے پہلے پہنچیں۔

خادم الطلباء

مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی رحمہ اللہ تعالیٰ
ساہیوال کا علمی و تبلیغی
ماہنامہ
الرشید

بیادِ فاضل حبیب اللہ نوّر اللہ مرقدہٗ

یہ تاریکی کہاں سے آرہی ہے — میرے دل کی کلی مرجھا رہی ہے
ہیں خندہ زن بہاروں پہ خزائیں — دلوں پہ مردنی سی چھا رہی ہے
اجل کی بجلیوں کی لپک دیکھو! — نشیمن بے طرح جھلسا رہی ہے
سنو آوازِ ہاتف غور سے تم — کسی کی روح حضوری پا رہی ہے
"حبیب اللہ" پیارا تھا خدا کا — ترانہ حورِ جنت گا رہی ہے
شکیب وصبر کا دامن نہ چھوٹے — سوانح آپ کی بتلا رہی ہے
تھا حق آگاہ وہ مردِ قلندر — صداقت جس کی دل گرما رہی ہے
نہ سر جس کا جھکا باطل کے آگے — مجھے پھر یاد ان کی آ رہی ہے
ہمیں چھوڑا ہے کس کے آسرے پر — کلی "گلشن" کی کیوں مرجھا رہی ہے
پھلا پھولا رہے یہ تیرا گلشن — دعا افضل کی لب پہ آ رہی ہے
ہو عبداللہ کا تو ساتھی جہاں میں — گھٹا رحمت کی جس پہ چھا رہی ہے
شیوخِ رائپور کی ہو رفاقت — دعا دل کی زباں پر آ رہی ہے
تجھے کب مار سکتے تیرے دشمن — حنا "اپنوں" کی یاں رنگ لا رہی ہے
مبارک ہو تمہیں اے اپنے لوگو! — تمنائے شما بر آ رہی ہے
حبیب اللہ کی اب ناتواں روح — تمہارے شر سے بچ کر جا رہی ہے
خدایا دے سکوں اس بے سکوں کو — کہ چشمِ زار خوں برسا رہی ہے

عہ مراد مدرسہ جامعہ رشیدیہ ہے

از۔ میاں محمد افضل گورنمنٹ اسلامیہ کالج ساہیوال

بانی: حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی رحمۃ اللہ علیہ

بیاد: تحریک ریشمی رومال کے گمنام فقیر، حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ رحمۃ اللہ رائپوری

ماہنامہ، جریدہ

الرشید لاہور

شمارہ نمبر ۱۱
ذیقعدہ ۱۴۰۶ھ

جلد نمبر ۱۴
اگست ۱۹۸۶ء

ترتیب

عملہ الرشید

صدر مجلس ادارت
حضرۃ سید انور حسین نفیس رقم مدظلہ

مدیر اعلیٰ
(پیرجی) عبدالعلیم رائپوری

مدیر مسئول و ناشر
حافظ عبدالرشید ارشد

مفتی محمد اشرف عاطف
عبداللطیف خالد چیمہ

مقام اشاعت
۳۲ سی اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور
دفتر جامعہ رشیدیہ ساہیوال

بدل اشتراک
فی پرچہ ۳/- سالانہ ۳۰/-
بیرون ملک ۱۵۰/-

الطبع
منہاج الدین اصلاحی
شرکت پرنٹنگ پریس لاہور

(پیرجی) عبدالعلیم رائپوری ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ ساہیوال

راشدات

؏ ھم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

جامعہ رشیدیہ کا مختصر تعارف

ادارہ

مسلمانوں کی آفاقی عزت و شوکت کو بحال کرنے، ملتِ اسلامیہ کو جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر علوم اسلامیہ سے منور کرنے، ملت میں عالمگیر خدمات کے جذبات کو اُبھارنے اور اعلاء کلمۃ الحق کے لئے برصغیر میں علماء حق نے جو کوششیں کیں، علم و عمل کے جو چراغ جلائے ان میں سے ایک کوشش مدارس اسلامیہ کا قیام تھا۔ اس سلسلہ کی ابتدائی کڑی "دارالعلوم دیوبند" کا قیام تھا۔ چنانچہ اہل حق کی پُر خلوص کوششوں سے پورے برصغیر میں اسلامی علوم کی درسگاہوں کا ایک جال بچھتا چلا گیا۔

اور پھر وہ مبارک و مسعود دن بھی آیا۔ جس میں دریائے ستلج کے کنارے ایک چھوٹی سی بستی "رائپور گوجراں" میں دارالعلوم دیوبند کے ہی ایک بانی امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے نام پر آپ کے خلیفہ و مسترشد حضرت مولانا حافظ محمد صالح صاحب رائپوری رحمہ اللہ (موجودہ ناظم اعلےٰ جامعہ رشیدیہ پیرجی عبدالعلیم رائپوری کے دادا) نے اسلامی علوم کی ترویج و اشاعت کے لئے ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ جس کی ابتدائی اینٹ حضرت گنگوہی کے تربیت یافتہ و مرید باصفا و جانشین حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری (جامعہ کے موجودہ سرپرست اعلےٰ حضرت اقدس مولانا عبدالعزیز رائپوری مدظلہ العالی کے نانا) نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھی۔

جس سادہ اور معمولی طریقے سے یہ کام شروع ہوا اور پکے اور سادہ کمروں میں نہایت بے سروسامانی کے عالم میں جس طرح مدرسے کا آغاز ہوا۔ اس کو دیکھ کر یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ آگے چل کر یہ بہت بڑا دارالعلوم اور جامعہ ہوگا اور اپنے دَور کے نامور و نابغہ علماء کا مہدِ علمی بنے گا۔

جامعہ کی مختصر تاریخ کو جاننے کے لئے اس طویل دور کو تین حصوں پر تقسیم کرکے ہم مختصر سا تعارف پیش کرتے ہیں۔

دورِ اوّل

جامعہ کا آغاز ——— جامعہ کا آغاز ۱۹۰۱ء میں "رائپور گجراں" کی مبارک بستی میں ہوا۔ حضرت حافظ محمد صالح رحمہ اللہ نے اپنے مرشدِ گرامی کے نام پر جامعہ کا نام "جامعہ رشیدیہ" تجویز فرمایا۔

موسس اوّل

حضرت مولانا حافظ محمد صالح رحمہ اللہ امام ربانی قطب وقت مولانا رشید احمد گنگوہی کے خلیفہ ارشد تھے "تذکرۃ الرشید" میں مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ نے حضرت گنگوہی کے خلفاء و مجازین میں آپ کا ذکر گرامی کیا ہے۔ آپ کی عظمت وجلالت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ حضرت گنگوہی کے خلفاء و مسترشدین میں سے ہیں۔

نیز آپ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں سے بھی ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث کے والد گرامی اور حضرت گنگوہی کے خادم خاص حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے قرآن شریف سنانے کے لئے حضرت شیخ الحدیث کو حضرت حافظ محمد صالح کے سپرد فرمایا تھا۔

سرپرست اوّل و بانی

حضرت گنگوہی کے تربیت یافتہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ جامعہ کے بانی ہونے کے ساتھ سرپرست مقرر ہوئے۔ حضرت رائپوری خانقاہِ رائپور کے صدر نشین اوّل ہیں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے معتمدِ خاص اور دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کے رکن تھے۔ حضرت شیخ الہند جب حجاز تشریف لے گئے تو بعد میں آپ حضرت رائپوری رحمہ اللہ کو ہی اپنا قائم مقام بنا گئے تھے اور تحریک آزادی کے کارکنوں کو ہدایت کی کہ مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری کو میرا قائم مقام سمجھنا اور اہم امور کو اُن سے مشورہ لے کر اور پوچھ کر انجام دینا۔ حضرت شیخ الہند کے اسارتِ مالٹا کے دوران ہی حضرت رائپوری کا انتقال ہوا۔ حضرت شیخ الہند کو جب آپ کے وصال کی اطلاع ملی تو نہایت صدمے کا اظہار کیا۔ حضرت شیخ الہند نے آپ کی وفات پر ایک طویل مرثیہ بھی لکھا، جو آپ کے قصائد میں موجود ہیں:

زینت و زیبِ الفِ ثانی مرد   شاہ عبدالرحیم ثانی مرد

جامعہ کے مہتمم اوّل

جامعہ رشیدیہ کے مہتمم اول حضرت مولانا فضل احمد رائپوری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ آپ موسس اول کے چھوٹے بھائی ہیں۔ دیوبند وسہارن پور سے اکتساب علم کیا۔ رائپور میں جامعہ رشیدیہ کے قیام سے قبل آپ ہندوستان کے مختلف مدارس میں پڑھاتے رہے۔ ہاپڑ ضلع میرٹھ میں زمانۂ تدریس کے دوران حضرت مولانا فخرالدین احمد متوفی ۷۲ ۱۹ ء سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اپنے بچپن میں آپ سے کسب علم کرتے رہے۔ یہیں سے آپ نے حضرت گنگوہی کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ میرے سارے خاندان کے لوگ آپ سے وابستہ ہیں۔ میں محروم نہ رہ جاؤں۔ اس لئے آپ میری بیعت قبول فرمالیں۔ حضرت گنگوہی نے جواباً تحریر فرمایا کہ ہم نے قبول

گیا۔ اس واقعہ کے کچھ ہی عرصہ بعد ۱۳۲۳ھ بمطابق ۱۹۰۵ء میں حضرت گنگوہی کا وصال ہوگیا۔ اس کے بعد آپ حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ ہوگئے۔ جامعہ رشیدیہ کے قیام کے بعد آپ ۱۹۰۵ء میں جامعہ رشیدیہ تشریف لائے اور جامعہ کے مہتمم بنائے گئے۔ حضرت حافظ محمد صالح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور آپ کی وجہ سے حضرت عالی رائپوری رحمہ اللہ اکثر رائے پور تشریف لاتے تھے۔ حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری سے آپ خلافت سے بھی مشرف ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد چک نمبر ۱۱ ایل میں ۶، رجب ۱۳۸۷ھ بمطابق ۱۱، نومبر ۱۹۶۴ء کو نوے سال کی عمر میں وصال ہوا۔

آپ کے تلامذہ میں سے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری، مولانا محمد صاحب انوری وغیرہم اکابر ہیں۔

جامعہ کے مفتی اوّل

جامعہ رشیدیہ کے مفتی اول وصدر مدرس حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ آپ موضع بھینیاں کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم کوٹ بادل خاں کے مولانا محمد صاحب فاروقی سے حاصل کی۔ دورہ حدیث دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہند سے ۱۹۰۸ء میں پڑھا۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ہم درس تھے۔ اس کے بعد آپ رائپور میں مدرسہ رشیدیہ میں مدرس ہوگئے۔ موسس اول حافظ محمد صالح اور مولانا فضل احمد رحمۃ اللہ علیہم نے آپ کی ہر طرح سے سرپرستی فرمائی۔ مفتی صاحب کے فرزند ارجمند حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب خود اپنے ایک مضمون میں رقمطراز ہیں:

> "جس طرح ہمارے والد ماجد مفتی فقیر اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت رائپوری (مولانا عبدالعزیز رائپوری) کے والد معظم حضرت حاجی حافظ محمد صالح صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اکابر نے تربیت و تعلیم دلائی، پروان چڑھایا متبنیٰ بنایا۔ نکاح و شادی کرائی۔ جامعہ رشیدیہ میں مدرس، صدر مدرس و مفتی بنایا، بالکل اسی طرح حضرت مولانا عبدالعزیز رائپوری رحمہ اللہ نے ہم سب کو اپنی اولاد سے بڑھکر عزیز بنایا۔ جامعہ رشیدیہ کی سرپرستی فرمائی اور ہم سب کے مربی بنے اور آخری دم تک ہماری رہنمائی فرماتے رہے۔"
>
> (الشہید شمارہ ربیع ۱، ۲، ۱۴۰۵ھ)

اس دور کے ہونہار طلباء

جامعہ کے موسس، مہتمم، بانی اور مفتی و صدر مدرس و دیگر اساتذہ کے اخلاص و للّٰہیت اور علمی شہرت کا یہ نتیجہ تھا، کہ نامور و مشاہیر علماء جامعہ رشیدیہ میں ان حضرات سے کسب علوم و فیوض کرتے رہے۔ مثلاً:

- رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی۔

- خیرالعلما حضرت مولانا خیرمحمد جالندھری مہتمم خیرالمدارس
- حضرت مولانا محمد صاحب انوری
- حضرت مولانا محمد علی جالندھری
- حضرت مولانا رشید احمد سلفی (مدینہ منورہ)
- حضرت مولانا عبدالجبار ابوہری، مبلغ دارالعلوم دیوبند ۔ (وغیرہم اکابر کی جامعہ رشیدیہ سے وابستگی اور اکتساب فیض جامعہ کے روشن ماضی کی نہایت عمدہ اور واضح مثال ہے۔)

جامعہ کا دورِ ثانی

۱۹۴۷ء میں پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو برصغیر میں مدارسِ اسلامیہ کا نظام درہم برہم ہوگیا۔ علماء بکھر گئے۔ کتب خانے نذرِ آتش کردیئے گئے۔ بایں ہمہ اہل حق نے ہمت نہ ہاری۔ قیامِ پاکستان کے بعد قریہ قریہ بستی بستی مدارس اسلامیہ قائم کئے۔ یہاں تک کہ پورے ملک میں علم کی روشنی پھیلنے لگی۔

ساہیوال میں جامعہ رشیدیہ کی نشاۃ ثانیہ کی گئی۔ حضرت مولانا حبیب اللہ مرحوم نے رائپوری بزرگوں کی دعاؤں سے اس گلشن کو پھر سے آباد کیا۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا عبدالعزیز رائپوری رحمۃ اللہ علیہ گیارہ والے اور پیرجی عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ (موجودہ ناظم اعلیٰ کے والد) کا حضرت ناظم صاحب کو پورا پورا تعاون حاصل رہا۔ حضرت گیارہ والوں کو جامعہ کا سرپرست بنایا گیا، اور اس طرح پھر جامعہ ایک روشن قندیل کی طرح پورے علاقے کو علوم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے منور کرنے لگا۔ جامعہ کی علمی و تبلیغی سرگرمیوں کی عطر بیز خوشبوؤں سے نہ صرف علاقہ بلکہ ملک و بیرون ملک بھی معطر ہونے لگا۔

جامعہ میں دیگر علوم و فنون کی تعلیم کے ساتھ دورہ حدیث شریف کا آغاز ہوا۔ ہرسال جامعہ سے بیسیوں عالم بن کر نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا کے کئی ممالک میں تعلیم و تبلیغ، تدریس افتاء کے مختلف میدانوں میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب کی نظامت، حضرت مولانا عبداللہ صاحب کی صدارت اور حضرت مولانا عبدالعزیز رائپوری کی سرپرستی میں جامعہ نہایت تیزی سے شاہراہِ ترقی پر گامزن ہونے لگا۔

دورِ ثالث

تاآنکہ ـــــ جامعہ پر ایک ابتلا کا دور آیا۔ اس گلشن کی آبیاری کرنے والے جامعہ کی نشاۃ ثانیہ کے بانی حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب کو نام نہاد اپنوں ہی کی سازش کا شکار ہونا پڑا۔ وہ لوگ جو حضرت ناظم صاحب کی موت کے منتظر تھے تاکہ جامعہ پر قابض ہوکر اس کو اپنی مفاد پرستیوں کا ذریعہ بنایا جاسکے، انہی لوگوں نے حضرت ناظم صاحب کو راستے سے ہٹانے کے لئے آپ کو زدوکوب

گیا، حتیٰ کہ آپ کی ٹانگ تک توڑ دی اور نہایت کسمپرسی کے عالم میں جامعہ سے چلے جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ جس میں بعض نام نہایت نمایاں ہیں۔ اس سے پہلے حضرت ناظم صاحب کو ایک تحریر کے ذریعہ باقاعدہ نوٹس دیا گیا کہ آپ مدرسہ چھوڑ دیں۔ اس نوٹس پر باقاعدہ مولوی مطیع اللہ اور چند دیگر افراد کے دستخط ہیں۔

حضرت ناظم صاحب مرحوم کے ساتھ ظلم اور جامعہ کو چھوڑ دینے پر مجبور کرنے کا علم۔ ستم ظریفی سے اہل علاقہ و اہل شہر کو نہ ہو سکا اور ان اندرونی واقعات کا بالکل پتہ نہ چل سکا۔

بالآخر حضرت ناظم صاحب کو نہایت بیدردی کے عالم میں رخصت کر دیا گیا۔ شوقِ جانشینی میں یہ حرص و آز کے بندے اپنی خواہشات کی آگ بجھانے کے لئے اپنے ہونٹوں کو زبان سے چاٹ کر جامعہ پر دانت گاڑنے کے لئے تیاری میں مصروف تھے کیونکہ وہ پیکرِ اخلاص جو ان کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔ اب سامنے سے ہٹ چکا تھا۔

لیکن قدرت کی آنکھ تو یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے دینی امور کو چلانے کے لئے باطنی طور پر جو مقام قطبیت رکھا ہے اس کے حامل قطبِ وقت سرپرستِ جامعہ حضرت مولانا عبدالعزیز رائپوری اچانک ساہیوال میں اپنے ایک مرید کے گھر تشریف فرما ہوئے تمام خیر خواہانِ مدرسہ حضرتِ اقدس کی خدمت میں جمع ہوئے اور یہ بات طے ہوئی کہ حضرت ناظم صاحب مرحوم کو دوبارہ جامعہ میں بحال کیا جائے۔ سابقہ مجلس شوریٰ توڑی جائے اور اس ڈرامہ کے مرکزی کرداروں کو جامعہ سے فوراً سبکدوش کیا جائے، چنانچہ حضرت اقدس نے ان تمام امور پر عمل درآمد کے لئے اپنے بھتیجے حضرت مولانا پیرجی عبدالعلیم کو جامعہ میں متعین فرمایا۔ اور حضرت ناظم اعلیٰ مرحوم کے نائب کے طور پر کام کرنے کا حکم دیا۔

چنانچہ مولانا پیرجی عبدالعلیم رائپوری حضرت مولانا حبیب اللہ کی حیات میں وہ تمام امور سرانجام دیتے رہے جو حضرت ناظم صاحب مرحوم آپ کے ذمے لگاتے تھے۔ آپ کے حسن کارکردگی، جرأت و ہمت اور فراست کے پیش نظر حضرت ناظم صاحب نے اپنی زندگی میں قولاً و عملاً آپ کو اپنا جانشین مقرر فرما دیا تھا۔ جس کے ثبوت کے طور پر " الرشید " کی اس دور کی فائلیں دیکھی جا سکتی ہیں۔

نیز جامعہ نمبر ا میں بالائی منزل پر جب بچیوں کی درس گاہ تعمیر کی گئی تو اس کے بیرونی منظر پر جامعہ کے موسسِ اول کے طور پر حضرت پیرجی عبدالعلیم کے دادا حضرت حافظ محمد صالح صاحب کا نام رقم کرایا اور اپنے نام کے ساتھ حضرت پیرجی عبدالعلیم کا بطور ناظم جامعہ کے نام تحریر کرایا۔ اور یہ نام لکھوانے کے لئے حزب اللہ کو حضرت سید نفیس شاہ صاحب کے پاس لاہور بھیجا۔ حضرت سید نفیس شاہ صاحب نے اپنے دستِ نفیس سے یہ نام تحریر فرمائے۔ جو اسوقت بھی حضرت ناظم صاحب مرحوم کے پیرجی پر اعتماد کی کی زندہ و جاوید مثال کے طور پر مرقوم ہیں۔

حضرت مولانا پیرجی عبدالعلیم نے ابتدائی کتب اسی جامعہ میں پڑھیں اور دورۂ حدیث شریف خیرالمدارس ملتان سے کیا۔ اسوقت حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوری (گیارہ چک والوں) اور اپنے والد محترم پیرجی عبداللطیف کے آپ جانشین ہیں اور حضرت

مولانا عبدالعزیز (گیارہ چک والوں) سے آپ کو اجازتِ بیعت بھی حاصل ہے۔
آج کل دینی اداروں پر ایک دورِ ابتلا و آزمائش آیا ہوا ہے۔ جامعہ پر حوادث و فتن کے بھی پہاڑ ٹوٹے۔ لیکن حضرت سرپرستِ جامعہ کے درست فیصلوں کا یہ نتیجہ تھا کہ جامعہ بحمداللہ ہر طرح کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہا۔
اسی دوران جامعہ کے سرپرست حضرت مولانا عبدالعزیز رائپوری اللہ کو پیارے ہو گئے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ کی برکاتِ علم و عمل سے جامعہ محروم ہوگیا اور سب سے بڑھ کر جامعہ کے روحِ رواں حضرت مولانا حبیب اللہ بھی عالمِ جاوداں کو سدھار گئے۔ حضرت مولانا عبدالعلیم کے کندھوں پر بوجھ زیادہ ہوتا چلا گیا۔ لیکن اس مردِ آہن نے ہمت نہ ہاری اور عزم و حوصلہ سے مدرسہ کی ترقی کے لئے حالات کا مقابلہ کیا۔
اب پھر اچانک انہی لوگوں نے سر اُٹھایا ہے کہ جن کے دامن میں سوائے قرابت و رشتہ داری کے نہ علم ہے اور نہ ہی اخلاق و شعور اور نہ ہی جامعہ کو چلانے کے لئے استعداد و صلاحیت ——— ایثار و قربانی تو دُور کی چیز ہے۔
جامعہ رشیدیہ کو ذاتی اور خاندانی جاگیر سمجھ کر اس پر اپنا خودساختہ استحقاق ظاہر کرنے کے لئے زمین و آسمان کے قلابے ملائے جا رہے ہیں۔ مدارس عربیہ دینی و قومی امانتیں ہوتی ہیں۔ ذاتی ورثہ نہیں۔ اس کو خاندانی جائیداد سمجھنے والے دین کے خادم نہیں بلکہ دین کو اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں
ان نام نہاد اقرباء و ورثاء اور اپنے آپ کو جانشین مفتی فقیر اللہ کہلانے والوں نے اپنے مذموم مقاصد کے لئے کیا کچھ نہیں کیا۔ جس کی پاداش حضرت ناظم صاحب مرحوم مرتے دم تک جھیلتے رہے۔ انہی لوگوں نے پہلے جامعہ پر قبضہ کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ مولانا مقبول احمد صاحب کو راستہ سے ہٹایا۔ حضرت ناظم صاحب اور مولانا مقبول احمد کی جماعت میں اختلاف اور منافرت کے بیج بوئے۔ اور ان کے نزدیک سب سے بڑی رکاوٹ حضرت ناظم صاحب مرحوم کی اپنی ذات تھی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کو بھی اپنے راستے سے صاف کیا گیا ہے۔ جس کے لئے مرزائیوں سے بھی انہوں نے کام لیا یا مرزائیوں نے ان کی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھایا۔ یہ واقعہ ہے کہ حضرت ناظم صاحب مرحوم مرزائیوں کے خلاف شمشیرِ بُراں تھے اور پھر موجودہ حالات جبکہ مرزائیوں نے جامعہ کے دو ہونہار سپوت شہید کر دیئے۔ اس بنا پر حضرت ناظم صاحب ہمہ وقت مرزائیوں کے خلاف سینہ سپر ہو کر مصروفِ جہاد رہے آپ کی کوئی تقریر اور کوئی تحریر ایسی نہیں تھی۔ جس میں فتنۂ مرزائیہ کو نہ للکارا گیا ہو۔ سلسلے میں مرزائی حضرت مولانا کو اپنے راستہ کی بہت بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے، چنانچہ عزم و ہمت اور علم و عمل کے اس کوہِ گراں کو راستہ سے ہٹانے کے لئے مرزائیوں نے ہمیشہ کئی حربے استعمال کئے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اس ضمن میں اپنا بن کر دشمنوں سے بھی زیادہ زہرناک سلوک روا رکھنے والے سازشی عناصر کی ریشہ دوانیوں نے غیروں کی مخالفتوں کو بھی مات کر دیا اور ان کو کبھی یہ سوچنے کی توفیق نہ ہوئی کہ ان کے اس منفی طرزِ عمل سے جامعہ کا کتنا نقصان ہو رہا ہے۔ ہمیں کسی سے کوئی شخصی اختلاف نہیں۔ سرپرستانِ جامعہ اور خود حضرت ناظم صاحب مرحوم نے اپنی زندگی میں جن پر اعتماد کیا۔ ہم پھر انہی پر اعتماد کرتے ہوئے یہ عہد کرتے ہیں کہ ؎

خونِ دل دے کے نکھاریں گے رُخِ برگِ گلاب — ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

رائپوری خانوادہ کے آخری بزرگ

سرپرست و مربی جامعہ رشیدیہ

○

استاذنا الشیخ عبدالعزیز قدس اللہ اسرارہٗ العزیز

○

ہمارے اُستاذ و شیخ و مرشد بقیۃ السلف حضرت مولانا الحاج عبدالعزیز صاحب م۔ ۱۴۰۵ھ قدس اللہ اسرارہٗ العزیز رائپوری حال مقیم چک ۱۱۔ ایل چیچہ وطنی، سرپرست جامعہ رشیدیہ ساہیوال، قاری بشیر احمد شہیدؒ کے چار پانچ دن بعد مرحوم و مغفور گئے اور فیصل آباد جنازہ کے بعد مدرسہ تجوید القرآن جنازہ پہنچا اور چیچہ وطنی ہائی سکول کے صحن میں ہزاروں مسلمانوں نے جنازہ پڑھا۔ برادر زادہ مولانا عبدالعلیم رائپوری خلف الرشید حضرت پیرجی عبداللطیف نوراللہ مرقدہ نے جنازہ پڑھایا اور حضرت مرحوم رائپوری کی وصیت کے مطابق، چیچہ وطنی کے عام قبرستان میں مدفون کئے گئے۔ جہاں حضرت مولانا غلام محمد تونسوی مرحوم (سابق خطیب چیچہ وطنی) جیسے علماء، صلحاء آرام کی نیند سو رہے ہیں۔

حضرت مرحوم رائپوریؒ کے والد ماجد حضرت مولانا حافظ حاجی محمد صالح صاحب رائپوری موسس اول مدرسہ رشیدیہ اپنے وقت کے معروف اکابر و مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے متعلق اتنا تعارف و تعریف کافی ہے کہ آپ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی (مجاہد ۱۸۵۷ء) کے اجلہ خلفاء میں سے معتمد علیہ مجاز تھے۔ جیسا کہ مصنف ''احوال العارفین'' نے حضرت گنگوہیؒ کا مقولہ نقل فرمایا۔ ''تذکرۃ الرشید میں آپ کا ذکر صالح مطبوع ہے''!

حضرت مولانا عبدالعزیز رائپوری کی ولادت عزیز ۱۳۱۶ھ / ۱۴۰۵ھ مقام مدرسہ رشیدیہ رائپور گجراں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ رشیدیہ رائپور اپنے والد ماجد حضرت حافظ محمد صالح رائپوریؒ نیز حضرت مولانا فضل احمد صاحب مہتمم مدرسہ رشیدیہ رائے پور اور اکثر کتب تا متوسطات استاذ العلماء حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہؒ صدر مدرس مدرسہ رشیدیہ سے پڑھیں، درمیان میں ایک سال کے لئے حضرت مولانا خیر محمد صاحب کی طرح حضرت مفتی صاحب نے آپ کو مدرسہ کٹھیالہ شیخاں (گجرات) بھیجا تھا۔ پھر واپس رائپور مدرسہ رشیدیہ میں پڑھ کر اعلیٰ تعلیم و حدیث کے لئے دارالعلوم دیوبند بھجوایا گیا۔ جہاں آپ نے حضرت شیخ الہندؒ

سے استفادہ کیا اور دورۂ حدیث محدث کبیر حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب سے مکمل کیا۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد حضرات نے آپ کو اپنے مدرسہ رشیدیہ رائپور میں منتخب و استاذ تجویز کیا مدرسہ رشیدیہ رائپور میں خود حضرت مولانا فضل احمد صاحب مہتمم امام النحو والصرف مشہور تھے اور حضرت مفتی صاحب محدث اور فقیہہ معروف اور حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ منقولات و معقولات و حکمت کے جامع استاذ اور کامل مدرس تھے۔ کتب ازبر تھیں۔ زبانی بیٹھے پڑھاتے جاتے تھے۔

راقم، آثم، خادم، ناظم نے اپنے والد ماجد اور حضرت رائپوری سے اکثر کتب پڑھیں۔ حضرت جی رائپوریؒ ہمارے بہترین استاذ تھے۔ برادرِ معظم حضرت مولانا حافظ الحاج محمد عبداللہ صاحب مدظلہٗ نے بھی حضرت رائپوریؒ سے اکتساب علوم دینیہ کیا۔ اس کے باوجود حضرت رائپوری بعض مسائل میں آپ سے استفسار کیا کرتے تھے۔

حضرت رائپوری کے معاصرین میں استاذ الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جامع العلوم، قاسم الخیرات تھے، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا محمد صاحب انوری لدھیانویؒ، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، حضرت مولانا عبدالجبار حصاروی ؒ مبلغ دارالعلوم حضرت کے رفقاء خصوصی تھے۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند میں حضرت قاری محمد طیب صاحب کے ساتھ دورۂ حدیث پڑھا اور حضرت شیخ الہند کی خدمت میں بھی اکتسابِ فیض کیا۔ آپ نے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری سے بھی فیوض و برکات و زیارات حاصل کیں۔ اس کے بعد حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائپوریؒ سے بیعت و مجاز صحبت اور خلافت حاصل فرمائی۔ اور حضرت رائپوریؒ کی طرح حضرت رائپوری کہلائے۔

بڑے حضرت اقدس رائپوریؒ کے خصوصی حضرات میں حضرت مولانا فضل احمد صاحب مہتمم مدرسہ رشیدیہ اور حضرت مولانا عبدالعزیز رائپوریؒ تھے اور حضرت ان کو اپنے پاس بٹھایا کرتے تھے۔ مصنف " احوال العارفین ،، نے حضرت اقدس رائپوریؒ کا ملفوظ حضرتِ والا عبدالعزیز رائپوریؒ کے بارے میں لکھا ہے۔ جو مرتب " احوال العارفین ،، کے مضمون میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ صاحب رائپوری کی خصوصیات، خود بہت ہی جامع الصفات والکمالات ہیں جو عام علماء میں نہیں پائی جاتیں۔ آپ عالم باعمل صوفی باصفا۔ خاموش مزاج۔ مرنجاں مرنج۔ انتہائی متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ اپنے وقت کے بہترین استاذ۔ قابل مدرس۔ نہایت زیرک و دانائے راز۔ انتہائی مہمان نواز۔ مردم شناس، جمال و جلال کا مرقع، علم الادیان کے ساتھ علم الابدان کے ماہر بھی تھے۔ مگر کسی فن کو پیشہ نہ بنایا۔

راقم۔ خادم۔ آثم۔ ناظم جس طرح بچپن میں طالب علمی کے زمانہ میں ان سے ڈرتا تھا۔ آخری دور تک اپنے والد ماجد کی طرح ان کو مانتا تھا۔ وہ ہمارے خاندان پر بے حد شفیق و مہربان تھے۔ جس طرح ہمارے والد ماجد مفتی فقیر اللہ رحمہ اللہ کو حضرت رائپوریؒ کے والد معظم حضرت حاجی صاحبؒ اور ان کے اکابر نے تربیت کی تعلیم دلائی، پروان

چڑھایا۔ تبنیٰ بنایا، نکاح و شادی کرائی۔ جامعہ رشیدیہ میں صدر مدرس و مفتی بنایا۔ بالکل اسی طرح حضرت مولانا عبد العزیز رحمہ اللہ نے ہم سب کو اپنی اولاد سے بڑھ کر عزیز بنایا، جامعہ رشیدیہ کی سرپرستی فرمائی اور ہم سب کے مربی بنے رہے آخری دم تک ہماری رہنمائی فرماتے رہے۔

ہمارے رائپوری بزرگوں میں دو شخصیات بہت ہی دانائے راز تھیں۔ اول حضرت منشی رحمت علی مہروویؒ دوم حضرت مولانا عبدالعزیز رائپوری۔ حضرت رائپوری کی ایک اہم قابلِ ذکر خصوصیت یہ ہے کہ جس طرح ان کے شیخ و مرشد حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائپوریؒ بہت سی خوبیوں اور متعدد کمالات کو اپنے اندر جذب کئے ہوئے تھے، حضرت مولانا عبدالعزیزؒ بھی علوم و کمالات، سلوک و معارف اور صوفیانہ فیوضات کو اپنے اندر اسی طرح جذب و ضبط کر لیتے تھے۔ جس طرح ان کے شیخ و مرشد جاذب تھے

سطحی نظر والے شیخ وقت حضرت اقدس رائپوریؒ اور بقیۃ السلف و الخلف حضرت مولانا عبدالعزیز رائپوریؒ کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتے تھے کہ یہ کوئی عالم یا عارف ہیں، لیکن عمیق علم و نظر والے حضرات متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ جس طرح حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صلح حدیبیہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بعض مسائل میں تحیص و مذاکرہ کیا اور بعد میں بہت پچھتائے۔ توبہ استغفار کئے۔ صدقہ و خیرات کئے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ فتح آپ کے اطمینان قلب کے لئے بطور بشارت نازل فرمائی۔

بالکل ایسے ہی راقم۔ آثم۔ ناظم۔ خادم نے حضرت الاستاذ والشیخ سے بحیثیت سرپرست جامعہ۔ جامعہ رشیدیہ کے بارے میں دو بحث و مباحثہ،، قال اقول کیا۔ جبکہ خود حضرت الاستاذ شیخؒ نے خادم کو اپنے ہاں چک نمبر ۱۱ میں طلب فرمایا اور سواری بھیج کر بلوایا کہ راقم بیمار تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ راقم۔ آثم۔ خادم۔ ناظم نے کبھی اس سے قبل اس طرح آپ سے مکالمہ نہیں کیا۔ جس طرح آخری ایام میں نوبت آئی۔ بالآخر راقم۔ آثم۔ خادم۔ ناظم نے حضرت رائپوری کے احکام کی تعمیل کی۔ بعد میں تجربہ سے معلوم ہوا کہ حضرت عالی کی رائے صحیح تھی۔ صرف افہام و تفہیم مقصد تھا اور بعض مصالح کی بناء پر یہ گفتگو ہوئی تھی، مگر بعد میں ندامت ہوئی۔ بیحد نادم ہوا۔ معذرۃ خواہی کی

حضرت الاستاذ شیخؒ نے حسب مزاج کمال شفقت سے ہماری مکرر رہنمائی فرمائی۔ ادعیہ سے نوازا اور آخری ایام مرض تک جامعہ رشیدیہ اور مفتی فقیر اللہ کے خاندان کو جس محبت و راحت سے نوازا اس کی تفصیل لکھی نہیں جا سکتی۔ شعر تو قدیم ہے، پر حضرت بھی قدیم بزرگ تھے :

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

وما کان هلک قیس هلک واحد ولکن بنیان قوم تهدما
ولیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

رائپوری بات

اصل رائپور ضلع سہارن پور حضرت شاہ عبدالرحیمؒ رائپوری کا وطن اور حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائپوری نے رائے پور کو اپنا مسکن بنایا تھا۔ ہمارے بزرگوں نے اسی رائے پور کے مبارک نام پر رائپور تجویز کیا۔ یہ رائپور تحصیل نکودر ذیل پھت پور ضلع جالندھر دریائے ستلج کے کنارے آباد تھا۔ جو تین چار مرتبہ دریا برد ہوتا رہا۔ بالآخر رائے پور راعیاں آخری مدرسہ رشیدیہ چھوڑ کر، ہجرت کے بعد ساہیوال ویچہ وطنی چک ۱۱ ایل گوجراں آ گئے۔ حضرت رائپوریؒ کی تین بیویاں تھیں، جن سے دو تین بچے بھی پیدا ہوئے اور بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ آپ کی باقیات الصالحات میں پیرجی عبداللطیفؒ ہی کی اولاد ہیں۔

O

بقیہ : قادیانیوں کی سازش

نہیں کی جا سکتی یہ محض اغنیا کو خوش کرنے کے حیلے ہیں۔

میں اس دل گرفتہ داستان کو بادل نخواستہ سمیٹ رہا ہوں۔ خدا گواہ ہے کہ مجھے کسی شخص کے ساتھ کوئی ذاتی عناد ہے نہ پرخاش فقط اصلاح مقصود ہے وطن کی محبت نے مجبور کیا ہے کہ میں اہل وطن کو قادیانیوں کی خوفناک سازش سے آگاہ کر دوں جو دیمک کی طرح تمام اداروں کو چاٹ رہے ہیں۔ پاکستان کے تمام ایٹمی ادارے انکی دستبرد سے محفوظ نہیں رہے۔ کہوٹہ ریسرچ سنٹر ایک ایسا ادارہ ہے جو محض ڈاکٹر قدیر خان کی شدید حب الوطنی اور والہانہ محبت کیوجہ سے ان یہودی گماشتوں سے بچا ہوا ہے اگرچہ مردے کھانیوالی کرگس کی طرح قادیانی اس عظیم ترین ادارے کے گرد بھی چکر لگا رہے ہیں۔ قدیر خان قوم کی متاع حیات اور سرمایہ زندگی ہیں انکی حفاظت کیلئے کہ وہ قوم کی زندگی ہیں۔

میں صدر پاکستان سے وطن کے نام پہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی پہلی فرصت میں اصلاح احوال کی طرف توجہ دیں۔ وطن کی مٹی ان سے اپنا قرض طلب کرتی ہے یہ قرض جتنی جلدی بے باق ہو تا ہی اچھا ہے

xxxxxxxx

بشکریہ "ہفت روزہ چٹان" لاہور

علم و آگہی

میری محسن کتابیں

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی

علمی استعداد کی نشو و نما، ذوق کی سلامتی اور فکر و نظر کی پاکیزگی کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ باطن بُری خصلتوں اور بداخلاقیوں سے پاک صاف ہو، کیونکہ باطن کی پاکیزگی ہی علمی اثرات کے قبول و بار آور ہونے کے لئے شرط اول ہے۔

وہاں گھر کا ماحول، استاد کی صحبت، مناسب طبیعت علم کا انتخاب بھی علمی ترقی میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ سیرت سازی اور علمی شاہراہ پر تیز روی کے لئے سفید کاغذ پر چھپے ہوئے حروف کو بھی بڑا دخل ہے یعنی کتابیں جو پڑھنے والوں کی زندگی کا رُخ موڑ دیتی ہیں، قاری کی زندگی کے سنورنے و بگڑنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں اور بعض ایسے انمٹ اثرات مرتب کرتی ہیں۔ جو دوسروں کے لئے بھی نشانِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ نامور اہل علم کی زندگی پر کون کون سی کتابوں نے کیا کیا اثرات مرتب کئے؟ کن کتابوں سے وہ زمانۂ طالب علمی میں متاثر ہوئے؟ ہم طلباء کے لئے ایک نہایت دلچسپ اور مفید سلسلہ "نامور علماء کی محسن کتابیں"، شروع کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس علمی شخصیت کا مختصر سوانحی خاکہ بھی پیش کریں گے۔ تاکہ وادیٔ علم کے سرگرداں آسمانِ علم کے ان درخشندہ ستاروں سے نشانِ منزل حاصل کرسکیں اور ان کے نقشِ قدم پر چل کر علم و عمل کے گوہر یکتا پا سکیں۔

یقیناً یہ سلسلہ ہمیں علم سے محبت اور علمی ترقی کی شاہراہ پر پیش قدمی کی ہمت و ترغیب بخشے گا۔

آج کا مضمون امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ امام انقلاب کا مختصر سوانحی خاکہ کچھ اس طرح سے ہے کہ:

"مولانا عبیداللہ سندھی ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں چیانوالی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ہندو سے سکھ ہو گئے تھے۔ مولانا سندھی نے ابتدائی تعلیم جام پور کے مڈل سکول میں پائی۔ دورانِ تعلیم ہی اپنے ایک ہم جماعت سے کتاب "تحفۃ الہند"، لیکر پڑھی۔ اس کے بعد مولانا اسماعیل شہید کی کتاب "تقویۃ الایمان" پڑھنے کا موقعہ ملا۔ صداقتِ اسلام سے متاثر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔ "تحفۃ الہند"، کے مصنف کے نام پر اپنا نام عبیداللہ رکھا۔ ۱۵، اگست ۱۸۸۷ء کو اسلام کی محبت میں گھر بار کو خیر باد کہہ دیا۔ اس وقت آپ کی

عمر پندرہ برس تھی۔ سندھ میں حافظ محمد صدیق آف بھر چونڈی شریف کی خدمت میں کچھ مدت قیام کیا۔ حافظ صاحب ایک بڑے صاحب نسبت بزرگ اور درویش کامل تھے۔ مولانا سندھی نے اپنی ذاتی ڈائری میں لکھا ہے کہ: "حافظ صاحب کی صحبت کا یہ اثر ہوا کہ اسلامی معاشرت میری طبیعت ثانیہ بن گئی"۔
۱۸۸۸ء میں دیوبند گئے اور دارالعلوم میں داخل ہوگئے۔ یہیں آپ کو حضرت شیخ الہند سے کسب فیض کا موقعہ ملا۔ جلد ہی عربی زبان پر عبور حاصل کر لیا اور تفسیر و حدیث فقہ و منطق اور دیگر علوم اسلامیہ کی تکمیل کی۔ یہاں تعلیمی امور کے ساتھ ساتھ سیاسی مشاغل میں بھی حضرت شیخ الہند سے وابستہ ہوگئے
۱۹۰۹ء میں حضرت شیخ کے حکم پر جمعیتہ الانصار قائم کی۔ جمعیتہ الانصار کے دو بڑے جلسے مراد آباد اور میرٹھ میں منعقد ہوئے۔ سیاسی مشاغل کی بنا پر دیوبند میں زیادہ عرصہ قیام نہ کر سکے اور دہلی منتقل ہو گئے۔ یہاں حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر انصاری کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے۔ نظارۃ المعارف القرآنیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ جس کے سرپرستوں میں حضرت شیخ الہند کے علاوہ نواب وقار الملک اور حکیم اجمل خان جیسی مقتدر شخصیتیں شامل تھیں۔
۱۹۱۵ء میں حضرت شیخ الہند کے حکم پر افغانستان گئے۔ سات برس تک کابل میں مقیم رہے۔ امیر امان اللہ خان کو انگریزوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کرنے کا سہرا مولانا سندھی ہی کے سر ہے۔ کابل میں کانگریس کمیٹی قائم کر کے انڈین نیشنل کانگریس کے ساتھ اس کا الحاق کیا۔ برطانوی مقبوضات کے باہر یہ پہلی کانگریس کمیٹی تھی۔ اس کے ساتھ "حزب اللہ" کے نام سے ایک فوج مرتب کی۔ افغانستان میں راجہ مہندر پرتاپ کی سربراہی میں جو آزاد حکومت قائم کی گئی تھی، آپ اس کے اہم رکن تھے۔ حضرت شیخ الہند کی حجاز میں گرفتاری کے بعد روس چلے گئے۔ وہاں رہ کر اشتراکیت کا مطالعہ و مشاہدہ کیا۔ سات ماہ بعد ۱۹۲۳ء میں ترکی کا سفر کیا۔ وہاں اپنی ذمہ داری پر تحریک ولی اللہی کے تیسرے دور کا آغاز کیا۔ اسی موقعہ پر آپ نے آزادئ ہند کا منشور استنبول سے شائع کیا۔ ۱۹۲۴ء میں آپ ترکی سے حجاز پہنچے۔ ۱۹۳۹ء تک مکہ معظمہ میں رہے۔ اسی عرصہ میں آپ نے برصغیر کے مسلمانوں کے حقوق اور دینی مسائل کو تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ عوام تک پہنچایا۔ حجاز میں چودہ سال کے قریب مقیم رہے۔ ۷ مارچ ۱۹۳۹ء کو ۲۴ سالہ جلا وطنی کے بعد انقلاب کے نقیب و داعی بن کر واپس لوٹے۔ اپنے خیالات کی اشاعت کی۔ مولانا کی انقلابی باتیں بعض لوگوں کو ناگوار و تلخ لگیں۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ:

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریفِ سنگ

زندگی کے آخری ایام جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی اور دین پور شریف میں بسر ہوئے۔ مولانا سندھی موجودہ دور میں فلسفہ ولی اللّٰہی کے سب سے بڑے داعی اور مفسر تھے۔ قرآن و حدیث فقہ و تصوف سے متعلق علوم میں شاہ ولی اللہ دہلوی ؒ نے جو تجدید فرمائی۔ مولانا سندھی اس کے عظیم شارح تھے۔ حکمت ولی اللّٰہی کی روشنی میں کتاب و سنت کی تشریح اور عہد حاضر کے معروضی مسائل کا حل نکالنے کے لئے ہی انہوں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں بیت الحکمۃ کے نام سے ادارہ قائم کیا اور بعض معرکۃ الاراء مضامین لکھے۔ گویا تمام عمر قائد انقلاب کی حیثیت سے اسلامی و سیاسی خدمات انجام دیں۔ بالآخر اگست ۱۹۴۴ء کو دین پور ریاست بہاول پور میں انتقال فرمایا، اور وہیں مدفون ہیں۔ فرحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (اشرف عاطف)

جس کتاب کو پڑھکر میں مسلمان ہوا

سب سے پہلے جس کتاب نے مجھے اسلام کے متعلق صحیح واقفیت دی اور ہندو سوسائٹی میں رہ کر میں سولہ[16] برس کی عمر سے پہلے مسلمان ہوگیا، وہ "تحفۃ الہند" ہے، تحفۃ الہند کے (میرے ہمنام) مؤلف نے ہندو مذہب کے مشرکانہ عقائد و رسوم کو نقل کرنے کے بعد ہندوؤں کی طرف سے ایک اعتراض نقل کیا ہے کہ مسلمانوں میں بھی مشرکانہ اعمال و رسوم پائے جاتے ہیں۔ اس کا جواب مؤلف نے مختصر طریقہ پر یہ دیا تھا کہ ہم نے ہندو مذہب کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ ان کی مستند مذہبی کتابوں سے ماخوذ ہے، لیکن اس کے جواب میں جو کچھ پیش کیا جاتا ہے۔ وہ اسلام کی مستند کتابوں سے ماخوذ نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں کے اعمال و رسوم ہیں۔ جن کا اسلام ذمہ دار نہیں ہے اور قرآن و حدیث سے ان کی کوئی سند پیش نہیں کی جا سکتی، اس موقعہ پر میرے ساتھی کو جو میری طرح نو مسلم تھے۔ توجہ ہوئی کہ وہ اس بات کی تحقیق کریں کہ واقعی اسلام کی مستند کتابیں اس مسئلہ میں بالکل بے داغ ہیں اور ان میں ان اعمال و رسوم کا کہیں ثبوت نہیں، اس موقع پر ایسی کتاب کی ضرورت تھی۔ جس سے صرف قرآن و حدیث کے حوالہ سے اسلام کی توحید پیش کی گئی ہو، خوش قسمتی سے تحفۃ الہند کے بعد جو دوسری کتاب ہمارے ہاتھ میں آئی۔ وہ مولانا اسماعیل شہید کی "تقویۃ الایمان" تھی۔ جو اس سوال کا جواب شافی تھی اور جس سے ہم کو معلوم ہوگیا کہ اسلام کی توحید بالکل خالص ہے اور قرآن و حدیث مسلمانوں کے ان اعمال و رسوم سے بالکل بری ہیں۔

ان دونوں کتابوں سے میں اسلام کے متعلق ایسا صحیح عقیدہ پیدا کر سکا کہ آج تک شاید میں اس میں ایک حرف بھی اضافہ نہ کر سکا۔

دیوبند کی طالب علمی کے بعد قبلہ نما مولوی محمد قاسم کی کتاب میرے لئے ایک بڑی محسن چیز ہے۔ میں یہ شبہہ خود تو کبھی دل میں نہیں لا سکا کہ بیت اللہ کے سجدہ میں اور بت پرستی میں کیا فرق ہے؟ مگر جب یہ شبہہ میرے سامنے آیا تو میری طبیعت

پوری اس کے حل کرنے کی طرف متوجہ ہوئی ہیں۔ جب قبلہ نما پڑھ چکا تو گویا میرا سارا بدن نئے ایمانی نور سے بھر گیا، اس کے بعض چیدہ چیدہ حصے آج تک میں بے نظیر مانتا ہوں، اس کتاب نے میری ذہنیت میں ایک دوسری تبدیلی پیدا کر دی، دانشمندی حاصل کرنے میں جن مصنفین کی کتابیں مدرسوں میں پڑھی جاتی ہیں، ان کے مصنفین کا ایک خاص اثر طالب علم کے دماغ پر پڑتا ہے۔ وہ ان کی تحقیقات کو بے نظیر چیزیں سمجھنے لگتا ہے، پھر اسی روشنی میں وہ کتاب و سنت سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، مولانا محمد قاسم کو میں نے قبلہ نما میں اس طرح پہچان لیا کہ وہ علامہ تفتازانی، میر سید شریف ایسے بزرگوں سے بہت بڑے ہیں، اگر یہ ان کی محقق چیزوں کو نہیں مانتے اور اپنا مسلک ان سے جدا مقرر کرتے ہیں اور اپنے مسلک کی پابندی میں اتنے بڑے مشکل مسئلے کو حل کر دیتے ہیں تو ان کا مسلک ان سے میرے نزدیک بہت زیادہ صحیح اور صاف ہے، یہی جراثیم تھے، جو آگے چل کر شاہ ولی اللہ صاحب تک پہنچانے کے باعث بنے۔ اگر میں ان درسی کتابوں کے مصنفین کی تقلید سے آزاد نہ ہو جاتا تو کبھی شاہ ولی اللہ کو امام نہ مانتا۔

اس کے بعد میری محسن کتابوں میں "حجۃ اللہ البالغہ" ہے۔ جس کے زور سے میں نے قرآن سمجھا، فقہ کو سمجھا، حجۃ اللہ کو میں ایک مرکزی حیثیت سے اپنی محبوب کتاب مانتا ہوں۔ ورنہ شاہ صاحب کی ہر سطر میری محسن ہے۔ حجۃ اللہ کے بعد شاہ صاحب کی کتابوں میں سے "الفوز الکبیر"، "فتح الرحمان"، "بدور بازغہ" کی بہت زیادہ اہمیت میرے دماغ میں ہے۔

محسن کتابوں کے سلسلہ میں اگر میں ان کتابوں کے بعد کوئی کتاب لکھوا سکتا ہوں تو وہ مولانا شہیدؒ کی "عبقات" ہے۔ جس نے حجۃ اللہ کے مقدمہ کا کام دیا۔

شاہ صاحب کی تصنیفات کے مطالعہ کی ترتیب اور اُن کے مقدمات

جس نے سلم کی شروح پڑھی ہوں۔ اس کا درجہ آج وہی ہے۔ جو پہلے شرح مطالع پڑھنے والے عالموں کا تھا۔ ایک ذکی نوجوان طالب علم جب درجہ سے فارغ ہو جائے تو اس کو سب سے پہلے شاہ رفیع الدین صاحب کی "تکمیل الاذہان" پڑھنی چاہیئے، اس کے بعد "عبقات"، اس کے بعد "سطعات"، اس کے بعد "البدور البازغہ" مگر مقدمہ چھوڑ کر، اس کے بعد "حجۃ اللہ البالغہ" کے بعد "الفوز الکبیر"، [illegible] بعد فتح الرحمان، فتح الرحمان پڑھتے ہوئے تمام تفسیریں جو ممکن ہوں سامنے رکھ لی جائیں، ان کا جو فائدہ عزیب اور عام [illegible] سے ایک علیحدہ سی بات معلوم ہو، اس کو خاص طور پر قابل توجہ سمجھا جائے اس نکتہ پر تمام تفسیریں مطالعہ کی جائیں، اس کے بعد یہ معین کرنا ہوگا کہ کیا راز تھا کہ شاہ صاحب نے عام مفسرین کا مسلک ترک کر دیا، جو چیز سمجھ میں آجائے اس کو مستقل محفوظ کر لیا جائے، کبھی کسی مخالف کی کوئی بات نہ مانی جائے۔

اس سلسلہ میں مولانا محمد قاسمؒ کی کتابیں بھی ہمارے نزدیک ان حضرات کی کتابوں کی طرف تقریب کرنے والی ہیں، ایک کالج کا طالب علم پہلے یہی کتابیں زیادہ دیکھے اور جو لفظ اجنبی سے معلوم ہوں، انہیں چھوڑتا چلا جائے اور بار بار دیکھے

تو وہ شاہ صاحب کی تصنیفات سمجھنے کی استعداد پیدا کرے گا۔ آخر میں "تفہیمات آلہیہ" دنیا کے مختلف معرکۃ الآرا مسائل کو حل کرنے کے لئے ایک اہم تصنیف سمجھی چاہیئے مگر اس وقت ذہنیت اتنی وسیع ہو کر شیطان سے بھی حکمت سیکھ سکتا ہو۔

شاہ صاحب کا سیاسی مسلک اور ازالۃ الخفاء

ہم نے سب سے پہلے "ازالۃ الخفاء" میں اس آیت کی تفسیر بڑے غور سے پڑھی۔ ھوالذی ارسل رسولہٗ بالہدیٰ ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ ولوکرہ المشرکون۔ (صف ع ۱) شاہ صاحبؒ کی کتابوں میں ہم نے جتنا زیادہ غور کیا ہے، یہی تفسیر ان کی ساری حکمتِ سیاسی کا مرکزی نقطہ معلوم ہوا۔

شاہ صاحبؒ کی ازالۃ الخفاء میں فاروق اعظمؓ کے مذہب کا جو رسالہ ہے۔ وہ ایک بے نظیر کتاب ہے، میں صحاح ستہ میں سے پانچ کتابوں کو مؤطا کی شرح بناتا ہوں، اس کے بعد موطا کو اس فاروق اعظمؓ کے مذہب کی شرح بناتا ہوں، اس سے میرے تمام شکوک حل ہو گئے اور قانون کے مختلف زمانوں میں تبدیلی کی ضرورت صاف ہو گئی۔

فاروق اعظمؓ کے زمانہ کی جو چیز تھی۔ اُسی نے بنی اُمیہ کے آخر دور میں موطاء کی شکل اختیار کر لی اور مؤطا عباسیوں کے دور میں بخاری، مسلم، ابو داؤد اور ترمذی کی شکل میں تبدیل ہو گئی۔ ہم ان چار حدیث کی کتابوں کو چار انجیلوں کی طرح صحف آلہیہ میں شمار کرتے ہیں۔ وہ تورات کی تشریح کرتی ہیں، یہ قرآن کی تشریح کرتی ہیں۔ مگر اس میں احتیاط کی ضرورت ہے کہ حجۃ اللہ کے قاعدہ پر تلقی کے دونوں طریقوں کو ہر روایت میں جمع کر لیا جائے۔ اس کے بعد فقط مستفیض اور متواتر کو سند بنایا جائے۔ آحاد خبروں کو رلنے کے درجہ پر چھوڑ دیا جائے۔ اس میں تبدیلی بقدر ضرورت آسانی سے ہو سکتی ہے۔

ازالۃ الخفاء میں شاہ صاحبؒ نے قرون ثلثہ کی تفسیر کی ہے۔ ہم نے آج تک دوسرے عالم سے یہ تفسیر نہیں سُنی، ہم اس کو شاہ صاحب کے بہت اعلیٰ علوم میں شمار کرتے ہیں۔

مجھ سے یورپ میں بارہا سوال کیا گیا کہ قرآن کا آپ کے نزدیک کیا مطلب ہے؟ یعنی میں اپنے فلسفی انداز میں کس طرح تفسیر کرتا ہوں، میرا جواب یہ تھا کہ حضرت عثمان کی شہادت تک جو کچھ مسلمانوں کی جماعت نے کیا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک) وہ قرآن کا مقصد ہے۔ اس کی تشریح میں جس فلسفہ سے چاہوں کر سکتا ہوں۔ فن یہ ہے قرآن کا مقصد یہ ہے۔

شاہ صاحبؒ نے اپنے زمانہ کی رَو دیکھ کر شیعہ سنی کا مسئلہ ہاتھ میں لیا اور اسی کو اپنی حکمت بیان کرنے کا ایک عنوان بنا لیا، وہ کہتے ہیں۔ شیخینؓ انبیاء کے بعد سب سے افضل ہیں۔ اس لئے کہ وہ نبیؐ سے بہت زیادہ مناسبت

رکھتے ہیں۔ اب ضرورت پڑی کہ بتایا جائے کہ نبوت کیا کرتی ہے اور انہوں نے کیا کیا؟ تو حکمت کے دونوں باب حل ہوگئے۔ نبوت کا مطلب بھی معین ہوگیا اور خلافتِ راشدہ کا مضمون بھی صاف آگیا۔

شاہ صاحبؒ کے انداز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابوبکرؓ کے دور کو عمرؓ کے دور کی تمہید سمجھتے ہیں اور عثمانؓ کے دور کو اس کا نتیجہ یا تکمیل اب اس تمام خلافت میں وہ اصلی چیز فاروق اعظمؓ پر توجہ کرتے ہیں اور فاروق اعظمؓ نے چونکہ کسریٰ و قیصر کی حکومت فتح کر کے ایک حکومت بنائی تھی۔ جو شاہ صاحب کی تفسیر میں مقصد تھا نزول قرآنی کا تو فاروق اعظمؓ کے کام کو وہ نبوت کے بعد قرآن کا بہترین مصداق مانتے ہیں اور وہ اسی پر وہ ساری قوت صرف کر دیتے ہیں، چونکہ وہ فاروقی ہیں، اس لئے وہ پوری ہمت سے اس مسئلہ کو واضح کرنے کی طبعی استعداد رکھتے ہیں اور جب ایک صدیق اعظم کی سیرت ایک صدیق لکھ دے تو پھر نبوت کے بعد بزرگوں کے معیار سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔

شاہ صاحبؒ کی کتابوں میں صاف نمایاں نظر آتا ہے کہ جس قدر وجدانی فیوض اپنے والد ماجد کے ذریعہ اُن کو حاصل ہوئے۔ اُن میں زیادہ تر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا واسطہ ہے۔ اس لئے وہ آئمہ اہلِ بیت سے قلبی محبتِ صحیح معنیٰ میں رکھتے ہیں۔ مگر ان کے طریقہ کو جس قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت تھی، ادھر وہ متوجہ نہیں ہوئے میں نے شاہ صاحب کے تتبعُ میں اس حصہ کو پورا کر لیا ہے اور وہ میرے خواص علوم میں سے ہے۔

دو اور محسن کتابیں

میری ایک محسن کتاب احکام القرآن، ابوبکر رازی ہے۔ اسلامی سیاستِ اجتماعی کے بعض ایسے مسائل جو حجۃ اللہ میں رہ گئے تھے، میں اسی کتاب سے حل کر سکا۔

یورپ میں میری سیاحت کے لئے مولوی الیاس صاحب برنی کی "علم المعیشت" بھی ایک محسن کتاب ہے۔ اگر یہ کتاب مجھے نہ ملتی تو میں کسی یورپین کے اقتصادی پروگرام کو سمجھنے کے قابل نہ ہوتا۔

دُعائے صحت

قطبِ وقت حضرتِ اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائپوری مدظلہ العالی سرپرست اعلیٰ جامعہ رشیدیہ اِس وقت صاحبِ فراش ہیں۔ حضرتِ اقدس کی صحت و عافیت کے لیے اہلِ دل حضرات سے دُعا کی درخواست ہے

(ادارہ)

یونس خلش

پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خلاف
قادیانیوں کی خوفناک سازش!

○ ڈاکٹر سلام کا سائنس فاؤنڈیشن کے بارے میں گمراہ کن تاثر!

قادیانی اور یہودی اصل میں دونوں ایک ہیں

ڈاکٹر عبدالسلام پاکستان کے بارے میں ایٹمی معلومات ہندوستان منتقل کر رہے ہیں!

اب تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ پاکستان کے ایٹمی اداروں میں کونسی انقلابی تبدیلی لائے ہیں!

محترم ابن نظام نے چٹان کے ۱۲ جنوری کے شمارے میں انکشاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام کو سائنس فاؤنڈیشن قائم کرنے کیلئے اسلامی کانفرنس نے ۵ کروڑ ڈالر کی منظوری دی ہے جب کہ ڈاکٹر سلام نے اسلامی کانفرنس سے ایک ارب ڈالر کا تقاضا کیا تھا۔ ڈاکٹر سلام نے ٹریسٹ اٹلی میں نظریات طبیعات کا بین الاقوامی مرکز قائم کیا ہے جس کے وہ ڈائریکٹر ہیں اس مرکز کو بین الاقوامی ایٹمی ادارے یونیسکو کا تعاون بھی حاصل ہے۔ ڈاکٹر سلام کے بقول یہ غیر سیاسی ادارہ ہوگا اور اسے مسلم ممالک کے سائنسدان چلائیں گے۔

ڈاکٹر سلام نے سائنس فاؤنڈیشن کے بارے میں یہ گمراہ کن تاثر دینے کی کوشش کی کہ جیسے اس ادارے کی پالیسی اور ورکنگ ان کے مشوروں کی مرہون منت ہے اسلامک سائنس فاؤنڈیشن کے ڈائریکٹر جنرل جناب احمد قطانی (مراکش) بڑے زیرک اور محب اسلام ایٹمی سائنسدان ہیں انہوں نے ڈاکٹر سلام کی چرب زبانی کا چوراہے میں بھانڈا پھوڑ دیا ہے اور ان کے ہتھکنڈوں میں آنے سے صاف انکار کر دیا ڈاکٹر سلام آجکل اسی نوع کا تاثر کویت میں دے رہے ہیں۔ کویت میں موصوف کی حیثیت اقوام متحدہ کے ایک نمائندے

کی ہے جس پر حکومت کویت کا کوئی کنٹرول نہیں ہے۔ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ قادیانی کس شاطرانہ عیاری سے اسلامی ممالک کے ایٹمی اداروں میں نقب لگا رہا ہے اور پاکستان میں ہماری مجلس ختم نبوت کس قدر خاموشی سے یہ سب کچھ برداشت کر رہی ہے یا تجاہل عارفانہ سے کام لے رہی ہے۔ اسلامک سائنس فاؤنڈیشن جدہ میں واقع ہے سعودی عرب کے بارے میں مشہور ہے کہ کوئی قادیانی وہاں پر دم نہیں مار سکتا مگر ڈاکٹر سلام کے وہاں آنے جانے پر کوئی پابندی نہیں وہ پوری یکسوئی اور اعتماد کے ساتھ جدہ میں تمام اسلامی ممالک کے ایٹمی پروگراموں پر نگاہ رکھے ہوئے ہے۔ اندازہ لگایئے کہ قادیانی کس قیامت کی چال چلتے ہیں اور سادہ لوح مسلمان کتنے وثوق سے فریب کا شکار ہو رہے ہیں۔ ڈاکٹر کس پایہ کے سائنسدان ہیں اور انہیں نوبل پرائز کس تحقیق کے صلہ میں ملا انہوں نے عالمی انعام حاصل کرنے کے بعد پاکستان کی کیا خدمات سرانجام دیں۔ یہ معمہ بھی کھل چکا ہے۔ پاکستان کے ایک مایہ ناز ایٹمی سائنسدان نے انکشاف کیا تھا کہ یہودیوں نے آئن سٹائن کی صد سالہ برسی کے موقع پر فیصلہ کیا تھا کہ نوبل پرائز اپنی لابی میں جانا چاہیے چنانچہ قرعہ فال ڈاکٹر سلام کے نام نکلا یوں ڈاکٹر سلام نوبل انعام یافتہ ہوئے ورنہ اہلیت کے اعتبار سے وہ اس عالمی انعام کے سزاوار نہ ہو سکتے تھے۔ ڈاکٹر نے عالمی اعزاز تو حاصل کر لیا مگر یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایٹمی میدان میں انتہائی استعداد کے بعد انہوں نے ملک کے لئے کونسا کارنامہ سرانجام دیا ہے؟ کس سائنسی شعبہ میں ان کی دریافت سامنے آئی کونسا معرکہ سر ہوا؟

ڈاکٹر قدیر نے کہوٹہ ریسرچ سینٹر میں کسی بھی قادیانی فرد کو ملازمت دینے سے انکار کر دیا

پاکستان کی طرف سے
ڈاکٹر سلام کو ترجمانی کا حق کس نے دیا؟

ooooooooooooo

یہ سوالات آج تک تشنہ جواب ہیں۔ ہم نے ان کے گلے میں پھولوں کے ہار تو ڈال دیئے سرکاری سطح پر ان کا پرتپاک استقبال کیا۔ صدر پاکستان ان کے خیر مقدم میں بچھ بچھ گئے۔ ملت اسلامیہ کے جذبات نے نیاز ہو کر انکی راہ میں پھولوں کی کہکشاں سجا دی گئی مگر اب تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ پاکستان کے ایٹمی اداروں میں کونسی انقلابی تبدیلی لائے ہیں؟ میری معلومات کے مطابق وہ کوئی خدمت انجام دینے کے بجائے پاکستان کے بارے میں ایٹمی معلومات ہندوستان منتقل کرنے کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ وہ پوری طرح

نگار رکھے ہوئے ہیں کہ پاکستان میں کوئی قابل اور ذہین سائنسدان ایٹمی اداروں تک رسائی حاصل نہ کرسکے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ڈاکٹر سلام پاکستان آتے ہیں تو چند ہفتے قیام کے بعد وہ ہندوستان کو عازم سفر ہو جاتے ہیں جہاں انکی راہ میں آنکھیں بچھادی جاتی ہیں کہا جاتا ہے کہ وہ بنگلور، بنارس اور ہندوستان کی دیگر بڑی درسگاہوں میں جدید سائنسی علوم پر لیکچر دیتے ہیں، لیکچر محض بہانہ ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ پاکستان کے کٹر دشمن ہندوستان کو اپنی تازہ ترین معلومات سے آگاہ کرتے ہیں۔ انڈیا انہی معلومات کی بناء پر عالمی سطح پر نوحہ کرنے لگتا ہے اور انکے اخبارات پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیتے ہیں یہ گھر کے بھیدی اسی طرح لنکا ڈھا رہے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ پاکستان کے سیاسی دانشور ڈاکٹر سلام کی علمیت کے قصیدے پڑھتے تھکتے نہیں۔

ڈاکٹر سلام ایک طویل عرصہ تک پاکستان میں سائنسی مشیر رہ چکے ہیں وہ مسٹر بھٹو کے سائنسی مشیر بھی رہ چکے ہیں جناب بھٹو نے انہی کے ایماء پر ڈاکٹر شہزاد صادق کو فرش سے اٹھا کر عرش پر بٹھا دیا تھا اور آئل اینڈ گیس کارپوریشن کے تمام وسائل انکی تحویل میں دے دیئے تھے۔

آئل اینڈ گیس کارپوریشن آج بھی قادیانیوں کے تصرف سے آزاد نہیں ہو سکی

ڈاکٹر شہزاد برسوں او جی ڈی سی میں سیاہ و سفید کے مالک رہے اور رفتہ رفتہ قادیانی لابی کے لوگوں کو اوپر لاتے رہے۔ بھٹو کے بعد انہیں ملک سے فرار ہونا پڑا مگر آج تک تیل اور گیس کی کارپوریشن قادیانی لابی کے تصرف سے آزاد نہیں ہو سکی۔ اب بھی انہی پر عنایات کی بارش ہو رہی ہے اور ہم اپنی کوتاہی اور غفلت پر کف افسوس مل کے رہ گئے ہیں۔ ڈاکٹر سلام جب تک مسٹر بھٹو کے مشیر رہے ان کی تمام صلاحیتیں قادیانی لابی کے لئے سرگرم رہیں۔ جناب بھٹو کچھ کچھ قادیانیوں کے عزائم سے باخبر ہو گئے تھے انہیں احساس ہو گیا تھا کہ انکے اقتدار کے گرد انکا دائرہ تنگ ہوتا جا رہا ہے۔

مسٹر بھٹو کے دور میں ایک سائنسی کانفرنس ہو رہی تھی کانفرنس میں شرکت کیلئے ڈاکٹر سلام کو دعوت نامہ بھیجا گیا یہ ان دنوں کی بات ہے جب قومی اسمبلی نے آئین میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا تھا۔ یہ دعوت نامہ جب ڈاکٹر سلام کے پاس پہنچا تو انہوں نے مندرجہ ذیل ریمارکس کے ساتھ اسے وزیر اعظم سیکرٹریٹ کو بھیج دیا

I do not want to set foot on this accursed land until the constitutional amendment is withdrawn.

ترجمہ : میں اس لعنتی ملک میں قدم نہیں رکھنا چاہتا جب تک آئین میں کی گئی ترمیم واپس نہ لی جائے ۔
مسٹر بھٹو نے جب یہ ریمارکس پڑھے تو غصے سے انکا چہرہ سرخ ہو گیا انہوں نے اشتعال میں آکر اسی وقت اسٹیبلشمنٹ ڈویژن کے سیکرٹری وقار احمد کو لکھا کہ ڈاکٹر سلام کو فوری طور پر برطرف کر دیا جائے اور بلا تاخیر نوٹیفیکیشن جاری کر دیا جائے ۔ وقار احمد نے یہ دستاویز ریکارڈ میں فائل کرنے کی بجائے اپنی ذاتی تحویل میں لے لی تاکہ اس کے آثار مٹ جائیں ۔ وقار احمد بھی قادیانی تھے یہ کس طرح ممکن تھا کہ اتنی اہم دستاویز فائلوں میں محفوظ رہتی اتنی دریدہ دہنی اور ڈھٹائی کے باوجود جب ڈاکٹر سلام پاکستان آتے ہیں تو انکی پذیرائی میں سرکار کی باچھیں کھل جاتی ہیں اور انکا شایان شان خیر مقدم کیا جاتا ہے وطن عزیز کی رسوائی اور حد درجہ بے حرمتی کرنیوالے اس ڈاکٹر کی پذیرائی کا سلسلہ آج بھی جاری ہے ۔

مارشل لاء کے فیض یافتہ اور سابق وزیر تعلیم مسٹر محمد علی ہوتی کو ڈاکٹر سلام کا کلاس فیلو ہونیکا افتخار حاصل ہے ڈاکٹر سلام جب پنجاب یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہے تھے تو جناب ہوتی نے ان دنوں سخت احتجاج کیا تھا کہ سلام قادیانی ہے اس کا کھانا الگ کیا جائے ۔ چند دن ہوئے مجھے ڈاکٹر سلام کے ایک پرانے رفیق اور ہم جماعت سے ملاقات کا موقع ملا انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر سلام جب کبھی پاکستان آتے ہیں تو یونیورسٹی کی پرانی یادیں تازہ کرنے کیلئے ان کے پاس مختصر قیام ضرور کرتے ہیں ۔ ڈاکٹر سلام نے انہیں بڑے فخر سے بتایا کہ محمد علی ہوتی جس نے ہوسٹل میں انکا کھانا الگ کر دیا تھا آج کل اسلام آباد ایئر پورٹ پر گاڑی لے کر حاضر ہو جاتا ہے اور خوش آمدید کا یہ منظر بڑا ہی دیدنی ہوتا ہے نفرت ، محبت کے قدموں کی طرح سجدہ ریز ہوئی اس اسرار سے سابق وزیر تعلیم ہی پردہ اٹھا سکتے ہیں تاہم دانائے راز یہی کہتے ہیں کہ ڈاکٹر سلام کی خوشنودی کے طالب اچھی طرح جانتے ہیں کہ عہدہ و منصب کی تقسیم میں ڈاکٹر سلام کی کرم فرمائی اور نوازش شامل ہوتی ہے ۔

مجھے اس نابغہ روزگار کی بات دل کو لگتی ہے جس نے کہا تھا کہ پاکستان میں کوئی سیاسی جماعت اس وقت تک برسر اقتدار نہیں آسکتی جب تک اسے قادیانیوں کا غیر معمولی التفات میسر نہ ہو ۔ انگلستان کا یہ پودا اب تناور پیڑ کی شکل اختیار کر چکا ہے اور اس کی جڑیں ملک کے چاروں طرف پھیل رہی ہیں ۔ انگریز کا آفتاب جب تک برصغیر پر قائم رہا اس نے ان ہی افراد کو عہدوں سے نوازا جو یا تو قادیانی تھے یا انکے منظور نظر تھے اس طرح وہ ایک ایسی لابی قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے جو آج بھی ان کے افکار اور مفادات کی پروٹیکشن کر رہی ہے ۔ مجھے اس میں کوئی شبہ نظر نہیں آتا کہ آج ملک میں ہماری دینی جماعتوں کے درمیان تکفیر کی حد تک جو اختلافات پیدا ہوئے ہیں ان کے پیچھے قادیانی منصوبہ بندی اور سازشوں کی بساط کام کر رہی ہے ۔ وہ اسلامی نظام کی داعی جماعتیں جن کی اجتماعی قوت اسلام کے دشمنوں کے خلاف استعمال ہونا تھی ایک دوسرے کو پچھاڑنے میں صرف ہو رہی ہے مسجدیں کفر و تکفیر کے فتووں کی آماجگاہ بن چکی ہیں اور اسلام کا آفاقی نظام عام آدمی کے دل و نگاہ سے محو ہوتا جا رہا ہے ۔ وہ چھوٹی سی اقلیت ، جو مرزا غلام احمد کے فریب خوردہ انکا

پر قائم ہوئی تھی اس کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے یقین نہ آئے تو مساجد میں جا کر علمائے دین کی تقریریں سن کر دیکھ لیں جہاں اسلام کی بجائے فروعی خیالات اور مسلک کی حکمرانی قائم ہو چکی ہے۔

انگریز کی پروردہ یہ تنظیم زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی شاخیں پھیلا رہی ہے اور سرکاری محکموں میں دخیل ہونے کی حد تک اثر انداز ہو رہی ہے۔ اس کے اثرات ختم کرنے کے لئے صحیح طریقے سے منصوبہ بندی نہیں کی گئی۔ حساس محکمے اس کی دست برد سے کل محفوظ تھے نہ آج۔ اس کے ایجنٹ خود کو لبرل ثابت کرتے ہیں اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے عمل کو محض ملاؤں کی تنگ نظری اور کج اندیشی سے منسوب کرتے ہیں۔ ملا کا لفظ گالی بن کے رہ گیا ہے اور کوئی فرد رجعت پسند کہلوانے کے لئے آمادہ نہیں۔ بعض لوگ بڑی معصومیت اور سادہ لوحی سے سوال کرتے ہیں کہ ان مولویوں نے ہنگامہ برپا کر رکھا ہے کیا پاکستان میں اقلیت کو تحفظ حاصل نہیں؟ کیا یہاں ہندو، سکھ، عیسائی اور پارسی نہیں رہتے؟ انہیں اگر شہری حقوق اور تحفظات حاصل ہیں تو قادیانی اس سے کیوں محروم ہیں؟ آخر تان آ کر یہیں ٹوٹ جاتی ہے کہ یہ چند گمراہ مولویوں کے ذہن کا شاخسانہ ہے ایک معروف کالم نویس نے قادیانیوں کا دفاع کرتے ہوئے لکھا کہ انہیں تو پاکستان میں بسنے والی تمام اقلیتوں سے زیادہ حقوق اور تحفظ ملنا چاہیے کوئی شک نہیں کہ پاکستان میں کئی اقلیتیں سکونت پذیر ہیں اور ریاست نے انکے حقوق محفوظ کئے ہیں مگر آج تک کسی عیسائی یا ہندو نے اٹھ کر یہ باطل دعویٰ نہیں کیا کہ وہ مسلمان ہے عیسائی اپنے آپ کو عیسائی سمجھتے ہیں اور ہندو خود کو ہندو کہلواتے ہیں اگر کوئی شخص بر سر عام اعلان کرے کہ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کے علاوہ وہ بھی صدارت کے عہدے پر متمکن ہے تو ۹ کروڑ عوام اسے پاگل سمجھنے میں ایک لمحہ کیلئے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ کیا حکومت یا ریاست اس قسم کے باغیانہ نعرے کو برداشت کر سکتی ہے؟ مرزا غلام احمد نے ببانگ دہل اپنے آپ کو نبی کہا ہے نبوت کے جھوٹے دعویدار اور فرقہ دجل کو کس تحمل سے برداشت کیا گیا؟ اس کے پیروکار اور انکے خیر اندیش ملت اسلامیہ کو تلقین کرتے ہیں کہ قادیانیوں کو تمام اقلیتوں سے زیادہ حقوق دیے جائیں جبکہ وہ اعلانیہ اور وا شگاف کہتے ہیں کہ اسرائیل میں ہمارے مشن میں یہودیوں کے وہی دوست ہو سکتے ہیں جو پاکستان اور عالم اسلام کے دشمن ہیں۔

اٹیمی کمشن میں ۲۵ کے قریب قادیانی اعلیٰ منصب پر براجمان ہیں!

ان میں ڈاکٹر سلام کا بھائی بھی شامل ہے!

پچھلے دنوں اسرائیل کے ایک اخبار یروشلم پوسٹ کے صفحہ اول پر تصویر شائع ہوئی جس میں قادیانی مشن کے

سربراہ نے اسرائیل کے صدر کا اس بات پر شکریہ ادا کیا کہ اس نے انہیں مکمل آزادی دی اور ان سے تعاون کیا فلسطینیوں کو بے گھر اور بیت المقدس کی بے حرمتی کرنیوالے یہودیوں کے انہی کے ساتھ تعلقات قائم ہو سکتے ہیں جو ۹۰ کروڑ مسلمانوں کے دینی جذبات سے کھیل رہے ہیں۔

ہمارے یہ لبرل دانشور جو قادیانیوں کو فتنہ اور غیر مسلم قرار دینے والے پر رجعت پسندی کی پھبتی کستے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مسٹر بھٹو کوئی مولوی نہ تھے اور نہ کوئی رجعت پسند لیڈر، بلکہ سزائے موت پانے سے پہلے انہوں نے شیو کا سامان طلب کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں مولوی کی موت مرنا نہیں چاہتا۔

"I do not want to die like molvi death" ....

مسٹر بھٹو سے ہزار اختلافات کی گنجائش ہے مگر کوئی شخص ان سے یہ اعزاز چھین نہیں سکتا کہ انہوں نے قادیانیوں کے خلاف تحریک کی پرورش کی اور بالآخر انہیں ۱۹۷۴ء کے آئین میں غیر مسلم قرار دیکر دم لیا یہ اتنا بڑا کریڈٹ ہے کہ آخرت میں ان کے لئے ذریعہ نجات بھی بن سکتا ہے۔ چٹان کے بانی آغا شورش کاشمیری نے مسٹر بھٹو کے نظریات کے خلاف ایک طولانی جنگ لڑی جیل میں گئے اور ناقابل برداشت صعوبتیں جھیلیں مگر جب بھٹو نے آئین میں ترمیم کی تو انہوں نے تمام اختلافات سے بالاتر ہو کر انہیں زبردست خراج تحسین پیش کیا حالانکہ انکے رفقا ان سے متفق نہ تھے مگر آغا صاحب نے انہیں کہا کہ آج اگر مسٹر بھٹو کے اچھے کاموں کی حوصلہ افزائی نہ کی گئی تو وہ آئندہ کوئی اچھا کام نہیں کرینگے تم اگر میرا ساتھ نہیں دینا چاہتے تو نہ دو میں تنہا اس شخص کو مبارکباد پیش کرونگا جس نے ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کو قائم رکھا چنانچہ یہ کہنا کہ قادیانیوں کو کافر قرار دینا محض علما کی بصیرت کی تنگی ہے سراسر خلاف حقیقت ہے۔

یہ قادیانی گماشتہ انتہائی عیاری سے اسلامی ممالک کے ایٹمی اداروں میں نقب لگا رہا ہے

مسٹر بھٹو نے اپنے دور میں کہوٹہ ریسرچ سنٹر کا سنگ بنیاد رکھا اور ممتاز ایٹمی سائنسدان جناب اے کیو خان کو ہالینڈ سے بلا کر کہا آپ کام کریں اور اس سلسلہ میں بھاری اخراجات کی فکر نہ کریں۔ کہوٹہ سنٹر کے قیام کے فوراً بعد یہودی حرکت میں آ گئے انہوں نے ڈاکٹر قدیر خاں کے خلاف سازش کا جال پھیلانا شروع کر دیا۔ یہ ڈاکٹر صاحب کے علم و فن کا اعجاز تھا کہ وہ نہایت قلیل وقت میں پاکستان کو یورانیم کی افزودگی میں بھارت کے مقابلے میں بہت آگے لے آئے۔ یہ بات یہود کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی رہی چنانچہ ایک منظم منصوبہ

کے تحت ڈاکٹر صاحب پر ایٹمی راز کو چرانے کا شوشہ چھوڑ گیا۔ ہالینڈ کی عدالت میں ڈاکٹر صاحب کی عدم موجودگی میں مقدمہ چلا کر یکطرفہ فیصلہ کرایا گیا تاکہ ڈاکٹر صاحب کو قوم کی نظروں سے گرادیا جائے۔ اہل پاکستان نے ڈاکٹر صاحب کے گلے میں گولڈ میڈل پہنا کر اپنے جذبات کا نذرانہ پیش کیا وہ اس سے بھی بڑے اعزاز کے مستحق ہیں گولڈ میڈل انکی خدمات کے صلے میں بڑی حقیر چیز ہے نوبل پرائز بھی انکے جاوداں کارنامے اور خدمات کا متحمل نہیں ہو سکتا لیکن ۹ کروڑ پاکستانیوں کے دل ڈاکٹر صاحب کے لئے دھڑکتے ہیں جذبوں کا یہ خراج تمام عالمی انعامات سے سوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو فقط اہل پاکستان کی محبتیں اور جذبات سے معمور دھڑکنیں انکی آسودگی کے لئے کافی ہیں ویسے بھی انکے پایہ کی شخصیت عالمی اعزاز اور میڈلوں سے بالاتر ہے۔ اہل وطن کی نگاہیں ہر وقت ان کیلئے فرش راہ رہتی ہیں یہ افتخار بانی پاکستان کے بعد اگر کسی شخص کے حصہ میں آیا ہے تو وہ فقط ڈاکٹر قدیر خاں ہیں جو ۹ کروڑ آنکھوں میں محو خرام ہیں۔

ڈاکٹر اے کیو خان کے خلاف قادیانی سرگرم ہے

ڈاکٹر اے کیو خاں کے خلاف قادیانی ٹولہ اس لئے بھی سرگرم ہے کہ انہوں نے کہوٹہ ریسرچ سنٹر میں کسی قادیانی فرد کو ملازمت نہیں دی جبکہ ایٹمی توانائی کمیشن میں ۲۵ کے قریب قادیانی اعلیٰ مناصب پر فائز ہیں جن میں ڈاکٹر سلام کا بھائی بھی شامل ہے

معتبر ذرائع سے اطلاعات ملی ہیں کہ ڈاکٹر عبدالسلام جب پاکستان آتے ہیں تو ایٹمی توانائی کمیشن کراچی کے گیسٹ ہاؤس میں انکے قیام و طعام کا انتظام کیا جاتا ہے وہ جناب منیر احمد خاں کو فون کرتے ہیں تو موصوف عالم شوق میں کراچی پہنچ جاتے ہیں وہیں اہل دل کی محفل سجتی ہے اور کسی نامہ و قاصد کے بغیر پیغام پہنچتے ہیں ڈاکٹر سلام دہلی ہندوستان کیلئے رخت سفر باندھتے ہیں وہ وہاں کی معروف درسگاہوں میں اپنے بلیغ و فصیح لیکچر سے اہل علم کی تشنگی بجھاتے ہیں۔

ایک دانائے راز کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام کی نگاہ ملک کے ان تمام افراد پر مرکوز ہے جو جدید اور ایٹمی علوم پر دسترس رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا کام یہ ہے کہ وہ ایسے تمام حضرات کو ایٹمی اداروں سے دور رکھیں تاکہ پاکستان میں کوئی جوہر قابل سامنے نہ آسکے۔ مجھ تک موصول ہونیوالی اطلاعات کے مطابق ایسے کئی ذہین سائنسدان ڈاکٹر سلام کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ ڈاکٹر سعید زاہد اس سلسلے میں سرفہرست ہیں۔ ڈاکٹر زاہد ملک کے مایہ ناز ایٹمی سائنسدان ہیں انہوں نے آسٹریلیا کے ایٹمی توانائی کمیشن کے چیئرمین سر جان فلپ بیکرڈ کے ساتھ کام کیا اس کے بعد امریکہ چلے گئے جہاں انہوں نے نہایت امتیازی حیثیت سے دو کورس کئے، شکاگو کی شہرت یافتہ ایٹمی تجربہ گاہ آرگان نیشنل لیبارٹری سے نیوکلیئر انجینئرنگ کا کورس مکمل کیا اور اوکرج میں نیوکلیئر ری ایکٹر ہینیرڈ کا کورس کیا ڈاکٹر زاہد اپنے

فیلڈ میں یکتا سائنسدان ہیں جنہوں نے نیوکلیر ری ایکٹر ہنیر رڈ کی ڈگری حاصل کی۔ پاکستان میں پنسٹک کی منصوبہ اور بلڈنگ کو ڈیزائن کرنے میں اس یکتائے روزگار سائنسدان کی شبانہ روز مساعی اور کاوشوں کا گہرا دخل ہے امریکہ کے چوٹی کے ایٹمی سائنسدانوں نے ڈاکٹر سعید زاہد کی غیر معمولی صلاحیتوں کا اعتراف کیا ہے بلکہ نیوکلیر ری ایکٹر کے بارے میں انکی بیش قیمت رائے کا احترام کیا ہے آج پاکستان کا یہ عظیم سائنسدان اسلام آباد میں کس مپرسی کی زندگی بسر کر رہا ہے اسے پنشن تک سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اسلام آباد میں نیوکلیر سائنسدانوں کے کوٹہ میں انہیں ایک کنال کا پلاٹ دیا گیا جسے بعد ازاں واپس لے لیا گیا۔ ڈاکٹر سعید زاہد کی وہ خطا کیا تھی جس کی پاداش میں انہیں پنشن اور رہائشی سہولت سے بھی محروم کر دیا گیا انکا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ ڈاکٹر سلام کو استقبالیہ دینے کیلئے آمادہ نہیں تھے جبکہ حکومت کی طرف سے انہیں ری سپشن دینے کی ہدایت کی گئی تھی۔ ڈاکٹر سلام انکی گستاخی کس طرح برداشت کر سکتے تھے۔ ڈاکٹر زاہد کا انکار سلام کی طبع نازک پر گراں گزرا چنانچہ انہیں سائنس فاؤنڈیشن سے فارغ کر دیا گیا کیونکہ ڈاکٹر سلام کی ہر بات آج بھی جانِ غزل کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ افریقہ کی ایک ریاست میں حکومتِ پاکستان کے مصارف پر جو تبلیغی مشن روانہ کیا جاتا ہے انکا کثیر زرِ مبادلہ قادیانیوں کے لئے استعمال ہو رہا ہے۔ تبلیغی مشن پر جانیوالے وفد کے تمام اراکین قادیانیوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اسلامی ریاست کا خزانہ غیر مسلموں کیلئے آج بھی کھلا ہے نہ کوئی احتساب نہ باز پرس۔ کس سے داد فریاد کی جائے۔ ؎

کون سنتا ہے فغانِ درویش ؟

ایم ایم احمد کے زمانے میں بھی یہی دستور رائج تھا اس وقت کسی سرپھرے نے قومی اسمبلی میں سوال اٹھا دیا تھا کہ قوم کو اعتماد میں لیا جائے کہ حکومت پاکستان قادیانیوں کو تبلیغ دین کیلئے بھاری اخراجات کیوں برداشت کر رہی ہے؟ جب یہ سوال متعلقہ وزارت میں پہنچا تو ایم ایم احمد نے اس کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ اس کے بعد کسی مردِ حر نے جرأت نہ کی۔ آج بھی قومی اسمبلی میں یہ سوال اٹھ جائے تو ایوان کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں، اہلِ وطن کو معلوم ہو جائے کہ کتنا کثیر زرِ مبادلہ قادیانیوں کے مشن پر اٹھ رہا ہے یہ سوال بھی جانگسل ہے کہ ڈاکٹر سعید زاہد کو ڈاکٹر سلام کی خواہشات اور مفادات کی نذر کیوں کیا گیا انہیں راستے کا پتھر سمجھنے والے اپنے کن آقاؤں کیلئے دستِ تعاون دراز کئے بیٹھے ہیں ؎

یہ کس کافر کا غمزہ خون ریز ہے ساقی

میری معلومات کے مطابق حکومتِ عراق اپنے ایٹمی پروگرام کے فروغ کیلئے ڈاکٹر زاہد کی علمی اور سائنسی استعداد سے استفادہ کرنا چاہتی ہے مگر پاکستان کا یہ ممتاز سائنسدان قادیانی سازش کا شکار ہو کر گمنامی اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے نوکر شاہی کی چیرہ دستیوں سے اس کا سینہ فگار اور دل چھلنی ہو چکا ہے۔ جس شخص نے نیولر فیکٹری کو ابتدائی مرحلے میں نئی زندگی دی اسکی ڈیزائننگ میں اپنی صلاحیتیں

صرف کیں۔ سائنسی فاؤنڈیشن کو نئی سمتیں عطا کیں جدید سائنسی علوم پر یدِطولیٰ رکھنے والا یہی شخص دیارِ وطن میں بے یار و مددگار ہے اور شہرِ خوباں میں اپنے بنیادی حقوق سے محروم ہے اور ادھر جناب جونیجو کچی آبادی کے مکینوں کو مالکانہ حقوق دینے چلے ہیں نظامِ اسلام کا چرچا ہے اور حقوق العباد سے بے نیازی کا مظاہرہ ہو رہا ہے

بیان کیا جا چکا ہے کہ ڈاکٹر سعید زاہد کا قصور فقط یہ تھا کہ انہوں نے ڈاکٹر سلام کو ری سپشن دینے اور اس میں شرکت سے معذوری ظاہر کی تھی۔ استقبالیہ میں عدمِ شرکت پر انہیں سیکرٹری کی طرف سے ناپسندیدگی (Displeasure) کا پیغام پہنچایا گیا۔ ڈاکٹر سلام نے آخر اپنی ۲۱۵ کا کانٹا صاف کر کے ہی سکھ کا سانس لیا تاہم ڈاکٹر اے کیو خاں کو وہ اب تک اسیر نہیں کر سکے حالانکہ ڈاکٹر قدیر انکی عقابی نگاہوں میں شروع دن سے ہی کھٹک رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے ایک بالمشافہ ملاقات میں ڈاکٹر سلام کے نوبل پرائز کی پردہ داری کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہودیوں نے آئن سٹائن کی صد سالہ برسی کے موقع پر ڈاکٹر سلام کو عالمی انعام دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس انٹرویو کی اشاعت پر قادیانیوں نے طوفان کھڑا کر دیا تھا صدرِ پاکستان پر دباؤ ڈالا گیا کہ ڈاکٹر قدیر اپنے بیان کی تردید کریں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قادیانیوں کی براہِ راست کہاں تک رسائی ہے اور وہ چلمن کے پیچھے بیٹھ کر کہاں سے تار ہلاتے ہیں؟

پاکستان کے ممتاز جیالوجسٹ نے نوائے وقت کے چیف رپورٹر جناب انور فیروز سے انٹرویو کے دوران لرزہ خیز انکشاف کیا تھا انکا یہ بیان "نوائے وقت" کے جمعہ میگزین میں شائع ہوا ہے جس کی تردید آج تک نظر سے نہیں گزری۔

"میں نے ۱۹۶۷ء میں پہلی بار یورانیم دریافت کیا اور اس کو اعلیٰ کوالٹی کے نتائج حاصل کئے یہ سابق صدر ایوب کیلئے چونکا دینے والا انکشاف تھا کیونکہ ایٹمی توانائی کمیشن کے چیئرمین ڈاکٹر عثمانی کہہ چکے تھے کہ پاکستان میں یورانیم نہیں ہے ایوب خاں سے میری ملاقات کے چند دن بعد ڈاکٹر عثمانی کو چیئرمین کے عہدے سے فارغ کر دیا گیا اس نے ایوب خاں کو اس لئے اندھیرے میں رکھا کہ یورانیم کی مد سے کمیشن کو بہر طور بھاری رقم مل سکتی تھی ایوب خاں نے ایٹمی ادارے کے ڈاکٹر غنی سے کہا کہ وہ میرے ساتھ گلگت جائیں ڈاکٹر غنی نے میری کوششوں کی تعریف کی انکی واپسی کے بعد میں نے کوششیں تیز کیں اور ۲۰ کلوگرام یورانیم نکالا اور پھر ایوب خاں سے ملا۔ ایوب خاں نے ہدایت کی کہ فرانس سے ماہرین کی ٹیم بلائی جائے جو ان علاقوں کا سروے کرے۔ ٹیم گلگت گئی اور صدر کو رپورٹ دی میں ۱۹۶۸ء کے شروع میں ایوب خاں سے پھر ملا جنہوں نے مجھے راولپنڈی بلا کر بھاری انعام دینے کا اعلان کیا مگر انہیں مہلت نہ مل سکی ان کے خلاف تحریک شروع ہو گئی وہ اقتدار چھوڑ کر چلے گئے انکے جانے کے بعد یورانیم کی تلاش کا منصوبہ غائب ہو گیا۔ ایک جیالوجسٹ یورانیم کی تلاش میں دلچسپی رکھتا تھا اسے برطرف کر دیا گیا وہ ملک سے باہر چلا گیا اور دوسرے ملک کو فائدہ پہنچا رہا ہے"۔

"ایٹمی توانائی کمیشن کے موجودہ چیئرمین نے عہدہ سنبھالا تو مجھے ۲۴۰۰ روپے ماہانہ کی پیشکش کی۔ پہلے ماہ تنخواہ دی گئی دوسری بار مشروط کردی گئی کہ میں اخباری بیان دوں کہ میرا پہلا موقف جو سرکاری فائلوں میں تھا وہ غلط تھا میرے انکار پر میری ملازمت ایک ماہ بعد ختم کردی گئی"

جناب منیر احمد خاں نے تادم تحریر شیرخان کے الزام کی تردید نہیں کی

ملاحظہ فرمایا آپ نے! شیر خاں کے پاس ۸ ہزار کلوگرام یورانیم پڑا ہے جسے ایٹمی توانائی کمیشن خریدتی ہے نہ حکومت فروخت کرنیکی اجازت دیتی ہے۔ یاد رہے کہ ایک ایٹم بم کی تیاری میں دس کلوگرام یورانیم درکار ہوتا ہے ایٹمی توانائی کمیشن کے چیئرمین نے محض اس لئے شیر خاں کو ملازمت سے برطرف کر دیا کہ اس نے پاکستان میں یورانیم کے بھاری ذخائر کی تردید سے صاف انکار کر دیا تھا۔ شیر خاں نے سابق وزیر پیٹرولیم اور راولپنڈی یونین آف جرنلسٹس کے گولڈ میڈلسٹ کو متعدد خطوط لکھے۔ امریکہ سے قومیت حاصل کرنے والے ڈاکٹر اسد نے مکتوب نگار کو جواب تک دینے کی زحمت نہ کی۔ شیر خاں نے صدر سے کہا کہ اگر مجھے ملاقات کا وقت عنایت کیا جائے تو وہ ان تمام چہروں کو بے نقاب کر سکتے ہیں جو پاکستان میں ایٹمی پروگرام کے خلاف سرگرم عمل ہیں اور نہیں چاہتے کہ ہمارا ملک ایٹمی قوت بنے

ایٹمی توانائی کمیشن کے چیئرمین جناب منیر احمد خاں نے تادم تحریر شیر خاں کے الزام کی تردید نہیں کی راولپنڈی کے ایک مقامی ہفت روزہ نے یہ شدید الزام عائد کیا ہے کہ اس ادارے میں قادیانی یعنی بھارت اور اسرائیل کے ایجنٹ موجود ہیں۔ ایک منصوبے کے تحت قادیانیوں کی ایک بڑی کھیپ کو ایٹمی توانائی کمیشن میں انتہائی اہم مقامات پر فائز کیا گیا ہے۔

جناب منیر احمد خاں نے اردو ڈائجسٹ سے ایک تفصیلی انٹرویو میں یہ خوش رنگ دعویٰ کیا تھا کہ وہ ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ مقامی طور پر تیار کر سکتے ہیں۔ انکا دعویٰ ابھی تک شرمندہ تکمیل نہیں ہو سکا ۷۷ ۱۹ء میں انہوں نے روزنامہ جنگ میں قوم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اب ہر سال ایٹمی ری ایکٹر لگائیں گے۔ وقت نے اس دعویٰ کو بھی باطل ثابت کر دیا ہے۔ ہمارے پاس لے دے کے صرف ایک ایٹمی ری ایکٹر موجود ہے جو برقی توانائی کیلئے کراچی میں نصب کیا گیا ہے۔ ۱۲۵ میگاواٹ کا یہ ری ایکٹر ناقص کارکردگی کے باعث سوالیہ حالت میں نہیں ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ ۱۲۵ میگاواٹ کا پوری دنیا میں یہ واحد ری ایکٹر ہے جبکہ بالعموم ۵۰۰ یا ۱۰۰۰ میگاواٹ کا حامل ری ایکٹر ہوتا ہے۔ تحریک استقلال کے سربراہ جناب اصغر خاں نے بھی ایٹمی توانائی کمیشن کو چیلنج کیا ہے اور کہا ہے کہ ۱۲۵ میگاواٹ کا حامل یہ ری ایکٹر صحیح حالت میں کام کرنے سے

قاصر ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ بھارت کے پاس ایٹمی ری ایکٹروں کی تعداد بارہ کے لگ بھگ ہے۔
ڈاکٹر عفاف نے روزنامہ "مسلم" کے ۹ مارچ کے شمارے میں پاکستان کے نیوکلیئر پروگرام کی ناکامی کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ہندوستان کے ایٹمی توانائی کمیشن میں بے شمار پی ایچ ڈی سائنسدان کام کر رہے ہیں جب کہ منیر احمد خاں جو گذشتہ چودہ سال سے مسلسل ایٹمی توانائی کمیشن کے سربراہ چلے آرہے ہیں نہ تو ڈاکٹر ہیں اور نہ ہی نیوکلیئر انجینئرنگ میں انہوں نے کوئی ڈگری حاصل کی ہے وہ صرف الیکٹریکل انجینئرنگ میں ایم ایس سی ہیں انہوں نے چودہ سال میں کوئی قابل ذکر کارنامہ سرانجام نہیں دیا" منیر احمد خاں کی عمر ۶۰ سال کے قریب پہنچ چکی ہے وہ ریٹائرمنٹ کے قریب ہے لیکن اپنی ملازمت میں توسیع حاصل کرنے کیلئے انہوں نے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیے ہیں۔ داد دیجئے کہ انہوں نے سفارش کے لئے کیا خوبصورت منصوبہ تیار کیا ہے کوئی تعجب نہیں کہ انہیں اب تک اپنے منصوبے میں کامیابی ہو بھی چکی ہو۔
مارچ کے آخر میں ایٹمی توانائی کے بین الاقوامی ادارے کے ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر سیگواڈ ایکلونڈ کو خصوصی طور پر پاکستان آنیکی دعوت دی گئی ڈاکٹر سیگواڈ نے صدر پاکستان سے بھی ملاقات کی اور بعد ازاں نیوز کانفرنس سے خطاب کیا۔ انہوں نے اخباری نمائندوں کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ پاکستان نے ایٹمی توانائی کے پرامن مقاصد خاص طور پر میڈیسن اور زراعت کے شعبوں میں زبردست ترقی کی ہے پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کے معائنہ کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ ان تنصیبات کی دیکھ بھال اور سب سے بڑھ کر پاکستانی سائنسدانوں سے بڑے متاثر ہوئے ہیں۔ پاکستان کے ایٹمی توانائی کمیشن کو اس عظیم الشان کارکردگی کے پیش نظر بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ایٹمی ٹیکنالوجی میں پاکستان کا مستقبل بڑا روشن ہے۔ ڈاکٹر سیگواڈ نے پنسٹک کا بطور خاص حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ پنسٹک ٹریننگ سکول میں سائنسدانوں کی تعلیم و تربیت کا معیار بڑا قابل تعریف ہے۔
ڈاکٹر سیگواڈ کا یہ ستائشی بیان باخبر لوگوں کے پاکستان کے نامور سائنسدان واحد ری ایکٹر کو کام میں نہیں لا سکے تو مزید فراہم کرنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے یہ رویہ پاکستانی سائنسدانوں کو نااہل اور مشکوک بنانے کے مترادف ہے اور اصغر خاں وہی جواز پیش کر رہے ہیں جو امریکہ اور فرانس شروع دن سے کہتے چلے آرہے ہیں
ہندوستان پاکستان کے خلاف تین مرتبہ جارحیت کر چکا ہے ہمارے مدمقابل ایک ایسا دشمن ہے جو کسی بھی لمحہ شب خون مارنے سے گریز نہیں کریگا۔ ہم دشمن کے بھیانک جائزہ اور اسکے ایٹمی پروگرام کی خوفناک تیاریوں سے آنکھیں نہیں بند کر سکتے اسے جس دن ہماری کمزوری کا عرفان حاصل ہو گیا وہ جنگ و جدل سے دریغ نہیں کریگا یہی باعث تو پاکستانی عوام جذباتی ہو رہے ہیں۔ پاکستانی عوام کو جنگ و قتال سے کوئی دلچسپی نہیں مگر وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ کوئی انکو ہڑپ کر جائے انہیں وطن کے دفاع کا پورا پورا حق حاصل ہے سیاستدان جو پبلک کے جذبات اور حمایت سے اقتدار کی کرسی پر بیٹھنے کے خواب دیکھتا ہے اسے عوام کے اجتماعی احساسات کی ترجمانی کا فریضہ ادا کرنا چاہیے۔ ہندوستان کی وکالت کا طوق گلے میں لٹکا کر قوم کی خدمت

پروفیسر نور محمد غفاری

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے شریعت مطہرہ کے ایک ایک حکم میں ایسی مصلحتیں رکھی ہیں کہ اگر دنیا بھر کے افلاطون جمع ہوکر غور و خوض کریں تو انکی گردِراہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ مگر حج ایک ایسا رکن ہے جس کے مصالح اتنے ہی بے شمار ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ لوگوں میں حج کی منادی کریں تو ساتھ ہی یہ فرمایا کہ لوگوں کو ترغیب دیں کہ وہ آئیں اور حج کے فوائد ملاحظہ کریں۔ قرآن حکیم میں آتا ہے وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۝ لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ اور لوگوں میں حج کی منادی کردو آویں گے تیرے پاس پیدل چل کر اور ہر دبلے اونٹ پر سوار ہوکر (الحج ۲۷) تمہارے پاس ہر دور کی مسافت سے آویں گے تاکہ وہ (حج میں پوشیدہ) منافع دیکھ لیں۔

آئیے۔ ذرا ان منافع اور مصالح کا جائزہ لیں۔ ہم انہیں تین حصوں میں تقسیم کریں گے ۱۔ انفرادی ۲۔ اجتماعی ۳۔ خالص دینی اور اخروی

انفرادی مصالح

ا۔ احساسِ عبدیت احساسِ عبدیت یعنی بندہ ہونیکا احساس۔ یہ وہ احساس ہے جو ایک انسانی زندگی کے مقصد کا تعین کرتا ہے۔ دوسرے انسان کو اس مقصد کے تحت زندگی گذارنے کیلئے تیار کرتا ہے۔ احساس عبدیت پیدا کرنیکا بھلا اس سے بڑھ کر اور کیا ذریعہ اور طریقہ ہوسکتا ہے کہ آدمی اپنے وطن گھر، اعزہ و اقارب اور اپنی محبوب اشیاء سبھی کو چھوڑ کر نکل کھڑا ہو اور جہاں اسے جانے کا حکم دیا گیا ہے وہاں بھی اسے اپنی مرغوبات کو چھوڑنا ہوگا۔ تعیشات کو خیرباد کہہ کر ہر قسم کی مشکلات کو برداشت کرنا ہوگا۔ مگر ان سب کے باوجود وہ جس کا اپنے آپ کو بندہ تصور کرتا ہے اس کا حکم ماننے کیلئے یہ سب کچھ کرنیکو تیار ہے

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہدے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

ب۔ اظہارِ محبوبیت حج اظہارِ محبوبیت کا ذریعہ ہے۔ یہ ایک لطیف نکتہ ہے جو ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ فریضۂ حج میں عبدیت سے محبوبیت زیادہ ہے۔ عبدیت سے مجبوری اور بیچارگی جھلکتی ہے جبکہ محبوبیت سے پیار اور تعلق کا مفہوم مترشح ہوتا ہے۔ جب حاجی گھر سے روانہ ہوتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ کسی پیارے سے ملنے جا رہا ہے۔ جب احرام باندھتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اسکی محبت میں تمام تعیشات کو بھول گیا ہے۔ جب اس کی نگاہ بیت اللہ شریف پر پڑتی ہے تو مستانہ

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ (تلبیہ) "حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں۔ بیشک ہر قسم کی تعریف کا تو ہی سزاوار ہے، نعمت تیری ہے، بادشاہی تیری ہے کوئی تیرا شریک نہیں" کا نغمہ حجازی الاپنے لگ جاتا ہے۔ پھر وہ ہر لمحہ اور ہر آن چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے یہ کلمات وردِ زبان بنائے رکھتا ہے۔ اب اسے بندہ نہیں عاشق کہئے۔ جس سے عشق کرتا ہے اس کا ذکر ہر وقت زبان پر جاری رکھتا ہے

وَحَقِّكُمْ مَا لَذَّ لِيْ غَيْرُ ذِكْرِكُمْ
وَذِكْرُ سِوَاكُمْ فِيْ فَمِيْ قَطُّ لَا يَحْلُوْ

ترجمہ: اور تمہارے حق کی قسم! تمہارے ذکر کے سوا مجھے کوئی چیز بھی لذیذ معلوم نہیں ہوتی اور تمہارے سوا کسی کے ذکر میں مجھے حلاوت معلوم نہیں ہوتی۔

پھر صفا مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے وہ جس اضطراب کا مظاہرہ کرتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے کھوئے محبوب کی تلاش میں ہے۔

مَتٰى يَجْمَعُ الْاَيَّامُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ
وَيَفْرَحُ الْمُشْتَاقُ اِذَا جَمَعَ الشَّمْلُ

ترجمہ: دیکھئے زمانہ مجھ کو اور تمہیں کب جمع کریگا اور مشتاق تو تب ہی خوش ہوتا ہے جب وصل نصیب ہوتا ہے۔

اور جب حاجی ارکان حج کی ادائیگی کے بعد گھر لوٹنے سے قبل بچشم نم خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہوتا ہے تو اس حقیقت کا مظاہرہ کرتا ہے۔

فَمَنْ شَهِدَتْ عَيْنَاهُ نُوْرَ جَمَالِكُمْ
يَمُوْتُ اِشْتِيَاقًا نَحْوَكُمْ لَا يَسْلُوْ

ترجمہ: جس کی آنکھوں نے تمہارے نورِ جمال کا مشاہدہ کر لیا ہے وہ تمہارے اشتیاق میں مر جائیگا وہ کبھی تسلی نہیں پا سکتا۔

الغرض دورانِ حج بندہ اپنے رب کے دربار میں آکر مجسمہ عبودیت اور سراپا کیف و مستی بن جاتا ہے۔

ج۔ جہادِ زندگی کی تربیت: انسانی زندگی ایک آزمائش ہے۔ یہ آزمائش دین اور دنیا دونوں کے اعتبار سے ہے۔ دین کے اوامر و نواہی کے مطابق زندگی گذارنا صبر آزما کام ہے۔ گرمیوں کے روزے اور سردیوں کی نمازیں کیا کم آزمائشیں ہیں؟

دنیا کے اعتبار سے جہاں بھوک، ننگ، بیماری اور متنوع تفکرات میں انسان گھرا رہتا ہے جہاں ہم لوگ خدا کے احکام بجالانا مشکل سمجھتے ہیں وہاں دنیوی زندگی میں جب کوئی تکلیف آتی ہے تو گھبراہٹ بے چینی اور تھڑدلی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

اسلام کا تصورِ حیات ان دونوں جہتوں سے خالی ہے۔ اسلام نے درس دیا کہ خوشی اور غمی اور کلفت اور راحت دونوں حالتوں میں خداوند قدوس کی طرف رجوع کرنا ہی مسلمانی ہے، جس طرح نماز پنجگانہ روزانہ اور صیام رمضان سالانہ تربیت طریق زندگی کا درجہ رکھتے ہیں اسی طرح عمر میں کم از کم ایک مرتبہ کا حج جہادِ زندگی کے لئے تیار کرتا ہے۔ حاجی کا اپنے گھربار اور اہل وعیال کو چھوڑنا، سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا اجنبی دیس میں رہنا، خوراک ولباس کی سادگی، جنسی اختلاط کی پابندیاں اور صفا و مروہ کی دوڑیں، اسکو کٹھن زندگی گذارنے کیلئے تیار نہیں کرتا تو اور کیا ہے؟

د۔ **ماضی سے وابستگی** | حج مسلمانوں کیلئے اس کے ماضی سے وابستگی کا بہترین ذریعہ ہے۔ مسلمانوں کے ماضی کا ایک ایک واقعہ اور ایک ایک داستان حرمین شریفین اور سرزمین حجاز سے وابستہ ہے۔

قَلْبِیْ بِوَادٍ فِی الْحِجَازِ مُعَلَّقٌ
کَالطِّفْلِ اِلَی الْاُمِّ الرَّحِیْمَةِ یَعْلَقٗ

ترجمہ: میرا دل حجاز کی ایک وادی میں اس طرح اٹکا ہوا ہے جس طرح مہربان ماں کے ساتھ اسکا بچہ چمٹ جاتا ہے

اَصْبُوْ اِلَیْهِ کُلَّمَا هَبَّتْ صَبَا
وَحَشَایَ مِنْ شَوْقٍ لَّهٗ یَتَحَرَّقٗ

ترجمہ: جب بادِ صبا چلتی ہے تو میں اس وادی کا اشتیاق کرتا ہوں مگر میرا دل اسکی محبت میں ہر وقت جلتا رہتا ہے

جب حاجی اس ارض مقدس پر قدم رکھتا ہے تو اس کی کتاب ماضی کا ایک ایک ورق الٹنے لگتا ہے یہیں حضرت آدم علیہ السلام نے سکونت اختیار کی اور خدا کا پہلا گھر بنایا۔ یہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی یہی وہ بے آب و گیاہ وادی ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہلیہ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چھوڑ کر چلے گئے اور یہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربانی کیلئے لٹایا۔ پھر حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام نے آکر پناہ لی۔ یہیں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولادت باسعادت پائی۔ یہیں مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ، بدر واحد، طائف و حنین وغیرہ ہیں۔ یہیں سے اسلام کا آفتاب طلوع ہوا اور اس کی کرنیں مشرق تا مغرب پڑیں۔ اسی سرزمین پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے مقدس خون سے شجرِ اسلام کو سینچا، پالا، بڑھایا اور تناور بنایا۔

الغرض ان تمام یادوں کو دل میں سمیٹنے اور ان مناظر کو دیکھنے کے بعد حاجی کی قوت ایمان و یقین میں کس قدر

اضافہ مضبوطی اور تازگی آتی ہو گی۔ اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں اس بات کا تجربہ ہو چکا ہے۔

۶۔ جذبہ سیاحت کی تسکین شوقِ سیاحت انسانی فطرت میں شامل ہے۔ جبلت اور فطرت سے انکار کیا جا سکتا ہے نہ انہیں کچلا جا سکتا ہے

اسلام چونکہ مذہب فطرت ہے وہ فطرت کو ختم نہیں کرتا بلکہ اس سے مطابقت کی صورتیں پیدا کرتا ہے یا اس کا رجحان بدل دیتا ہے مثلاً سریلی آواز کا پسند آنا ایک فطری بات ہے اس کا بے جا استعمال فحش گانے سننا ہے مگر اسلام نے اس کی بجائے قرأتِ قرآن کریم کرنا اور سننا، نعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور پاکیزہ اشعار کے سننے اور ان سے لطف اندوز ہونے کی اجازت دی۔ جنسی خواہش کا بے جا استعمال زناکاری تھا اسلام نے تعدد ازدواج کی اجازت دی اور اس کا سدِ باب کیا اور اس قسم کی بیسیوں مثالیں دی جا سکتی ہیں خالق نے انسان کی فطرت میں سیر و سیاحت کا مادہ رکھ دیا ہے مگر اس کے ساتھ اسے شترِ بے مہار نہیں چھوڑا ہے۔ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ الخ کا حکم دیکر انسان کو بتایا کہ وہ بیشک سیر و سیاحت کا شوق پورا کرے مگر عبرت و موعظت کی آنکھ سے، سفرِ حج اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ دنیا کے گوشہ گوشہ سے آنے والے حجاج کرام دوران سفر اقوام رفتہ کی عظمت کے نقوش اور مبغوض اقوام کی تباہی کے مقامات انکے مساکن اور کھنڈرات دیکھ کر نصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ سفرِ حج جہاں سببِ عبرت اور عبادت ہے وہاں موجبِ تسکینِ جذبہ سیاحت بھی ہے۔

اجتماعی فوائد

اخوت کے جذبات کا پیدا ہونا زندگی میں انسان کئی اپنے دشمن پیدا کر لیتا ہے۔ دنیوی معاملات میں بات بات پر جھگڑے اور لڑائی کی نوبت آتی ہے۔ بعض ایسی لڑائیوں کے اثرات دور رس اور دیرپا ہوتے ہیں آدمی کئی مہینے قطع تعلق کر کے گزار لیتا ہے۔ مگر یہ مشاہدہ ہے کہ جب وہ حج کیلئے روانہ ہوتا ہے تو اپنے روٹھے ہوئے مسلمان بھائی کے گلے مل لیتا ہے اور ہر قسم کی رنجش اور بغض و عناد سے سینہ منزہ و مبرہ کر لیتا ہے۔ اس لحاظ سے حج معاشرتی سازگاری اور امن و آشتی کا ذریعہ بن جاتا ہے اور جب حاجی میدان عرفات میں پہنچ کر تمام مسلمانوں کو ایک مقام پر اکٹھا دیکھتا ہے تو عالمگیر برادری کے جذبات پرورش پاتے ہیں۔

غیر فطری عدمِ مساوات کا خاتمہ دنیا میں معاشرتی بگاڑ کا سب سے بڑا سبب طبقاتی کشمکش اور رنگ و نسل کا امتیاز ہے اسلام ان دونوں لعنتوں سے برأت کا اعلان کرتا ہے اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (الحجرات ۱۳)

بیشک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں پہچاننے کیلئے ذاتوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا، بیشک تم میں سے اللہ کے ہاں معزز ترین وہی ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔
اس کا سب سے بڑا مظاہرہ حج کے موقع پر ہوتا ہے جب گورے رنگ کا ایرانی اور کالے رنگ کا حبشی، کھجور کھانیوالا عربی اور گندم کھانیوالا پاکستانی، کشمیر کی جنت نظیر وادی کا رہنے والا کشمیری اور افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں کا باسی افریقی، لانبے قد کا مصری اور ٹھگنے قد کا بونا، غریب اور امیر، بادشاہ اور رعایا سب ایک ہی میدان میں کھڑے رو رو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہے ہوتے ہیں تو حاجی کے دل میں خیال آتا ہے کہ یہ رنگ و نسل اور وطن و قوم کی جو دیواریں ہم نے کھڑی کر رکھی ہیں درحقیقت وہ تو ریت کے گھروندے سے بھی کمزور ہیں اور یہ امارت و عزت کے امتیازات جو ہم نے قائم کر رکھے ہیں وہ تو آفتاب اقبال کے دائرے ہیں جو سمٹتے اور پھیلتے رہتے ہیں درِاصل تو ہم سب برابر ہیں اور یہی وہ مقام ہے جہاں آج سے چودہ سو سال قبل نبی امی فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا
اے لوگو! تم سن لو! تمہارا سب کا رب ایک ہی ہے، تم تمام ایک ہی اصل کی شاخ ہو، اس لئے عربی کو عجمی پر سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب (مسلم شریف)

سیاسی مصالح

احساسِ مرکزیت

حج کا اجتماع جہاں اسلامی شوکت کا مظہر ہے وہاں مسلمانوں میں احساسِ وحدت مرکز اور وحدت امت بھی پیدا کرتا ہے۔ جب مسلمان میدان عرفات میں جاکر دیکھتا ہے کہ دنیا کے گوشے گوشے سے مسلمان ایک ہی مقام پر اکٹھے ہوگئے ہیں تو اس کے ذہن میں یہ بات ضرور پیدا ہوتی ہے کہ یہ سب ایک ہی فکر اور ایک ہی مقصد رکھتے ہیں۔ ان کا اللہ بھی ایک ہے ان کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اور ایمان بھی ایک ہے۔
مگر ایک ہی خدا کو ماننے والے اور ایک ہی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقہ پہ چلنے والے آج ٹکڑوں میں بٹ گئے، قبائل میں تقسیم ہوگئے، انکا شیرازہ بکھر گیا اور ناچاقی کی ہوا انہیں پراگندہ پتوں کی طرح اڑائے پھرتی ہے۔ آج کثرت کے باوجود مغلوب ہیں اور باقوت ہونیکے باوجود شکست خوردہ۔ آئے دن لیڈرانِ امت سے "مسلم بلاک" "مسلم اتحاد" وغیرہ کی آوازیں سنتے سنتے کان پک گئے ہیں لاکھوں روپے صرف کرکے کانفرنسیں منعقد کرائی جاتی ہیں لیکن یہ تمام کوششیں کوہ کندن و کاہ برآوردن ثابت ہو رہی ہیں اس ناکامی و نامرادی کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں مگر سب سے بڑی وجہ "وحدت امت" کے اس درس کا بھول جانا ہے جو پیارے سردار صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبۂ حج میں اس میدان عرفات میں دیا تھا۔
اے لوگو! یاد رکھو ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور اس طرح روئے زمین کے تمام مسلمان

رشتۂ اخوت میں منسلک ہیں۔ یاد رکھو تمہارا خون اور تمہارا مال ایک دوسرے پر قیامت تک اس طرح محترم ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ اور اس شہر (مکہ) میں واجب احترام ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے بعد راہِ مستقیم سے بھٹک جاؤ کہ خود ہی ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگ جاؤ۔ یاد رکھو! کہ تمہیں اپنے پروردگار کے دربار میں حاضر ہونا ہے جہاں تمہارے اعمال کی باز پرس ہوگی۔"

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

خالص دینی اور اخروی فوائد

یادِ آخرت سفرِ حج مسلمانوں کو سفرِ آخرت کی یاد دلاتا ہے اور اس کے لئے تیار رہنے کا درس بھی دیتا ہے۔ جب مسلمان حج کے لئے روانہ ہوتا ہے تو اس میں اس امر کا احساس بھی پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح وہ اپنے مسکن اور لواحقین اور دنیوی سامان کو چھوڑ کر صرف تھوڑا سا زادِ راہ لیکر جا رہا ہے اسی طرح اسے ایک دن مر کر ان تمام اشیاء اور تعلقات کو چھوڑنا ہوگا۔ آج اس کا زادِ سفر کچھ نقدی اور کچھ کھانے پینے کا سامان ہے مگر مرنے کے بعد کے سفر میں زادِ راہ صرف نیک اعمال ہوں گے نتیجۃً وہ نیک اعمال بکثرت کرتا ہے اور برائی سے پرہیز کرتا ہے۔ پھر جب وہ میدانِ عرفات میں حجاج کے عظیم اجتماع کو دیکھتا ہے تو اسے روزِ حشر یاد آتا ہے کہ کیسے تمام لوگ وہاں اکٹھے کئے جائیں گے۔

گناہوں کی معافی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَمَا وَلَدَتْهُ أُمُّهُ إِنَّ الْحَجَّ يَغْسِلُ الذُّنُوبَ كَمَا يَغْسِلُ الْمَاءُ الدَّرَنَ "جس شخص نے اس گھر (خانہ کعبہ) کا حج کیا اور دورانِ حج نہ تو کوئی شہوانی حرکت کی اور نہ کوئی گناہ کیا تو جب وہ حج کرنے کے بعد لوٹتا ہے تو یوں (پاک صاف) ہوتا ہے گویا آج ہی اس کی ماں نے اسے جنا ہے۔ حج گناہوں کو ایسے صاف کر دیتا ہے جیسے پانی میل کو دھو دیتا ہے۔"

حج کا بدلہ جنت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةَ (مسلم شریف) حج مقبول کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں

حج کی جامعیت حج کی جامعیت اس کا مستقل دینی فلسفہ ہے۔ حج میں تمام دینی ارکان کی روح موجود ہے۔ ۱۔ حج نماز بھی ہے کیونکہ نماز کا اولین مقصد ذکرِ الٰہی کی یاد دہانی ہے۔ حاجی دورانِ حج تلبیہ، ادعیاء ارکان اور تسبیحات وغیرہ کے ذریعے ہر وقت اللہ کے ذکر میں رطب اللسان رہتا ہے۔

۲۔ حج زکوٰۃ بھی ہے کہ زکوٰۃ کی حقیقت یہی ہے کہ انسان کو خدا کی رضا اور بندوں کی حاجات کو پورا کرنے کے لئے تیار کیا جائے۔ حاجی اپنی تمام بچی ہوئی پونجی خدا کی رضا کے لئے خرچ کرتا ہے اور حج کا رکن قربانی کے جذبۂ خیر کا اظہار کرتا ہے۔

۳۔ حج روزہ بھی ہے۔ روزہ کی روح یہی ہے کہ انسان اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پانا سیکھ لے۔ ایام حج میں بھی اس چیز کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔ حاجی جنسی اختلاط سے بچ کر رہتا ہے۔ اگرچہ کھانا پینا ممنوع نہیں مگر زیب و زینت اور آرائش کی دیگر اشیاء ممنوع ہیں۔

۴۔ حج جہاد بھی ہے۔ کہ جس طرح مجاہد اپنے گھر سے نکلتا ہے تو تمام گھر والوں کو رب کی رضا کی خاطر چھوڑ جاتا ہے۔ میدان جہاد میں ایک خاص قسم کا لباس پہنتا ہے۔ ہر وقت اس کے دل میں خدا کی یاد رہتی ہے میدان کارزار میں دوڑتا ہے۔ انہی تمام امور کی مانند حاجی کو انجام دینا پڑتے ہیں یعنی گھر کا چھوڑنا، احرام کا باندھنا، تلبیہ اور سعی بین الصفا والمروۃ

یہ تھے بندہ کی ناقص فہم کے مطابق حج کے چند احکام و مصالح۔ اللہ تعالیٰ شانہ ہمیں حج کی برکات سے مالا مال فرمائے (آمین یا رب العالمین)

وفیات

پچھلے دنوں جامعہ کے بعض مخلصین احباب و متعلقین اللہ کو پیارے ہوگئے۔

ان میں :

- حضرت پیرجی عبد اللطیف رحمہ اللہ کے متعلقین میں سے حاجی عبد الرحمان مرحوم سابق وائس چیئرمین بلدیہ چیچہ وطنی۔
- مولانا عبد المجید چشتی کے والد حضرت پیر قاری بشیر احمد مرحوم مہتمم جامعہ فریدیہ پاکپتن۔
- حضرت مولانا محمد سلیمان طارق کے صاحبزادے قاری خالد محمود اللہ کو پیارے ہوگئے۔

جامعہ میں حسب معمول ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی اور مرحومین کے لئے دعائے مغفرت کی گئی۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں اطمینان و سکون نصیب فرمائے۔ ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ اور دیگر اراکین جامعہ مرحومین کے لواحقین سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس حادثے پر صبر جمیل عطا فرمائے۔

عورت پر حج کس وقت فرض ہوتا ہے؟

سوال: (۱) عورت پر حج کس وقت فرض ہوتا ہے؟ (۲) نیز کیا عورت کو بغیر محرم کے حج کو جانا جائز ہے یا نہیں؟ (۳) اور اگر عورت نے غیر محرم کے ساتھ حج کرلیا تو کیا اس کا حج ادا ہوگا یا نہیں؟ (۴) اور کیا وہ غیر محرم کے ساتھ سفر کرنے پر گنہگار بھی ہوگی؟ ———— وضاحت سے تحریر فرمائیں:

الجواب

۱۔ عورت پر حج اس وقت فرض ہوگا جب اس کی ملکیت میں اس قدر روپیہ ہو کہ جس سے وہ اپنا اور محرم کا (کہ جس کے ساتھ حج کریگی) خرچ اٹھا سکے۔ وتجب علیها النفقة والراحلة فی مالها للمحرم لیحج بها۔ (عالمگیری کتاب المناسک صہ۲۱۹ ج ۱، طبع بیروت)

۲۔ عورت کو بغیر محرم یا شوہر کے حج پر جانا جائز نہیں۔ ومنها المحرم للمرأة شابة کانت او عجوزا اذا کان بینها وبین مکة مسیرة ثلاثة ایام الخ۔ (عالمگیری صہ۱۹۰۔ ج)

۳،۴۔ حج ادا ہو جائے گا تاہم غیر محرم کے ساتھ سفر کرنے کا گناہ ہوگا جس کے لئے توبہ استغفار کرنی چاہیئے۔ ولو حجت بلا محرم جاز مع الکراهة۔ (در مختار۔ صہ ۱۵۸ ج)

واللہ اعلم

حج فرض ہونے سے پہلے حج کرلیا تو؟

سوال: ایک شخص پر ابھی حج فرض نہیں ہوا تھا، لیکن وہ کسی کمپنی میں ملازم ہو کر سعودی عرب چلا گیا اور وہاں حج بھی کرلیا۔ پھر چند سال بعد وہ صاحب نصاب ہو گیا تو کیا اس پر دوبارہ حج کرنا فرض ہوگا یا نہیں۔

الجواب

دوبارہ حج کرنا فرض نہ ہوگا۔ پہلے حج سے ہی فرضیت ادا ہو گئی۔ هو۔ الخ فرض الحج مرة لان سببه

البیت وھو واحد والزیادۃ تطوع ۔

(درمختار، کتاب الحج ص ۱۵۱ ، ج ۲)

واللہ اعلم

جس نے اپنا حج نہیں کیا۔ وہ حج بدل کرسکتا ہے یا نہیں ؟

سوال : ایک شخص نے اپنا حج نہیں کیا۔ وہ شخص کسی دوسرے کی طرف سے حج بدل کرسکتا ہے نیز اگر خود اس پر حج فرض ہو تو اس صورت میں بھی وہ دوسرے کی طرف سے حج کرسکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب

حج بدل کرنے والے پر اگر حج فرض نہیں تو وہ دوسرے کی طرف سے حج کرسکتا ہے۔ اور اگر اس شخص پر (جس کو حج کرنے کے لئے کہا گیا ہے) حج فرض ہو تو پھر اس کے لئے حج بدل مکروہ تحریمی ہے۔ تاہم حج کروانے کیلئے ایسے شخص کو حج پر بھیجنا مکروہ تنزیہی ہوگا۔ قال فی البحر والحق انھا تنزیھیۃ علی الآمر لقولھم والافضل الخ تحریمیۃ علی الصرورۃ المامور الذی اجتمعت فیہ شروط الحج ولم یحج عن نفسہ لانہ اثم بالتاخیر اھ

(ردالمحتار ص ۲۶۲ ، ج ۲)

واللہ اعلم

حج بدل کرنیوالا حج قران وتمتع کرسکتا ہے ؟

سوال : حج بدل کرنیوالا حج مفرد ہی کریگا یا حج قران وتمتع بھی کرسکتا ہے ؟

الجواب

حج بدل کرنے والے کو حج مفرد ہی کرنا چاہیئے۔ تاہم حج کروانے والے کی اجازت سے حج قران وتمتع بھی کرسکتا ہے۔ لیکن شکریہ کے طور پر حج قران وتمتع میں جو قربانی کی جاتی ہے۔ یہ حج کرنے والے پر ہوگی۔ ہاں اگر حج کروانے والا خوشی سے قربانی کے جانور کی قیمت ادا کردے تو جائز ہے۔ وینبغی للآمر ان یفوض الامر الی المامور فیقول حج عنی کیف شئت مفرداً اوقارناً اومتمتعاً ۔ (لباب المناسک ص ۳۵۳)

وقال فی "الدرالمختار" ودم القران والتمتع والجنایۃ علی الحاج ان اذن لہ الآمر بالقران والتمتع والا فیصیر مخالفاً فیضمن الخ ۔ وقال فی الشامیۃ (قولہ علی الحاج) ای المامور اما الاول (المراد بالاول دم القران والتمتع کما صرح بہ فی البحر) فلانہ وجب شکراً علی الجمع بین النسکین وحقیقۃ الفعل منہ وان کان الحج یقع عن الآمر لانہ وقوع شرعی لا حقیقی ۔

(ص ۲۶۸ ج ۲)

واللہ اعلم

مکہ مکرمہ میں قبولیتِ دعا کے مقامات

سوال: میں حج پر جا رہا ہوں، یہ بتائیے کہ مکہ مکرمہ میں کون کون سے مقامات پر دعا قبول ہوتی ہے۔

الجواب

یوں تو مکہ مکرمہ میں ہر جگہ دعا قبول ہوتی ہے، لیکن بعض خاص خاص مقامات پر خصوصیت سے دعا قبول ہوتی ہے اور وہ یہ ہیں:

۱۔ مطاف۔ یعنی طواف کرنے کی جگہ اور اس سے مراد وہ جگہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد حرام تھی، ورنہ طواف جائز ہونے کے لحاظ سے موجودہ تمام مسجد حرام مطاف ہے اور بعض کے نزدیک مطلق مطاف یعنی موجودہ تمام مسجد دعا کی قبولیت کے لئے مخصوص ہے۔ ۲۔ ملتزم یعنی بیت اللہ کی دیوار کا وہ حصہ جو حجرِ اسود اور بیت اللہ شریف کے دروازے کے درمیان ہے۔ ۳۔ میزاب رحمت یعنی بیت اللہ کے پرنالے کے نیچے۔ ۴۔ بیت اللہ کے اندر۔ ۵۔ زمزم کے کنویں کے پاس۔ ۶۔ مقامِ ابراہیم کے پیچھے۔ ۷۔ صفا پر۔ ۸۔ مروہ پر۔ ۹۔ سعی کی جگہ میں یعنی صفا و مروہ کے درمیان خاص کر میلین اخضرین کے درمیان۔ ۱۰۔ عرفات میں۔ ۱۱۔ مزدلفہ میں خاص کر مشعر الحرام میں۔ ۱۲۔ منیٰ میں۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ تینوں جمرات کے پاس۔ یہ مقاماتِ قبولیت دعا حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہیں۔ بعض نے اور اضافہ کیا ہے، وہ یہ ہیں۔ ۱۶۔ بیت اللہ پر نظر پڑتے وقت خواہ مکی ہو یا آفاقی۔ دونوں کے لئے یکساں حکم ہے۔ ۱۷۔ سدرہ (بیری کے درخت) کے پاس یہ بیری عرفات میں تھی، لیکن اب اس کی جگہ غیر معروف ہے۔ ۱۸۔ رکن یمانی کے پاس۔ ۱۹۔ رکن یمانی و حجرِ اسود کے درمیان۔ ۲۰۔ تمام حطیم کے اندر۔ ۲۱۔ منیٰ میں ہر مہینے کی چاند کی چودھویں رات کے نصف میں۔ ۲۲۔ مستجار جو کہ رکن یمانی اور خانہ کعبہ کے بند دروازے کے درمیان میں۔

اور بعض علماء نے قبولیت دعا کے مقامات میں مزید ان مقامات کا اضافہ کیا ہے۔

۲۳۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے پیدائش۔ ۲۴۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی جگہ۔ ۲۵۔ دارِ ارقم۔ ۲۶۔ غارِ ثور۔ ۲۷۔ غارِ حرا۔

واللہ اعلم

○

تعارف و تبصرہ کتب

مولانا منظور احسن

تذکرہ

حضرت حافظ محمدؒ ضامن شہیدؒ

اللہ تعالےٰ نے اس کائناتِ رنگ و بُو میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے۔ اس کو اسبابِ بقا اور سامانِ دفاع سے بھی نوازا ہے گویا ایک طرف تو منہ کا دہانہ عطا کیا کہ کھا کر حیات و بقا حاصل کر سکے تو دوسری طرف کسی مخلوق کو سینگ اور کسی کو پنجے عطا کئے۔ کسی کے کاندھے پر اس کا اسلحہ ڈنک کی صورت میں رکھ دیا، کسی کو پَر عطا کئے کہ اُڑ کر اپنی جان بچا سکے اور اپنا دفاع کر سکے۔

گر بہٗ مسکیں اگر پَر داشتے | تخم گنجشک از جہاں برداشتے
این دو شاخ گاؤ گر خر داشتے | ہیچ کس را گردِ خود نگذاشتے

ایسے ہی اسلام کو اللہ تعالیٰ نے جب دائمی اور قیامت تک کے لئے دین بنایا تو اس کے بقا کے اسباب و ذرائع بھی پیدا فرمائے یعنی نزول قرآن اور بعثتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے نوازا اور دین فطرت کے دفاع کے لئے اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم نازل فرمایا۔ جب تک کائنات ہے اسلام باقی رہے گا اور جب تک اسلام ہے جہاد باقی رہے گا۔ الجہاد ماض الی یوم القیامۃ۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے بقاء و دفاع کا سامان و انتظام غیب سے مہیا فرمائے ہیں۔ ایسے ہی جہاد کے لئے بھی ایسے جیالے مجاہد پیدا فرمائے اور ان کو ہر طرح کی استعداد و صلاحیت سے نوازا کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ مثلاً زیر نظر کتاب "تذکرہ حافظ محمد ضامن شہید رحمہ اللہ" کے ہیرو حضرت حافظ صاحب شہید کو لے لیجئے۔ کیا مضبوط جسم لمبے چوڑے کنف، تناور جسم ایسے ہی ضبط نفس بلند ہمتی، مجاہدہ و ریاضت اور سب سے بڑی چیز مکارمِ اخلاق و حسن تدبیر، گویا آپ جہاں شب زندہ دار تھے۔ وہاں آپ مردِ میدان بھی تھے۔ جہاں آپ صوفیٔ کامل تھے، وہاں آپ عقل و تدبیر کے پیکر بھی ۔۔

لاکھوں گوہر بھرے ہیں تجھ میں ملے مجمع خوبی
ملاقاتی تیرا گویا بھری محفل سے ملتا ہے

ایک صدی پہلے جبکہ کشتئ اسلام ڈگمگا کر رہ گئی، فرنگی اپنی تمام تر آلائشوں کے ساتھ برصغیر میں پاؤں پھیلا رہا تھا تو ایسی نابغۂ روزگار شخصیات کی ضرورت تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حافظ صاحب کو ان ہی جیسی مقدس صفات ہستیوں کے ساتھ پیدا فرمایا، جس میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا نام سرفہرست ہے۔ اس مقدس جماعت نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا، شاملی کے محاذ پر کافرِ افرنگ کو پوری ہمتِ مردانہ کے ساتھ پکارا اور للکارا۔ دشمن کو بہت بڑا نقصان پہنچانے کے بعد اسی لڑائی میں جام شہادت نوش فرمایا۔ زیرِ تبصرہ کتاب اسی مجاہد و عبقری شخصیت کا تذکرہ ہے۔

اس پست ہمتی اور بزدلی کے دور میں ایسے جان نثاروں کی یاد تازہ کرنے کی ضرورت تھی، جب کہ وہ محسنِ قوم و ملت بھی ہو، جس نے ہر طور خدمتِ اسلام کی ہو، ضربِ الّا اللہ سے بھی اور ضربِ یداللّٰہی سے بھی۔ اُدھر خانقاہِ تھانہ بھون کی بنیاد رکھی اور اِدھر اس گئے گزرے دور میں خشتِ جہاد بھی۔ اصل کتاب "مونسِ مہجوراںؒ" تذکرہ گویا اس پر تبصرہ ہے، تاہم ابھی اس بات کی ضرورت ہے کہ آپ کے حالات اور نام و نسب کے بارہ میں مزید تحقیق کی جائے آپ کے شب و روز کو تفصیل کے ساتھ ورطۂ تحریر میں لایا جائے تاکہ وہ اُمت کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہو سکے۔

ماشاء اللہ شہادت کی مناسبت سے کتاب کو لباس سُرخ دیکر حضرت حافظ ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کو سُرخ لباس ہدیہ کیا ہے۔

قبائے لا الٰہ خونین قبائے است
کہ بر بالائے مرداں زیب دارد

کتابت و کاغذ کا معیار عمدہ ہے۔ خوبصورت ڈائی دار جلد کے ساتھ قیمت تیس ۳۰ روپے ہے۔ جو کہ اس مہنگائی کے دور میں مناسب ہی معلوم ہوتی ہے۔ مولانا امداد صابری اور اس کتاب کے ناشر قابلِ صد ستائش ہیں اور پورے حلقہ میں شکریہ کے مستحق ہیں۔

ناشر : مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ

ملنے کا پتہ

- سید احمد شہید اکیڈمی ۱۷۱ کریم پارک، لاہور نمبر ۲
- مکتبہ رشیدیہ ۲۴ اے شاہ عالم مارکیٹ، لاہور

اعلان جلسہ

دار العلوم عربیہ اسلامیہ بوریوالہ کا سالانہ جلسہ مورخہ ۲۶ - ۲۷ جولائی بروز ہفتہ، اتوار بعد نماز عشاء ہو رہا ہے۔ جس میں متعدد علماء کرام خطاب فرمائیں گے۔

نقشہ تقسیم اسباق درجات کتب جامعہ رشیدیہ ر ۲ ساہیوال شوال ۱۴۰۶ھ

ساعات	حضرت مولانا حافظ محمد صدیق صاحب استاذ حدیث	حضرت مولانا عابد عبدالرحمن مجاہد صاحب استاذ حدیث	حضرت مولانا احمد حسین مجاہد صاحب استاذ حدیث	حضرت مولانا محمد انور صاحب استاذ حدیث	حضرت مولانا غلام رسول صاحب استاذ حدیث	حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف صاحب مفتی و استاذ حدیث	حضرت مولانا عبدالحمید صاحب مدرس	حضرت مولانا قاری محمد اشرف صاحب مدرس	حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب مدرس	حضرت مولانا پیرجی عبدالعلیم صاحب ناظم اعلیٰ	حضرت قاری نورالحسن صاحب مدرس
۱		بخاری شریف جلد اول	اصول الشاشی	مشکوٰۃ شریف اول	علم الصیغہ بعدہ خاصیات	افتاء	شرح جامی	علم الصرف اولین بعدہ صرف میر	تعلیم الاسلام بعدہ تاریخ الاسلام فارسی		
۲	ترجمہ ثالثہ	مقامات	مسلم شریف	علم النحو بعدہ نحو میر شرح مائۃ عامل	ہدایہ اول	جلالین شریف ثانی	قدوری	تیسیر المبتدی بعدہ پندنامہ بوستان	اسلامی زندگی اردو		
۳	کریما بعدہ گلستان	قطبی	ہدایہ ثانی		طحاوی شریف بعدہ مؤطین	شرح عقائد	کنز الدقائق		حساب	نورالایضاح بعدہ ترجمہ ثانیہ	اوسطیٰ
۴	ترمذی شریف	ہدایہ ثالث		کافیہ		ترجمہ رابعہ بعدہ ریاض الصالحین		تیسیر المنطق بعدہ ایساغوجی مرقات قراۃ راشدہ		خلفائے راشدین	فارسی
بعد از ظہر											
۵		شرح تہذیب بعدہ نفحۃ العرب	جلالین شریف اول	ابوداؤد شریف	جلالین شریف اول	نسائی شریف بعدہ ابن ماجہ و شمائل بعد عشاء		رہبر فارسی بعدہ مالابد منہ	پہاڑے		ثانیہ
۶	مفتاح القرآن	بخاری شریف جلد دوم		ہدایۃ النحو بعدہ زاد الطالبین		افتاء	نورالانوار		املا		ثانیہ

Phone NO. 2356

REGD. NO. 8054

MONTHLY. ALRASHID. LAHORE PAKISTAN

جامعہ رشیدیہ ساہیوال، قرآن و حدیث، تفسیر و اصول تفسیر، فقہ و کلام، منطق و فلسفہ اور دیگر علوم عربیہ و اسلامیہ کے شائقین کے لئے نہایت مسرت کے ساتھ اعلان کرتا ہے کہ جامعہ رشیدیہ میں نئے تعلیمی سال کے لئے داخلے ۸ر شوال سے شروع ہوں گے۔

حسب سابق دورۂ حدیث شریف نامور جیّد اساتذہ کرام پڑھائیں گے۔

جامعہ کے تعلیمی و اخلاقی معیار کو خوب سے خوب تر بنانے کے لئے ذی استعداد، تجربہ کار اصحاب علم پر مشتمل عملہ جامعہ کا امتیاز ہے۔ جامعہ میں داخلہ ۸ شوال سے شروع ہو کر آخر شوال تک جاری رہیگا تمام درجات کی باقاعدہ تعلیم ۱۵ر شوال سے شروع ہو جائے گی۔

جن طلباء نے امسال وفاق المدارس العربیہ کے تحت امتحان دیا ہے ان کے داخلے وفاق کے جاری کردہ کشف الدرجات کی بنیاد پر ہوں گے۔ داخلے کے لئے تمام طلباء ۱۵ شوال سے پہلے پہنچیں۔

—— خادم الطلباء ——

عبد الرحیم رائپوری ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ ساہیوال